محمود الخصائل

في

شرح الشمائل

للامام الحافظ أبي عيسىٰ محمد بن سورة الترمذي رح

افادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(سابق صدر مفتی حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

مکتبۂ محمودیہ محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

کتاب کا نام: .... محمود الخصائل فی شرح الشمائل

افادات: .... حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

کمپوزنگ: .... مفتی عبداللہ بن اشرف مانگرولی ، مفتی اسماعیل بن محمد پالنپوری

کمپیوٹر سیٹنگ: .... محمد ساجد بن مصطفیٰ پٹنی

صفحات: ٦٦٨

ناشر: .... مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق، نزد جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل Mo:99133,19190
- مکتبۃ الاتحاد، دیوبند Mo:98972,96985
- مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ (مولانا جاوید صاحب مہاراشٹری) Mo: 99256,52499
- مفتی صدیق اسلامپوری (جامعہ خیر العلوم ادگاؤں، کولہاپور) Mo:99220,98249

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی من تبعهم بإحسان إلی یوم الدین.

أما بعد! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب ''محمود الخصائل فی شرح الشمائل'' سیدی وسندی مرشد العلما حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی پچیس سالوں سے شہر سورت میں جاری بابرکت مجالس کی سنہری کڑی کا ایک بیش قیمت حلقہ ہے۔

سورت شہر میں اکابرین کے ایماء واشارے پر ۳۰/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴/ستمبر ۱۹۹۶ء شبِ شنبہ سے ''ریاض الصالحین'' کے درس کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ ۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۰۵ء تک چلا۔ اس کے بعد اگلے ہی ہفتے ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۸/مئی ۲۰۰۵ء کو ''الادب المفرد'' کی ابتداء ہوئی اور ۱۷/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق یکم/دسمبر ۲۰۱۲ء کو یہ کتاب پوری ہوئی۔ پھر ۲۴/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۲ء کو ''شمائل ترمذی'' شروع ہوکر ۲۶/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو یہ مبارک کتاب تکمیل کو پہنچی۔ بعدازاں ۳/محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۵ء سے ''بخاری شریف'' کی ''کتاب الرقاق'' کا آغاز ہوا جس کا اختتام ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۳/جنوری ۲۰۱۸ء کو ہوا۔ اس کے بعد ۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰/جنوری ۲۰۱۸ء کو ''درسِ قرآن کریم'' کا سلسلہ شروع ہوا جس کی اب تک کُل ۷۴ مجالس ہوچکی ہیں۔

شمائل ترمذی کی مبارک مجالس کے سلسلے میں سوچا گیا کہ ان کو تحریر کی صورت میں منتقل کردیا جائے، تاکہ افادیت عام ہوجائے اور اِس عظیم علم کی اشاعت میں راقم کا کچھ حصہ لگ جائے، چناں چہ

اِس قیمتی سرمایے کو صفحاتِ قرطاس پر نقل کر کے حضرت والا سے نظرِ اصلاح گذارنے کی درخواست کی گئی، آپ نے بہ صد بشاشت منظور فرما کر مجھ بے بضاعت پر احسانِ عظیم کیا، فجزاهم الله أحسن الجزاء .

یاد رہے کہ حضرت والا نے مکمل مسوّدے پر نظر فرما کر مناسب اصلاح فرمائی ہے، مگر چوں کہ اس کی اوّلین شکل صَوت کی تھی، جسے تحریر کا رُوپ دے کر کتاب کا جامہ پہنایا گیا ہے، اس لیے تبدیلئ جامہ اور ترتیب واُسلوبِ تحریر میں اگر کہیں کچھ نقص اور فروگذاشت نظر آئے تو اِس کی نسبت اِس عاجز کی طرف ہوگی۔

صمیم قلب سے مشکور ہوں اُن تمام محسنوں کا جن کا اِس کتاب میں کسی طرح کا کم یا زیادہ تعاون میسر رہا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ حسبِ تعاون اُن سب کو دارین کی بھلائیوں سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

کتبہ

العبد ابوبکر بن مصطفیٰ پٹنی عفی عنہ

۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳ رستمبر ۲۰۲۰ء

بروز یکشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''شمائلِ ترمذی'' کا تعارف

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، جن کی فنِ حدیث میں ایک کتاب ''سننِ ترمذی'' یا ''جامع ترمذی'' ہمارے مدارس میں شامل نصاب ہے۔ امت کے پاس حدیث کا جو ذخیرہ ہے اور اس سلسلے میں جو کتابیں جمع کی گئی ہیں، ان میں چھ کتابوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جو ''صحاحِ ستہ'' یا ''امہاتِ ستہ'' کہلاتی ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابنِ ماجہ۔

ہمارے سامنے موجود یہ کتاب صاحبِ ''سنن ترمذی'' کی تصنیف ہے۔ اِس کتاب کا نام الشمائل المحمدیہ ہے۔ ''شمائل'' شِمال کی جمع ہے، جیسے ''خصائل'' خِصال کی جمع ہے۔ ''شمائل'' شمیلة کی جمع بھی بتلائی گئی ہے، جیسے ''شمائم'' شمیمة کی جمع ہے۔ شِمال اور شمیلۃ کے معنیٰ ہیں: خصلت اور عادت۔

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ اپنی پاکیزہ زندگی کے مختلف شعبوں میں کیا تھی؟ اِس کو بیان کرنے کے لیے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اِس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں کسی کتاب کو اِتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو اِس کتاب کو ہوئی۔ اِس وقت ہمارے سامنے جو نسخہ (مطبوعہ ادارۃ الصدیق ڈابھیل) ہے اُس کے محشی نے اِس کتاب کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، اور اس کی بہتّر شروح گنوائی ہیں۔ پندرہ مختصرات، یعنی پندرہ ایسی کتابیں ہیں جن میں سند وغیرہ حذف کر کے اختصار کیا گیا ہے، اور بعض علمانے اشعار میں ڈھال کر اِس کو مختصر کیا ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اِس کتاب کو بڑی مقبولیت سے نوازا ہے۔ یہ کتاب ایک طویل عرصے سے مدارسِ عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی چند جھلکیاں

اِس کتاب کے مصنف ومؤلف کا نام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی البوغی السلمی ہے۔ خاندانِ بنوسلیم کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''السلمی'' کہلاتے ہیں۔ دریائے جیحون (آمو) جہاں

روسی مسلمان ریاستیں آباد ہیں، اس کے اس پار کا علاقہ ''ماوراء النہر'' کہلاتا ہے، اسی میں یہ ''ترمذ'' واقع ہے۔ ترِمذ، تَرمذ، تُرمذ تینوں طریقوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اس شہر کو ''مدینۃ الرجال'' کہا جاتا ہے۔ بڑے بڑے علما، محدثین اور ماہرِ فنون یہاں پیدا ہوئے۔ ترمذ کے قریب ''بوغ'' نامی ایک قصبہ ہے، جو ترمذ سے چھ فرسخ دوری پر واقع ہے، اسی قصبے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، اسی لیے آپ کو ''البوغی'' بھی کہا جاتا ہے، اور ''ترمذ'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ''ترمذی'' بھی کہا جاتا ہے، اور اِسی نسبت سے آپ مشہور بھی ہوئے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

۲۰۹ھ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی اور ستر سال کی عمر پاکر ۲۷۹ھ میں انتقال ہوا۔ اپنے زمانے کے بڑے اور مشہور حضراتِ محدثین: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، قتیبہ ابن سعید وغیرہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ حدیث حاصل کیا۔ فنِ حدیث میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص مقام عطا فرمایا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور ان کے خاص شاگرد کہلائے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب میں جگہ جگہ احادیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرے نقل کرتے ہیں کہ سألت محمدا۔ میں نے اس حدیث کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا' اور اس کے بعد ان کا جواب نقل کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو روایتیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیں

اصلاً تو آپ امام بخاری کے شاگرد ہیں؛ لیکن اس زمانے کا دستور تھا کہ بڑے بھی اپنے چھوٹوں سے علم حاصل کرتے تھے۔ اس دستور کے مطابق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دو روایتیں حاصل کیں: ایک روایت ''کتاب التفسیر'' میں ذکر کی ہے، جس میں ما قطعتم من لینۃ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ''اس سے مراد کھجور کا درخت ہے''۔ اس حدیث کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''یہ وہ حدیث ہے، جس کو امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے سنا''۔ دوسری روایت ''ابواب المناقب'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب کے بارے میں ذکر کی ہے، کہ حضرت

نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''اے علی! اس مسجد سے میرے اور تمھارے علاوہ اور کوئی آدمی حالتِ جنابت میں نہیں گذر سکتا''۔ اس کو نقل کرنے کے بعد بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ وہ حدیث ہے، جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے سنی''۔

ترمذی شریف کی بعض خصوصیات

ان کی کتاب ''سنن ترمذی'' ایک امتیازی مقام رکھتی ہے۔ بعض حضرات تو تدریسِ حدیث کے اعتبار سے ''ترمذی'' کو ''بخاری'' پر بھی فضیلت دیتے ہیں؛ اس لیے کہ فنونِ حدیث کے بہت سے مسائل جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں چھیڑے، اِنھوں نے چھیڑے ہیں۔ سندوں سے بحث کی، راویوں سے بحث کی، ہر باب میں ایک روایت ذکر کر کے اس سلسلے میں دیگر جن جن راویوں سے یہ روایت منقول ہے اُن کا حوالہ دیا، اور اِس باب کی سب سے عمدہ روایت کی نشاندہی بھی کی۔ اِن خصوصیات کی وجہ سے مدارسِ عربیہ دینیہ میں ''ترمذی'' کی تدریس کو ''بخاری'' کی تدریس کی طرح بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

ان کے استاد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ''تم نے مجھ سے جتنا استفادہ کیا، اس سے زیادہ میں نے تم سے فائدہ اٹھایا''۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''کبھی طلباء مختلف سوالات کرتے ہیں، جس کی وجہ سے استاذ کا ذہن ودماغ ایسے مسائل کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو نکات ومعارف پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر وہ سوالات نہ کیے جاتے تو علوم ومعارف پر مشتمل نکات نصیب نہ ہوتے۔ اس لحاظ سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ تم سے مجھ کو اس سے زیادہ فائدہ پہنچا جتنا مجھ سے تم کو پہنچا ہے''۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قیمتی ملفوظ

ہمارے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا جب کسی مدرسے میں جانا ہوتا تھا اور اساتذہ کو نصیحت کی نوبت

آتی، تو ہمیشہ اساتذہ سے فرماتے تھے: ان طلباء کا احسان مانو کہ انھوں نے اپنے قلوب کی زمین کو تمھارے علم کی تخم ریزی کے لیے پیش کیا، اگر یہ نہ ہوں تو کون علم حاصل کرے گا؟ تمھارا علم کون آگے بڑھائے گا؟ تو اس معنیٰ کر شاگردوں کا استاذ پر احسان ہوا۔

بے مثال قوتِ حافظہ

ان کی قوتِ حافظہ بھی بڑی ضرب المثل ہے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ: ان کے پاس کسی محدث کی مرویات کی دو کاپیاں تھیں، جو انھوں نے کسی واسطے سے سنی تھیں۔ ایک مرتبہ حج میں تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں اس محدث سے ملاقات ہوگئی۔ سوچا کہ ان سے براہِ راست روایتیں سن لوں۔ محدثین کے یہاں اس چیز کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کہ کوئی روایت کسی کے واسطے سے سنی ہو، پھر براہِ راست بیچ کا واسطہ چھوڑ کر اوپر کے استاذ سے اگر ملاقات ہوجاتی ہے تو وہ ان سے سننے کا اہتمام کرتے ہیں؛ تاکہ وہ بیچ کا واسطہ باقی نہ رہے، اور سند عالی ہوجائے۔ انھوں نے دیکھا کہ یہ محدث آج ملے ہیں، اچھا موقع ہے! محدث سے درخواست کی کہ آپ کی روایت کردہ حدیثوں کی دو کاپیاں میرے پاس ہیں، میں نے بالواسطہ سن رکھی ہیں، اگر آپ مجھے سنائیں اور اجازت دیں تو میں وہ دو کاپیاں لے آؤں، تاکہ واسطہ ختم ہوکر سند ذرا اونچی ہوجائے۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، لے آییے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ کاپیاں لینے گئے، سامان میں ان کو بہت ڈھونڈا؛ لیکن نہیں ملیں، تو دو سادہ کاپیاں لے کر حاضر ہوئے اور محدث کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ: ''آپ سنائیں''۔ وہ احادیث ذکر فرما رہے ہیں اور یہ سن رہے ہیں۔ سنانے کے دوران محدث کی نظر ان کی کاپیوں پر پڑی، دیکھا کہ وہ تو کوری ہیں، وہ بڑے ناراض ہوئے کہ میرے ساتھ کیا کھلواڑ کر رہے ہو! اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''ایسی بات نہیں، بلکہ آپ کی اجازت کے بعد میں ان کاپیوں کو لینے کے لیے گیا اور تلاش کیا، مجھے یہ یاد تھا کہ وہ سامان میں ہیں؛ مگر تلاش کرنے پر نہ مل سکیں تو میں سادہ کاپیاں لے کر آیا؛ لیکن آپ کی سنائی ہوئی ساری روایتیں مجھے یاد ہیں، ارشاد ہو تو سنا دوں''۔ اجازت ملنے پر انھوں نے وہ تمام احادیث سنا دیں۔ محدث نے کہا کہ 'یہ تم پہلے یاد کر چکے ہوں گے؟' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

چالیس نئی روایتیں جو آپ کی خصوصیات میں سے ہیں، مجھے سنائیے! محدث نے نئی چالیس روایتیں سنائیں۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت ان کو زبانی سنا دیں۔اس پر ان محدث صاحب کو بڑا تعجب ہوا اور امام ترمذی کو اجازت دے دی۔

قوتِ حافظہ کا ایک دوسرا واقعہ بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ: آخری عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے۔ اللہ کے خوف سے اور آخرت کی یاد میں کثرت سے رونے کی وجہ سے ان کی بینائی چلی گئی تھی۔اسی نابینا پن کے زمانے میں ایک مرتبہ سفر کرتے ہوئے ایک جگہ سے گذر رہے تھے کہ انھوں نے اپنا سر جھکا کر اونٹ کے ساتھ ملا دیا۔ساتھیوں نے پوچھا کہ: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو فرمایا: یہاں کوئی درخت نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ: یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے۔فرمایا: ’’نہیں، مجھے یاد ہے یہاں ایک درخت تھا، میں یہاں پہلے گذرا ہوں، اور اس لیے جھکا کہ اپنے سر کو درخت کے ساتھ الجھنے سے بچا لوں‘‘۔لوگوں نے کہا: یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔فرمایا کہ: ’’نہیں! تحقیق کرو، اگر ایسا نہیں تو مجھے اپنے حافظے کی خیر منانی ہوگی، میں روایت بیان کرنے کے قابل نہیں سمجھا جاؤں گا‘‘۔ چناں چہ قریب کی بستی کے پرانے لوگوں سے تحقیق کی گئی تو انھوں نے کہا کہ: پہلے یہاں درخت تھا، اب کاٹ دیا گیا ہے۔اس واقعے سے ان کی قوتِ حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب اُن ہی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔اس کا نام ’’الشمائل المحمدیة‘‘ رکھا ہے، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادات، خصلتوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کھانے، پینے، سونے، اٹھنے، بیٹھنے اور عبادات وغیرہ کے بیان میں انھوں نے کُل چار سو روایتیں ذکر کی ہیں، جن کو چھپن ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

شمائل ترمذی میں رواۃ کے مرویات کی تعداد ایک نظر میں

① أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ (٧٤). ② عَائِشَةُ (٦٩). ③ ابْنُ عَبَّاسٍ (٣٠). ④ أَبُوْ هُرَيْرَةَ (٢٤). ⑤ ابْنُ عُمَرَ (١٣). ⑥ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ (١٢). ⑦ جَابِرُ بْنُ سَمُرَةَ (٩). ⑧ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ (٩). ⑨ أُمُّ سَلَمَةَ (٨). ⑩ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ (٧). ⑪ أَبُوْ سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ (٧). ⑫ ابْنُ مَسْعُودٍ (٦). ⑬ أُمُّ هَانِئٍ (٥). ⑭ أَبُوْجُحَيْفَةَ (٥). ⑮ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (٥). ⑯ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ (٤). ⑰ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ (٤). ⑱ أَبُوْ رِمْثَةَ التَّيْمِيُّ، تَيْمُ الرَّبَابِ (٣). ⑲ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ (٣). ⑳ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ (٣). ㉑ أَبُومُوسىٰ أَلاشْعَرِيُّ (٣). ㉒ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِاللهِ (٣). ㉓ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَارِثِ (٣). ㉔ السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ (٢). ㉕ هِنْدُ بْنُ أَبِي هَالَةَ (٢). ㉖ بُرَيْدَةُ (٢). ㉗ عَبْدُ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ (٢). ㉘ قَيْلَةُ بِنْتُ مَخْرَمَةَ (٢). ㉙ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ (٢). ㉚ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ (٢). ㉛ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ (٢). ㉜ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ (٢). ㉝ أَبُوْ أُمَامَةَ (٢). ㉞ يُوسُفُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ سَلَامٍ (٢). ㉟ أَبُوْ أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ (٢). ㊱ الرُّبَيِّعُ بِنْتُ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ (٢). ㊲ عَبْدُاللهِ ابْنُ عَمْرٍو (٢). ㊳ أَبُوْ قَتَادَةَ (٢). ㊴ حَفْصَةُ (٢). ㊵ أَبُوْ الطُّفَيْلِ (١). ㊶ رُمَيْثَةُ (١). ㊷ أَبُو زَيْدٍ عَمْرُو بْنُ أَخْطَبَ الْأَنْصَارِيُّ (١). ㊸ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَرْجِسَ (١). ㊹ الْجَهْدَمَةُ، امْرَأَةُ بَشِيرٍ (١). ㊺ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ (١). ㊻ أَسْمَاءُ بِنْتُ يَزِيدَ (١). ㊼ قُرَّةُ (١). ㊽ جَدُّ هُودٍ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ (١). ㊾ زُبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ (١). ㊿ عُبَيْدُ بْنُ خَالِدٍ (عَمَّ عَمَّةِ الْأَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ (١). (٥١) عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ (١). (٥٢) عَبْدُاللهِ بْنُ زَيْدٍ الْمَازِنِيُّ (عَمُّ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ (١). (٥٣) أَبُوْ بَكْرَةَ (١). (٥٤) الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ (١). (٥٥) أَبُوْ طَلْحَةَ (١). (٥٦) عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ (١). (٥٧) عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ (١). (٥٨) سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ (١). (٥٩) سَفِينَةُ (١). (٦٠) أَبُوْ أَسِيدٍ (١). (٦١) أَسْلَمُ (١). (٦٢) جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ (١). (٦٣) أَبُوْ عُبَيْدٍ (١). (٦٤) سلمٰى (١). (٦٥) أُمُّ الْمُنْذِرِ (١). (٦٦) سَلْمَانُ (١). (٦٧) عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ (١). (٦٨) كَبْشَةُ (١). (٦٩) أَبُوذَرٍّ (١). (٧٠) جُنْدُبُ بْنُ عَبْدِاللهِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ (١). (٧١) الشَّرِيْدُ (١). (٧٢) زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ (١). (٧٣) عَبْدُ اللهِ بْنُ السَّائِبِ (١). (٧٤) عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعْدٍ (١). (٧٥) عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ (١). (٧٦) قَتَادَةُ (١). (٧٧) عَبْدُ اللهِ بْنُ الشِّخِّيرِ (١). (٧٨) زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ (١). (٧٩) عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ (١). (٨٠) جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ (١). (٨١) مُعَاوِيَةُ (١). (٨٢) دَغْفَلُ بْنُ حَنْظَلَةَ (١). (٨٣) سَالِمُ بْنُ عُبَيْدٍ (١). (٨٤) عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ (١). (٨٥) أَبُوْ عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ (١). (٨٦) رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَةِ (١). (٨٧) أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ (مرسلًا) (١). (٨٨) الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ (مرسلًا) (١). (٨٩) مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ (مرسلًا) (١). رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

١ - بَابُ صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیۂ شریفہ کا بیان

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلا عنوان باب صفة النبي ﷺ قائم کیا۔ ہندوستانی نسخوں میں یہ عنوان باب ماجاء فی خَلق رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کے ساتھ ہے۔ عربی میں دو لفظ بولے جاتے ہیں: خُلق اور خَلق، خُلق کا لفظ قویٰ اور عادت وطبیعت کے ساتھ خاص ہے، جن کا ادراک فہم وفراست سے ہو اور خَلق کا لفظ آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں جیسے ہیئت اور شکل وصورت کی ساخت اور بناوٹ کے ساتھ خاص ہے، اس کا ترجمہ اردو میں کریں گے: حلیہ، یعنی حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور کیسا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں کیسی تھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک مبارک کیسی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ مبارک کیسے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کیسی تھی؟ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا امت پر بڑا احسان ہے کہ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، افعال، اعمال اور شریعت کی ساری ہدایتیں تو محفوظ رکھ کر امت تک پہنچائیں، ساتھ ہی ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیۂ شریفہ بھی محفوظ رکھ کر امت تک پہنچایا۔ اگر کوئی آدمی حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق ہو اور ایسا عاشق جس نے کبھی معشوق کی زیارت نہ کی ہو اور اس کو وصال نصیب نہ ہوا ہو، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سن کر اپنی تسلی کر لیتا ہے۔ یہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے امت پر بڑا احسان کیا ہے۔

١ - قَالَ الْحَافِظُ أَبُو عِيسَى مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى بْنِ سَوْرَةِ التِّرْمِذِيُّ: أَخبَرَنَا أَبُو رَجَاءٍ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ،

وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبْطِ، بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، وَتَوَفَّاهُ اللّٰه تَعَالىٰ عَلىٰ رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بہت دراز قد تھے، نہ پست قامت (بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد میانہ مائل بہ طول تھا)۔ اور نہ (چونے کی طرح خالص سفید) گورے چٹے، نہ (مائل بہ سیاہی) گندمی (بلکہ گورے چمک دار تھے)، اور بال نہ بالکل پیچ دار گھونگھریالے تھے، اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے؛ (بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہلکا سا خم لیے ہوئے تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز فرمایا، پھر مکہ میں دس سال اور مدینہ میں دس سال قیام فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال پر وصال عطا فرمایا، اس وقت آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

افادات:

حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تعارف

سب سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں زیادہ تر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایتیں لائے ہیں، اور ظاہر ہے کہ شمائل کے باب میں زیادہ روایتیں بیان کرنے کا یہی حق رکھتے ہیں؛ کیوں کہ یہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادمِ خاص تھے۔ ان کے والد کا نام مالک بن نضر ہے۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد) سے فرمایا کہ: کوئی ایسا بچہ لے آؤ جو گھر کے کام کاج کیا کرے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مجھے اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ انس ہیں، آپ کی خدمت کریں گے۔ اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی، اور وفات تک حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ دس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ کوئی آدمی کسی بزرگ یا کسی شیخ کی خدمت میں دو چار دن رہ کر آتا ہے تو وہ پھولا

نہیں سماتا، اندازہ لگائیے کہ جس نے دس سال تک حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت کی ہو، اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ فضل کا کیا معاملہ ہوا ہوگا؟

حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے جان، مال اور عمر میں برکت کی دعا فرمائی تھی۔ چناں چہ لمبی عمر پائی، اخیر میں بصرہ تشریف لے گئے، وہیں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی قبر پر بفضل اللہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ بوقتِ وفات ننانوے سال کی عمر تھی، ۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

''ابوحمزہ'' ان کی کنیت تھی۔ فرماتے ہیں کہ: حمزہ سبزی کا ایک پودا ہے، میں اس کو بہت پسند کرتا تھا؛ اس لیے حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے میری کنیت أبو حمزة رکھی۔

ان سے دو ہزار دو سو چھتیس (۲۲۳۶) احادیث منقول ہیں۔ بعض صحابہ وہ ہیں، جن سے بہ کثرت روایتیں منقول ہیں، جن کو محدثین کی خاص اصطلاح میں ''مکثرین'' کہا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ''مکثرین'' میں شامل ہیں۔ انصار کے قبیلۂ خزرج سے ان کا تعلق تھا۔

حضور ﷺ کا قد مبارک

لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ إلخ: حضرت نبیٔ کریم ﷺ نہ تو زیادہ لانبے قد والے تھے اور نہ پستہ قد تھے؛ بلکہ آپ میانہ قد مائل بہ طول تھے۔ میانہ قد ہونا خوبی سمجھی جاتی ہے؛ البتہ کسی مجمع میں آپ تشریف فرما ہوتے تو میانہ قد ہونے کے باوجود سب سے اونچے آپ ہی نظر آتے تھے، یہ آپ کا معجزہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ جس طرح باطنی اوصاف میں کوئی آپ سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اسی طرح ظاہری کمالات میں بھی کوئی آپ سے اونچا نظر نہ آئے۔

حضور ﷺ کا رنگ مبارک

وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ إلخ: ''أمهق'' کہتے ہیں ایسے سفید کو جس کی سفیدی اچھی نہ لگے جیسے گورے لوگ ہوتے ہیں، ان کی سفیدی اچھی نہیں لگتی، یا برص والے کی سفیدی۔ ''آدم'' ایسا سانولا

جو مائل بہ سیاہ ہو؛ نہ آپ خالص سفید تھے اور نہ ہی سانولے رنگ کے؛ بلکہ آپ کی سفیدی میں سرخی کی ملاوٹ تھی، ہمارے یہاں جس کو''لال گورا'' کہتے ہیں، گورے پن میں گیہوں والا رنگ ایسا ملا ہوا تھا جس سے آپ سنہرے نظر آتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک

وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبْطِ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل گھنگھریالے تھے جیسے حبشیوں کے بال ہوتے ہیں کہ سر ہی نظر نہ آئے، اور نہ بالکل سیدھے جیسے گوروں کے بال ہوتے ہیں کہ اس میں ذرّہ برابر بھی خم اور پیچیدگی نہیں ہوتی۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کچھ خم اور پیچیدگی لیے ہوئے تھے، یہ چیز بالوں کے اندر خوبصورتی کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔

بعثت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک

بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالَى إلخ: سب سے پہلی وحی حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیر کے دن نازل ہوئی اس پر تو سب کا اتفاق ہے؛ لیکن تاریخ کے سلسلے میں اختلاف ہے: علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ۸ ؍ربیع الاول تھی، اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ۱۷؍رمضان تھی۔ ابن عبد البر کے بہ قول: وحی کی آمد کے وقت آپ کی عمر شریف پورے چالیس سال تھی، اور محمد بن اسحاق کے قول کے مطابق سترہ رمضان کو پیر کے دن پہلی وحی آئی۔ اس حساب سے ربیع الاول سے رمضان چھ مہینے ہوتے ہیں۔ اس لیے بعض حضرات کہتے ہیں کہ: وحی کے وقت ساڑھے چالیس سال کی عمر تھی، اور بعض کہتے ہیں کہ: ساڑھے انتالیس سال۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان میں وحی آنے کو راجح قرار دیا ہے اور بوقتِ وحی ساڑھے چالیس سال کی عمر شریف بتلائی ہے۔

مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کی مدتِ اقامت

فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ: مکۂ مکرمہ میں وحی کے بعد آپ کا قیام تیرہ سال رہا، اور یہاں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں دس سال ہے، یہ تیرہ کے بجائے دس کیوں فرمارہے ہیں؟ اس حدیث کی شرح کرنے والے حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ: عربوں کا ایک دستور رہا ہے کہ دہائیوں کے اوپر کے عدد کو بیان نہیں کرتے۔ مثلاً بارہ ہو تو دس بولتے ہیں، بائیس ہو تو بیس بولتے ہیں اور تینتیس ہو تو تیس بولتے ہیں۔ اوپر کے دو تین حذف کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے کہ مکۂ مکرمہ میں تیرہ سال آپ کا قیام رہا؛ مگر اوپر کے تین سال انھوں نے ذکر نہیں کیے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: چالیس سال کی عمر شریف میں پہلی وحی نازل ہوئی، اس کے بعد وحی کا سلسلہ ایک مدت تک بند رہا۔ محمد ابن اسحاق - جو اس فن کے امام ہیں - کہتے ہیں کہ وحی کا سلسلہ تین سال تک بند رہا، یہ تین سال انھوں نے نہیں گنوائے۔ مدینۂ منورہ کی مدتِ قیام بالاتفاق دس سال ہے۔

وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک

وَتَوَفَّاهُ اللهُ إلخ: چالیس سال کی عمر میں وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ دس سال مکہ اور دس سال مدینہ میں قیام رہا اور ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہاں بھی اوپر کے تین سال کلام سے ساقط کر دیے، ورنہ عمر شریف تریسٹھ سال ہے۔ عمر شریف کے سلسلے میں تین قسم کی روایتیں وارد ہوئی ہیں جو باب نمبر ۵۴ باب ماجاء في وفاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم میں اِن شاء اللہ ذکر کی جائیں گی، یہ روایت بھی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وہاں لائیں گے۔

سفید بالوں کی تعداد

وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ إلخ: سفید بال بیس سے کتنے کم تھے؟ بعضوں نے اٹھارہ، بعضوں نے سترہ اور بعضوں نے پندرہ بیان کیے ہیں۔ اس موضوع پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچویں نمبر پر باب ماجاء في شيب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے مستقل باب قائم فرمایا ہے، وہاں اِن شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی۔

۲ - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَبْعَةً، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، حَسَنَ الْجِسْمِ، وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ أَسْمَرَ اللَّوْنِ، إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیانی قد (مائل بہ طول) تھے، نہ زیادہ لمبے تھے نہ پستہ قد۔ بہت خوب صورت جسم تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال نہ تو بہت پیچ دار تھے، اور نہ بالکل سیدھے۔ گندمی (سرخی مائل بہ سفید) رنگ تھا، جب آپ چلتے تو آگے کی طرف قدرے جھکاؤ رکھتے ہوئے مضبوطی سے قدم اٹھاتے ہوئے تیز چلتے۔

افادات: أَسْمَرَ اللَّوْنِ: سوال یہ ہے کہ پہلی روایت میں گذرا ہے لا بالآدم یعنی گندم گوں نہ تھے، اور اس روایت میں أسمر اللون: گندم گوں کہا گیا۔ جواب یہ ہے کہ ایک تو چونے کی طرح سفیدی ہوتی ہے کہ اس میں سرخی کی ملاوٹ بالکل نہ ہو، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اطہر کا رنگ ایسا نہ تھا، بلکہ اس میں سرخی کی ملاوٹ تھی۔ اسی سرخی کو تعبیر کرنے کے لیے أسمر اللون کا لفظ لایا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُروقار رفتار

إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأُ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار میں تین خوبیاں تھیں:

(۱) آگے کی طرف جھک کر چلتے، جیسا کہ کوئی ڈھلان اور نشیبی جگہ پر اتر رہا ہو۔ اس وقت جسم کا اوپر والا حصہ آگے کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح آگے کی طرف جھک کر چلتے تھے۔

(۲) چلتے وقت مضبوطی سے قدم اٹھاتے یعنی آپ پاؤں گھسیٹتے ہوئے نہیں چلتے تھے؛ بلکہ قدم مبارک اٹھا کر چلتے تھے۔ یہ قوت اور مردانگی کی علامت سمجھی جاتی ہے، پاؤں گھسیٹ کر چلنا پسندیدہ چال نہیں ہے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیز چلتے تھے۔ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیان کرتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلنے کے لیے اپنے آپ کو تھکا دیا کرتے تھے، حالاں کہ آپ عام رفتار سے چل رہے ہوتے تھے۔

تکفؤ کا ترجمہ کریں گے: آپ ﷺ چلنے میں تیز رفتاری کے ساتھ آگے کی طرف جھک کر مضبوطی سے قدم اٹھا کر چلا کرتے تھے، اس طرح یہ تینوں خوبیاں آپ کی رفتار کے اندر موجود تھیں۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی رفتار کے واسطے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل باب باب ماجاء في مشية رسول الله ﷺ (باب نمبر:۱۸) کے عنوان سے قائم کیا ہے۔

٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ العَبدِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجلًا مَرْبُوعًا، بعيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، عَظِيمَ الْجُمَّةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ، عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، مَا رَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ .

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: آپ کی ذات (بلندی مائل) میانہ قد کی حامل تھی/ آپ کے بال میں (اندازکی) شکن تھی (بلندی مائل) میانہ قد تھے۔ دونوں شانوں کا درمیانی فاصلہ (عام پیمانے سے) کچھ زیادہ تھا، کانوں کی لَو تک لمبے گنجان بال تھے، آپ کے جسمِ اطہر پر سرخ جوڑا تھا، میں نے آپ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

افادات:

راویِ حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ: یہ ان باہمت صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے غزوۂ احد کے موقع پر اپنے آپ کو غزوے کے لیے پیش کیا تھا؛ لیکن کم عمری کی وجہ سے حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔ ابو عمارہ کنیت ہے۔ اوس کی شاخ بنو حارثہ سے ان کا تعلق ہے، اخیر عمر میں کوفہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔

لفظ ''رجل'' کے معنی

رَجلًا: اس لفظ میں دو احتمال ہیں: (۱) رجُلا جیم کے ضمہ کے ساتھ (۲) رجِلا جیم کے کسرہ کے ساتھ۔ اگر رَجُلًا (بضم الجیم) پڑھیں تو معنیٰ ہے: مرد، اور اگر رَجِلًا (بکسر الجیم) پڑھیں تو معنیٰ ہے:

گھنگھریالے بال والے۔اگر رَجُل جیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھ کر مرد کا معنی لیتے ہیں تو بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ لفظ رجُل کا استعمال آپ ﷺ کے لیے موزوں معلوم نہیں ہوتا، اور نہ یہ کلمۂ تعریف ہے۔اس روایت کے علاوہ دوسری روایتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کا ذکر لفظ رَجل سے نہیں فرمایا۔اس کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) یہ لفظ بخاری و مسلم کی روایتوں میں نہیں ہے، نیز شمائل میں ہی باب ماجاء في شعر رسول الله ﷺ (باب نمبر ۳، حدیث نمبر ۲۵) میں حضرت براء سے روایت آرہی ہے، اس میں یہ لفظ نہیں، بلکہ اتنا ہی ہے: كان رسول الله مربوعاً۔ اِن قرائن کی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعد میں کسی راوی نے اضافہ کردیا ہو۔لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو یہ کہہ کر پسند نہیں فرمایا کہ: رواۃ پر یہ طعن مناسب نہیں؛ کیوں کہ رواۃ ثقہ ہیں، اگر ان کی طرف سے زیادتی بھی ہو تو ثقات کی زیادتی مقبول ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: عرب لفظ رَجل کو مدح وتوصیف کے موقع پر بھی استعمال کرتے ہیں؛ اس لیے یہاں مدح وتوصیف کے معنی میں لے لیا جائے۔

(۳) لفظ رَجل کو بہ طورِ ربط اور تمہیدِ خبر کے بھی استعمال کرلیا جاتا ہے، اگرچہ مستقلاً اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے آیت کریمہ ﴿بل أنتم قوم مسرفون﴾ اور ﴿أنتم قوم تجهلون﴾ میں لفظ قوم صورتاً خبر ہے، جو خبرِ حقیقی کی تمہید کے لیے ہے۔

(۴) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس کو حقیقی متعارف معنی پر محمول کیا جائے، اور ''رَجولیتِ کاملہ'' مراد لی جائے، اور یہ عرفِ عام میں مستعمل ہے۔کہا جاتا ہے: فلان رجل كريم: فلاں سخاوت میں کامل (بڑا سخی) ہے۔

(۵) علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعضوں کے بہ قول بہتر توجیہ یہ ہے کہ: رجُل (جیم کے ضمہ کے ساتھ) بالوں کے گھنگریالے پن کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے معنیٰ یہ ہو جائے گا: آپ قدرے خم دار بال والے تھے۔گویا لفظ رجُل (بضم الجیم) مرد اور گھنگھریالے بال کے لیے مشترک ہے۔

(۶) بعض حضرات فرماتے ہیں: اس کو رجِلا (بکسر الجیم) پڑھ لیا جائے تو اس صورت میں

بالوں کی صفت کا معنی متعین رہے گا۔

لیکن تمام روایتوں میں بضم الجیم ہی وارد ہے؛ اس لیے رجُلا پڑھنا ہی بہتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں کے درمیان فاصلہ

بعيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ: دونوں مونڈھوں کے درمیان فاصلہ اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کے سینے کا اوپر والا حصہ چوڑا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے کا حصہ کشادہ تھا، یہ بہادری اور سخاوت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

نقرئی اور چمک دار بال

عَظِيمَ الْجُمَّةِ: اہلِ عرب کے یہاں بال کی مقدار اور سائز کے اعتبار سے الگ الگ نام ہیں:
(۱) ایک وہ بال جو نصف کان یا کان کی لَو کے قریب ہوں، اِس کو عربی میں "وفرۃ" کہتے ہیں (۲) دوسرے وہ بال جو اس سے آگے گردن تک پہنچ جائیں، اس کو "لمة" کہتے ہیں (۳) تیسرے وہ بال جو مونڈھوں تک پہنچ جائیں، اُس کو "جمة" کہتے ہیں۔

یہاں راوی لفظ جمة کے ساتھ الی شحمة اذنیه لائے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک بڑے گنجان اور کانوں کی لو تک تھے، حالاں کہ جمة اُن بالوں کو کہا جاتا ہے جو مونڈھوں تک پہنچے ہوئے ہوں۔ علماء نے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ بالوں کا گنجان ہونا تو کانوں کی لو تک تھا، رہے نفس بال تو وہ آگے مونڈھوں تک پہنچے ہوئے تھے؛ لیکن مونڈھوں تک پہنچا ہوا اخیری حصہ اتنا گنجان نہ تھا؛ اس لیے راوی نے جمة کے ساتھ إلی شحمة اذنیه کہہ دیا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے، بڑے بال والوں کے بالوں کا گنجان حصہ لو تک ہوتا ہے، پھر آگے صرف سِرے رہ جاتے ہیں، اس طرح دونوں میں ربط ہو گیا۔ اگر مطلق بڑا ہونا مراد لیا جائے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا، تب اس کی تشریح یوں کریں گے کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گنجان بال والے تھے، جو کان کی لو تک پہنچے ہوئے تھے۔

جسمِ اطہر پر سرخ لباس

عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ: آدمی عام طور پر اپنے جسم کو چھپانے کے لیے دو کپڑے استعمال کرتا ہے: جسم کے نچلے حصے کو چھپانے کے لیے الگ کپڑا ہوتا ہے: لنگی، پاجامہ وغیرہ اور اوپر کے حصے کو چھپانے کے لیے الگ کپڑا ہوتا ہے، جس کو کُرتا، قمیص وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اُس زمانے میں عرب عام طور پر دو چادریں استعمال کیا کرتے تھے، سِلا ہوا لباس پہننا اتنا عام نہیں تھا۔ نچلے حصے کے لیے جو چادر استعمال کی جاتی تھی اُس کو عربی زبان میں ''ازار'' کہتے ہیں، اور اوپر والے حصے کے لیے جو چادر استعمال کی جاتی ہے، اُس کو ''رِداء'' کہتے ہیں۔ اگر یہ دونوں کپڑے ایک ہی طرح کے ہوں، ایک ہی تاگے کے بنے ہوئے ہوں، ایک ہی رنگ کے ہوں، تو اس کو عربی میں ''حلة''، اردو میں ''جوڑا'' اور ہمارے یہاں اس کو ''سوٹ'' بولتے ہیں۔ یہ جوڑا، سوٹ اور ''حلة'' اس وقت بولیں گے جب دونوں ایک ہی طرح کے ہوں، اگر الگ الگ ہوں تو اس کو جوڑا نہیں بولیں گے۔ یہاں ''حلة'' لا کر یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ دونوں چادریں ایک ہی طرح کی تھیں۔ اُس زمانے میں یمن کی بنی ہوئی چادریں مشہور تھیں، وہ دھاری دار یعنی لائننگ والی ہوا کرتی تھیں، ایک سرخ دھاری ہوا کرتی تھی اور ایک سیاہ، یعنی سرخ و سیاہ دھاری والی۔ پوری چادریں خالص سرخ نہیں تھیں، خالص سرخ لباس مَردوں کے حق میں پسند نہیں کیا گیا۔ الغرض! حضرت نبیِ کریم ﷺ کے جسمِ اطہر پر سرخ دھاری دار جوڑا تھا۔

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ: آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت آنے والی ہے، اُس میں بھی لم ار قبله ولا بعده مثله ﷺ آیا ہے، یعنی میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

یہ مبالغہ نہیں

عام طور سے جب کسی کی خوبیاں بیان کرنے میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو ایسا جملہ استعمال کرتے ہیں کہ اس کے جیسا آدمی میں نے نہیں دیکھا؛ لیکن حضور ﷺ کے سلسلے میں جب ایسے جملے استعمال

کیے جاتے ہیں تو وہاں مبالغہ نہیں، بلکہ سرتا پا حقیقت ہے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہر مسلمان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جسمانی خوبیوں کے اعتبار سے بھی کوئی شخص حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل نہیں یعنی جسمانی اعتبار سے ایک مردانہ جسم میں جو خوبیاں اور صفات وکمالات ہونے چاہئیں، وہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے تھے، کسی اَور میں نہیں تھے؛ اِسی لیے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس قسم کے جملوں کا استعمال مبالغہ نہیں؛ بلکہ حقیقت کی ترجمانی ہے۔

یہاں راوی نے شیئاً فرمایا شخصاً یا رجلاً نہیں کہا، یعنی صرف انسان نہیں؛ بلکہ آپ کے جیسی کوئی چیز حسین نہیں، سورج اور چاند بھی آپ سے زیادہ حسین نہیں۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کے مقابلے میں ہر چیز کے حسن کی نفی کر دی۔

٤- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَّةٍ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے پٹھے (لمبے بال) والا سرخ لباس میں ملبوس حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوب صورت کوئی شخص نہیں دیکھا، آپ کے موئے مبارک شانوں کو چھوتے تھے۔ دونوں کندھوں کا درمیانی فاصلہ قدرے زیادہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ پستہ قد تھے نہ (زیادہ) لمبے۔

بالوں کی مقدار کے سلسلے میں روایات مختلف کیوں؟

لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ: اوپر والی روایت میں آپ کے بالوں کی مقدار کان کی لو تک تھی، اور یہاں وہی راوی مونڈھوں تک فرمارہے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ بال ایسی چیز ہے جو بڑے ہوجائیں تو کٹوا دیتے ہیں۔ کٹی ہوئی حالت میں اخیری حصہ کان تک کا ہے، اب اگر نہیں کاٹیں گے تو آگے گردن تک پہنچ جائیں گے، اَور بڑھ گئے تو وہ مونڈھوں تک پہنچ جائیں گے، پھر کاٹ دیے گئے تو چھوٹے ہوگئے۔ اِسی لیے بالوں کے سلسلے میں ہر طرح کی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ جس آدمی نے جس زمانے میں جس حال میں دیکھا، وہ بیان کر دیا؛ بلکہ ایک ہی آدمی نے مختلف اوقات میں مختلف

حالتوں میں دیکھا، توسب احوال بہ یک وقت بیان کردیے۔

٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، ضَخْمُ الرَّأْسِ، ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ، طَوِيلُ الْمَسْرُبَةِ، إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفِّيًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ ﷺ.

٥/١- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ وَكِيعٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ الْمَسْعُودِيِّ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ لانبے قدوالے تھے اور نہ کوتاہ قد۔ آپ کی ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُرگوشت تھے۔ سرمبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینۂ مبارک سے ناف تک بالوں کی پتلی سی لکیر تھی۔ جب آپ چلتے تو تیز رفتاری کے ساتھ آگے کی طرف جھک کر مضبوطی کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے چلتے تھے، ایسا لگتا کہ آپ نشیب میں اتر رہے ہوں۔ آپ جیسا حسین آپ سے پہلے اور آپ کے بعد مَیں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

افادات: شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ: یہاں شراح نے لکھا ہے کہ: یہ دونوں چیزیں مَردوں کے حق میں پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں اور عورت کے حق میں ان کو عیب شمار کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمبارک

ضَخْمُ الرَّأْسِ: یعنی بڑا بھی ایسا جو قد کے مناسب ہو۔ آدمی کا جیسا قد ہوتا ہے اس کے مطابق اگر اس کے سر کی سائز ہو تو وہ زیادہ حسین معلوم ہوتا ہے۔ قد کے مقابلے میں سر چھوٹا ہو تو یہ بدصورتی ہے۔ سر کا بڑا ہونا یہ عقل مندی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ الغرض! آپ کا سرمبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوڑوں کی ہڈیاں

ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ: كَرَادِيس، کردوس کی جمع ہے؛ جوڑوں کی ہڈیاں۔ یعنی جہاں جسم کی دو ہڈیاں ملتی ہیں جیسے کہنی کہ اِدھر بازو کی ہڈی اور اُدھر کلائی کی ہڈی، دونوں آکر یہاں ملتی ہیں۔

یامونڈھا، بازو والی ہڈی اور کندھے والی ہڈی، یہاں آکر ملتی ہے، یا اسی طریقے سے گھٹنہ، اوپر ران والی ہڈی اور نیچے پنڈلی والی ہڈی۔ خلاصہ یہ کہ آپ کے ہڈیوں کے ملنے کی جگہ یعنی جوڑ بڑے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر بالوں کی باریک لکیر

طَوِيلُ الْمَسْرُبَةِ: بالوں کی پتلی لکیر جو سینے سے لے کر ناف تک چلی جاتی ہے، اس کو مسربة کہتے ہیں۔ حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر بالوں کی ایک پتلی لکیر تھی، جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال رفتار

إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ: جب آپ چلتے تو تیز رفتاری کے ساتھ آگے کی طرف جھک کر مضبوطی سے قدم اٹھاتے ہوئے چلتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نشیب کی طرف اتر رہے ہیں، نیچان کی طرف اترنے والا آدمی جیسے آگے کی طرف جھک کر چلتا ہے، اسی طرح حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے کی طرف جھک کر تواضع کے ساتھ چلتے تھے، مغروروں اور متکبروں کی طرح سینہ تان کر نہیں چلتے تھے۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

لَمْ أَرَ قَبْلَهُ إلخ: یعنی کوئی آدمی خوبصورتی میں آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ آپ کی خوب صورتی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ایک شعر منسوب ہے، جس کا مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ زلیخا کی سہیلیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر انگلیاں کاٹ دیں، اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھ لیتیں، تو بجائے انگلیوں کے اپنے دلوں کو کاٹ دیتیں۔

٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَأَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَهُوَ ابْنُ أَبِي حَلِيمَةَ، الْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالُوا: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ مَوْلَى غُفْرَةَ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ -مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذَا وَصَفَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيلِ

الْمُمَغَّطِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ الْمُتَرَدِّدِ، كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبْطِ، كَانَ جَعْدًا رَجِلًا، وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ، وَلَا الْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِي وَجْهِهِ تَدْوِيرٌ، أَبْيَضُ مُشَرَبٌ، أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ، أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ، جَلِيلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ، أَجْرَدُ، ذُو مَسْرُبَةٍ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا، وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً، وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيكَةً، وَأَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً، مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ، وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ، يَقُولُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ ﷺ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُولُ: سَمِعْتُ الْأَصْمَعِيَّ يَقُولُ فِي تَفْسِيرِ صِفَةِ النَّبِيِّ ﷺ:

الْمُمَّغِطُ: الذَّاهِبُ طُولًا. وَقَالَ: سَمِعْتُ أَعْرَابِيًّا يَقُولُ فِي كَلَامِهِ: تَمَغَّطَ فِي نُشَّابَتِهِ أَيْ مَدَّهَا مَدًّا شَدِيدًا.

وَالْمُتَرَدِّدُ: الدَّاخِلُ بَعْضُهُ فِي بَعْضٍ قِصَرًا.

وَأَمَّا الْقَطَطُ: فَالشَّدِيدُ الْجُعُودَةِ.

وَالرَّجِلُ الَّذِي فِي شَعْرِهِ حُجُونَةٌ: أَيْ تَثَنٍّ قَلِيل.

وَأَمَّا الْمُطَهَّمُ فَالْبَادِنُ الْكَثِيرُ اللَّحْمِ.

وَالْمُكَلْثَمُ: الْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ.

وَالْمُشَرَبُ: الَّذِي فِي بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ.

وَالْأَدْعَجُ: الشَّدِيدُ سَوَادِ الْعَيْنِ.

وَالْأَهْدَبُ: الطَّوِيلُ الْأَشْفَارِ.

وَالْكَتَدُ: مُجْتَمعُ الْكَتِفَيْنِ، وَهُوَ الْكَاهِلُ.

وَالْمَسْرُبَةُ: هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيقُ الَّذِي كَأَنَّهُ قَضِيبٌ مِنَ الصَّدْرِ إِلَى السُّرَّةِ.

وَالشَّثْنُ: الْغَلِيظُ الْأَصَابِعِ مِنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ.

وَالتَّقَلُّعُ: أَنْ يَمْشِيَ بِقُوَّةٍ. وَالصَّبَبُ الْحُدُورُ، يُقَالُ: انْحَدَرْنَا فِي صَبُوبٍ وَصَبَبٍ .

وَقَوْلُهُ: جَلِيلُ الْمُشَاشِ: يُرِيدُ رُءُوسَ الْمَنَاكِبِ .

وَالْعِشْرَةُ: الصُّحْبَةُ، وَالْعَشِيرُ: الصَّاحِبُ .

وَالْبَدِيهَةُ: الْمُفَاجَأَةُ، يُقَالُ: بَدَهْتُهُ بِأَمْرٍ أَيْ فَجَأْتُهُ .

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پوتے ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو انتہائی دراز قد تھے اور نہ بالکل پست قامت؛ (بلکہ) لوگوں میں آپ کا پیکر (بلندی مائل) درمیانہ تھا۔ بال نہ بالکل پیچ دار تھے اور نہ سیدھے تنے ہوئے؛ (بلکہ) شکن لیے ہوئے قدرے خمیدہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ فربہ بدن تھے، نہ بالکل گول چہرے والے، ہاں! آپ کے چہرے میں کسی قدر گولائی ضرور تھی۔ رنگ سرخی مائل سفید، آنکھیں نہایت سیاہ، پلکیں دراز، جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، (معمول کے علاوہ) بدن بال سے خالی تھا، البتہ سینے سے ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی۔ ہاتھ اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ جب چلتے تو قدموں کو قوت سے قدرے جھٹکے کے ساتھ اٹھاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ کسی ڈھلان میں اتر رہے ہیں۔ جب (کسی کی طرف) توجہ کرتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیوں کے سلسلے کو مکمل کرنے والے ہیں۔ سب سے زیادہ دریا دل، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ نرم خو، سب سے بڑھ کر شریف ساتھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اچانک دیکھتا، مرعوب ہوجاتا، اور جو شخص جان پہچان کر میل جول کرتا، وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔ الغرض! آپ کا حلیہ بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا (حسین وجمیل با کمال) نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ ہی آپ کے بعد۔

ابو عیسیٰ فرماتے ہیں: میں نے ابو جعفر محمد بن حسین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ میں وارد روایت میں لفظ ممغط کی تفسیر امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح بیان کرتے ہوئے سنا ہے: الذاھب طولا: غیر معمولی لمبا۔ اور (اصمعی) کہتے ہیں کہ: میں نے ایک عرب دیہاتی کو اپنی گفتگو میں کہتے ہوئے سنا: تمغط في نُشَّابته۔ اپنا تیر کھینچنے میں حد سے بڑھ گیا، یعنی تیر کو بڑے زور سے کھینچا۔

متردد: وہ ہے کہ کوتاہ قامتی کی وجہ سے بدن کا بعض حصہ بعض میں گھسا ہوا ہو۔

قطط بہ معنیٰ بہت گھونگھریالے بال۔

رجِل وہ شخص، جس کے بالوں میں حجونۃ یعنی قدرے شکن ہو۔

مُطھَّم بہ معنیٰ بھاری بدن والا پُر گوشت۔

مُکَلْثَم یعنی گول چہرے والا۔

مشرَب وہ شخص، جس کے رنگ کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو۔

ادعج وہ شخص، جس کے آنکھ کی سیاہی خوب سیاہ ہو۔

اھدب وہ شخص، جس کی پلکیں دراز ہوں۔

کتِد کندھوں کے درمیان کا حصہ، جس کو (لغت میں) کاھل (بھی) کہتے ہیں۔

مسرُبۃ: شاخ کی طرح سینے سے ناف تک کے باریک بال۔

شثنٌ: ہاتھ پاؤں کی موٹی پُر گوشت انگلیوں والا۔

اور تقلع: قوت سے چلنا۔

اور صبب: بلندی سے اترنا، بولا جاتا ہے: انحدرنا في صبوب وصبب۔ ہم نشیب وڈھلان میں اترے۔

اور راوی کے قول جلیل المشاش میں راوی مشاش سے مونڈھوں کے سرے مراد لے رہا ہے۔

اور عشرۃ یعنی ساتھ رہنا، اور عشیر بہ معنیٰ ساتھی۔

بدیھۃ: یعنی اچانک پیش آنے والا معاملہ، بولا جاتا ہے: بدھتہ بأمر یعنی میں کوئی معاملہ لے کر اچانک اس کے سامنے آ گیا۔

افادات: ابراہیم ابنِ محمد – یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے محمد بن علی، جو محمد بن حنفیہ سے مشہور ہیں – کے لڑکے ہیں۔ اِن کی ملاقات اپنے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی، اپنے والد سے یہ سب سنا ہوگا۔ یہاں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اصمعی – جو لغت کے امام ہیں – کے حوالے سے ان کے الفاظ کی کچھ تشریح بھی کی ہے:

ممغط اُس آدمی کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ لانبے قد کا ہو۔ قدیم زمانے میں عرب کے دیہاتی خالص فصیح عربی بولا کرتے تھے، چناں چہ اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی کو کہتے ہوئے سنا: تمغط في نشابتہ۔ اس نے اپنی کمان کو خوب قوت کے ساتھ کھینچا۔ یہاں ممغط بول کر قد کی لمبائی بتلانا مقصود ہے۔

المتردد: اس کا ترجمہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اصمعی کے حوالے سے بیان کیا: الداخل بعضه فى بعض قصراً یعنی بعض لوگ ایسے پستہ قد ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے اپنے ہی جسم کا کچھ حصہ، دوسرے حصے میں گھس گیا ہے۔ اس کو عربی میں متردد کہتے ہیں۔

كان ربعة من القوم: آپ میانہ قد کے آدمی تھے؛ البتہ مائل بہ طول تھے۔

المطهم: آپ موٹے جسم والے نہ تھے، آپ کا جسم مبارک معتدل تھا۔

المكلثم: بعضوں کا چہرہ ایک دم گول ہوتا ہے، آپ کا چہرہ ایسا نہیں تھا، بلکہ آپ کا چہرہ قدرے گولائی لیے ہوئے تھا۔

٧ - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعِجْلِيُّ إِمْلَاءً عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ، يُكَنَى أَبَا عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنٍ لِأَبِي هَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَصَّافًا، عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهِ، فَقَالَ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فَخْمًا مُفَخَّمًا، يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، أَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوعِ، وَأَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ، عَظِيمَ الْهَامَةِ، رَجِلَ الشَّعْرِ، إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَقَ، وَإِلَّا فَلَا؛ يُجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ إِذَا هُوَ وَفَّرَهُ، أَزْهَرُ اللَّوْنِ، وَاسِعُ الْجَبِينِ، أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ، سَوَابِغُ فِي غَيْرِ قَرَنٍ، بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ، أَقْنَى الْعِرْنِيْنِ، لَهُ نُورٌ يَعْلُوهُ، يَحْسَبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، سَهْلُ الْخَدَّيْنِ، ضَلِيعُ الْفَمِ، مُفْلَّجُ الْأَسْنَانِ، دَقِيقُ الْمَسْرُبَةِ، كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيدُ دُمْيَةٍ فِي صَفَاءِ الْفِضَّةِ، مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ، بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ، سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ، عَرِيضُ الصَّدْرِ، بَعِيدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ، أَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ، مَوْصُولُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِي كَالْخَطِّ، عَارِي الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوَى ذَلِكَ، أَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ، وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِي الصَّدْرِ، طَوِيلُ الزَّنْدَيْنِ، رَحْبُ الرَّاحَةِ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، سَائِلُ الْأَطْرَافِ - أَوْ قَالَ: شَائِلُ الْأَطْرَافِ - خُمْصَانُ

الْأَخْمَصَيْنِ، مَسِيحُ الْقَدَمَيْنِ، يَنْبُو عَنْهُمَا الْمَاءُ، إِذَا زَالَ زَالَ تَقَلُّعًا، يَخْطُو تَكَفِّيًا، وَيَمْشِي هَوْنًا، ذَرِيعُ الْمِشْيَةِ، إِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيعًا، خَافِضُ الطَّرْفِ، نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَطْوَلُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ، يَسُوقُ أَصْحَابَهُ وَيَبْدُرُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ .

ترجمہ: سفیان بن وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے سامنے حدیث بیان کی، انھوں نے فرمایا کہ جُمیع بن عمیر بن عبدالرحمن عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح حدیث بیان کی کہ ہمیں اپنی کتاب سے لکھوار ہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ: مجھے بنی تمیم کے ایک شخص نے- جو ابو ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے (سابق) شوہر کی اولاد میں سے تھا، جس کی کنیت ابو عبداللہ تھی- خبر دی کہ، اس نے ابو ہالہ کے ایک فرزند سے روایت کی، انھوں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابو ہالہ- جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیۂ شریفہ کو بہت ہی کثرت و وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے- سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیۂ شریفہ کے سلسلے میں پوچھا۔ مجھے اشتیاق تھا کہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے ذکر کریں، تاکہ مَیں اس کو محفوظ کرلوں۔

چناں چہ (ماموں جان نے) فرمایا: حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ مچ (اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے) عظیم الشان تھے، اورلوگوں کی نگاہوں میں (بھی) عظیم المرتبت تھے۔ آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ میانہ قد سے قدرے طویل اور زیادہ لمبے قد والے سے پست تھے۔ (اعتدال کے ساتھ) بڑے سر والے تھے۔ (انداز کی شکن لیے ہوئے) قدرے خمیدہ بال والے تھے، اگر سر کے بالوں میں خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے؛ ورنہ آپ (مانگ نکالنے کا) اہتمام نہ کرتے۔ جس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بال چھوڑے رکھتے تو کانوں کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔ چمک دار رنگ، کشادہ جبین، باریک وگنجان اور خم دار ابرو والے تھے، نیز دونوں (ابرو) باہم پیوستہ نہیں تھیں، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جس کو غصہ جنبش دیتا (یعنی: غصے کے وقت ابھر جاتی تھی)۔ آپ بلندی مائل ناک والے تھے، بینیٔ مبارک پر ایک چمک تھی جو بلند ہوتی رہتی تھی۔ بلا تأمل (ابتداءً) دیکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی ناک والا خیال کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گنجان ریش، ہموار رخسار، (اعتدال کے ساتھ) کشادہ دہن، آب دار دانتوں میں خوش نما ریخوں اور سینے سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مورتی کی گردن کی طرح (خوب صورت) اور چاندی جیسی صاف شفاف تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متناسب اعضا والے، پُر گوشت کسے ہوئے بدن والے، ہموار شکم و سینے والے، فراخ سینے والے، مونڈھوں کے

درمیان (عام پیمانے سے) قدرے فصل والے، مضبوط جوڑ بند والے تھے۔ جو اعضا کھلے رہتے وہ (بھی) انتہائی چمک دار وروشن تھے (چہ جائے کہ وہ حصہ جو کپڑوں میں مستور رہتا)۔ سینے کے گھڑے سے ناف کے درمیان تک کا حصہ (لگا تار) بالوں سے (اس طرح) ملا ہوا تھا جو باریک کشیدہ خط کی طرح تھے۔ اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی تھے، (البتہ) آپ ﷺ کے دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینے کے بالائی حصے پر بال تھے۔ کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ، نیز دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز و پُر گوشت تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں (تناسب کے ساتھ) لمبی تھیں، تلوے قدرے گہرے اور قدم مبارک اس قدر ملائم وہموار تھے کہ پانی اُن سے ڈھل جاتا تھا (ٹھہرتا نہیں تھا)۔ جب آپ ﷺ چلتے تو قوت کے ساتھ قدم اٹھاتے اور آگے جھک کر نرمی سے چلتے (قدم زمین پر آہستہ پڑتا)۔ آپ ﷺ تیز رفتار تھے، جب آپ چلتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا آپ ڈھلان میں اتر رہے ہیں۔ جب آپ (کسی کی طرف) متوجہ ہوتے تو پورے وجود سے متوجہ ہوتے۔ آپ ﷺ کی نظریں نیچی رہتیں، آپ کی نگاہ آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی۔ عام طور پر آپ ﷺ گوشۂ چشم سے دیکھتے۔ (چلتے وقت) اپنے صحابہ کو آگے کر دیتے (اور خود پیچھے رہتے)۔ جس سے ملاقات ہوتی خود سلام کرنے میں پہل کرتے۔

افادات: هِنْد بْنَ أَبِي هَالَةَ: حضور ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو نکاح ہو چکے تھے: پہلا نکاح عتیق بن عابد مخزومی سے ہوا تھا، ان سے ''ہند'' نامی ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اسلام کا زمانہ بھی پایا اور خود انھوں نے اسلام بھی قبول کیا۔ ان کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح ابو ہالہ بن زُرارہ تمیمی سے ہوا تھا، اِن سے دو بچے پیدا ہوئے: ہند اور ہالہ۔ بعض کہتے ہیں کہ: دونوں لڑکے تھے، اور بعض کہتے ہیں کہ: ہند تو لڑکا تھا، اور ہالہ لڑکی تھی۔ انھوں نے اسلام کا زمانہ پایا۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے؛ اس لیے حضرت حسن کی والدہ حضرت فاطمہ کے ماں شریک بھائی ہوئے، اسی لیے فرما رہے ہیں کہ: میں نے اپنے ماموں ہند ابن ابی ہالہ سے پوچھا۔

وَكَانَ وَصَّافًا: ان کو آپ کا حلیہ اچھی طرح محفوظ تھا۔ جب بھی پوچھا جاتا تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ یہ ان کی خصوصیت تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل جاننے میں نیت کیا ہو؟

أَتَعَلَّقُ بِهِ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبتیں اور شفقتیں بھی پائی ہیں، لیکن بچپن تھا، اور بچپن کی تمام چیزیں یاد نہیں رہتیں۔ اب بڑے ہونے کے بعد ان کو احساس ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیۂ شریفہ کے متعلق معلومات حاصل کروں، تاکہ ان اوصاف کو ذہن نشین کر کے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔حلیہ فطری چیز ہے، لیکن بعض اخلاق اور عادات ایسے ہیں کہ آدمی خود بہ تکلف مشق کر کے اس کو حاصل کر سکتا ہے۔جیسے: چلنے کا انداز، بولنے کا انداز وغیرہ۔ہمیں بھی حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیۂ شریفہ کے اس بیان کو اِسی نیت سے سننا اور پڑھنا چاہیے کہ ان میں جن چیزوں کو کوشش کر کے اختیار کر سکتے ہیں، ان کو محنت کر کے اختیار کریں گے۔ان شاء اللہ

عظیم الشان ذات

فَخْمًا مُفَخَّمًا: فخم بابِ کرم سے آتا ہے، عظیم الشان آدمی کو کہتے ہیں، اور مفخم کے معنی بھی عظیم الشان ہے؛ لیکن فخم اس کو کہتے ہیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے بڑے رتبے والا ہو، اور مفخم اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت والا ہو۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی ذات کے اعتبار سے بڑے رتبہ والا ہے، لیکن لوگوں کی نگاہوں میں اس کو وہ مقام حاصل نہیں۔ بعض مرتبہ برعکس ہوتا ہے؛ لوگ اس کو بڑا سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ بڑے رتبے والا نہیں ہوتا۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کے اعتبار سے بھی معظم تھے اور لوگوں کی نگاہوں میں بھی۔ جو بھی آپ کو دیکھتا آپ کی بڑائی اور عظمت کا ایک نقش اس کے دل میں جم جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک

عظیم الهامة: سر کا قد کے مطابق بڑا ہونا عقل کی زیادتی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی مانگ

إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ إلخ: یعنی کنگھا کرتے وقت یا بغیر کنگھے کے بالوں کو درست کرتے وقت خود بہ خود یا آسانی سے مانگ پڑ جاتی تو ڈال دیتے تھے، اور اگر مانگ نکالنے میں تکلف کرنا پڑتا تو اپنے حال پر چھوڑ دیتے تھے۔ مانگ کا مفصل تذکرہ آئندہ بالوں کے بیان میں آرہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوب صورت بھنویں

أَزَجُّ الْحَوَاجِبِ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھنویں باریک خم دار اور گھنی تھیں، نیز آپ کی دونوں بھنووں میں فصل تھا۔ بیچ میں جگہ خالی تھی۔ اس خالی جگہ میں ایک رگ تھی، جب آپ کو کسی بات پر غصہ آتا تھا، تو وہ رگ ابھر جاتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منور ناک

أَقْنَى الْعِرْنِيْنِ: آپ کی ناک مبارک بلندی کی طرف مائل تھی، بلند نہیں تھی۔ اس کے اوپر ایک نور رہتا تھا۔ آپ کو دھیان سے نہ دیکھنے والا آپ کو لمبی ناک والا سمجھتا تھا، حالاں کہ ناک اونچی نہیں تھی، معتدل تھی؛ لیکن نور کی چمک کی وجہ سے سرسری نظر سے دیکھنے والے کو لمبی معلوم ہوتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک

كَثُّ اللِّحْيَةِ: ڈاڑھی مبارک گھنی اور بھری ہوئی تھی، اندر کی کھال نظر نہ آتی تھی، اور پورے چہرے کی گولائی میں تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہموار رخسار

سَهْلُ الْخَدَّيْنِ: آپ کے رخسار مبارک ہموار تھے، گوشت کی وجہ سے ابھرے ہوئے یا لٹکے ہوئے نہیں تھے۔ رخسار کا ہموار ہونا حسن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہنِ مبارک

ضَلِيعُ الْفَمِ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہنِ مبارک چوڑا تھا۔ عربوں کے یہاں فراخ دہن ہونا خوب صورتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات یوں فرماتے ہیں کہ: فراخ دہن سے فصاحت وبلاغت مراد ہے، یعنی آپ فصیح اللسان تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک

مُفْلَّجُ الْأَسْنَانِ: آگے کے دو دانتوں کے درمیان تاگے جتنے ذرا سے فصل کو فلج کہتے ہیں۔ اِس کو اردو میں 'ریخ' بولتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کے جب دانت نکلتے ہیں، تو آگے کے دو دانتوں میں ذرا سا فصل ہوتا ہے۔ جوں جوں آدمی کی عمر بڑھتی ہے، وہ دانت ملتے جاتے ہیں۔ بعض لوگ خصوصاً عورتیں دانت گھسوا کر فصل پیدا کروا کر عمر کم دکھانے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہ بھی خوبصورتی کی علامت ہے۔ بہر حال! حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک میں کچھ فصل تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاندی جیسی گردن

كَأَنَّ عُنُقَهُ إلخ: گردن کی خوبصورتی کو عام طور سے مورتی کی گردن کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، اس لیے کہ وہ عمدہ بنائی جاتی ہے۔ آپ کی گردن مورتی کی گردن جیسی خوب صورت اور عمدہ چاندی جیسی چمک دار اور صاف شفاف تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پُر گوشت جسم

بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ: جسم مبارک پُر گوشت اور پُر گوشت ہونے کے ساتھ گٹھا ہوا تھا، جیسے ورزش کرنے والے کا بدن ورزش کی وجہ سے مضبوط ہو جاتا ہے، پکڑنے پر نرم نہیں ہوتا۔ یہ قوت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہموار شکم اور سینہ

سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ: بعض لوگوں کا پیٹ آگے نکلا ہوتا ہے اور سینہ پیچھے کو، اور بعض لوگوں کا سینہ آگے کو نکلا ہوا اور پیٹ اندر کو دھنسا ہوا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکم اور سینہ دونوں برابر تھے، نیز سینۂ انور چوڑا تھا۔ یہ بہادری اور قوت کی علامت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھلے چمک دار اعضا

أَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا وہ حصہ- جو کپڑوں سے باہر ہوا کرتا ہے- چمک دار تھا۔ عام طور سے باہر والے حصے کا رنگ ہوا اور فضا کی آلودگی کی وجہ سے اندر کے مقابلے میں ذرا سیاہ پڑ جاتا ہے؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا نہ تھا۔ اور جب باہر والا چمک دار ہے، تو اندر والا بہ طریقِ اَولیٰ چمک دار ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گہرا تلوا

خُمْصَانُ الْأَخْمَصَيْنِ: پاؤں کے نیچے تلووں کا وہ حصہ جو زمین سے نہیں لگتا، اس کو عربی میں اخمص کہتے ہیں، یہ حصہ ذرا گہرا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملائم و ہموار قدم

مَسِيحُ الْقَدَمَيْنِ: یہ مسح یمسح سے ہے، یعنی جس پر تیل والا ہاتھ پھیر دیا گیا ہو۔ ایسے حصے پر پانی ٹکتا نہیں ہے۔ اُس کو ''چکنا'' کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک بھی ایسے چمک دار تھے، معلوم ہوتا تھا کہ تیل والا ہاتھ پھرایا گیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار کی کیفیت

إِذَا زَالَ زَالَ تَقَلُّعًا: بعض لوگ چلتے وقت پاؤں گھسیٹ کر چلتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاؤں اٹھا کر

چلتے تھے۔ یہ آدمی کے مضبوط، قوی اور توانا ہونے کی علامت ہے۔

وَيَمْشِي هَوْنًا: یعنی آپ کا پاؤں مبارک زمین پر نرمی کے ساتھ پڑتا تھا۔ دھپ دھپ آواز نہیں آتی تھی۔

ذَرِيعُ الْمِشْيَةِ: پہلے گزر چکا ہے کہ آپ کی رفتار کی تیزی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین لپٹی جارہی ہے۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم آپ کی چال کا ساتھ دینے کے لیے اپنے آپ کو تھکا دیتے تھے، جب کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام رفتار سے چل رہے ہوتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر کی کیفیت

خَافِضُ الطَّرْفِ: آپ کی نگاہ ہمیشہ نیچی رہتی تھی، مجلس میں بھی اور راستے میں بھی۔

نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ إلخ: البتہ اگر کسی معاملے میں وحی کا انتظار رہتا، تو حضرت جبرئیل کی آمد کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے۔

جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے ہیں، یہ اچھی عادت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ ذرا گوشۂ چشم سے دیکھ لیا، پھر نگاہیں جھکالیں۔

سلام میں پہل

وَيَبْدَرُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ: آپ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ پہلے آپ سلام کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوبیوں کو اختیار کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائیں۔ آمین

۸ - حَدَّثَنَا أَبُو مُوسىٰ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ضَلِيعَ الْفَمِ، أَشْكَلَ الْعَيْنِ، مَنْهُوسَ الْعَقِبِ. قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتُ لِسِمَاكٍ: مَا ضَلِيعُ الْفَمِ؟ قَالَ: عَظِيمُ الْفَمِ. قُلْتُ: مَا أَشْكَلُ الْعَيْنِ؟ قَالَ: طَوِيلُ شَقِّ الْعَيْنِ. قُلْتُ: مَا مَنْهُوسُ الْعَقِبِ؟ قَالَ: قَلِيلُ لَحْمِ الْعَقِبِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فراخ دہن تھے۔ آپ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اور ایڑیوں پر بہت کم گوشت تھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ: میں نے سماک سے پوچھا: ضليع الفم کے کیا معنیٰ ہیں؟ انھوں نے فرمایا: فراخ دہن۔ میں نے پوچھا: أشكل العينين کے کیا معنیٰ؟ انھوں نے فرمایا: وہ شخص جس کی آنکھوں کے شگاف لمبے ہوں (فراخ چشم)۔ میں نے پوچھا: منهوس العقب کے کیا معنیٰ؟ تو انھوں نے فرمایا: کم گوشت ایڑیوں والا شخص۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فراخ دہن

ضَلِيعُ الْفَمِ: اس سے واقعتاً یا تو منہ کی کشادگی مراد ہے، یا اس سے مراد فصاحت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: انا افصح العرب: میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔

طَوِيلُ شِقِّ الْعَيْنِ: یعنی فراخ چشم؛ لیکن تقریباً تمام شراحِ حدیث اور لغویین اس معنیٰ کی تردید کرتے ہیں، اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ دوڑے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایڑیاں

قَلِيلُ لَحْمِ الْعَقِبِ: بعض لوگوں کی ایڑی میں زیادہ گوشت ہوتا ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایڑی مبارک میں گوشت کم تھا۔

٩ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، أَخبرَنَا عَبْثَرُ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ أَشْعَثَ ابْنَ سَوَّارٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ، وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ، فَلَهُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا، اُس وقت آپ سرخ جوڑا زیبِ تن فرمائے ہوئے تھے۔ میں (کبھی) چاند کو دیکھتا اور (کبھی) آپ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ، آپ میری نگاہ میں چاند سے بھی زیادہ خوب صورت ہیں۔

افادات: حلة حمراء: اس سے مراد خالص سرخ نہیں، بلکہ سرخ وسیاہ دھاریوں والی

یمنی چادر مراد ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

١٠ - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الرُّؤَاسِيُّ، عَنْ زُهَيْرٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَكَانَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِثْلَ السَّيْفِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ.

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں کہ: کسی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح (شفاف وطویل) تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں؛ بلکہ چاند کی طرح (روشن وچمک دار) تھا۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چاند سا نورانی چہرہ

قَالَ: لَا: صحابی نے تلوار والی تشبیہ کو رد فرمایا، کیوں کہ تلوار لمبی ہوتی ہے اور چاند گولائی لیے ہوتا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور گولائی لیے ہوئے تھا۔ یا شاید اس لیے اس تشبیہ کو رد فرمایا کہ تلوار اور چاند دونوں میں چمک ہوتی ہے، لیکن تلوار کی چمک میں کشش نہیں ہوتی، جب کہ چاند کی چمک میں ایک طرح کی کشش اور نورانیت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا بھی یہی حال تھا۔ اِس لیے تلوار والی تشبیہ رد کر کے چاند کے ساتھ تشبیہ دی۔

١١ - حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْمَصَاحِفِيُّ: سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي الْأَخْضَرِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبْيَضَ، كَأَنَّمَا صِيغَ مِنْ فِضَّةٍ، رَجِلَ الشَّعْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر صاف شفاف اور اُجلے تھے، گویا کہ چاندی سے آپ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہو، آپ قدرے خم دار بال والے تھے۔

افادات: كَأَنَّمَا صِيغَ مِنْ فِضَّةٍ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کی چمک اور نورانیت بتلانے کے لیے صحابی نے فرمایا کہ: ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاندی سے بنایا گیا ہو۔

١٢- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ

عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: عُرِضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ، فَإِذَا مُوسَى ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ، فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ ، فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ - يَعْنِي نَفْسَهُ - وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَام فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ .

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے انبیا پیش کیے گئے، موسیٰ دبلے پتلے بدن کے آدمی تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ وہ (یمن کے) قبیلۂ شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں۔ اور عیسیٰ بن مریم کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے ان کی شکل سے قریب تر عروہ بن مسعود ہیں۔ اور میں نے ابراہیم کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں ان کے ساتھ مشابہت کے لحاظ سے قریب تر تمھارا ساتھی -یعنی خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی- ہے، اور میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ دِحیہ کلبی ہیں۔

افادات: عرض علي الانبياء: یہ دیکھنا یا تو معراج کے موقع پر ہوا ہے، یا خواب میں ہوا ہے۔ بخاری شریف میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ اس اختلاف میں کوئی اشکال بھی نہیں، اس لیے کہ ممکن ہے دونوں مرتبہ دیکھا ہو۔

ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ: چھریرے بدن کے، یعنی دبلے پتلے جسم کے آدمی تھے۔ ''شنوءۃ'' یمن کے اندر ایک قبیلہ ہے، اس قبیلے کے لوگ عام طور پر چھریرے بدن کے اور پتلے جسم کے ہوتے تھے۔

عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ: یہ قبیلۂ بنو ثقیف کے سرداروں میں سے تھے۔ ایمان لانے کے بعد انھوں نے اپنی قوم کو دعوت دی تو ان کی قوم نے ان کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا۔

صاحبکم: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چہرہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا۔

شَبَهًا دِحْيَةُ: روایتوں میں آتا ہے کہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام جب کبھی انسانی شکل میں آتے، تو حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے۔ یہ بڑے حسین تھے۔ جب کبھی باہر نکلتے تھے، ان کے حسن و جمال کی وجہ سے عورتیں ان کو دیکھنے کے لیے نکل آتی تھیں۔

۱۳ - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ (اَلْمَعْنَى وَاحِدٌ)، قَالَا: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ

بْنُ هَارُونَ، عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الطُّفَيْلِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَا بَقِيَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ رَآهُ غَيْرِي، قُلْتُ: صِفْهُ لِي، قَالَ: كَانَ أَبْيَضَ مَلِيحًا، مُقَصَّدًا.

ترجمہ: حضرت سعید جُریری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، اور آپ کی زیارت کرنے والوں میں سے روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔ میں نے کہا: میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ حلیہ بیان کیجیے۔ انھوں نے فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گورے، سرخی مائل، معتدل جسم والے تھے۔

افادات: سَمِعْتُ أَبَا الطُّفَيْلِ: حضرت ابوطفیل کا نام عامر ابن واثلہ ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے اخیر میں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

علیٰ وجه الأرض: روئے زمین اس لیے فرمایا کہ آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے والوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔

١٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ، أَخبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ الزُّهْرِيُّ، أَخبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ابْنُ أَخِي مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ، إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّورِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو ایک نور سا دکھائی دیتا جو آپ کے دندان مبارک سے نکلتا تھا۔

افادات:

دندانِ مبارک کے درمیان مناسب فصل

أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ: آگے کے چار دانتوں کو عربی میں ثنایا کہا جاتا ہے، ان کے بیچ ذرا سا فصل تھا۔ پہلے گذر چکا ہے کہ یہ خوب صورتی کی علامت ہے۔

کالنور: بعض اہلِ علم فرماتے ہیں کہ: نور سے آپ کے ارشادات مراد ہیں، جو آپ کی زبانِ مبارک سے اور دندانِ مبارک کے بیچ میں سے نکلتے ہیں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ارشادات یا کلام

مراد نہیں؛ بلکہ معجزے کے طور پر باقاعدہ ایک حسّی چیز نظر آتی تھی، یعنی گفتگو کرتے وقت آپ کے دندان مبارک سے واقعتاً نور نکلتا ہوا نظر آتا تھا۔

۲- بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ النُّبُوَّةِ

مُہرِ نبوت کا بیان

افادات: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنایا تھا، اور آپ کے نبی ہونے کی علامت کے طور پر آپ کے جسمِ اطہر پر قدرتی طور پر مہرِ نبوت تھی۔ مہرِ نبوت حلیۂ شریفہ کا ہی ایک حصہ ہے؛ لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہم چیز ہونے کی وجہ سے اس کو بیان کرنے کے لیے ایک مستقل عنوان قائم کیا۔

مہرِ نبوت کا غائب ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی علامت

مہرِ نبوت، ولادت سے وفات تک آپ کے جسمِ اطہر پر رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہوا، بعض کہتے تھے کہ: انتقال فرما گئے، اور بعض کہتے تھے کہ: نہیں۔ اُس موقع پر حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے یہی کہا تھا کہ: مہرِ نبوت کو دیکھ لو، ہے یا نہیں؟ چناں چہ جب دیکھا گیا تو وہ غائب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر سے اس مہر کے غائب ہونے کو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی علامت قرار دیا گیا۔

کیا مہرِ نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا؟

مہرِ نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں؟ مشہور محدث ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس پر سِرْ فَانْتَ المنصور لکھا ہوا تھا، یعنی آپ آگے بڑھیے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد کی جائے گی! لیکن عام شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ: مہرِ نبوت پر کچھ لکھے ہوئے ہونے کے سلسلے میں جو روایتیں ہیں، وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔

۱۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، أَخبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ. فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ، وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى الْخَاتَمِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: میری خالہ مجھے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر میرے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا/ اعضائے وضو سے گرنے والا پانی نوش کیا۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسِ پشت کھڑا ہوا، تو میری نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُہرِ نبوت پر پڑی، جو دو مونڈھوں کے بیچ میں تھی، تو ناگاہ وہ مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔

افادات: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ: سائب بن یزید صغارِ صحابہ یعنی چھوٹے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، ۲ھ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت اِن کی عمر آٹھ سال کی تھی۔

ذهبت بي: بڑوں کے پاس بچوں کو برکت اور دعا کے لیے لے جایا جاتا ہے۔

صحابی کو کیا تکلیف تھی؟

ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ إلخ: حضرت سائب کو کیا تکلیف تھی؟ بعض کہتے ہیں کہ سر میں تکلیف تھی؛ اس لیے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا؛ لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: سر پر ہاتھ پھیرنا تکلیف کی وجہ سے نہیں تھا، عام طور پر بچوں کے سروں پر شفقت اور محبت کی وجہ سے ہاتھ پھیرا جاتا ہے، ان پر بھی شفقت اور محبت سے ہاتھ پھیرا تھا۔ بخاری کی روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ ان کے پاؤں میں تکلیف تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

روایتوں میں ہے کہ: یہ صحابی بوڑھے ہو گئے، جسم کے سارے بال سفید ہو گئے؛ لیکن سر کے

بال اخیر زندگی تک سیاہ رہے۔ یہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کا اثر تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے پانی کے ساتھ صحابہ کا معاملہ

وَتَوَضَّأَ: وُضو–واو کے پیش کے ساتھ–وضو کے عمل کو کہتے ہیں، اور وَضو–واو کے زبر کے ساتھ–وضو کے بچے ہوئے پانی کو کہا جاتا ہے۔ اِس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) پہلے زمانے میں عام طور پر برتن کے اندر ہاتھ ڈال کر پانی لیا جاتا تھا، نلکی والے لوٹے نہ تھے؛ بلکہ بڑا برتن ہوتا تھا۔ وضو کرنے والے اندر ہاتھ ڈال کر چُلّو سے پانی لیتے تھے، یہاں ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جس برتن میں آپ نے ہاتھ ڈال کر وضو کیا، اس برتن میں جو پانی بچ گیا تھا، وہ میں نے پیا۔ صحابہ میں اس پر تنافس ہوتا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر آئے، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ٹوٹ پڑے، کسی کے ہاتھ میں آیا، کسی کے ہاتھ میں نہیں آیا تو جس کے ہاتھ میں آیا تھا اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر لے رہے تھے، اور اپنے جسم پر پھیر رہے تھے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شفا رکھی ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضائے وضو سے جو پانی نیچے گرتا تھا، اُس کو لے کر پیا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضا سے پانی نیچے نہیں گرنے دیتے تھے؛ بلکہ گرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں لے کر اعضا پر مَل لیتے تھے۔ اس پانی کی پاکی ناپاکی کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں ہوتا؛ کیوں کہ کتابوں میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلہ کو بھی پاک لکھا ہے۔

مہرِ نبوت کہاں تھی؟

الْخَاتَمِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ: مہر نبوت دونوں مونڈھوں کے بالکل بیچ میں نہیں تھی، بلکہ بائیں مونڈھے کی طرف جہاں دل ہوتا ہے، اس کے سامنے تھی۔ اسی کو بتلانے کے لیے یہ روایت پیش فرمائی ہے۔

مہرِ نبوت کی مقدار

حجلة: اس عبارت کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

(۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ زر الحجلة یعنی چھپر کھٹ کی گھنڈی۔ پہلے زمانے میں جب دُلہن کو رخصت کیا جاتا تھا تو شبِ عروسی گذارنے کے لیے پلنگ کو سجایا جاتا تھا، اور پلنگ کے اوپر کپڑا باندھ کر کمرہ جیسا بنایا جاتا تھا، اس کو مزین کرنے کے لیے اس پر بڑے بڑے بٹن لگادیے جاتے تھے۔ آج بھی بہت سے مقامات میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے اس طرح کے بٹن لگائے جاتے ہیں، اس کو عربی میں حجلة کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ مہرِ نبوت چھپر کھٹ کی گھنڈی کے برابر تھی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو راجح فرمایا ہے اور اکثر محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ زر الحجلة یعنی چکوری کا انڈا۔ چکور ایک پرندہ ہے، چاند کا بڑا عاشق ہے، چاندنی رات میں چاند دیکھ کر رات بھر ناچتا رہتا ہے، بڑا حسین وجمیل ہوتا ہے، عربی میں اس کے نر کو یعقوب اور مادہ کو حجلة کہتے ہیں، اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ: مہرِ نبوت چکوری کے انڈے کی سائز کی تھی۔

١٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالْقَانِيُّ، أَخبَرَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ .

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ نبوت کو آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان دیکھا، جو (رنگت میں) سرخ غدود (رسولی) جیسی اور (مقدار میں) کبوتر کے انڈے جتنی تھی۔

افادات: غدة حمراء: کبھی کبھی جسم کے اندر کھال اور گوشت کے درمیان کوئی زائد حصہ آجاتا ہے، جس کی وجہ سے گرہ (گانٹھ) ہوجاتی ہے، جس کو گلٹی اور رسولی کہتے ہیں۔ اس عبارت میں راوی نے مہرِ نبوت کا رنگ بتلایا ہے۔

بیضة الحمامة: اس سے مہرِ نبوت کی مقدار اور سائز بتلا رہے ہیں۔ مہر نبوت کی مقدار اور رنگ کے سلسلے میں مختلف روایتیں آئی ہیں، ان میں تطبیق دیتے ہوئے مشہور محدث علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مہرِ نبوت کی مقدار اور سائز بدلتی رہتی تھی، کبھی چھوٹی ہوتی تھی اور کبھی بڑی ہوتی تھی۔ اسی طرح رنگ بھی بدلتا رہتا تھا؛ لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مہرِ نبوت کے سائز اور رنگ میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا، البتہ مشاہدہ کرنے والوں نے اپنے اپنے انداز میں سائز اور رنگ بتلانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ایک چیز چند آدمی دیکھتے ہیں، پھر ہر ایک شخص اس کو بتلانے اور تعبیر کرنے کے لیے اپنے ذہن میں موجود چیز کو سامنے رکھ کر تشبیہ دیتا ہے، تو یہ اختلاف دراصل تشبیہ دینے والوں کا ہے؛ ورنہ مہرِ نبوت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا۔

۱۷ - حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدَنِيُّ، أَخبَرَنَا يُوسُفُ بْنُ الْمَاجِشُونِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ جَدَّتِهِ: رُمَيْثَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَلَوْ أَشَاءُ أَنْ أُقَبِّلَ الْخَاتَمَ الَّذِي بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِنْ قُرْبِهِ لَفَعَلْتُ، يَقُولُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَوْمَ مَاتَ: اهْتَزَّ لَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ .

ترجمہ: حضرت رُمیثہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان (اتنے قریب سے) سنا کہ -اگر میں اس نزدیکی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس مہرِ نبوت کو جو آپ کے دومونڈھوں کے درمیان تھی، چومنا چاہتی تو چوم سکتی تھی- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرما رہے تھے: ان کی موت کے دن اُن کے واسطے رحمٰن کا عرش جھوم گیا۔

افادات: اس باب میں اس روایت کو لانے کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پیش کرنا نہیں ہے؛ بلکہ روایت بیان کرنے والی صحابیہ اس روایت میں مہرِ نبوت کا تذکرہ کر رہی ہیں۔ اِسی مناسبت سے اس روایت کو لائے ہیں۔

اهتز له عرش الرحمن: ان کی روح کی آمد کی خوشی میں رحمٰن کا عرش حرکت میں آ گیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عرش سے مراد عرش والے فرشتے ہوں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ انصار کے قبیلۂ اوس کے بڑے سرداروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ قبیلۂ اوس کی شاخ بنو عبد الاشہل سے ان کا تعلق تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ والوں سے مایوس ہوئے تو موسمِ حج میں حج کے ارادے سے آنے والے قافلوں اور قبیلوں کو اسلام کی دعوت پیش کرتے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے کہ: آپ لوگ مجھے اپنے یہاں لے جاؤ؛ تاکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ پیغام اس کے بندوں تک سکون واطمینان کے ساتھ پہنچا سکوں۔ مکہ والے میری راہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں، مجھے کام نہیں کرنے دیتے؛ لیکن قریش کا رعب تمام قبائلِ عرب پر اتنا زیادہ تھا کہ کوئی قبیلہ اپنے یہاں لے جاکر آپ کا تعاون کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا؛ کیوں کہ قریش سے دشمنی مول لینا بڑا اخطرناک تھا۔ دوسری طرف مدینہ میں چار مشہور قبائل آباد تھے: دو یہودیوں کے: بنو نضیر اور بنو قریظہ، اور دو عرب بت پرست مشرکین کے: اوس اور خزرج۔ عام طور پر ان میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ یہودی ان بت پرستوں کو ہمیشہ دھمکیاں دیتے رہتے تھے کہ نبیٔ آخر الزماں کی بعثت کا زمانہ بالکل قریب آچکا ہے، جب وہ نمودار ہوں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے اور ان پر ایمان لانے کی وجہ سے اللہ ہماری مدد کرے گا، اور اس کے نتیجے میں ہم تم پر غالب آجائیں گے۔ یہودی حج میں نہیں جاتے تھے، اور عربوں میں بت پرستی کے باوجود دینِ ابراہیمی کا سلسلۂ حج جاری تھا۔ ہجرت سے تین سال قبل خزرج کے چھ آدمیوں کی رات کے وقت منیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی، آپ نے ان سے گفتگو کرکے اُن کو اسلام کی دعوت پیش کی، تو یہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق یہودی ہم کو بار بار کہتے رہتے ہیں، یہ اچھا موقع ہے کہ ان یہودیوں سے پہلے ہم ان پر ایمان لے آویں۔ چناں چہ انھوں نے رات کے اندھیرے میں ایمان قبول کیا۔ دوسرے سال بارہ آدمی آئے اور جمرۂ عقبہ کے قریب حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اِس کو ''بیعتِ عقبۂ اولیٰ'' کہتے ہیں۔ اِسی موقع پر انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں، ہم آپ کی مدد کریں گے۔

اس کے بعد ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا، حضور ﷺ نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کی تعلیم وتربیت، تعلیمِ قرآن اور احکامِ اسلام سے واقف کرانے کے لیے مدینۂ منورہ بھیجا۔ پہلے چھ آدمیوں نے مدینہ واپسی پر گھر گھر آپ کا ذکرِ خیر پہنچا دیا۔ پورے مدینہ میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں آپ ﷺ کا تذکرہ نہ ہوتا ہو۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے بعد تو یہ چرچا اور بڑھ گیا، ہر مجلس میں یہی گفتگو ہوتی تھی۔ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر ٹھہرے۔ حضرت اسعد ابن زُرارہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے جمعہ قائم کیا، حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو قرآن سکھلاتے اور احکامِ اسلام سے واقف کراتے تھے، اور دوسرے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے، چناں چہ ان کی دعوت سے مدینہ میں بہت سارے لوگ ایمان لے آئے۔ ایک مرتبہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک باغ میں اَوس کے کچھ لوگوں کے سامنے -جن میں سعد بن معاذ کا خاندان بنو عبد الاشہل بھی تھا- دعوتِ اسلام پیش کر رہے تھے، کسی نے آ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، جو اُسید ابن حُضیر کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی اور پکے دوست تھے اور حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، یہ دونوں بھی پکے دوست تھے۔ ان دونوں کو آ کر کسی نے اطلاع دی کہ مصعب ابن عمیر، اسعد بن زرارہ کے ساتھ فلانے باغ میں کچھ لوگوں کو دعوتِ اسلام پیش کر کے بیعت کر رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ کو بڑا غصہ آیا کہ اچھا! ہمارے خاندان کے کچھ لوگوں کو یہ گمراہ کر رہے ہیں! انھوں نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ دیکھو! میں خود جاتا اور ان کی خبر لیتا؛ لیکن چوں کہ اسعد بن زرارہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں اور عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، میں ان کا احترام کرتا ہوں، اس لیے اس مسئلے کو تم نمٹا لو اور ان کی خبر لو!۔

چناں چہ حضرت اسید بن حضیر اپنا بھالا لے کر گئے۔ ان کو آتا ہوا دیکھ کر حضرت اسعد بن زرارہ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ان کو اسلام کی دعوت پیش کرو! چناں چہ یہ آئے اور آتے ہی

انھوں نے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: دیکھو! ایک کام کرو، میں ان کو جو باتیں کہہ رہا ہوں تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر تم کو ٹھیک لگے تو قبول کر لینا اور اگر تم کو پسند نہ آئے تو ہم تمھارے قبیلے میں یہ کام نہیں کریں گے۔ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر نے کہا: ہاں! یہ تم نے انصاف کی بات کہی۔ چناں چہ انھوں نے اپنا بھالا وہیں گاڑا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کو قرآن کی چند آیتیں سنا کر اسلام کی دعوت پیش کی، تو انھوں نے کہا: تمھارے اس دین میں کس طرح داخل ہوا جاتا ہے؟ کہا: غسل کر کے پاک کپڑے پہنو، کلمہ پڑھو اور اس کے بعد شکرانے کی دو رکعت پڑھو! چناں چہ یہ سب کر کے یہاں سے لوٹے۔ اِن کا حال ہی بدل گیا۔ یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو کہہ کر آئے تھے کہ: میں ایک دوسرے آدمی کو تمھارے پاس لاتا ہوں، اگر وہ اسلام قبول کر لے گا تو پورا قبیلہ اسلام قبول کر لے گا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کو آتا ہوا دیکھ کر کہا کہ جو چہرہ لے کر گئے تھے، وہ نہیں ہے۔ چناں چہ انھوں نے آ کر کہا: میرے ساتھ ایسا معاملہ پیش آیا۔ حضرت سعد بن معاذ کو جوش آ گیا اور کہنے لگے کہ: میں اس کی خبر لیتا ہوں! وہ پورے جوش کے ساتھ گئے؛ لیکن ان کے ساتھ بھی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اسی انداز سے گفتگو کی کہ دیکھو! اگر آپ کو یہ کام ناپسند ہے تو نہیں کریں گے؛ لیکن پہلے سن تو لو۔ چناں چہ انھوں نے کہا کہ: تم نے انصاف کی بات کہی، وہ بیٹھ گئے۔ اُنھوں نے اسلام پیش کیا تو اِنھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان کا اپنے قبیلہ میں بہت زیادہ اثر ورسوخ تھا، قبیلے والوں کو اسلام کی دعوت دی تو پورا قبیلۂ بنو عبد الاشہل مسلمان ہو گیا۔ مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے بنو عبد الاشہل کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ پورا قبیلہ بہ یک وقت اسلام لایا۔

حضراتِ مہاجرین میں جو مزاج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا، وہی مزاج حضراتِ انصار میں حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کا تھا، بڑے تیز طرّ ار تھے۔ کوئی ان کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر یہودیوں نے مکہ کے مشرکین اور قبیلۂ غطفان کو رشوت دے کر مسلمانوں کے خلاف اُکسایا۔ یہودی اندر سے ملے ہوئے تھے، پورا متحدہ محاذ مسلمانوں کے مقابلے میں آیا تھا۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اس معاملے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ: فارس میں یہ طریقہ ہے کہ جب دشمن بڑی تعداد میں ہو اور میدان میں مقابلے کرنا دشوار ہو تو شہر کے ارد گرد خندق کھود کر دشمن کو اندر آنے سے روکا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا۔ خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا، اور مدینہ کی شمالی سمت میں- جہاں سے دشمن آسکتا تھا- خود حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے خط کھینچا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی دس دس افراد کی ٹولیاں بنا کر ہر ایک کو چالیس گز کھودنے کا کام سونپا۔ چھ دن میں ساڑھے تین میل یعنی پونے چھ کلو میٹر لمبی خندق تیار ہوگئی۔ میدان میں مشرکین کا لشکر آیا تو خندق حائل تھی۔ اس پار مدینہ میں مسلمان تھے، بنوقریظہ کے یہودی مسلمانوں کے معاہد تھے، معاہدے کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیے تھا، لیکن بنونضیر کے سردار حُیَی ابن اخطب نے بنوقریظہ کے سردار کعب ابن اسد کو عار دلا کر کے مسلمانوں کے خلاف تیار کیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس بات کی تحقیق کے لیے اوس کے سردار سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ اور خزرج کے سردار سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اور ان دونوں سعدین سے کہا کہ اگر واقعتاً انھوں نے معاہدہ ختم کر دیا ہے تو یہاں آکر اشارے کنایے میں کہنا؛ تاکہ کہیں مسلمانوں کے حوصلے پست نہ ہو جائیں، اور اگر معاہدہ ختم نہیں کیا ہے تو کھل کر کہنا۔ ان دونوں نے جا کر دیکھا تو وہاں تو بالکل حال ہی بدلا ہوا تھا، معاہدہ توڑنے کی ساری نشانیاں موجود تھیں۔ ان دونوں نے گفتگو شروع کی، بہت ''تو تو، میں میں'' ہوئی۔ بہر حال! انھوں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشارے کنایے میں بتلایا کہ بنوقریظہ نے غداری کی ہے۔ ان کی غداری کا حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر بڑا اثر تھا۔

اسی زمانۂ جنگ میں قبیلۂ اوس کی شاخ بنو حارثہ کے قلعے میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو بہ غرضِ حفاظت رکھا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی وہاں تھیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت لے کر والدہ کی خیر خیریت پوچھنے کے لیے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: انھوں نے نصف بدن پر زرہ پہن رکھی تھی، باقی حصے پر صرف کپڑا تھا۔ میں نے ان کی والدہ سے کہا کہ: سعد کے بازو کھلے ہوئے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں دشمن کا کوئی تیر نہ لگ جائے،

توان کی والدہ نے کہا: چھوڑو بھی! اللہ کے یہاں جو مقدر ہوتا ہے، وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔ والدہ نے کہا: بیٹا جاؤ! میری خیریت تو معلوم کرلی، اب حضور ﷺ کے پاس جاؤ! وہ لشکر گاہ میں پہنچے اور دشمن کا تیر ان کے بازو میں اس جگہ لگا جہاں "رگِ اَکحل" ہوتی ہے، جو دراصل دل کی رگ ہے، اس کی شاخیں پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، وہ کٹی اور خون جاری ہوگیا۔ خون کو بند کرنے کی ہر چند کوشش کی گئی؛ مگر بند نہ ہوسکا، تو آخر میں لوہا گرم کر کے داغ لگایا۔ یہ اس زمانہ کا طریقۂ علاج تھا، وقتی طور پر خون بند ہوگیا۔ حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے لیے الگ سے ایک خیمہ مسجد کے قریب لگوایا؛ تاکہ قریب میں رہ کر ان کی عیادت کی جاسکے اور ان کی خیر خیریت معلوم کی جاسکے۔

حضرت سعد کو جب زخم لگا تو انھوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ: اے اللہ! میری دلی تمنا یہ ہے کہ جن لوگوں نے تیرے حبیب کو جھٹلایا، تکلیفیں پہنچائیں، وطن سے بے وطن کیا، ان سے لڑائی کروں۔ اگر آئندہ قریش کا اور مکہ والوں کا مدینہ پر حملہ ہونے والا ہے تو مجھے باقی رکھ؛ تاکہ میں ان کا مقابلہ کروں۔ اور اگر مدینہ پر ان کا حملہ نہیں ہونے والا ہے تو مجھے شہادت کی موت دے؛ لیکن جب تک بنو قریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں وہاں تک مجھے موت نہ آئے! اِدھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو ناکام کیا، ان کا لشکر بھاگ گیا۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ خندق سے واپس تشریف لائے۔ ہتھیار اتار کر غسل کیا۔ اِدھر غسل سے فارغ ہوئے اُدھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، اور کہا کہ: آپ نے تو ہتھیار بھی اتار لیے، ہم فرشتوں نے ابھی نہیں اتارے ہیں! اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان غداروں کی خبر لو! چناں چہ اسی وقت حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے اعلان کیا کہ: جنھوں نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی وہ وہاں جاکر نماز پڑھیں اور جو ظہر پڑھ چکے ہیں وہ عصر وہاں جاکر پڑھیں۔ مطلب یہ تھا کہ جلدی پہنچو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر بھیجا، حضور ﷺ پیچھے پیچھے تشریف لے گئے، قلعے کا محاصرہ کیا، یہ لوگ تنگ آگئے تو انھوں نے کہا کہ: ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیجو، ان سے مشورہ کرنا ہے! حضور ﷺ نے فرمایا: جاؤ! وہ قلعے میں گئے تو ان کی عورتیں اور بچے آکر رونے لگے۔ انھوں نے کہا کہ: ہمیں مشورہ

دو، کیا ہم اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالہ کردیں؟ انھوں نے کہا کہ: ٹھیک ہے، کردو؛ لیکن ہاتھ کو گردن پر پھیر کر اشارہ کیا کہ تمھارا تو فیصلہ قتل ہی کا ہونے والا ہے۔ یہ کہہ کر واپس ہوئے۔ پھر خیال ہوا کہ میں نے حضور ﷺ کا راز کھول دیا، انھوں نے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ: جب تک حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے نہ کھولیں گے، میں نہیں جاؤں گا۔ پھر توبہ قبول ہوئی، حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے کھولا۔ مسجدِ نبوی میں ریاض الجنۃ میں اسطوانۂ ابولبابہ یہی وہ ستون ہے جس سے انھوں نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا۔

بہرحال! بنوقریظہ نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ زمانۂ جاہلیت میں بنوقریظہ اوس کے حلیف تھے اور بنونضیر، خزرج کے۔ بنونضیر سے جنگ کے موقع پر بھی حضور ﷺ کا ارادہ قتل کرنے کا تھا؛ لیکن ان کے حلیف خزرج میں سے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے سفارش کی تھی، چناں چہ اس کی سفارش پر آپ ﷺ نے بنونضیر کو قتل کے بہ جائے جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ اب جب بنوقریظہ کا موقع آیا تو ان کے حلیف اوس والوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ نے بنونضیر کے سلسلے میں ہمارے خزرجی بھائیوں کی سفارش قبول کرکے ان کی جان بخش دی تھی، آپ ہمارے حلیف بنوقریظہ کے سلسلے میں ہماری سفارش قبول فرمایئے! آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمھارے ہی قبیلے کے ایک آدمی کو فیصلہ سونپوں تو تم راضی ہو؟ انھوں نے کہا: راضی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: سعد ابن معاذ کو بلاؤ! وہ بیمار تھے، سواری پر سوار کرکے لائے گئے۔ جب قریب آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان کو اتار لاؤ، اور فرمایا کہ: آپ ان کے حق میں جو فیصلہ کریں گے وہ نافذ ہوگا۔ حضرت سعد نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ: آپ پر بھی نافذ ہوگا یعنی آپ بھی مانیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں بھی مانوں گا۔ چناں چہ انھوں نے کہا کہ: میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے لڑنے والے تمام مَردوں کو قتل کردیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنالیا جائے، اور ان کے اموال وجائیداد کو مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ کو پسند تھا۔

اس کے بعد وہ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ وہ خون جو بند کیا گیا تھا وہ دوسری جگہ جمع ہوکر اَور وَرم ہوکر پھول گیا، سینے کے قریب سے دوبارہ زخم پھوٹا اور خون نکلا، اسی حالت میں حضور ﷺ کے پاس لایا گیا، آپ ﷺ نے خون نکلنے کی حالت میں ان کو اپنے سینے سے لگایا، حضور ﷺ کے جسمِ اطہر پر بھی خون لگا، ان کا سر اپنی گود میں لیا اور دعا فرمائی: اے اللہ! تو کسی بندے کی روح سے جس طرح خوش ہوکر ملتا ہے سعد کی روح کا بھی اسی طرح خوش ہوکر استقبال کیجیو! اور اے اللہ! وہ بہترین بدلہ جو اُس قوم کے سردار کو جس نے اسلام کی مدد کی تُو دیا کرتا ہے، ان کو عطا فرمائیو! حضرت سعد نے حضور ﷺ کا شکریہ ادا کیا اور اسی حالت میں موت آ گئی۔

وفات کے وقت ۳۷ رسال کی عمر تھی۔ یہ بڑے بھاری جسم والے تھے۔ ان کی وفات کے بعد جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا، تو منافقین نے طعنہ دیا کہ ان کا جنازہ بڑا ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ اصل میں وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ہم نے تو اپنے حلیفوں کی جان بچائی تھی اور انھوں نے ان کے قتل کا فیصلہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: سعد کے جنازے کو کندھا دینے کے لیے آسمان سے ایسے ستّر ہزار فرشتے اترے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں اترے؛ اِس لیے جنازہ ہلکا معلوم ہوتا ہے۔ اسی موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ان کی آمد کی خوشی میں اللہ کا عرش بھی ہل گیا۔

دفن کرنے کے بعد حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے زور سے تین مرتبہ سبحان اللہ کہا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی زور سے تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھا۔ پھر حضور ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتنی زور سے کہا کہ فضا گونج اٹھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: سعد کو بھی قبر نے بھینچا، اگر کوئی قبر کی تنگی سے بچ سکتا تھا تو سعد بچ سکتے تھے۔ یہ ہے قبر کا حال! اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب قبر کو دیکھتے تھے تو بہت روتے تھے، کسی نے پوچھا: آپ قبر کو دیکھ کر اتنا کیوں روتے ہو؟ فرمایا کہ: میں نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل قبر ہے، اگر یہ آسان ہوگئی تو بعد کی تمام منزلیں آسان ہوجائیں گی، اور اگر اس میں گرفت ہوگئی تو بعد کی تمام منزلیں اَور بھی مشکل ہوں گی۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ: میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ: قبر جیسا خطرناک منظر میں نے نہیں دیکھا۔

بہر حال! سعد ابن معاذ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ حضرت سعد کا صحابہ میں بڑا مقام تھا۔
یہاں اس روایت کو اس لیے لائے ہیں کہ صحابیہ نے اهتز له عرش الرحمن جملہ اتنا قریب سے سنا کہ اگر وہ حضور ﷺ کی مہرِ نبوت کو بوسہ دینا چاہتیں، تو دے سکتی تھیں۔

١٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوا: أَخبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ مَوْلَى غُفْرَةَ، حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ -مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ، إِذَا وَصَفَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ وَقَالَ: بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ .

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پوتے ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے تو (بہت عمدگی سے طویل گفتگو فرماتے)، پھر ابراہیم نے (مذکورۂ بالا) پوری حدیث ذکر کی، اُس (طویل حدیث) میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے) یہ بھی منقول ہے کہ: حضور ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی، اور آپ نبیوں کے سلسلے کو کامل کرنے والے ہیں۔

افادات: یہ روایت پہلے باب میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے حلیۂ شریفہ کے بیان میں آچکی ہے، چوں کہ اس میں مہرِ نبوت کا تذکرہ تھا، اس لیے دوبارہ اس روایت کو پیش کیا۔

١٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ، أَخبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ، أَخبَرَنِي عِلْبَاءُ بْنُ أَحْمَرَ، أَخبَرَنِي أَبُو زَيْدٍ عَمْرُو بْنُ أَخْطَبَ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا أَبَا زَيْدٍ! ادْنُ مِنِّي فَامْسَحْ ظَهْرِي، فَمَسَحْتُ ظَهْرَهُ، فَوَقَعَتْ أَصَابِعِي عَلَى الْخَاتَمِ، قُلْتُ: وَمَا الْخَاتَمُ؟ قَالَ: شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ .

ترجمہ: حضرت ابوزید عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوزید! میرے قریب آجاؤ اور میری کمر مَل دو! میں نے حضور ﷺ کی کمر مَلنی شروع کی تو اس دوران میری انگلیاں مہرِ نبوت پر جالگیں۔ (راویٔ حدیث عِلباء کہتے ہیں کہ:) میں نے (ابوزید رضی اللہ عنہ سے) پوچھا: مہرِ نبوت کیا چیز تھی؟ انھوں نے جواب دیا: چند اکٹھے بال تھے۔

افادات: شعرات مجتمعات: مہرِ نبوت دراصل جسم کے اندر گوشت کا ایک ابھرا ہوا ٹکڑا تھا اور اس کے چاروں طرف بال اگے ہوئے تھے؛ اِس لیے انھوں نے اس کو "بالوں کے گچھے اور مجموعے" سے تعبیر کیا۔ پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ ہر آدمی اپنی عقل اور سمجھ کے اعتبار سے تعبیر کرتا ہے، چیز ایک ہی ہے، صرف تعبیرات کا فرق ہے۔

٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ الْخُزَاعِيُّ، أَخبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي: بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: جَاءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ بِمَائِدَةٍ عَلَيْهَا رُطَبٌ، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا سَلْمَانُ! مَا هَذَا؟ فَقَالَ: صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلَى أَصْحَابِكَ، فَقَالَ: ارْفَعْهَا، فَإِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، قَالَ: فَرَفَعَهَا، فَجَاءَ الْغَدَ بِمِثْلِهِ، فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: مَا هَذَا؟ يَا سَلْمَانُ! فَقَالَ: هَدِيَّةٌ لَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: ابْسُطُوا. ثُمَّ نَظَرَ إِلَى الخَاتَمِ عَلىٰ ظَهرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَآمَنَ بِهِ، وَكَانَ لِلیَهُودِ فَاشتَرَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِكَذَا وَكَذَا دِرهَماً، عَلىٰ أَنْ يَغرِسَ لَهُمْ نَخلاً، فَيَعمَلَ سَلمَانُ فِيهِ حَتّٰى يُطعِمَ. فَغرَسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّخلَ إِلَّا نَخلَةً وَاحِدَةً غَرَسَهَا عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَحَمَلَتِ النَّخلُ مِن عَامِهَا، وَلَم تَحمِلْ نَخلَةٌ مِّنهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟ فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَنَا غَرَسْتُهَا، فَنَزَعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَغَرَسَهَا، فَحَمَلَتْ مِن عَامِهَا .

ترجمہ: حضرت بریدہ (بن الحصیب) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (بہ وقتِ ہجرت) مدینہ تشریف آوری کے وقت سلمان فارسی نے ایک خوانچہ -جس میں تازہ کھجوریں رکھی تھیں- لاکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: اے سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو اٹھالیجیے، اس لیے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت سلمان نے اس کو اٹھالیا۔ پھر دوسرے دن ایسا ہی خوانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: آپ کے لیے ہدیہ ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ہاتھ بڑھاؤ! پھر (حضرت سلمان نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر مہرِ نبوت دیکھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے، اور (اُس وقت) وہ یہود کے غلام تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اتنے دراہم میں اُن کوخرید لیا؛ نیز یہ شرط تھی کہ وہ اُن کے واسطے کھجور کے درخت لگادیں اور بارآور ہونے تک سلمان اس کی خبر گیری کرتے رہیں۔ چناں چہ (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے) تمام درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگائے، بہ جز ایک درخت کے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لگایا۔ اسی سال سب درخت پھلے؛ البتہ ان میں سے ایک درخت نہ پھلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس درخت کا یہ حال کیوں ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میں نے روپا تھا! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اکھاڑ کر دوبارہ روپا، تو وہ بھی اُسی سال پھلا۔

افادات:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

جَاءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ: اس روایت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ڈھائی سو سال اور ایک قول کے مطابق ساڑھے تین سو سال کی عمر پائی۔ اصلاً فارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مجوسی تھے اور اپنی قوم کے بڑے سرداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ کثیر جائیداد کے بھی مالک تھے۔ ان کا آبائی مذہب مجوسیت (آتش پرستی) تھا۔ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے مذہب میں اتنی محنت کی کہ آتش کدے کا مجھے ذمہ دار بنا دیا گیا۔ میرے والد کی کچھ جائیداد اور زمینیں وغیرہ تھیں، ایک مرتبہ میرے والد نے کسی کام کے لیے اپنی جائیداد کی طرف بھیجا، جب میں وہاں گیا تو راستے میں کلیسا (عیسائیوں کی عبادت گاہ) نظر آیا۔ میں دیکھنے کے ارادے سے اس میں داخل ہوا، وہ لوگ عبادت کر رہے تھے۔ ان کی عبادت کا طریقہ مجھے پسند آیا، میں دن بھر وہاں رہا، ان کو پوچھا کہ: تمھارے مذہب کا اصل مرکز کہاں ہے؟ انھوں نے کہا کہ: شام میں ہے۔ رات کو جب دیر سے گھر پہنچا، تو گھر والوں نے پوچھا کہ: اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ میں نے کہا کہ: راستے میں ایک کلیسا کے اندر عیسائیوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرتے ہوئے دیکھا، مجھے وہ عبادت بڑی پسند آئی اور ان کا مذہب بڑا اچھا لگا۔ میرے والد نے کہا کہ: ہمارا آبائی مذہب ہی اچھا ہے۔ میں نے کہا کہ: نہیں، وہی اچھا ہے۔ میرے والد صاحب نے محسوس کیا کہ میرے دل میں اس کی محبت بیٹھ گئی ہے؛ اس لیے ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میں بھاگ نہ جاؤں۔

میرے والد کو مجھ سے بڑی محبت تھی، انھوں نے مجھ کو بیڑی میں باندھ دیا۔ چند دن میں گھر میں بند رہا، اسی دوران میں نے کلیسا والوں سے کہلوایا کہ: شام کا کوئی قافلہ واپس جانے والا ہو تو مجھے بتلانا؛ تاکہ میں ان میں شامل ہو جاؤں۔ چناں چہ ایک قافلے کی اطلاع ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اپنی بیڑی کاٹی اور قافلے کے ساتھ شام پہنچ گیا۔

شام میں ایک راہب تھا۔ وہ مذہب کا بڑا آدمی شمار ہوتا تھا، لوگوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا تھا اور اللہ کے نام پر آیا ہوا سارا مال خود ہی جمع کر لیتا تھا۔ اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کے انتقال پر دوسرا آدمی مقرر کیا گیا۔ وہ بڑا نیک، صالح اور عبادت گذار آدمی تھا۔ میں اس کی خدمت کرتا رہا، اس کو مجھ سے خصوصی تعلق ہو گیا، یہاں تک کہ جب اس کی موت کا وقت آ گیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ: میں کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ: اِس وقت ہمارے طریقے پر عراق کے شہر ''موصل'' میں ایک آدمی ہے، تم وہاں چلے جاؤ، اس کا یہ نام ہے۔ چناں چہ اس کے انتقال کے بعد میں اس آدمی سے ملا، وہ بھی بڑا نیک تھا، میں نے اس کے پاس رہ کر اس کی بڑی خدمت کی، اس کو بھی مجھ سے محبت ہو گئی، اس کی موت کے وقت میں نے اس سے پوچھا کہ: میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا کہ: ہمارے طریقہ پر ''نصیبین'' میں ایک آدمی ہے، اس کے پاس چلے جاؤ! میں نے وہاں جا کر اس کا حوالہ دیا، اس نے مجھے اپنے پاس رکھا، میں اس کی خدمت کرتا رہا، وہ بھی بڑا نیک آدمی تھا۔ ایک عرصے کے بعد جب اس کی بھی موت کا وقت آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ: میں اب کہاں جاؤں؟ تو اس نے ''عموریہ'' کے ایک آدمی کا نام اور پتہ دیا، میں وہاں گیا اور اس کا نام لے کر اس سے ملا۔ وہ بھی بڑا نیک اور عبادت گذار تھا۔ ''عموریہ'' کے قیام کے دوران میں نے کچھ کاروبار بھی کیا، اپنی چند گائیں اور بکریاں بھی جمع کر لیں۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ: میں اب کہاں اور کس کے پاس جاؤں؟ تو اس نے کہا کہ: ہمارے طریقہ پر اب کوئی آدمی نہیں ہے، لیکن نبیٔ آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اور وہ فلاں بستی میں ہجرت کر کے آئیں گے، اور چند نشانیاں بتلائیں، مثلاً کھجوروں کے بہ کثرت باغات ہیں، اس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے پتھریلے

دو میدان ہیں، وغیرہ وغیرہ- تم وہاں چلے جاؤ! جب وہ آئیں گے تو تم کو ان پر ایمان لانے کا موقع ملے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس کے انتقال کے بعد عرب کے قبیلۂ بنو کلب کے کچھ لوگ وہاں تجارت کی غرض سے آئے تھے، میں نے ان سے کہا: مجھے اس بستی میں پہنچا دو، اس کے بدلے میں تم کو مَیں یہ بکریاں اور گائیں دے دوں گا! چناں چہ وہ لوگ مجھے اپنے ساتھ لے گئے، اور وادی القریٰ- جو خیبر سے مدینہ آتے ہوئے ایک آبادی ہے- میں انھوں نے میری بکریوں اور گایوں پر قبضہ کرلیا اور مجھے اپنا غلام ظاہر کر کے بیچ دیا۔ بنو قریظہ کے ایک آدمی نے مجھے خرید لیا۔ یہ قبیلہ مدینۂ منورہ میں آباد تھا؛ اس لیے وہ مجھے اپنے ساتھ مدینہ لایا۔ مدینۂ منورہ کا نقشہ اور راہب کی بتلائی ہوئی ساری علامتیں دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی جگہ ہے۔ چناں چہ جب حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا ہوا، تو پہلے قبیلۂ خزرج کے لوگ ایمان لائے، پھر قبیلۂ اوس کے، پھر کچھ عرصے کے بعد حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ اس آخری راہب نے مجھے تین علامتیں بتلائی تھیں کہ: وہ نبی صدقہ نہیں کھائیں گے، ہدیہ قبول فرمائیں گے، اور اُن کی پشت پر مہرِ نبوت ہوگی۔

جب حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے، اس وقت حضرت سلمان یہودی کے غلام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا قیام قبا میں ہوا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خوانچہ میں کھانے کی چیزیں اور اُس کے اوپر تازہ کھجوریں سجا کر قبا میں حاضر ہوئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ: یہ صدقہ ہے۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ: ہم صدقہ نہیں کھاتے، اس کو اٹھا لو۔ تین نشانیوں میں سے ایک نشانی پوری ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا میں کچھ روز قیام فرما کر مدینۂ منورہ تشریف لے گئے، اور وہاں کے قیام کے دوران انھوں نے کچھ دنوں محنت مزدوری کر کے دوبارہ کھانے کی چیزیں خوانچہ میں سجائیں، اور حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے سلمان! یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ: یہ ہدیہ ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرما لیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی نوش فرمایا اور وہاں موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: ہاتھ بڑھاؤ! چناں چہ سب نے کھایا۔ یہ دوسری علامت بھی

پوری ہوئی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کسی کا انتقال ہوا، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تدفین کے لیے بقیع تشریف فرما تھے۔ یہ بھی وہاں پہنچے اور آپ کے قریب پہنچ کر پشت کے قریب گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ مہرِ نبوت دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اوپر والی چادر سَرکالی۔ یہ مہرِ نبوت کے دیکھتے ہی اس پر جھک کر بڑے جوش وخروش سے بوسہ دینے لگے۔ یہ تیسری علامت بھی پوری ہوئی۔ پھر سامنے آ کر انھوں نے اسلام قبول کیا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ: اپنے آقا سے عقدِ کتابت کرلو۔ ''عقدِ کتابت'' کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں بعض غلام اپنے آقا سے اس طرح معاملہ طے کر لیتے تھے، کہ میں اتنی رقم یا سونا یا چاندی تم کو دوں گا، اس کے بدلے میں تم مجھ کو آزاد کردو گے، اس کو ''عقدِ کتابت'' کہا جاتا ہے اور ایسے غلام کو ''مکاتب''، یہ مقدار ادا کر دینے کے بعد وہ آزاد سمجھا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا سے درخواست کی کہ: آپ مجھے مکاتب بنا دیجیے، وہ یہودی بڑا اخرانٹ تھا، اس نے کہا کہ: چالیس اوقیہ سونا ادا کردو، جس کی مقدار تقریباً ساڑھے پانچ کلو بنتی ہے، اور کھجور کے تین سو درخت لگاؤ، جب وہ بڑے ہو کر پھل دینے لگیں گے تب تم آزاد سمجھے جاؤ گے۔ انھوں نے یہ معاملہ کرلیا اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، اس نے جس زمین میں پودے لگانے کو کہا ہے وہاں چلو۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور دو سو ننانوے درخت اپنے دستِ مبارک سے لگائے، اور ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لگایا۔ کھجور کا کوئی درخت پہلے سال میں پھل نہیں دیتا، عموماً پانچ سال ہی کے بعد پھل آتے ہیں؛ لیکن ان درختوں پر اُسی سال پھل آ گئے؛ لیکن ایک درخت جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بویا تھا بار آور نہ ہو سکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اس کو کیوں پھل نہیں آئے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ میں نے لگایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے اکھیڑا اور دوبارہ لگایا، پھر اسی سال اس میں پھل آ گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ عقدِ کتابت کی ایک شرط تو پوری ہوگئی۔

اُن ہی دنوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کہیں سے سونے کا ایک ڈلہ آیا۔ آپ نے ان کو بلا کر کہا کہ:

جاؤ! یہ سونا تم کو کافی ہوجائے گا! حضرت سلمان نے کہا: اے اللہ کے رسول! بدلِ کتابت کی مقدار تو بہت ہے، یہ اتنا نہیں معلوم ہوتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیکھو تو سہی، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے کام بنادے۔ انھوں نے جا کر وزن کیا تو مطلوبہ وزن پورا نکلا۔ چناں چہ انھوں نے ادا کردیا اور اس کے بعد سے ان کو آزادی مل گئی۔ بہر حال! یہی قصہ یہاں مختصراً ذکر کیا گیا ہے، چوں کہ اس میں مہرِ نبوت کا تذکرہ ہے، اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یہاں بیان کیا ہے۔

حین قدم المدینة: راوی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے واقعے کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ ایک دن پہلی مرتبہ خوانچہ لے کر آئے، پھر دوسرے ہی دن دوسری مرتبہ دوسرا خوانچہ لے کر آئے۔ اتنا ذہن میں رہے کہ یہاں ''کل'' کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے دن خوانچہ لے کر آئے، بلکہ غد سے مراد مابعد الیوم یعنی کئی روز کے بعد ہے؛ اس لیے کہ دوسری مرتبہ خوانچہ کئی روز کے بعد لے کر حاضر ہوئے تھے۔

لا نأکل الصدقة: یہاں حضور ﷺ نے ''ہم'' بول کر اپنی ذات مراد لی ہے، کبھی جمع کا صیغہ تشریفاً استعمال کیا جاتا ہے۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ''ہم'' بول کر حضراتِ انبیا کا گروہ مراد لیا ہے کہ ہم حضراتِ انبیائے کرام صدقہ نہیں کھاتے۔ (۳) ''ہم'' بول کر آپ ﷺ نے ''خاندانِ بنو ہاشم'' مراد لیا ہے، کیوں کہ خاندانِ بنو ہاشم کے لیے بھی صدقہ حلال نہیں اور اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

ہدیہ کے باب میں حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ اور ہدایا میں اشتراک

ابسطوا: یہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ ہدایا آتے وقت مجلس میں موجود صحابہ کو اس میں شریک فرماتے لیتے تھے۔

اس موقع پر شمائل کے شراح نے ایک بحث چھیڑی ہے، وہ یہ کہ ایک روایت ہے: الھدایا مشترکة یعنی ہدایا اہلِ مجلس کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔ اس روایت پر سند کے اعتبار سے کلام کیا گیا ہے۔ نیز اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ہدیہ مشترک ہوتا ہے؛ بلکہ بعض ہدایا مثلاً کھانے پینے کی تیار چیزیں جب مجلس میں پیش کی جاتی ہیں تو عام طور پر اہلِ مجلس کو بھی اس میں شریک کیا جاتا ہے، یہ حکم

ہر ہدیے کا نہیں ہے۔اس موقع پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دو واقعے بیان فرما کران پر تبصرہ کیا ہے:

(۱)ایک مرتبہ ایک شیخِ وقت کی مجلس میں ہدیہ آیا تو کسی آدمی نے کہا:الھدایا مشترکۃ، شیخ نے فرمایا:ہمیں شرکت گوارانہیں،ہم تو''وحدت پسند'' ہیں،تم ہی لے جاؤ۔وہ اتنا زیادہ تھا کہ اس آدمی سے اٹھ نہ سکا،شیخ نے اپنے خادم سے کہا:اس کو اس کے گھر پہنچا دو۔

(۲)ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں نقد ہدیہ پیش کیا گیا اور اہلِ مجلس میں سے کسی نے کہا کہ:الھدایا مشترکۃ تو آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ:اس کو اٹھا کر گھر پہنچا دو،اور نقد میں سے ایک درہم بھی حاضرین میں سے کسی کو نہ دیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں واقعات اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں،وہ بزرگ صوفی اور زاہد تھے، ان کی شایانِ شان یہی تھا کہ وہ کچھ بھی نہ لیتے؛لیکن امام ابو یوسف فقیہ اور مجتہد تھے؛ اس لیے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فقیہ ہونے کی حیثیت سے اصل مسئلہ بتلایا۔

ثُمَّ نَظَرَ إِلَى الخَاتَمِ:مہرِ نبوت کا دیدار خوانچہ والے دن نہیں ہوا تھا؛ بلکہ اس کے کچھ دنوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازے کی نماز کے لیے بقیع میں تشریف فرما تھے،تب کا یہ واقعہ ہے۔اِسی جملہ کے لیے یہاں یہ پوری روایت لائی گئی ہے۔

اشتریٰ:اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خریدا،حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خریدا نہیں تھا،ہاں!عقدِ کتابت کرنے کا مشورہ دیا تھا،اور بدلِ کتابت کی ادائیگی میں مکمل تعاون فرمایا تھا۔ اِسی مناسَبت سے راوی اس کو خریدنے سے تعبیر کررہے ہیں،یہاں اشتراء کا حقیقی معنیٰ:''خریدنا'' مراد نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو معجزے

فحملت من عامها:یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا معجزہ ہے۔پہلا:دو سو ننانوے درخت پر ایک ہی سال میں پھل آ گئے،دوسرا:اس ایک درخت پر اُسی سال اسی موقع پر پھل آ گئے۔

٢١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْوَضَّاحِ، أَخبَرَنَا أَبُوعَقِيلٍ الدَّوْرَقِيُّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ خَاتَمِ رَسُولِ اللهِ ﷺ - يَعْنِي خَاتَمَ النُّبُوَّةِ - فَقَالَ: كَانَ فِي ظَهْرِهِ بَضْعَةً نَاشِزَةً .

ترجمہ: حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: مَیں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر یعنی مُہرِ نبوت کے بارے میں دریافت کیا،تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر گوشت کا ایک اُبھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

٢٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ: أَبُو الْأَشْعَثِ الْعِجْلِيُّ: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَدُرْتُ هٰكَذَا مِنْ خَلْفِهِ، فَعَرَفَ الَّذِي أُرِيدُ، صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيهِ وَسَلَامُه، فَأَلْقَى الرِّدَاءَ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَأَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلَى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجُمْعِ حَوْلَهَا خِيلَانٌ كَأَنَّهَا الثَآلِيلُ، فَرَجَعْتُ حَتَّى اسْتَقْبَلْتُهُ، فَقُلْتُ: غَفَرَ اللهُ لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ: وَلَكَ، فَقَالَ الْقَوْمُ: أَسْتَغْفَرَ لَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَلَكُمْ، ثمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: وَٱسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ ۗ [محمد ١٩]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اُس وقت حاضر ہوا جب کہ آپ اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے،(حضرت عبداللہ نے اشارے سے بتلایا کہ)میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسِ پشت چکر لگایا،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا مقصد سمجھ گئے اور اپنی پشت سے چادر اتار دی،تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانوں کے درمیان مہر کا مقام مٹھی کی طرح دیکھا۔جس کے اِرد گرد تِل تھے، جو مَسے معلوم ہورہے تھے۔ پھر میں پلٹ کر آپ کے سامنے آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اور تمھاری بھی (مغفرت فرمائے)!۔لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کی؟ انھوں نے کہا: ہاں! اور تم سب کے لیے بھی، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَٱسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ ۗ۔

افادات: ھکذا: حضرت عبداللہ ابن سرجس رضی اللہ عنہ جس وقت اپنے شاگردوں کے سامنے روایت بیان فرمارہے تھے تو انھوں نے باقاعدہ گھوم کر بتلایا، کہ میں اس طرح گھوم کر پیچھے کی طرف گیا۔

مثل الجمع: یہاں مہرِ نبوت کو ''مٹھی'' سے تعبیر کیا گیا، حالاں کہ مٹھی تو بڑی ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مقدار کے سلسلے میں ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ سے تشبیہ دی ہے اور یہاں انھوں نے ابھرے ہوئے حصہ کو تعبیر کرنے کے لیے مٹھی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

خیلان: یہ خال کی جمع ہے، کھال کے اوپر موجود سیاہ رنگ کے تِل کو کہا جاتا ہے، یہ ذرا سے بڑے مسّے جیسے معلوم ہوتے ہیں؛ اس لیے فرمایا: کانها ثآلیل۔

غفر الله لك یا رسول الله: یہ جملہ ''دعائیہ'' بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بخش دے، اور ''خبریہ'' بھی ہوسکتا ہے، یعنی اللہ نے تو آپ کے گناہ معاف کردیے، قرآن میں سورۂ فتح کی آیت لِيَغْفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کی طرف اشارہ ہے۔

فقال نعم: حضور ﷺ نے جب لوگوں کی یہ بات سنی کہ لوگ عبداللہ بن سرجس سے کہہ رہے ہیں کہ: آپ کے لیے تو اللہ کے رسول ﷺ نے مغفرت کی دعا کی، یہ آپ کے لیے بڑی سعادت اور خوشی کی بات ہے، تو حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ: جی ہاں! تم کو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، یہ دعا تمھارے لیے بھی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن شریف کی آیت: وَٱسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ ۗ تلاوت فرمائی، جس میں باری تعالیٰ نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو مومنوں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت پڑھ کر حضور ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ تمھارے لیے دعائے مغفرت کرکے میں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے فقال نعم اور تلا میں ضمیر کا مرجع حضرت نبیٔ کریم ﷺ ہیں۔ یہ ایک تشریح ہوئی۔

اس جملہ کی دوسری تشریح یہ ہے کہ: فقال نعم کی ضمیر حضرت عبداللہ ابن سرجس رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹائی جائے یعنی جس طرح حضور ﷺ نے میرے لیے دعائے مغفرت فرمائی، تمھارے لیے بھی یہی دعا ہے؛ اس لیے کہ حضور ﷺ کو تو باری تعالیٰ کا حکم ہے کہ: آپ اہلِ ایمان کے لیے دعائے مغفرت کیجیے۔ عام طور پر شراح نے یہی دوسرے معنیٰ مراد لیے ہیں۔

٣ - بَابُ مَا جَاءَ فِي شَعْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے سر کے بالوں کا بیان

افادات: اس باب میں حضرت نبئ کریم ﷺ کے بال مبارک کا تذکرہ ہے۔ پہلے حلیۂ شریف کا باب گذر چکا ہے اور بال بھی حلیۂ شریف کا ایک حصہ ہیں، لیکن بالوں کے سلسلے میں مزید تفصیلات کے پیشِ نظر اس کو الگ سے ذکر فرمایا۔

٢٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى نِصْفِ أُذُنَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔

افادات: إِلَى نِصْفِ أُذُنَيْهِ: اس روایت میں حضور ﷺ کے بال نصف کانوں تک بتلائے گئے ہیں اور یہ آپ ﷺ کے بالوں کی کم سے کم مقدار ہے۔ بالوں کی مقدار کے سلسلے میں روایتیں مختلف ہیں۔ شراح ان مختلف روایتوں کی توجیہ اس طرح فرماتے ہیں کہ: بال ایک ایسی چیز ہے جو ایک مقدار پر نہیں رہتے؛ بلکہ بڑھتے رہتے ہیں، جب زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو کٹوائے جاتے ہیں اور جب کٹوائے جائیں گے تو مقدار کم ہو جائے گی، پھر چند دنوں کے بعد بڑھ جائیں گے، پھر کچھ اَور بڑھیں گے تو مقدار اَور زیادہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ بالوں کی مقدار کے سلسلے میں روایتوں کا اختلاف زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہے، جس نے جس زمانے میں جس حالت میں دیکھا، اس کو بیان کر دیا۔

عام طور پر حضرت نبئ کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ بال رکھنے کی تھی۔ سر مبارک کو منڈوانا تین مرتبہ ثابت ہے: (۱) صلحِ حدیبیہ کے موقع پر (۲) عمرۃ القضاء کے موقع پر (۳) حجۃ الوداع کے موقع پر۔ غزوۂ حنین کے بعد آپ طائف گئے، طائف سے واپسی میں مقام "جعرّ انہ" میں قیام فرمایا، اس قیام کے دوران آپ نے مکہ جا کر عمرہ کیا، اس موقع پر آپ ﷺ سے قصر ثابت ہے۔

٢٤ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُونَ الْوَفْرَةِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے، اور آپ کے بال کان کی لَو سے زیادہ اور کندھوں سے کم تھے۔

افادات: مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ: ایک ہی برتن سے غسل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ایک دوسرے کے ستر کی جگہ بھی دیکھی ہو؛ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ: کبھی مَیں نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستر کی جگہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ستر کی جگہ نہیں دیکھی۔ اس موقع پر حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ: ایک ہی برتن سے غسل کرتے ہوئے ایسی صورتیں اور شکلیں ممکن ہیں کہ کسی کے ستر پر نظر نہ پڑے۔

فوق الجمة دون الوفرة: بالوں کے سلسلے میں احادیثِ مبارکہ میں تین الفاظ منقول ہیں: (۱) وفرة (۲) لمة (۳) جمة۔ ہر ایک کی تشریح میں اربابِ لغت کا اختلاف ہے؛ لیکن عام طور پر یہی ترتیب بتائی جاتی ہے۔ کلمۂ ولج سے اس کو یاد رکھا جاسکتا ہے: وفرہ میں سے واو اور لمہ میں سے لام اور جمہ میں سے جیم، ہر ایک کا پہلا لفظ لے کر ولج بنایا گیا ہے۔

وفرہ: بالوں کی وہ مقدار جو کانوں کی لَو تک ہو، جس کو نصفِ اُذُن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بال بڑھ کر گردن پر آجائیں؛ لیکن مونڈھوں تک نہ پہنچے ہوں تو اُس کو لمة کہتے ہیں، اور جب مونڈھوں تک پہنچ جائیں تو اس کو جمة سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ابوداؤد اور ابنِ ماجہ کی ایک روایت میں فوق الوفرة و دون الجمة ہے۔ بخاری شریف کے شارح اور عظیم محدث حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ فرق حیثیت کا ہے، جہاں فوق الجمة ودون الوفرة ہے، وہاں محل اور مقام مراد ہے، اور جہاں فوق الوفرة ودون الجمة ہے وہاں مقدار مراد ہے۔ یہ دونوں روایتوں میں تطبیق ہے۔

بہر حال! یہاں تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال نصف گردن تک پہنچے ہوئے تھے، یعنی نہ تو بہت چھوٹے تھے نہ بہت بڑے؛ بلکہ درمیانی تھے۔

٢٥ - حَدَّثنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخبرَنَا أَبُو قَطَنٍ حَدَّثنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَرْبُوعًا، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمِنْكَبَيْنِ، وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بلندی مائل) میانہ قد والے تھے، دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے ہوتے تھے۔

افادات: جمة: اس کا اصطلاحی معنیٰ ہے: وہ بال جو کان اور گردن سے بڑھ کر مونڈھوں تک پہنچ جائیں؛ لیکن شحمة اذنيه کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہاں اس کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں، بلکہ مجازاً مطلقاً بال مراد ہے۔

٢٦ - حَدَّثنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخبرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ (الأَزدِيُّ)، أَخبرَنَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبْطِ، كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ.

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کیسے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نہ تو انتہائی پیچیدہ تھے اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے، (اور) آپ کے بال کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔

افادات: كيف كان: یہاں سوال کیا گیا ہے کہ بال مبارک کیسے تھے؟ کیسے میں مقدار اور کیفیت دونوں آ گئے، اس لیے پہلے کیفیت اور پھر بعد میں مقدار بتلائی۔

٢٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَيْنَا مَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ.

ترجمہ: حضرت امِ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں ہمارے پاس تشریف لائے، اُس وقت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے بالوں) کی چار لٹیں تھیں۔

افادات: عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا زاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور ابوطالب کی بیٹی ہیں۔ فتحِ مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے، تو سب سے پہلے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل فرمایا، چاشت کی نماز ادا فرمائی، اس کے بعد آپ حرم تشریف لائے۔ یہ فتحِ مکہ کا واقعہ ہے۔

أربع غدائر: غدائر جمع ہے، غديرة واحد ہے، کبھی آدمی کے سر کے بال مختلف حصوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں اور متعدد بالوں کے گچھے بن جاتے ہیں، جسے اردو میں ''لَٹ'' کہتے ہیں، یہاں یہی مراد ہے۔ ایک روایت میں عقائص کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس کے معنی بھی لَٹ ہی ہیں؛ لیکن ذرا سی مڑی ہوئی ہو تو اس کو عقیصة کہتے ہیں۔ آگے ایک روایت میں ضفائر کا لفظ بھی آئے گا، یعنی وہ بال جن کو ایک دوسرے میں داخل کر کے بٹ دیا گیا ہو، جس کو ''چوٹی'' کہا جاتا ہے۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک لمبے تھے؛ اس لیے ممکن ہے کہ سفر میں اس کی حفاظت کے لیے آپ نے بٹ دیا ہو، اس طرح سفر میں مجبوری کی وجہ سے بٹنے کی گنجائش ہے؛ البتہ ان کے بٹنے کا طریقہ عورتوں جیسا نہیں ہونا چاہیے۔

٢٨ - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ شَعْرَ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانَ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال نصف کانوں تک تھے۔

٢٩ - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْدُلُ شَعْرَهُ، وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرِقُونَ رُءُوسَهُمْ، وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدُلُونَ رُءُوسَهُمْ، وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ بِشَيْءٍ، ثُمَّ فَرَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَأْسَهُ .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پہلے) بالوں کو (مانگ نکالے بغیر) ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے، جب کہ مشرکین اپنے سروں میں مانگ نکالا کرتے تھے اور اہلِ کتاب (بغیر مانگ کے)

ویسے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اور جن امور کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو ان میں (ابتدائی ایام میں) اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے، پھر (اہلِ کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ مانگ نکالنے لگے۔

افادات: كَانَ يَسْدُلُ شَعْرَهُ: سر کے بالوں کو دو طرح سے کنگھا کیا جاسکتا ہے: ایک صورت یہ ہے کہ پیشانی سے سیدھے پیچھے کی طرف لے جائیں، ان کو دائیں بائیں مانگ نکال کر دو حصوں میں تقسیم نہ کیا جائیں، اس کو سدل کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مانگ نکال کر سر کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، اس کو عربی میں فرق کہتے ہیں۔ مشرکینِ مکہ مانگ نکالتے تھے اور اہلِ کتاب بالوں کو بغیر مانگ کے سیدھا پیچھے چھوڑ دیتے تھے۔

ابتدائے اسلام میں آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جن امور میں آپ کو کوئی صاف صاف حکم نہ دیا گیا ہو، ان میں اہلِ کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے: تاکہ ان کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے؛ لیکن اہلِ کتاب دلائل اور علامات واضح ہو چکنے کے بعد بھی آپ پر ایمان نہ لائے، تو اُن کی اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے دینی امور میں ان کی خلاف ورزی کا حکم دیا گیا، حتیٰ کہ عبادات میں بھی ان کی مخالفت کا اہتمام کیا گیا۔ بالوں کے سلسلے میں بھی یہی ہوا۔ ابتداءً آپ اہلِ کتاب کی موافقت میں مانگ نکالے بغیر بالوں کو سیدھا رکھتے تھے، بعد میں آپ نے اپنے سر میں مانگ ڈالنا شروع کر دیا اور یہی آپ ﷺ کا اخیر زمانے تک عمل رہا۔ اسی لیے بالوں میں مانگ ڈالنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ بغیر مانگ کے رکھنے کو بعض حضرات نے منع فرمایا ہے؛ لیکن راجح قول یہ ہے کہ بغیر مانگ کے بھی سیدھے رکھے جاسکتے ہیں، البتہ مانگ نکالنا بہتر ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں دونوں قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔

٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَا ضَفَائِرَ أَرْبَعٍ.

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو چار گیسو والا دیکھا۔

افادات: اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

٤ - بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرَجُّلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیل اور کنگھا کرنے کا بیان

افادات: بالوں میں تیل ڈال کر کنگھا کرنے کو ترجُّل کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ عنوان قائم کر کے اس کا مستحب ہونا بتلا رہے ہیں۔ شریعت کا حکم ہے کہ: آدمی اگر بال رکھتا ہے تو ان کا خیال رکھا کرے، بعض لوگ بال رکھتے ہیں؛ لیکن تیل نہیں ڈالتے اور نہ کنگھا کرتے ہیں، منتشر و پراگندہ بالوں میں رہا کرتے ہیں، اس کو شریعت پسند نہیں کرتی۔ اگر بال رکھنا ہے تو پھر ان کا حق بھی ادا کرنا چاہیے۔ خود حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کیا ہے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔

٣١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَنَا حَائِضٌ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: مَیں حائضہ ہونے کی حالت میں (بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک میں تیل کنگھی کیا کرتی تھی۔

افادات:

ایامِ حیض میں بیوی سے خدمت لینا

وَأَنَا حَائِضٌ: اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں اس طرح کی خدمت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسلام کی آمد سے پہلے اس باب میں افراط اور تفریط تھی۔ یہودی حیض کی حالت میں عورتوں کو بالکل الگ کمرے میں بٹھا دیتے تھے اور کسی بھی قسم کی خدمت لینا درست نہیں سمجھتے تھے، جب کہ بعض قومیں ایسی تھیں کہ حالتِ حیض میں صحبت کو بھی جائز سمجھتی تھیں۔ اسلام نے اعتدال کی راہ بتلائی کہ ایامِ حیض میں صحبت تو نہیں کی جاسکتی ہے؛ البتہ کھانا پکانا، تیل ڈالنا وغیرہ خدمات لی جاسکتی ہیں۔

یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تیل ڈالنے اور کنگھا کرنے کا ذکر کیا ہے، اس لیے یہ حدیث لائے ہیں۔

۳۲ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَىٰ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ هُوَ الرَّقَاشِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ، وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ (حَتَّى) كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر میں کثرت سے تیل لگاتے اور ڈاڑھی میں بہ کثرت کنگھی کیا کرتے، اور اپنے سر پر اکثر ایک کپڑا / باندھا کرتے تھے جو (کثرت سے تیل استعمال کرنے کی وجہ سے) تیلی کے کپڑے جیسا لگتا۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خصوصیت

قناع: اس کپڑے کو کہتے ہیں جو تیل لگانے کے بعد سر پر اس لیے رکھا جاتا ہے؛ تاکہ تیل کی وجہ سے ٹوپی اور عمامہ چکنا نہ ہو۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ کثرت تیل لگاتے تھے، اس کے بعد یوں ہی عمامہ پہنا جاتا تو چکنا ہو جاتا، تو اس عمامے یا ٹوپی کو چکناہٹ سے بچانے کے لیے ایک کپڑا سر پر رکھ کر عمامہ باندھتے اور ٹوپی پہنتے تھے۔

ثوب زیات: چکناہٹ کی کثرت بتلانے کے لیے یہ جملہ استعمال فرمایا ہے، یعنی جیسے تیلی کے کپڑے چکنے ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی چکنا ہو جاتا تھا۔ لیکن روایتوں میں آتا ہے کہ کپڑا چکنا ہونے کے باوجود کبھی بھی میلا نظر نہیں آتا تھا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں میں کبھی جوں پڑتی تھی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر کبھی مکھی بیٹھتی تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات تھیں۔

۳۳ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ (بْنُ السَّرِيِّ)، أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ إِذَا تَطَهَّرَ، وَفِي تَرَجُّلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ، وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طہارت کے موقع پر طہارت میں، تیل کنگھا

کرتے وقت تیل کنگھا کرنے میں اور جوتے پہنتے وقت جوتے پہننے میں، دائیں طرف سے ابتدا کو پسند فرماتے۔

افادات:

دائیں طرف سے ابتدا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند تھا

في طهوره: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طہارت میں دائیں طرف سے ابتدا کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ طہارت سے مراد وضو اور غسل دونوں ہیں۔ جو اعضا دو دو ہیں وضو کرتے وقت اُن میں پہلے دایاں دھوتے، پھر بایاں، اور غسل میں پہلے دائیں طرف کے حصے پر پانی ڈالتے اور اس کے بعد بائیں طرف۔

ضابطۂ تیمُّن

شراح نے ضابطہ لکھا ہے کہ: ہر وہ کام جس کا تعلق زینت سے ہو اور جس کا انجام دینا آدمی کے لیے شرف کا باعث ہو، ایسے کاموں میں داہنی طرف سے ابتدا کو پسند کیا گیا ہے۔ مثلاً کپڑا پہننا، کُرتے میں اوّلاً داہنا ہاتھ دائیں آستین میں، پھر بایاں ہاتھ بائیں آستین میں ڈالا جائے، اسی طرح پاجامہ پہنتے وقت، اور کپڑے نکالنے میں اس کا برعکس ہوگا۔ مسجد میں داخل ہونا عبادت، ثواب اور نیکی وشرف کا کام ہے؛ اس لیے داخل ہونے میں پہلے داہنا پیر اور نکلنے میں اس کا برعکس ہوگا۔ بیت الخلا جانا کوئی شرف کی چیز نہیں، ضرورت کی وجہ سے آدمی جاتا ہے؛ اس لیے یہاں داخل ہوتے وقت بائیں پیر سے ابتدا کی جائے اور نکلتے وقت داہنے پیر کو مقدم کیا جائے۔ بہر حال! اصول یہ ہوا کہ جو کام آدمی کے حق میں زینت اور شرف کا ہو، اس میں داہنی طرف سے ابتدا کی جائے، اور جو کام ایسا نہ ہو اس میں بائیں طرف سے ابتدا کی جائے۔

٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضي الله عنه قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ہر روز) کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے؛ مگر گاہے گاہے یعنی ناغہ کر کر کے (اجازت دی)۔

افادات: غبا: یعنی گاہے گاہے۔ حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے تیسرا دن مراد لیا ہے، یعنی دو دن چھوڑ کر تیسرے دن کنگھا کیا جائے۔ اکثر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ بیچ میں ایک دن چھوڑ کر کنگھا کیا جائے، روزانہ کنگھا کرنا اور تیل ڈالنا زینت کی علامت ہے، اور زیب وزینت میں اپنے آپ کو مشغول کرنا مَردوں کا کام نہیں ہے؛ اِس لیے تیل ڈالنے اور کنگھا کرنے میں بہتر یہ ہے کہ ایک دن کا فصل کیا جائے۔ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں روزانہ کنگھا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ہاں! اگر ضرورت پیش آجائے، مثلاً تیل ڈالنے کے بعد غسل کرلیا، یا یہ کہ بالوں میں گردوغبار داخل ہوگیا، بال بالکل پراگندہ ہوگئے، تو اب دوبارہ تیل ڈال کر کنگھا کیا جاسکتا ہے، بلاضرورت روزانہ کنگھا کرنے کو ناپسند قرار دیا گیا ہے۔

٣٥ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ الْأَوْدِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا .

ترجمہ: حضرت حمید بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ناغہ دے کر کنگھی کیا کرتے تھے۔

افادات:

کنگھی ایک دن چھوڑ کر کرنا سنت ہے

عَنْ رَجُلٍ: شراحِ حدیث کا صحابی رضی اللہ عنہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ تین صحابہ کے نام پیش کیے گئے ہیں: (۱) حضرت حکم ابن عمرو (۲) حضرت عبداللہ ابن سرجس (۳) حضرت عبداللہ ابن مغفل رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا: حضور ﷺ نے روزانہ کنگھا کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ اوپر والی روایت سے معلوم ہوا۔ اس روایت سے آپ کا اپنا معمول بھی معلوم ہوگیا کہ آپ ایک دن چھوڑ کر کنگھا فرمایا کرتے تھے۔ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: روزانہ کنگھا کرنا تکلُّف اور بناوٹ ہے،

بالکل نہ کرنا پراگندگی ہے، اور ایک دن چھوڑ کر کرنا سنت ہے۔

٥ - بَابُ مَا جَاءَ فِي شَيْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بالوں کا بیان

افادات: یہ عنوان حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید بالوں کا تذکرہ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں سفید بال تھے یا نہیں؟ اور تھے تو کتنے تھے؟

٣٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: هَلْ خَضَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: لَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ، إِنَّمَا كَانَ شَيْبًا فِي صُدْغَيْهِ، وَلٰكِنْ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ.

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال اِس حد کو پہنچے ہی نہیں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف کن پٹیوں میں تھوڑی سی سفیدی تھی؛ البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حنا اور کتم کے ذریعے خضاب فرمایا کرتے تھے۔

افادات:

کہاں کہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال سفید تھے؟

فِي صُدْغَيْهِ: آنکھ سے لے کر کان تک کا حصہ کن پٹی کہلاتا ہے، اور اس کے قریب میں آنے والے بال بھی اسی میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور ڈاڑھی میں کہاں کہاں سفید بال تھے؟ اس سلسلے میں مسلم شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین جگہ پر سفید بال تھے: (۱) کنپٹیوں میں (۲) ریش بچہ (ڈاڑھی کے اوپر کے چھوٹے حصے) میں (۳) مانگ نکالنے کے مقام پر؛ لیکن ان سب جگہوں کے سفید بالوں کی کُل مقدار پوری بیس بھی نہیں تھی، جیسا کہ آگے روایت میں آئے گا۔

بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کتم ایک یمنی پودا ہے جس کا رنگ

سیاہ (یا سیاہ سرخی مائل) ہوتا ہے، اور حناء کے پودے کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ دونوں ملا کر جب استعمال کیا جاتا ہے تو سیاہی اور سرخی کے درمیان کا رنگ نکلتا ہے۔

۳۷ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: مَا عَدَدْتُ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلِحْيَتِهِ إِلَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی میں چودہ سے زیادہ سفید بال شمار نہیں کیے۔

افادات:

سفید بالوں کی تعداد

إِلَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ: اس روایت میں چودہ سفید بالوں کا ذکر ہے، بعض روایتوں میں سترہ آیا ہے اور بعض میں اٹھارہ آیا ہے اور بعض میں بیس سے کم۔ ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک میں سفید بالوں کی مقدار بہت کم تھی۔

سوال یہ ہے کہ تعداد میں اختلاف کیوں ہوا؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اختلافِ زمانہ کی وجہ سے تعداد مختلف ہوئی، جب سفیدی آنا شروع ہوئی اس زمانے میں چودہ تھے، بعد میں تین کا اضافہ ہوا تو سترہ ہوگئے، پھر مزید ایک کا اضافہ ہوا تو اٹھارہ ہوگئے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ گننے والوں کے لحاظ سے فرق آیا ہے، بعض حضرات کو چودہ نظر آئے اور بعضوں کو سترہ اور بعضوں کو اٹھارہ (دونوں باتوں کا امکان ہے)۔

۳۸ - حَدَّثَنَا (أَبُو مُوسَىٰ) مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (وَ) سُئِلَ عَنْ شَيْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: كَانَ إِذَا دَهَنَ رَأْسَهُ لَمْ يُرَ مِنْهُ شَيْبٌ، وَإِذَا لَمْ يَدْهَنْ رُئِيَ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

سفید بالوں کے بارے میں پوچھا گیا، تو مَیں نے اُن کا یہ جواب سنا کہ: جب آپ ﷺ سر میں تیل استعمال فرماتے تو سفیدی محسوس نہیں ہوتی تھی؛ البتہ جب تیل استعمال نہ کیا ہوتا تو کچھ کچھ محسوس ہوتی۔

افادات: لَمْ يُرَ مِنْهُ شَيْبٌ: تیل لگانے کے بعد بالوں میں چمک پیدا ہوجاتی ہے اور اس چمک میں سفیدی مستور ہوجاتی ہے، یا تیل کی وجہ سے بال باہم چپک جاتے ہیں اور چوں کہ سفید بالوں کی مقدار بہت کم تھی، تو چپک جانے کی وجہ سے سفید بال نظر نہیں آتے تھے؛ البتہ جب تیل نہ ہوتا تو بال بکھر جاتے، اور بکھر جانے کی وجہ سے سفید بال صاف نظر آجاتے۔

٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْوَلِيدِ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے (سر اور ڈاڑھی میں) تقریباً بیس بال سفید تھے۔

افادات: اس روایت میں بیس کا ذکر ہے، اختلاف کی وجہ پہلے آچکی ہے۔

٤٠ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ: مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَدْ شِبْتَ، قَالَ: شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَالْوَاقِعَةُ، وَالْمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ: (ایک دفعہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ ﷺ سے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ تو بوڑھے ہوگئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ اذا الشّمس کورت نے بوڑھا کردیا۔

٤١ - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! نَرَاكَ قَدْ شِبْتَ، قَالَ: قَدْ شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا.

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کچھ بوڑھے

نظر آرہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ہود اور اِس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے۔

افادات:

بال سفید ہوجانے کی وجہ

قَدْ شِبْتَ: روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ کے بال سفید ہورہے ہیں، حالاں کہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ مزاج کے اعتدال کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کے بالوں میں سفیدی نہ آتی، وہ یہ کہہ کر رونے لگے، حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ان سورتوں (ہود، واقعہ، مرسلات، نبا، تکویر) نے میرے بالوں کو سفید کردیا، مجھے بوڑھا بنادیا؛ کیوں کہ ان میں قیامت، جہنم، حساب کتاب، صور پھونکنے وغیرہ وحشت ناک واقعاتِ قیامت کا ذکر ہے۔ ان سورتوں میں بیان کردہ واقعات کا اثر حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ پر یہ ہوا کہ بالوں میں سفیدی آ گئی۔

ایک حدیث میں ہے کہ: لو تعلمون ما اعلم لضحتکم قلیلا ولبکیتم کثیرا یعنی آخرت کے وحشت ناک حالات جو میں جانتا ہوں، اگر وہ تمھارے علم میں آجائیں تو ہنسوگے کم اور روؤگے زیادہ؛ بلکہ اپنی بیویوں تک کے پاس جانا چھوڑ دوگے۔

شرح السُّنہ میں ہے کہ: ایک آدمی نے خواب میں اللہ کے رسول ﷺ کو یہ حدیث سنا کر پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول! اس میں کون سی ایسی چیز ہے جس نے آپ کو بوڑھا کردیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس میں اس آیت: فَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَ نے میرے بالوں کو سفید کردیا۔

اس آیت میں اللہ کے حکموں پر استقامت کے ساتھ جمے رہنے کا حکم ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ کے حکموں پر کماحقہٗ استقامت معمولی چیز نہیں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ: استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک نوجوان کے بال شام کے وقت بالکل سیاہ تھے، صبح اٹھا تو اس کے بال سفید ہوگئے، لوگوں نے سبب پوچھا، تو اس نے کہا: مَیں نے رات خواب میں قیامت کا منظر دیکھا، لوگوں کو زنجیروں میں باندھ کر جہنم کی طرف کھینچ کر

لے جایا جا رہا ہے، اس کی وحشت کے نتیجہ میں جو خواب میں نظر آئی تھی، ایک ہی رات میں بال سفید ہو گئے۔ اللہ اکبر!

٤٢- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ صَفْوَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ إِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ الْعِجْلِيِّ، عَنْ أَبِي رِمْثَةَ التَّيْمِيِّ، تَيْمِ الرَّبَابِ رضي الله عنه قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعِي ابْنٌ لِي، قَالَ: فَأُرِيتُهُ، فَقُلْتُ لَمَّا رَأَيْتُهُ: هَذَا نَبِيُّ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ، وَلَهُ شَعْرٌ قَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ، وَشَيْبُهُ أَحْمَرُ.

ترجمہ: حضرت ابورِمثہ تیمی رضی اللہ عنہ -جن کا تعلق قبیلۂ تیم الرباب سے ہے- فرماتے ہیں کہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا، لوگوں نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا، مَیں حضرت کو دیکھتے ہی (بے اختیار) بول اٹھا: یہ (واقعی) اللہ کے نبی ہیں! اور اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے جسم پر) پر دو سبز کپڑے تھے، اور آپ کے چند بالوں پر بڑھاپے کا نمود تھا جو سرخ (رنگ کی صورت میں) تھا۔

افادات: فأريته: اس لفظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابورمثہ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہلی بار حاضری ہوئی تھی؛ اسی لیے لوگوں نے ان کو بتلایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

پُر وقار اور بارعب چہرہ

هَذَا نَبِيُّ اللهِ ﷺ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ وقار، ہیبت اور رعب عطا فرمایا تھا اور آپ کے چہرے پر نبوت کے ایسے انوار برستے تھے، کہ آپ کو دیکھ کر نیا آدمی بے اختیار بول پڑتا تھا کہ: یہ اللہ کے نبی ہیں۔ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری پہلی نگاہ آپ کے چہرۂ انور پر پڑی تو میں نے اپنے جی میں کہا: هذا ليس بوجه كذاب۔ یہ جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں تشریف فرما تھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھے تھے، دیہات کے رہنے والے -جنھوں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں تھا- آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھ کر بے اختیار کہتے تھے: هذا وجه مبارك، هذا وجه مبارك۔

یہ بڑا بابرکت چہرہ ہے۔ الغرض! آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر وہ انوارات تھے کہ دیکھنے والے بے اختیار پکار اٹھتے: یہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

حضور ﷺ کے بالوں میں سرخی خضابی تھی یا قدرتی؟

قَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ: بعضوں کے بہ قول یہ سرخی خضاب کی تھی، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے خضاب استعمال نہیں فرمایا تھا؛ اس لیے یہ سرخی قدرتی تھی۔ آدمی کے بال جب سفید ہونا شروع ہوتے ہیں تو پہلے سرخ ہوتے ہیں، اور پھر رفتہ رفتہ سفید ہوجاتے ہیں، یہاں یہی قدرتی سرخی مراد ہے۔

٤٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، قَالَ: قِيلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَكَانَ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللهِ ﷺ شَيْبٌ؟ قَالَ: لَمْ يَكُنْ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللهِ ﷺ شَيْبٌ إِلَّا شَعَرَاتٍ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ، إِذَا ادَّهَنَ وَارَاهُنَّ الدُّهْنُ.

ترجمہ: حضرت سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کے سر میں سفید بال تھے؟ انھوں نے جواب دیا: (ہاں!) رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں چند سفید بال (اتنی کم مقدار میں) تھے کہ جب آپ تیل استعمال فرماتے تو تیل اُن کو چھپا دیتا تھا۔

٦ - بَابُ مَا جَاءَ فِي خِضَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے خضاب کرنے کا بیان

افادات: خضب کا معنی ہے: بالوں کو رنگنا، چاہے وہ کسی بھی چیز سے ہو۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے، تم لوگ خضاب کرتے رہو۔ اس حدیث کی بنا پر مرد کے لیے ڈاڑھی اور سر میں خضاب کو سنت قرار دیا گیا۔ مرد کے لیے ہاتھ اور پیروں کو رنگنا ممنوع ہے، عورت کے لیے اس کی اجازت ہے؛ بلکہ شادی شدہ عورت کو اس کا

اہتمام کرنا چاہیے۔احناف کے نزدیک نفسِ خضاب مستحب ہے؛ البتہ کالے خضاب کا استعمال مکروہِ تحریمی ہے اور شوافع کے نزدیک مطلق خضاب سنت ہے، لیکن سیاہ خضاب حرام ہے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خضاب استعمال فرمایا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خضاب استعمال کرنے کے سلسلے میں روایتیں مختلف ہیں: اس سے اگلے باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت گذری کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خضاب استعمال فرمانے کے بارے میں پوچھا گیا، تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال اتنے سفید ہوئے ہی نہیں تھے کہ خضاب کی ضرورت پیش آئے، ہاں! حضرت ابوبکر کتم اور حنا کے ذریعے اپنے بالوں کو رنگتے تھے۔اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خضاب استعمال نہیں فرمایا، اس کے مقابلے میں بعض روایات سے آپ کا خضاب استعمال کرنا معلوم ہوتا ہے۔اس کا جواب حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خضاب کا استعمال بہت کم فرمایا ہے، جس کا علم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نہ ہوسکا، اِس لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نفی فرمائی۔اس بارے میں احناف کا رجحان یہ ہے کہ خضاب کا استحباب قولی روایات سے ثابت ہے، خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خضاب استعمال فرمانا ثابت نہیں، جیسا کہ صاحبِ درمختار نے لکھا ہے۔اس کے حاشیے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال میں حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت پیش فرمائی ہے؛ البتہ علامہ بیجوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ: بیانِ جواز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خضاب استعمال فرمانا ثابت ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ اس باب میں خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان کیا ہے؟ تو اکثر شراحِ شمائل کا خیال ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خضاب استعمال نہیں فرمایا ہے۔

٤٤ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ إِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ، أَخْبَرَنِي أَبُو رِمْثَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مَعَ ابْنٍ لِي، فَقَالَ: ابْنُكَ (هَذَا)؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ إِشْهَدْ بِهِ، قَالَ: لَا يَجْنِي عَلَيْكَ، وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ، وَرَأَيْتُ الشَّيْبَ أَحْمَرَ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا الْبَابِ وَأَفْسَرُ؛ لِأَنَّ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيحَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ. وَأَبُو رِمْثَةَ اسْمُهُ: رِفَاعَةُ بْنُ يَثْرِبِيٍّ التَّيْمِيُّ.

ترجمہ: حضرت ابو رِمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ تمھارا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ اِس کے گواہ رہیں۔ (اِس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِس کی جنایت کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت کا بدلہ اِس پر نہیں۔ (ابو رمثہ رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ: مَیں نے بالوں کے بڑھاپے کا اثر سرخ رنگ کی صورت میں دیکھا۔

ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ: یہ روایت اس باب میں منقول روایتوں میں سب سے عمدہ اور واضح روایت ہے؛ اس لیے کہ صحیح روایتیں یہ ہیں کہ: آپ بڑھاپے کی (اُس) حد تک نہیں پہنچے تھے (کہ خضاب کی ضرورت محسوس ہو)۔ ابو رِمثہ کا نام رفاعہ بن یثربی تیمی ہے۔

افادات:

ایک کے گناہ کی سزا کوئی دوسرا نہیں بھگتے گا

اشهد به: زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں یہ دستور تھا کہ اگر باپ نے کوئی جرم کیا اور سزا کے لیے باپ ہاتھ نہ لگ سکا، تو بیٹے کو پکڑ کر باپ کی سزا دی جاتی تھی، اسی طرح بیٹا کوئی جرم کر کے بھاگ گیا تو باپ کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی تھی۔ اسلام نے آکر اس غلط دستور کو ختم کر دیا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ: ایک کا گناہ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا، جس نے جرم کیا ہے وہی سزا بھگتے گا۔ ''کرے کوئی اور بھرے کوئی'' یہ جنگل کا قانون ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہاں حضرت ابو رِمثہ رضی اللہ عنہ نے اسی بنیاد پر عرض کیا تھا کہ: آپ گواہ رہیے کہ یہ میرا بیٹا ہے، آئندہ میری طرف سے کوئی جرم ہوا اور اس کو سزا بھگتنے کی نوبت آئے تو آپ گواہی دے سکتے ہیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔

لا یجنی: جس پسِ منظر میں حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ نے بات عرض کی تھی، آپ نے اسی کا جواب دیا، کہ اسلام تمھارا یہ اصول تسلیم نہیں کرتا ہے، اس کے جرم کی سزا تم کو اور تمھارے جرم کی سزا اس کو نہیں مل سکتی۔

الشیب الاحمر: جو لوگ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خضاب استعمال فرمانے کے قائل ہیں، وہ

اسی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ منکرین کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ: یہ سرخی خضاب کی نہیں ہے؛ بلکہ جب شروع شروع میں بال سیاہی سے سفیدی میں بدلتے ہیں تو پہلے سرخ ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ سفید ہوجاتے ہیں۔ یہ سرخی تبدیلی کے مرحلے میں آنے والی قدرتی سرخی ہے، نہ کہ خضاب کا اثر۔

٤٥- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ: سُئِلَ أَبُوهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: هَلْ خَضَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ.
قَالَ أَبُوعِيسَى: وَرَوَى أَبُوعَوَانَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ، فَقَالَ: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا.

ترجمہ: حضرت عثمان بن موہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگایا تھا؟ آپ نے جواب دیا: ہاں۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: اسی حدیث کو ابوعوانہ نے عثمان بن عبداللہ بن موہب سے نقل کیا ہے اور اس میں (بہ جائے سئل أبوهريرة کے) عن أم سلمة رضی اللہ عنہا کہا ہے۔

افادات: اس روایت سے خضاب کا استعمال ثابت ہو رہا ہے؛ لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: عثمان ابن موہب کی روایت میں تو راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں؛ لیکن ابوعوانہ کی روایت میں راوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں، یعنی یہ سوال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کیا گیا تھا۔

٤٦- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ زُرَارَةَ، عَنْ أَبِي جَنَابٍ، عَنْ إِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ، عَنِ الْجِهْدَمَةِ، امْرَأَةِ بَشِيرِ ابْنِ الْخَصَاصِيَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ يَنْفُضُ رَأْسَهُ وَقَدِ اغْتَسَلَ، وَبِرَأْسِهِ رَدْعٌ، أَوْ قَالَ: رَدْغٌ مِنْ حِنَّاءٍ. شَكَّ فِي هَذَا الشَّيْخُ، الشكُّ هُنَا لإبرَاهِيمَ بنِ هَارُونَ.

ترجمہ: حضرت بشیر بن خصاصیہ کی بیوی جہدمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس طرح دیکھا کہ آپ اپنے گھر سے نکل رہے ہیں، سر جھاڑ رہے ہیں اور آپ نے غسل فرما رکھا ہے اور سر میں خوشبو لگی ہوئی تھی، یا کہا کہ:

مہندی کا رنگ تھا۔ اِس لفظ کے نقل کرنے میں امام ترمذی کے استاد: ابراہیم بن ہارون کو شبہ ہوا۔

٤٧ - أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوبًا.

٤٨ - قَالَ حَمَّادٌ: وَأَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَخْضُوبًا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال خضاب کیے ہوئے دیکھے۔

ترجمہ: عبداللہ بن محمد بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خضاب کیے ہوئے بال دیکھے۔

افادات: پچھلے باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت گذر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی خضاب استعمال نہیں فرمایا؛ اِس لیے کہ آپ کے بالوں کی سفیدی اتنی تھی ہی نہیں کہ خضاب کی ضرورت پیش آئے۔ اور یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک بال تھا، انھوں نے برکت کے لیے رکھا تھا، لوگ اس کو دیکھنے آیا کرتے تھے اور حضرت انس اس میں خوشبو لگایا کرتے تھے، خوشبو میں رنگنے کی وجہ سے اس کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر مبارک پر رہتے ہوئے وہ سرخ نہیں تھا؛ بلکہ بعد میں خوشبو کے لگانے کی وجہ سے وہ رنگین ہو گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال رنگین کیوں کر ہوئے؟

بخاری شریف میں- اور مستدرکِ حاکم میں تفصیل سے ایک روایت میں- ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بصرہ کو اپنا وطن بنا دیا تھا، وہیں رہتے تھے، وہیں انتقال ہوا اور وہیں ان کا مزار بنا۔ حضرت عبداللہ ابن محمد ابن عقیل فرماتے ہیں کہ: قیامِ بصرہ کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مدینے کی زیارت کے لیے تشریف لائے، اس وقت مدینے کے گورنر حضرت عمر ابن عبدالعزیز تھے۔ انھوں نے ایک آدمی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھو کہ: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

خضاب کا استعمال فرمایا ہے؟ اس لیے کہ میں نے حضور ﷺ کے بالوں کو رنگین دیکھا ہے، اس آدمی نے جا کر دریافت کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: یہ بات کس نے کہی؟ اس نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: میں نے خود حضور ﷺ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے بال گنے، تو گیارہ کے قریب سفید بال تھے، اور جو رنگ تم نے دیکھا وہ حضور ﷺ کا لگایا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ وہ بال جن کے پاس رکھے ہوئے ہیں انھوں نے اس پر خوشبو لگائی، اس کی وجہ سے اس کا وہ رنگ ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس رنگین بال کا تذکرہ ہے، وہ لوگوں کا رنگا ہوا ہے نہ کہ حضور ﷺ کا۔

٧ - بَابُ مَا جَاءَ فِي كُحْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے سرمہ لگانے کا بیان

افادات: اس باب میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے سرمہ لگانے کا تذکرہ ہے، سفر ہو یا حضر، آپ ﷺ ہمیشہ سرمے کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ سفر میں جو چیزیں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں، ان میں ایک سرمہ دانی بھی ہے، جس سے آپ رات کو سوتے وقت سرمہ لگایا کرتے تھے۔ چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ: آنکھ میں سرمہ ڈالنا سنت ہے، اور سنت کی نیت سے ہی سرمہ لگانا چاہیے، آنکھ کو بھی فائدہ پہنچے گا اور سنت کا ثواب بھی ملے گا۔

٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ عَبَّادِ ابْنِ مَنْصُورٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اكْتَحِلُوا بِالْإِثْمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ. وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ: ثَلَاثَةً فِي هَذِهِ، وَثَلَاثَةً فِي هَذِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اثمد سرمہ لگاؤ؛ کیوں کہ

وہ آنکھیں روشن کرتا ہے اور بال جماتا ہے، پلکیں زیادہ اُگاتا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، جس میں سے ہر شب تین سلائی اِس (داہنی) آنکھ میں اور تین سلائی اِس (بائیں) آنکھ میں سرمہ ڈالا کرتے تھے۔

افادات:

اثمد کی خاصیتیں

اثمد: یہ ایک مخصوص قسم کا پتھر ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے۔اصفہان میں ملتا ہے، اس کو پیس کر سرمہ تیار کیا جاتا ہے۔

یجلوا البصر: اس سرمہ کا فائدہ یہ ہے کہ قوتِ بینائی تیز ہوتی ہے اور پلکوں کے بال بڑھتے ہیں۔ کبھی بیماری کی وجہ سے پلکوں کے بال جھڑ جاتے ہیں یا کم ہوجاتے ہیں، تو اثمد استعمال کرنے سے تیزی سے بڑھتے ہیں۔

حضراتِ شراح فرماتے ہیں کہ: یہ سرمہ تیز ہوتا ہے، بعض لوگوں کی آنکھیں کمزوری کی وجہ سے اس سرمے کی تیزی کو برداشت نہیں کرسکتیں؛ اِس لیے پہلے اطبا سے مشورہ کیا جائے اور پھر اس کے بعد اس کو استعمال کیا جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ ترغیب ان لوگوں کے حق میں ہے جو اس کو برداشت کرسکتے ہیں۔

کوئی چیز مزاج کے موافق ہوگی، تو ہی فائدہ ہوگا

ایک اصولی چیز یاد رکھیے! کہ کسی چیز کا فائدہ بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی کو اس کا فائدہ پہنچے، وہ چیز جس کے مزاج کو موافق آئے گی اس کو فائدہ ہوگا۔جیسے کھجور کی یہ تاثیر بتلائی جاتی ہے کہ اس سے صحت وتوانائی میں اضافہ ہوتا ہے؛ لیکن یہ ہر ایک کے لیے نہیں ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے کہ: کسی زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیماری سے شفایاب ہوکر ابھی ابھی بسترِ مرض سے اٹھے تھے، بیماری کے باعث پیدا ہونے والی کمزوری ابھی باقی تھی، اسی زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے،

آپ ﷺ تازہ کھجوریں توڑ کر نوش فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاتھ بڑھانا چاہا؛ لیکن حضور ﷺ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ: تم ابھی ابھی بیماری سے اٹھے ہو، یعنی تمھارا معدہ کمزوری کی وجہ سے اس کو برداشت نہیں کر پائے گا۔

دیکھیے! کھجور کا فائدہ اور اس کی تاثیر اپنی جگہ مسلَّم؛ لیکن یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مفید نہ تھی، اسی لیے حضور ﷺ نے منع فرما دیا۔ اسی طرح اثمد کا فائدہ ضرور ہے؛ لیکن سرمے کی تیزی کی وجہ سے بعض کمزور آنکھوں والوں کو موافق نہیں آتا، تو اس سے حدیث میں بیان کردہ اثمد کا فائدہ اور اس کی تاثیر پر کوئی اشکال نہیں ہوگا؛ بلکہ ان کے مزاجوں کا قصور اور نقص ہے۔ باقی اثمد کا فائدہ اپنی جگہ مسلَّم ہے۔

زعم: یہاں زعم بہ معنیٰ قال ہے۔

رات میں سرمہ لگانے کی حکمت

كل ليلة: رات کو استعمال کرنے میں حکمت یہ ہے کہ دوا جب آنکھ میں ڈالی جاتی ہے تو کچھ دیر آنکھیں بند رکھتے ہیں؛ تاکہ دوا اپنا اثر دکھا سکے۔ سوتے وقت سرمے کو اسی لیے سنت قرار دیا گیا، کہ سرمہ لگانے کے بعد جب آنکھیں بند ہوں گی تو سرمہ مسامات میں سرایت کر کے اپنا اثر دکھلائے گا، اور اس کا جیسا فائدہ ہونا چاہیے ویسا فائدہ بھی ہوگا؛ لیکن اگر کسی نے دن میں سرمہ لگایا، تو بھی سرمہ لگانے کی سنت ادا ہو جائے گی۔

سرمہ تین اور دو یا تین تین سلائی لگائے

ثلاثة في هذه: بعض روایات میں ایک آنکھ میں دو اور دوسری میں تین سلائی سرمہ لگانے کا ذکر ہے؛ لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تین تین سلائی والی روایات ہی کو راجح قرار دیا ہے، کہ آپ ﷺ دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی لگایا کرتے تھے۔

٥٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ، (ح) وَأَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ

هَارُونَ، أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ بِالْإِثْمِدِ، ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ .

وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ فِي حَدِيثِهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اِثْمد سرمے کی ڈالا کرتے تھے۔ یزید بن ہارون رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں یہ بھی کہا کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، جس میں سے سوتے وقت ہر آنکھ میں تین سلائی سرمہ ڈالتے تھے۔

افادات:

سب سے بہتر سرمہ

سرمہ لگانا سنت ہے اور اثمد سرمہ لگانا افضل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اثمد کے علاوہ دوسرا کوئی سرمہ استعمال کرنے سے بھی نفسِ سنت ادا ہوجائے گی؛ البتہ جو اثمد استعمال کرے گا تو سنت کے ساتھ فضلیت بھی حاصل ہوگی۔

۵۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ سوتے وقت اثمد سرمہ ضرور لگایا کرو؛ کیوں کہ وہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے اور بالوں کو جماتا ہے/ پلکیں بھی خوب اُگاتا ہے۔

۵۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ خَيْرَ أَكْحَالِكُمُ الْإِثْمِدُ، يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بلاشبہ تمھارے تمام

سرموں میں سے اثمد بہترین سرمہ ہے، جو آنکھیں روشن کرتا ہے اور بال جماتا ہے/ پلکیں بھی اُگاتا ہے۔

افادات: بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ: ان کے متعلق شراح نے لکھا ہے کہ ان کا روزانہ چار سو رکعات نفل پڑھنے کا معمول تھا، اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔

٥٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ اثمد سرمہ لگایا کرو؛ کیوں کہ وہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے اور بالوں کو بھی جماتا ہے/ پلکیں بھی خوب اُگاتا ہے۔

افادات: روایت اوپر والی ہی ہے، البتہ راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس حدیث کو روایت کرنے والے تین صحابہ ہیں: (۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہم۔

٨ - بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کا بیان

افادات: لباس بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ لباس کے تعلق سے تین چیزیں ہیں: (۱) اس کا اصل مقصد سترِ عورت، یعنی اس کے ذریعے سے آدمی اپنے ستر کو چھپاتا ہے (۲) دوسرا مقصد زینت، یعنی اس کے ذریعے سے آدمی تزین، زیب وزینت اختیار کرتا ہے (۳) تیسری چیز تقویٰ، یعنی لباس میں آدمی اسلامی ہدایات کو پیشِ نظر رکھے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقۡوَىٰ ذَٰلِكَ خَيۡرٞۚ﴾[الأعراف۲۶]: اے انسانو! ہم نے تمھارے لیے لباس اتارا جو تمھارے ستر اور شرمگاہ کو چھپاتا ہے، زینت کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اور پرہیزگاری کا لباس (یعنی شریعت کی

ہدایت کے مطابق اختیار کیا گیا لباس) ان دو مقاصد سے بڑھ کر ہے؛ لہٰذا آدمی کو لباس کے سلسلے میں اس پہلو کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے؛ اس لیے کہ یہ ان دونوں سے بھی زیادہ اہم ہے۔

لباس کی قسمیں

حکمِ شرعی کے اعتبار سے لباس کی کئی قسمیں فقہا نے بیان کی ہیں:

(۱) واجب: اتنا لباس جو آدمی کے ستر کو چھپا دیوے، اگر بلا عذر ستر کھلا رہے گا تو اس صورت میں آدمی گنہگار قرار دیا جائے گا۔

(۲) مستحب: ایسا لباس جس کی شریعت نے ترغیب دی ہے، مثلاً عید و جمعہ کے موقع پر عمدہ کپڑے پہننا، سفید کپڑا استعمال کرنا، یہ مستحب ہے۔

(۳) مکروہ، جس کو نہ پہننے کی ترغیب دی ہے، جس کو شریعت نے پسند نہیں کیا۔ مثلاً ایک صاحبِ حیثیت آدمی کا اپنی حیثیت سے کم، پرانا، فقیروں جیسا لباس اس انداز سے پہننا کہ جس سے بہ ظاہر اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری معلوم ہوتی ہو، اس کو پسند نہیں کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ: ایک صاحب اسی طرح کا لباس پہن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: تمھارے پاس مال نہیں ہے؟ عرض کیا کہ: کئی نوع کا مال ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کا لباس پہنو جس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو۔ لہٰذا اپنی حیثیت سے کم کا لباس جس سے بہ ظاہر اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری معلوم ہوتی ہو، ناپسندیدہ ہے۔

(۴) حرام، ایسا لباس جس کی ممانعت آئی ہے، جیسے مَردوں کے لیے ریشم کا لباس، یا مرد کا زنانہ لباس یا عورت کا مردانہ لباس استعمال کرنا، جس سے مشابہت لازم آئے، وغیرہ۔ ان سب کو حرام میں شمار کیا گیا ہے۔

(۵) مباح اور جائز، جس کی نہ ترغیب آئی ہو، نہ ممانعت۔

٥٤ - أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، وَأَبُو تُمَيْلَةَ، وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْقَمِيصُ .

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کپڑوں میں کُرتہ پسند تھا۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لباس میں کرتہ زیادہ پسند تھا

كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ: کُرتے کو پسند کرنے کی وجہ شراحِ حدیث یہ بیان فرماتے ہیں کہ: کُرتے سے لباس کے دونوں مقاصد حاصل ہوتے ہیں: ستر بھی چھپتا ہے اور زینت بھی حاصل ہوتی ہے، جب کہ ازار میں ستر تو ڈھک جاتا ہے؛ لیکن زینت حاصل نہیں ہوتی۔ یا یہ پسندیدگی چادر کے مقابلے میں ہے، چوں کہ چادر زیادہ قیمتی ہوا کرتی ہے اور کرتہ کم قیمت کا ہوتا ہے، نیز چادر بوجھل معلوم ہوتی ہے اور کرتا ہلکا پھلکا، چادر کو سنبھالنا پڑتا ہے اور کرتے کو سنبھالنا نہیں پڑتا۔

علامہ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سوتی (سوت کا بنا ہوا) کرتہ تھا، جو زیادہ لمبا نہیں تھا، اور اس کی آستینیں گٹوں تک تھیں یعنی وہ بھی زیادہ لمبی نہیں تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: آپ کا کرتہ ٹخنوں سے اونچا تھا؛ بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جیسے نصف پنڈلی تک لنگی ہونی چاہیے، کُرتہ بھی نصف ساق تک ہونا چاہیے، آدھی پنڈلی سے نیچے رکھنا پسندیدہ نہیں ہے۔ علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی کپڑے کی تعداد ایک سے زیادہ نہیں تھی: کرتہ، چادر، لنگی؛ بلکہ جوتا بھی ایک عدد تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سادگی کا بہت اہتمام کرتے تھے۔

۵۵ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْقَمِيصُ .

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کپڑوں میں کرتہ پسند تھا۔

افادات: اوپر والی ہی روایت ہے، جس کو دوسری سند سے پیش کیا ہے۔

٥٦ - حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، (عَنْ أُمِّهِ) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ يَلْبَسُهُ الْقَمِيصُ .

(قَالَ) هَكَذَا قَالَ زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ فِي حَدِيثِهِ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي تُمَيْلَةَ، مِثْلَ رِوَايَةِ زِيَادِ بْنِ أَيُّوبَ، وَأَبُو تُمَيْلَةَ يَزِيدُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ أُمِّهِ وَهُوَ أَصَحُّ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں سے نقل کرتے ہیں، وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہننے کے تمام کپڑوں میں کرتہ پسند تھا۔

ابوعیسیٰ نے کہا: زیاد بن ایوب نے اپنی حدیث میں ایسا ہی کہا۔ عبداللہ بن بریدہ سے، اس نے اپنی ماں سے، اس نے ام سلمہ سے، اور بہت سے راویوں نے ابی تمیلہ سے، زیاد ابن ایوب کی طرح ایسی ہی روایت کی ہے اور ابوتمیلہ اس حدیث میں عن امہ یعنی اس نے اپنی ماں سے سنا کا اضافہ کرتے ہیں اور یہ سند زیادہ صحیح ہے۔

افادات: وہی روایت ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اوپر منقول ہے۔ سند کے اعتبار سے انھوں نے کلام کیا ہے کہ یہ روایت دو طرح سے مروی ہے: (۱) عن عبد الله بن بريدة عن أم سلمة (۲) عن عبدالله بن بريدة عن أمه عن أم سلمة۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ: عن أمه والی سند زیادہ صحیح ہے، یعنی عبداللہ بن بریدہ اپنی والدہ کے واسطے سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں، یہ زیادہ صحیح ہے۔

٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ بُدَيْلٍ (يَعْنِي ابْنَ مَيْسَرَةَ) الْعُقَيْلِيِّ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا قَالَتْ: كَانَ كُمُّ قَمِيصِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى الرُّسْغِ .

ترجمہ: حضرت اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کُرتے کی آستین گٹے تک تھی۔

افادات:

آستین کی لمبائی

إِلَى الرُّسْغِ: اس روایت سے کرتے کی آستین کا گٹے تک ہونا ثابت ہورہا ہے، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ: حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی آستین گٹوں سے بھی آگے تھی؛ لیکن انگلیوں کے سرے تک ہونا کسی بھی روایت میں مذکور نہیں۔ بعض علماء نے ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ: جب کُرتہ دھلا ہوا پہنا جاتا ہے تو اس وقت وہ سیدھا رہتا ہے، تب آستین ذرا گٹوں سے آگے نکلی ہوئی رہتی ہے، پھر استعمال کے نتیجے میں کپڑا اسکڑتا ہے؛ لہٰذا وہ گٹوں تک آجاتی ہے۔ بعض حضرات نے یہ تطبیق دی ہے کہ کبھی کوئی کرتہ ایسا ہوتا تھا کہ جس کی آستینیں گٹوں تک ہوتی اور کبھی کسی کی ذرا اس سے نیچے ہوا کرتی تھیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''بذل المجہود'' میں لکھا ہے کہ: کُرتے کی آستین گٹوں تک رہنا ہی زیادہ مناسب ہے، اور اس سے زیادہ لمبی بھی رکھ سکتے ہیں۔ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کُرتے کے حق میں سنت یہی ہے کہ پہنچوں تک آستین ہوں؛ البتہ چوغے کی آستین گٹوں سے آگے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

٥٨- حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرُ (بنُ حَرْبٍ)، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ قُشَيْرٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهُ، وَإِنَّ قَمِيصَهُ لَمُطْلَقٌ، أَوْ قَالَ: زِرُّ قَمِيصِهِ مُطْلَقٌ، قَالَ: فَأَدْخَلْتُ يَدِي فِي جَيْبِ قَمِيصِهِ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ.

ترجمہ: حضرت قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں قبیلۂ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم آپ ﷺ سے بیعت (اسلام) کرنے آئے تھے (اُس وقت) آپ ﷺ کا کرتہ کھلا ہوا تھا، یا راوی نے یہ کہا کہ: آپ کے کُرتے کی گھنڈی کھلی ہوئی تھی۔ (حضرت قرۃ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ: مَیں نے آپ ﷺ کے کُرتے کے گریبان میں ہاتھ داخل کر کے مہرِ نبوت کو چھولیا۔

افادات:

صحابی رضی اللہ عنہ کا گریبان کی گھنڈیاں کھلی رکھنے کا معمول

حضرت قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ قبیلۂ مزینہ کے ہیں۔ ان کے قبیلے کے کچھ لوگ بیعت ہونے کے ارادے سے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، یہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

حضرت قرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کرنے والے ان کے بیٹے: معاویہ بن قرہ ہیں، اور معاویہ بن قرہ سے اس روایت کو بیان کرنے والے عروہ بن عبداللہ بن قشیر ہیں۔ عروہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت معاویہ اور ان کے والد: قرہ رضی اللہ عنہما کو ہر موسم میں اس حال میں دیکھا کہ ان کے گریبان کی گھنڈیاں کھلی رہتی تھیں۔ چوں کہ قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی حالت میں دیکھا تھا؛ اس لیے وہ کرتے کی گھنڈیاں ہمیشہ کھلی رکھتے تھے۔ یہ محبت کی بات ہے کہ محبوب کو جس حال میں دیکھا وہ حال اتنا پسند آیا کہ اسی میں اپنے آپ کو رنگ دیا۔

٥٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ، فَصَلَّى بِهِمْ.

وَقَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ: سَأَلَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَوَّلَ مَا جَلَسَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، فَقَالَ: لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ، فَقُمْتُ لِأُخْرِجَ كِتَابِي فَقَبَضَ عَلَى ثَوْبِي ثُمَّ قَالَ: أَمِلَّهُ عَلَيَّ؛ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَلْقَاكَ، قَالَ: فَأَمْلَيْتُهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَخْرَجْتُ كِتَابِي فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سہارے گھر سے باہر تشریف لائے۔ (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر ایک قطری (یمنی نقشی دار) کپڑا تھا، جس سے توشُّح کر رکھا تھا، (یعنی اس میں لپٹے ہوئے تھے) اور آپ نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔

حضرت عبد بن حمید کہتے ہیں کہ: محمد بن الفضل نے فرمایا: (ایک روز) یحییٰ بن مَعین نے میرے پاس بیٹھتے ہی اِس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، تو مَیں نے حدیث بیان کرنی شروع کی کہ حدثنا حماد بن سلمہ

(ابھی اِتنا ہی بیان کیا تھا کہ) وہ فرمانے لگے: اگر آپ اپنی کتاب میں سے بیان فرماتے (تو بہتر ہوتا)۔ اُن کے کہنے پر مَیں اپنی کتاب لینے کے لیے اٹھا تو اُنھوں نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور کہا کہ: مجھے (پہلے زبانی) لکھوا دیجیے؛ کیوں کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ (موت آجائے، اور) آپ سے (دوبارہ) ملاقات نہ ہو۔ (محمد بن فضل) فرماتے ہیں کہ: مَیں نے پہلے زبانی بیان کیا، پھر کتاب لاکر دوبارہ آپ کے سامنے حدیث پڑھی۔

افادات: متکئ: یہ واقعہ مرض الوفات -یعنی جس بیماری میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی وفات ہوئی- کا ہے۔ حضرت نبیٔ کریم ﷺ بیماری اور کمزوری کی وجہ سے خود چل نہیں سکتے تھے؛ اس لیے حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے۔

قطري: یہ یمن میں ایک جگہ ہے، یہاں کی بنی ہوئی سبز سوتی چادر مشہور تھی۔

توشح: توشح کا معنیٰ چادر کو اس طرح اپنے جسم پر لپیٹنا کہ اس کا ایک کنارہ دائیں مونڈھے پر ہو اور دوسرا کنارہ بائیں مونڈھے پر، دائیں مونڈھے پر موجود کنارے کو بائیں بغل کے نیچے سے اور بائیں مونڈھے پر موجود کنارے کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر سینے پر گرہ باندھ لینا؛ تاکہ وہ چادر نکلنے نہ پائے۔ کبھی گرہ نہیں بھی لگاتے۔

اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا کہ: اس جگہ قطر کی بنی ہوئی سوتی سبز چادر کا تذکرہ تھا، اس سے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے لباس کا پتہ چلا۔

علم کی بے پناہ دھن اور موت کا استحضار

اس روایت کے متعلق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ نقل فرماتے ہیں، جس سے اسلاف کے تحصیلِ علم کی دھن، جذبہ اور دنیا کی بے ثباتی پر یقین اور موت کے استحضار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: یحییٰ ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث گزرے ہیں، ان کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ حدیثیں لکھیں۔

فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَلْقَاكَ: دیکھیے! علم حاصل کرنے کا کتنا شوق تھا۔ علم حاصل کرنے کا کس قدر بے پناہ جذبہ تھا۔ یہ بات یحییٰ ابن معین فرما رہے ہیں، جن کے متعلق ابھی بتلایا کہ دس لاکھ حدیثیں

انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں۔ جس کے پاس علمِ حدیث کا اتنا بڑا ذخیرہ ہو، پھر بھی حصولِ حدیث کا اتنا شوق! حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اس واقعے سے دو چیزیں معلوم ہوئیں:

(۱) ایک یہ کہ ہمارے اسلاف کو موت کا استحضار کتنا رہتا تھا؟ ہر وقت موت نظروں کے سامنے رہتی تھی کہ پتہ نہیں کب موت آجائے!۔

(۲) دوسرے علم کا شوق۔

٦٠ - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ إِيَاسٍ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً، أَوْ قَمِيصًا، أَوْ رِدَاءً، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ .

٦٠/ ١ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُونُسَ الْكُوفِيُّ، أَخْبَرَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو (اظہارِ مسرت کے طور پر) اُس کپڑے کا وہ نام جو اُس کا ہوتا لیتے، (مثلاً) عمامہ یا کرتہ یا چادر (وغیرہ)، پھر یہ دعا پڑھتے: اللّٰھُمَّ لك الحمد إلخ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے نے مجھے کپڑا پہنایا، اور تجھ سے اِس کی بھلائی اور اُن (مقاصد) کی بھلائی کا خواستگار ہوں جن کے لیے یہ (کپڑا) بنایا گیا ہے، اور تجھ سے اِس کی بدی اور اُن چیزوں کی بدی سے پناہ چاہتا ہوں جن کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے/ اور میں تجھ سے اِس کی بہتری اور اُس چیز کی بہتری مانگتا ہوں جو اِس کے واسطے بنائی گئی ہے، اور میں اِس کی بدی اور اُس چیز کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں جو اِس کے لیے بنائی گئی ہے۔

افادات: سَمَّاهُ بِاسْمِهِ: نام لینے سے مقصد اللہ کی ایک نعمت پر خوشی کا اظہار کرنا ہوتا تھا اور اسی اظہارِ تشکر کے لیے یہ دعا پڑھتے تھے۔

خیرہ وخیر ماصنع لہ إلخ: لباس کی خیر مثلاً یہ لباس میرے لیے تیری عبادت میں کام آوے۔ اور لباس کا شر مثلاً آدمی کبھی لباس پہن کر خود پسندی اور غرور وتکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ میرے جیسا

لباس کسی کے پاس نہیں ہے، کبھی مرد لباس پہن کر یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ عورتیں مجھے دیکھیں، یا عورت لباس پہن کر یوں تمنا کرتی ہے کہ مرد مجھے دیکھیں، وغیرہ وغیرہ؛ یہ اس کی برائی ہے، ان سب برائیوں سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں خیر کا پہلو بھی رکھا ہے اور شر کا پہلو بھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ جب استعمال کے قبیل سے کوئی نئی چیز عطا فرمائے تو یہ دعا مانگنی چاہیے۔ مثلاً سواری نئی آئی تو کہو کہ: اے اللہ! اس میں جو خیر ہے اور جن مقاصدِ خیر کے لیے یہ استعمال ہوتی ہے، وہ مجھے عطا فرما، اور اس میں جو شر اور برائی ہے یا جن برے مقاصد میں یہ استعمال ہوتی ہے، ان سے میری حفاظت فرما۔

٦١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ يَلْبَسُهُ الْحِبَرَةُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنے جانے والے کپڑوں میں سب سے زیادہ پسند منقش یمنی چادر ہوا کرتی تھی۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لباس میں یمنی چادریں محبوب تھیں

یمنی چادر منقّش اور دھاری دار ہوتی تھی، جس میں ایک لائن سفید ہوتی تھی اور دوسری لائن سبز رنگ کی سوت یا کتان کی ہوتی تھی، اس کو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرماتے تھے؛ اس لیے کہ سبز لباس جنتیوں کا لباس بتلایا گیا ہے۔ اس چادر میں نرمی بھی ہوتی تھی اور بناوٹ بھی اس کی عمدہ ہوا کرتی تھی، اور سوتی ہونے کی وجہ سے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کے لیے بہت زیادہ موزوں اور مناسب ہوتی تھی؛ اِس لیے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پسند فرماتے تھے۔

کُرتہ زیادہ پسند تھا یا چادریں؟

شروع باب میں ایک روایت گذری ہے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتہ پسند تھا، اُس روایت سے

یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرتہ زیادہ پسند تھا اور اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چادر زیادہ پسند تھی، بہ ظاہر اِن دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے ان دونوں روایتوں میں مختلف طریقوں سے تطبیق دی گئی ہے:

(۱) وہ بھی پسند تھا اور یہ بھی پسند تھا۔

(۲) یا یہ کہ سلے ہوئے کپڑوں میں حضور ﷺ کو کرتہ پسند تھا اور اوڑھنے کے کپڑوں میں یمنی منقش چادر پسند تھی۔

(۳) یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ: لباس کے اقسام میں کُرتہ پسند تھا اور انواع میں یمنی منقش چادر۔ جیسے کسی شخص کو پہننے میں کرتہ زیادہ پسند ہے اور ساتھ ہی ساتھ کپڑے کی اقسام میں سے سوتی پسند ہے، تو دونوں کی حیثیت الگ الگ ہے۔ الغرض! انواع کے اعتبار سے یمنی سبز رنگ کی چادر پسند تھی اور تراش خراش کے اعتبار سے کرتہ پسند تھا۔

٦٢ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَرِيقِ سَاقَيْهِ. وقَالَ سُفْيَانُ: أُرَاهَا حِبَرَةً.

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے آپ ﷺ کو دیکھا تھا، اُس وقت آپ (کے جسمِ اطہر) پر سرخ جوڑا تھا، اور اِس وقت گویا میری نگاہوں میں آپ ﷺ کی دونوں پنڈلیوں کی چمک بسی ہوئی ہے۔ سفیان کہتے ہیں: وہ (سرخ جوڑا) نقشی دار یمنی جوڑا تھا۔

افادات: یہ قصہ حجۃ الوداع کا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو سرخ جوڑے میں دیکھا تھا، اور یہ جوڑا نصف ساق تک تھا، جس کی وجہ سے پنڈلیاں اور پنڈلیوں کی چمک نظر آتی تھی۔ گویا وہ منظر حدیث بیان کرتے وقت ان کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ بعض مناظر ایسے ہوتے ہیں کہ مدت گذر جاتی ہے، اس کے باوجود آدمی کی نگاہوں میں وہ تازہ رہتے ہیں۔ یہاں پر یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو سرخ جوڑے میں دیکھا، گویا آج بھی میں پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں۔

سرخ لباس کا حکم

اراھا حبرۃ: یہ اس لیے کہنا پڑا کہ حدیثِ پاک میں خالص سرخ لباس کی مَردوں کے لیے ممانعت آئی ہے۔اس کے حکم کے سلسلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے،احناف کے یہاں راجح قول یہ ہے کہ مرد کے لیے خالص سرخ بھی پہننا جائز ہے؛ لیکن تقویٰ کے اعتبار سے خلافِ اولیٰ ہے،حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے۔چوں کہ خالص سرخ کپڑے کی مَردوں کے لیے ممانعت آئی ہے، اورصحابی رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں کہ: مَیں نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا؛ اس لیے اس روایت کے راویوں میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ - جو بڑے محدث ہیں- فرماتے ہیں کہ: اس میں دھاریاں (لائنیں) سرخ تھیں،سرخی اور سفیدی مخلوط تھی اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔یمن کی سوتی چادریں جیسے سبز ہوتی تھیں-جیسا کہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوا-اسی طرح یہ سرخ رنگ کی بھی ہوا کرتی تھیں۔اسی جوڑے میں انھوں نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔

٦٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، إِنْ كَانَتْ جُمَّتُهُ لَتَضْرِبُ قَرِيبًا مِنْ مَنْكِبَيْهِ .

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سرخ جوڑے میں ملبوس کسی شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پٹھے مونڈھوں کے قریب تک آرہے تھے۔

افادات: یہ روایت پہلے بھی شروع باب میں آچکی ہے۔آپ کا لباس سرخ دھاری دار تھا، یہ بتلانے کے لیے اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔

٦٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ إِيَادٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي رِمْثَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ .

ترجمہ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس حال میں دیکھا کہ آپ (کے جسمِ اطہر) پر دو سبز چادریں تھیں۔

افادات: اس روایت کو بھی یہاں یہ بتلانے کے لیے ذکر کیا ہے کہ آپ سبز لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔

٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ، عَنْ جَدَّتَيْهِ: دُحَيْبَةَ وَصَفِيَّةَ بِنْتَيْ عُلَيْبَةَ، عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَيْهِ أَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْهُ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ .

ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اِس حال میں دیکھا کہ آپ (کے جسمِ اطہر) پر زعفران سے رنگی ہوئی دو پُرانی چادریں تھیں؛ البتہ چادروں نے رنگ گرا رکھا تھا (اس رنگ کا اثر ختم ہو گیا تھا)، اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

افادات: عَنْ جَدَّتَيْهِ: عبداللہ ابن حسان عنبری کی نانی اور دادی دونوں بہنیں ہیں۔ حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کی پرورش کی تھی۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا ان دونوں کے ابا کی نانی ہوتی ہیں۔ نانی کے یہاں ان دونوں نے پرورش پائی تھیں؛ لہٰذا یہ دونوں اپنی نانی سے- جو صحابیہ ہیں- اس روایت کو نقل کرتی ہیں۔

زعفران سے رنگی ہوئی چادریں پہننے کا حکم

وقد نفضته: یہ اس لیے کہا کہ زعفران سے رنگا ہوا لباس پہننا مَردوں کے لیے ممنوع ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو چادریں پہن رکھی تھیں اس میں چوں کہ زعفران کا اثر باقی نہیں رہا تھا، اس لیے وہ ممانعت نہیں رہی۔

یہاں تو یہ روایت اس لیے لائے ہیں کہ حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اگلی روایت میں عمدہ قسم کی چادروں کا ذکر آیا۔ یہاں ایک گھسی ہوئی چادر کا بھی تذکرہ آ گیا۔

لباس عمدہ ہو یا معمولی

حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس کے معاملے میں کوئی اہتمام نہیں فرماتے تھے، جو میسر آتا اس کو

استعمال فرماتے تھے، کبھی عمدہ لباس بھی آپ ﷺ نے زیبِ تن فرمایا اور کبھی معمولی بھی۔ ایک مرتبہ ایک لباس آپ نے تینتیس اونٹ دے کر سلایا اور زیبِ تن فرمایا۔ اگر عمدہ لباس پہن کر آدمی کی طبیعت میں کوئی فخر اور غرور پیدا نہ ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے نعمت دی ہے تو پہن سکتا ہے، اور اگر عمدہ لباس پہن کر طبیعت میں غرور آتا ہے اور اس لباس کی وجہ سے آدمی دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تو ایسا لباس اس کے لیے ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ یہی حال معمولی لباس کا بھی ہے، بعض لوگ معمولی لباس پہن کر اپنی تواضع کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، اس کو بھی شریعت پسند نہیں کرتی۔ ہاں! اگر واقعتاً تواضع اور خاکساری کی وجہ سے معمولی لباس زیبِ تن کرتا ہے، تو پسندیدہ ہے، کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ بہرحال! کوئی بھی شکل ہو، شریعت کی ہدایت کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ: وہ قصہ یہ ہے کہ: ایک آدمی حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے پاس آیا، اس وقت حضرت قیلہ وہاں موجود تھیں، اُس شخص نے آکر حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو سلام کیا، جواب میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام ورحمة الله۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ عام چادریں پہنے ہوئے تھے، اور بہت عاجزانہ اور غریبانہ انداز سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کی اس ہیئت کو دیکھ کر مجھ پر ایک رعب طاری ہو گیا اور میں کانپنے لگیں، تو حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ بے چاری کانپ رہی ہے۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: ''سکون کو لازم پکڑو!'' بس آپ کے اس فرمان سے میرا خوف دور ہو گیا، اور میرے جسم کی کپکپی بند ہو گئی۔

٦٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِيَلْبَسْهَا أَحْيَاؤُكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑوں کو اختیار کرو، زندوں کو (بھی) یہی پہننا چاہیے اور مُردوں کو (بھی) اِن میں کفنانا چاہیے؛ اِس لیے کہ یہ تمھارے بہترین کپڑوں میں سے ہے۔

افادات:

سفید لباس بہترین کپڑوں میں سے

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے، حالاں کہ پوری کتاب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل کو بیان کرنے کے لیے ترتیب دی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا پہنتے تھے؟ آپ کا عمل کیا تھا؟ لیکن یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا۔ چناں چہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شارحین نے لکھا ہے کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفید لباس کی ترغیب دینا، یہ خود دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی استعمال فرمایا ہے، چناں چہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید لباس استعمال فرمایا ہے۔

٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: الْبَسُوا الْبَيَاضَ؛ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جُندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو؛ اِس لیے کہ یہ پاکیزہ اور عمدہ لباس ہے اور اپنے مُردوں کو (بھی) اِسی میں کفنایا کرو۔

افادات: فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ: پاک صاف اس لیے کہا گیا کہ رنگین کے مقابلے میں سفید لباس میل کو جلدی قبول کرتا ہے، اس میں ذرا سا بھی میل لگ جائے تو نمایاں نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے آدمی اس کو دھونے پر مجبور ہو جاتا ہے، جب کہ رنگین لباس میں تھوڑا بہت میل ہو تو پتہ نہیں چلتا اور آدمی اس کو دھونے کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا، تو چوں کہ سفید لباس پر میل نظر آنے کی وجہ سے وہ بار بار دھویا جاتا ہے اور جب بار بار دھویا جائے گا تو پاک بھی رہے گا اور صاف بھی رہے گا۔

مسئلہ: رنگین کفن بھی دیا جا سکتا ہے؛ لیکن سفید کفن کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

٦٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطُ شَعْرٍ أَسْوَدُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک روز صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے گئے، اُس وقت آپ (کے جسم اطہر) پر بالوں کی سیاہ چادر تھی۔

افادات: وَعَلَيْهِ مِرْطٌ شَعْرٍ أَسْوَدُ: چوں کہ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک لباس تھا؛ اس لیے اس روایت کو یہاں ذکر کیا ہے۔

٦٩ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَبِسَ جُبَّةً رُومِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ .

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنگ آستینوں والا رومی جُبَّہ زیبِ تن فرمایا۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رومی جبہ زیبِ تن کرنا

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ شام کا بُنا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ملکِ شام رومیوں کے ماتحت تھا؛ اس لیے اس کُرتے کو ''شامی'' بھی کہا جا سکتا ہے اور ''رومی'' بھی۔

کبھی سفر کی ضرورت کے پیشِ نظر آدمی کو اپنے لباس میں کچھ تبدیلی کرنی پڑتی ہے، جیسے عام طور پر ایک آدمی اپنے گھر پر رہتے ہوئے تو سفید لباس استعمال کرتا ہے؛ لیکن سفر کی ضرورت کی وجہ سے رنگین بھی استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح وطن میں آدمی ایسا لباس استعمال کرتا ہے جس کی زیادہ جیبیں نہیں ہوتیں؛ لیکن سفر میں زیادہ جیب والا لباس استعمال کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر لباس کی وضع قطع میں سفری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی خاص تبدیلی کر لی جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومی جبہ زیبِ تن فرمایا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، اور قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پانی لے کر وضو کرانے کے لیے پہنچے۔

وضو کے دوران منہ دھونے کے بعد جب ہاتھ دھونے کا موقع آیا تو آستین چڑھانے کی سعی کی؛ لیکن تنگ ہونے کی وجہ سے اوپر تک چڑھی نہیں، تو حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے اندر سے ہاتھ نکال کر کے دونوں ہاتھوں کو دھویا۔ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آیا تھا۔

نئے کپڑے بغیر دھلے ہوئے استعمال کرنا

اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ: کفار کے ملک میں بنے ہوئے کپڑے دھوئے بغیر استعمال کیے جاسکتے ہیں، جیسے چین سے کپڑے آتے ہیں، تو ضروری نہیں کہ تیار کرنے والے مسلمان ہوں، ممکن ہے کہ غیر مسلمانوں نے بنائے ہوں۔ اب کوئی شخص وہاں کا بالکل نیا کپڑا لایا تو آپ اس کو بغیر دھوئے استعمال کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، جب تک اس کی ناپاکی کا یقین نہ ہو دھونا ضروری نہیں، ہاں! اگر اس پر یقینی ناپاکی لگی ہو تو اس کو دھونا چاہیے؛ مگر محض اس بنیاد پر کہ کافروں کے ہاتھ کا بُنا ہوا ہے؛ اس لیے جب تک نہ دھویا جائے وہاں تک پہننا نہیں چاہیے، یہ بات درست نہیں۔

۹- بَابُ مَا جَاءَ فِي خُفِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے موزوں کا بیان

افادات: نبیٔ کریم ﷺ کے موزوں کا تذکرہ ہے، اُس زمانے میں خف یعنی موزہ چمڑے کا بنایا جاتا تھا جو ٹخنوں سے اوپر تک ہوا کرتا تھا، اور پورے پیر کو ڈھانپ لیا کرتا تھا، اور نعل یعنی جوتا، اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ: تلوے کے نیچے ایک چپٹا چمڑا ہوا کرتا تھا، اور اس کے اوپر پٹی لگادی جاتی تھی جیسے سلیپر ہوتا ہے، اسی کو نعل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس زمانے میں پاؤں میں پہننے کے لیے یہ دو چیزیں استعمال ہوا کرتی تھیں: پورے پاؤں کو ڈھانپنے والا چمڑے کا موزہ ہوا کرتا تھا، اور صرف تلوے کے نیچے رکھنے کے لیے تسمہ دار چمڑا ہوتا تھا جس کو نعل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس باب میں خف یعنی موزوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

موزے پہننے کے آداب

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزے استعمال فرمائے ہیں، اور اس سلسلے میں آداب بھی منقول ہیں۔ موزے پہننے کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ: پہلے دائیں پیر میں پہنا جائے اور اس کے بعد بائیں پیر میں۔ دوسرا یہ کہ پہننے سے پہلے اس کو جھاڑ لیں، ممکن ہے کہ اندر کوئی ضرر رساں چیز ہو، تو اس کے ضرر سے محفوظ ہو جائیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدایت خاص ایک واقعہ کے بعد عطا فرمائی: ایک سفر میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل میں قیام پذیر تھے، دائیں پاؤں کا موزہ پہنا اور بائیں پیر کا پہننا چاہتے تھے کہ ایک کوّا اس کو چھین کر لے اڑا، اور پھر اوپر سے اس کو نیچے پھینکا، نیچے گرنے کی وجہ سے جو چوٹ آئی تو اندر سے چھوٹا سا سانپ نکلا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد ہدایت فرمائی کہ: موزے جھاڑے بغیر نہ پہنیں۔

٧٠ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ ﷺ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ، فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا .

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نجاشی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سیاہ رنگ کے سادے دو موزے ہدیتاً بھیجے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پہنے، پھر وضو کر کے اُن پر مسح کیا۔

افادات: أَنَّ النَّجَاشِيَّ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں شاہانِ حبشہ کا لقب ''نجاشی'' ہوا کرتا تھا، وہ نجاشی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کے طور پر موزہ بھیجا تھا، اس کا نام ''اسحمہ'' تھا، جس وقت اس نے موزے ہدیہ میں بھیجے تھے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا؛ بلکہ بعد میں قبول کیا، اور اسلام ہی کی حالت میں وفات ہوئی۔ ان کی وفات کی اطلاع نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی، اور ان کی نمازِ جنازہ بھی مدینۂ منورہ میں رہتے ہوئے پڑھائی۔

سَاذَجَيْنِ: یعنی ایسے کہ جس کے اوپر نقش ونگار نہ ہو۔

ثُمَّ تَوَضَّأَ: یعنی جب پہننا شروع کیا تو وضو کر کے پہنا، اور پھر ضرورت کے وقت وضو کے موقع سے ان کے اوپر مسح کیا۔

٧١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَهْدَى دِحْيَةُ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُفَّيْنِ، فَلَبِسَهُمَا .

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو موزے ہدیہ دیے اور آپ نے وہ پہنے بھی۔

افادات: دِحْيَةُ: اس سے حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، جن کی شکل وصورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام عموماً آتے تھے، یہ بڑے حسین وجمیل تھے۔ اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزے پہنے ہیں۔

٧٢ - وَقَالَ إِسْرَائِيلُ: عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَامِرٍ: وَجُبَّةً، فَلَبِسَهُمَا حَتَّى تَخَرَّقَا، لَا يَدْرِي النَّبِيُّ ﷺ أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا .

قَالَ أَبُوعِيسَى: وَأَبُو إِسْحَاقَ هَذَا هُوَ أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، وَاسْمُهُ سُلَيْمَانُ .

ترجمہ: اسرائیل کہتے ہیں کہ: جابر نے عامر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا کہ: جبہ بھی (ہدیہ دیا) اور آپ نے پھٹنے تک اُن کو استعمال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تحقیق نہ فرمائی کہ یہ مذبوح جانور کی کھال کے ہیں یا غیر مذبوح جانور کے۔ ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: ابواسحاق راوی شیبانی ہیں اور ان کا نام سلیمان ہے۔

١٠ - بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاپوش (جوتوں) کا بیان

افادات: اس باب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتوں کا بیان ہیں۔ ہمارے عرف میں جوتا ''بوٹ'' کو کہتے ہیں، یہاں یہ مراد نہیں؛ بلکہ نعل سے مراد چپل ہے۔ اُس زمانے میں ''بوٹ'' کا رواج نہیں تھا، چمڑے کے موزے تھے یا چپلیں تھیں، اور چپل بھی کوئی اتنی زیادہ ترقی یافتہ انداز میں بنی ہوئی نہیں تھی، بس ایک چمڑا ہوا کرتا تھا جس کو پاؤں کی سائز پر کاٹ دیا جاتا تھا، اور اس کے اوپر

ایک پٹی لگا دی جاتی تھی؛ تا کہ پاؤں میں اٹک جائے اور اس کو پہن کر آدمی آسانی سے چل سکے، یہ سلیپر جیسی شکل ہوتی تھی۔

اس طرح بنے ہوئے تھے کہ اس میں تلوا (سول) تھا، اور تلوے کے بیچ میں چمڑے کی ایک پٹی تھی، اس پٹی پر ایک چوکڑی تھی اور اسی چوکڑی سے آگے انگلیوں کی طرف دو ڈوریاں جاتی تھیں اور دو ڈوریاں پیچھے ایڑی کی طرف۔ اس میں نبیٔ کریم ﷺ اپنے پاؤں مبارک کی انگلیاں اس طرح ڈالتے تھے کہ ایک ڈوری انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان اور دوسری ڈوری بیچ کی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کے بیچ میں ہوا کرتی تھی۔ الغرض! ایک ڈوری کے ایک طرف انگوٹھا، دوسری طرف یعنی بیچوں بیچ دو انگلیاں اور دوسری ڈوری کی طرف دو اخیری انگلیاں رہتی تھیں۔

نعلین مبارک کا نقشہ

اس باب میں حضور ﷺ کے جوتوں کی ہیئت وشکل اور پہننے کا طریقہ بتلانا چاہتے ہیں۔

٧٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: لَهُمَا قِبَالَانِ .

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کیسے تھے؟ تو انھوں نے کہا کہ: دونوں میں دو دو تسمے لگے تھے۔

افادات: لَهُمَا قِبَالَانِ: آج کل جیسے سلیپر ہوتی ہیں، اسی انداز سے بنی ہوئی تھی۔ دو پٹیاں، دو تسمے تھے: ایک تسمے میں انگوٹھا اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ڈالتے تھے، اور دوسرے میں بیچ والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو۔

٧٤ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ: مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قِبَالَانِ مَثْنِيٌّ شِرَاكُهُمَا .

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش کے دو دو تسمے تھے، (اور) تسمے بھی دوہرے تھے۔

افادات: قِبَالَانِ مَثْنِيٌّ شِرَاكُهُمَا: دو پٹیاں یعنی دو ڈوریاں تھیں، لمبی پٹی جیسی کھینچی ہوئی۔ اور وہ ڈوریاں دوہری تھیں، گویا دو ڈوریوں کو جوڑا کر کے- ڈبل جیسی ہوتی ہیں- اس طرح بنائی گئی تھیں۔ دونوں تسمے تو الگ تھے۔

٧٥ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ [ويَعقُوبُ بنُ إبْرَاهِيمَ]، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ، قَالَ: أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ . قَالَ: فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَيِ النَّبِيِّ ﷺ .

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن طہمان رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بغیر بال کے دو پاپوش- جن کے دو دو تسمے تھے- ہمارے پاس نکال لائے۔ عیسیٰ بن طہمان نے کہا: اِس کے بعد ثابت رحمہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مجھے بتلایا کہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوشیں تھیں۔

افادات: جَرْدَاوَيْنِ: یعنی بال نکلے ہوئے تھے۔ آج کل عام طور پر ہم جو جوتا چپل

پہنتے ہیں، وہ جس چمڑے سے بنے ہوئے ہوتے ہیں اس پر بال لگے ہوئے نہیں ہوتے، اُس زمانے میں ابھی تہذیب وتمدن نے اتنی ترقی نہیں کی تھی؛ اس لیے عام طور پر چپلیں بھی چمڑے کی بنائی جاتی تھی تو اس کے اوپر سے بال نکالے نہیں جاتے تھے، بالوں کے ساتھ چپلیں ہوتی تھیں۔ آج کل تو بال والا فیشنیبل (fashionable) سمجھا جاتا ہے اور اس زمانے میں سادہ۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو چپل تھی اس کے بال نکلے ہوئے تھے اور اس کے دو تسمے تھے۔

اس روایت سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعل مبارک کے بال نکلے ہوئے تھے۔

٧٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّهُ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: رَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ، وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا .

ترجمہ: حضرت عبید بن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ: مَیں دیکھتا ہوں کہ آپ بن بالوں کی پاپوش پہنتے ہو، (کیا وجہ ہے؟) فرمایا کہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی پاپوشیں پہنتے ہوئے دیکھا ہے جن میں بال نہیں تھے، اور اُن کو پہنے ہوئے وضو کرتے؛ اِس لیے مَیں بھی ایسے جوتے پہننا پسند کرتا ہوں۔

افادات:

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا عشقِ رسول

رَأَيْتُكَ تَلْبَسُ إلخ: عرض کرنے کا مقصود یہ تھا کہ بال ہونے چاہئیں، چوں کہ اس زمانے میں اسی کا رواج تھا، جیسا کہ بخاری شریف میں یہی عبید ابن جریج کا سوال ہے کہ: تمھارے دوسرے رُفقا کو دیکھتا ہوں کہ ان کے جوتوں کے چمڑوں سے بال نہیں نکالے گئے ہیں، اور تم سب سے الگ بال نکالے ہوئے چمڑے کے جوتے استعمال کرتے ہو؟

إِنِّي رَأَيْتُ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مزاج میں اتباعِ سنت کا بڑا اہتمام تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں (جن کا عام طور پر لوگ لحاظ نہیں کرتے) میں بھی وہ اتباع کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ

ایک سفر میں جارہے تھے، ایک جگہ سواری کے اونٹ سے اترے اور جیسے آدمی پیشاب کرنے کے لیے بیٹھتا ہے اسی طرح بیٹھے، پھر تھوڑی دیر کے بعد اٹھے، حالاں کہ پیشاب کا تقاضہ نہیں تھا، کسی نے پوچھا کہ: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ اسی طرف جارہے تھے، آپ یہاں اترے، آپ نے قضائے حاجت کی؛ اس لیے میں نے آپ کی اتباع میں ایسا کیا۔

چپل پہنے ہوئے وضو فرمانا

وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا: چپل پہنے ہوئے وضو فرمانے کا کیا مطلب؟ شراحِ حدیث نے اس جملے کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

(۱) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ -جو بہت بڑے محدث ہیں- فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں تو باہر نکال کر دھوئے؛ لیکن خشک کیے بغیر جوتے پہن لیے، جیسا کہ ہم لوگ کبھی پاؤں دھونے کا وقت آتا ہے تو پاؤں نکال کر پاؤں دھونے کے بعد گیلے پاؤں کو چپل یا جوتے میں ڈال دیتے ہیں، تو جو گیلا پاؤں ڈالا جاتا ہے اسی کو جوتے میں وضو فرمانے سے تعبیر کیا گیا۔

(۲) علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ -جنھوں نے شمائل کی شرح لکھی ہے- فرماتے ہیں کہ: نہیں، آپ ﷺ نے پہنے ہوئے حالت میں ہی اوپر پانی ڈال دیا تھا جیسا کہ ہم کبھی کبھی سلیپر پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور نکالے بغیر ہی اوپر پانی ڈال کر دھوتے ہیں۔ پہلے مطلب کو بہت سے لوگوں نے راجح قرار دیا ہے۔ چوں کہ یہ چپل سلیپر جیسے ربڑ کے نہیں تھے؛ بلکہ چمڑے کے تھے، اس میں اگرچہ دھونا ممکن ہے؛ لیکن اگر اس طرح چند بار کیا جائے گا تو وہ بے کار ہوجائیں گے، اور نبیٔ کریم ﷺ کسی بھی چیز کے استعمال کا ایسا طریقہ جس سے وہ چیز خراب ہو، خود بھی احتیاط کرتے تھے اور لوگوں کو بھی منع کرتے تھے؛ اس لیے یہاں پہلے والے مطلب کو راجح قرار دیا گیا ہے؛ ورنہ ہم اگر ربڑ کے چپل پہنے ہوئے ہوں اور اس میں پیر دھوئیں تو پانی اس کو نقصان نہیں دیتا؛ لہٰذا وہاں یہ اشکال نہیں ہوسکتا۔ بہرحال دونوں مفہوم پر عمل کرسکتے ہیں۔

۷۷ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قِبَالَانِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاپوش کے دو دو تسمے تھے۔

افادات: یہ تفصیل سے پہلے گذر چکا ہے۔

۷۸ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ السُّدِّيِّ، حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْنِ مَخْصُوفَتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایسے جوتے پہنے ہوئے نماز ادا فرمارہے تھے جو دوہرے چمڑے کے تھے۔

افادات: مخصوفتین: یعنی جس کا چمڑا سلا ہوا تھا۔ عام شراحِ حدیث نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نیچے والا تلا دوہرا تھا، یعنی دو چمڑے جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ دوسرا مطلب ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چپل کے نیچے والا چمڑا پیوند لگا ہوا تھا، جیسے جوتے میں کبھی کبھی لگایا جاتا ہے، آج کل تو اس کی نوبت کم آتی ہے، پرانے لوگوں میں اس کا رواج تھا، کہیں کٹ گیا ہو تو اس پر پیوند لگایا جاتا، جیسے کپڑے پر پیوند لگایا جاتا ہے، اس پر بھی لگایا جاتا تھا۔ اسی کو پہن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔

جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

جوتا پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جوتا (چپل) پاک ہے تو اس کو پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں بہ شرطے کہ اس کی وجہ سے پاؤں کو سجدے میں زمین پر رکھنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، جیسے نرم چپل ہو، یا ایسا نرم جوتا جیسے چمڑے کے موزے، جس کے اندر پاؤں ہوتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود جب اس کو پہن کر ہم سجدہ کریں گے تو سجدہ میں انگلیاں زمین کے ساتھ لگیں گی، ایسا نہیں ہے کہ زمین کے ساتھ نہ لگے۔ جب کہ ہمارے جو ''بوٹ'' ہیں، اس کے اندر انگلیاں ایک دم سرے تک نہیں پہنچتیں، آگے کچھ فاصلہ رہتا ہے، اب اس کو پہن کر کوئی آدمی سجدہ کرے گا تو سجدے میں پاؤں کی انگلیاں

زمین سے نہیں لگیں گی اور سجدہ صحیح نہیں ہوگا؛ لہٰذا ایک قاعدہ ذہن میں رکھیے کہ: ایسا جوتا جس کو پہن کر سجدے کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں زمین کے ساتھ لگتی ہیں تو اس کو پہن کر- بہ شرطے کہ وہ پاک ہو- نماز پڑھ سکتے ہیں، اگر پاؤں کی انگلیاں زمین سے نہیں لگتیں تو چاہے پاک ہو اس کو پہن کر نماز نہیں پڑھ سکتے؛ اس لیے کہ اس صورت میں سجدہ درست نہیں ہوگا، اور چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے نعل مبارک کا نچلا تلا بھی پتلا سا ہوتا تھا جیسا کہ ابھی بتلایا، تو اس کو پہن کر نماز پڑھتے وقت ادائیگیٔ سجدہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی؛ اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں۔

٧٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَمْشِيْ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا .

٧٩/١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ نَحْوَهُ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی ایک جوتا پہن کر نہ چلے، یا تو دونوں جوتے پہنو یا تو دونوں جوتے نکال کر کھلے پیر چلو۔

افادات: یہاں اصل تو آپ کا عمل لانا چاہیے تھا؛ لیکن آپ جب ہدایت دے رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ خود بھی اس پر عمل کا اہتمام کرتے ہوں گے۔

ایک جوتا پہننے کی ممانعت

لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ إلخ: ایک پیر میں جوتا ہو اور دوسرے میں جوتا نہ ہو اس طرح نہ چلو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ بدتمیزی کہلاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک پاؤں میں آپ جوتا پہنیں گے اور دوسرا پاؤں کھلا ہوگا تو جوتے کی وجہ سے ایک پاؤں اونچا رہے گا، دونوں پاؤں میں جس طرح توازن باقی رہنا چاہیے وہ باقی نہیں رہے گا، اور ہوسکتا ہے یہ آدمی کے گر جانے کا سبب ہو۔

نوٹ: اس ممانعت کا تعلق عادتاً کرنے سے ہے۔ کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی آدمی چلتا جا رہا تھا، چلنے کے دوران چپل کی ایک پٹی ٹوٹ گئی، تو تھوڑی دیر کے لیے گھر پہنچنے تک اس نے پاؤں سے ایک کو

نکال دیا اور ایک کو پہنے رکھا تو اس کی ممانعت نہیں ہے، عادت کے طور پر ایسا کرنے سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہدایت جوتوں کے سلسلے میں ہے؛ لیکن آپ کی اس ہدایت سے علما نے متعدد مسائل مستنبط کیے ہیں: مثلاً اس ممانعت کا تعلق موزے سے بھی ہے، کہ کوئی شخص ایک موزہ ایک پاؤں میں پہنتا ہے اور دوسرا پاؤں خالی رکھتا ہے، یا ایک آستین ہاتھ میں ڈالتا ہے اور دوسری یوں ہی لٹکی رہنے دیتا ہے، یہ سب بدتمیزی ہے۔ الغرض! کوئی بھی چیز پہننے کے قبیل سے ہو اس کے پہننے کا جو صحیح اور معتاد طریقہ ہے اس کے مطابق پہنا جائے، اگر کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا تو اس کے عمل کو لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے؛ اس لیے اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

۸۰ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسىٰ، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ -يَعْنِي الرَّجُلَ- بِشِمَالِهِ، أَوْ يَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے، اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی ایک جوتا پہن کر چلے۔

افادات: بِشِمَالِهِ: یہ کھانے کے آداب میں سے ہے کہ داہنا ہاتھ استعمال کرے۔ آگے مستقل اس کا تذکرہ آئے گا۔

أَوْ يَمْشِيَ إلخ: ایک جوتا پہننے اور ایک پاؤں خالی رکھنے کی ممانعت کراہتِ تنزیہی پر محمول ہے، بہ ظاہر اس میں آدمی اپنی وضع بگاڑ رہا ہے جو ایک طرح کی بدتمیزی سی معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح کرنا وقار کے بھی خلاف ہے، وقار اور سنجیدگی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی یا تو دونوں جوتے پہنے یا تو دونوں کو نکال دے۔ "ظاہریہ" اس کو "حرمت" پر محمول کرتے ہیں؛ لیکن جمہور کے نزدیک یہ "مکروہِ تنزیہی" ہے۔

۸۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، ح وَأَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، فَلْتَكُنِ الْيُمْنىٰ أَوَّلَهُمَا

تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی جوتے پہنے تو پہلے داہنا پہنے اور جب اتارے تو پہلے بایاں اتارے، کہ دونوں پاپوشوں کے پہننے میں داہنا پاؤں پہلا ہو اور دونوں کے اتارنے میں پچھلا۔

افادات:

جوتا پہننے اور نکالنے کا طریقہ

فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ: پہلے بھی بتلادیا گیا تھا کہ وہ تمام کام جو آدمی کے لیے شرف اور زینت کا سبب ہوں ان میں دائیں طرف سے ابتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جوتا آدمی کے پاؤں میں زینت کی حیثیت رکھتا ہے؛ اس لیے اس کو پہننے میں دائیں طرف سے ابتدا کریں گے، اور جب نکالیں گے تو بائیں پاؤں کا جوتا پہلے نکالیں گے۔ سنت طریقہ یہی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح جوتا پہنتے اور نکالتے تھے۔ اس سنت کا اہتمام کرنا چاہیے، جب تک آدمی توجہ نہیں دیتا وہاں تک یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ عام طور پر شیطان آدمی سے اس کا الٹا ہی کرواتا ہے، پہننے میں پہلے بایاں پہنیں گے پھر داہنا، نکالنے میں پہلے داہنا نکالیں گے پھر بایاں۔ عجیب صورت حال ہے، اس لیے اس کی طرف توجہ ہونی چاہیے۔ نیز کچھ لوگوں نے اس کا ایک فائدہ یہ بھی بتلایا کہ آدمی بواسیر سے محفوظ رہتا ہے۔

۸۲ - حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُورِهِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حتی الوسع جوتا پہننے میں، کنگھا کرنے میں، اور پاکی حاصل کرنے میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

افادات: وَطُهُورِهِ: یعنی وضو میں بھی جو اعضا دو دو ہیں ان میں پہلے دائیں کو پھر بائیں کو دھوتے، غسل میں پہلے داہنی طرف پانی ڈالتے پھر بائیں طرف، خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کوئی مجبوری اور شدید ضرورت نہ ہو وہاں تک آپ اسی طرح اہتمام سے کرتے تھے، ہاں! اگر بائیں طرف سے

ابتدا کرنے کی کوئی ضرورت پڑ جائے، کوئی مجبوری کی بات پیش آجائے تو دوسری بات ہے۔

۸۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوقٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قَيْسٍ أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قِبَالَانِ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاپوش میں دو تسمے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چپل بھی اسی طرح دو تسمے والے تھے۔ سب سے پہلے ایک تسمہ استعمال کرنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

افادات: یہ روایت ابتدائے باب میں آچکی ہے۔

قِبَالَانِ: ایک تو آپ انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بیچ میں ڈالتے تھے، دوسری بیچ والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان ڈالا کرتے تھے۔

وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ: تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ دو تسمہ ضروری اور واجب نہیں ہے۔

١١ - بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کا بیان

افادات: پہلے زمانے میں انگوٹھی مہر کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، آج کل جس طرح ربڑ اسٹیمپ (Rubber Stamp) ہوتا ہے پہلے زمانے میں انگوٹھی ہی کے اوپر نام کندہ کیا جاتا تھا، اور اسی کو خطوط کے اندر اخیر میں یا خط بند کرنے کی جگہ کے اوپر (جہاں سِیل لگتا ہے) بطور مہر کے استعمال کیا جاتا تھا، بعد میں یہ کام ربڑ اسٹیمپ سے لیا جانے لگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی کب بنوائی؟

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٦ھ یا ٧ھ میں انگوٹھی بنوائی، ٦ھ میں جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے لیے

تشریف لے گئے، اور مکہ کے مشرکوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو عمرہ کرنے نہیں دیا، اس موقع پر ان کے ساتھ صلح ہوئی، اور صلح میں یہ طے ہوا کہ اس سال تو واپس جائیں گے، عمرہ نہیں کریں گے، آئندہ سال ان ہی دنوں میں آ کر عمرہ کیا جائے گا، یہ صلح دس سال کے لیے کی گئی تھی۔ نبیٔ کریم ﷺ جب مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ واپس تشریف لائے تو یہ ٦ ھ کا اواخر تھا؛ چوں کہ عمرہ کے لیے آپ ذوالقعدہ کی پہلی تاریخ کو تشریف لے گئے تھے، وہاں بیس یا پچیس روز قیام رہا، اور واپسی ذی الحجہ کی ابتدا میں ہوئی، ٦ ھ کے اواخر یعنی ذی الحجہ میں یا ۷ ھ کے اوائل یعنی محرم یا صفر میں نبیٔ کریم ﷺ نے انگوٹھی بنوائی، اس سے پہلے انگوٹھی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

جب مکۂ مکرمہ سے آپ واپس تشریف لائے اور صلح کی وجہ سے مکہ والوں کی طرف سے حملہ کا کوئی اندیشہ نہ رہا، تو ایمان واسلام کی دعوت کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف بادشاہوں کے نام ایمان واسلام کی دعوت کے خطوط روانہ کیے، جس وقت آپ ﷺ نے خطوط بھیجنے کا ارادہ کیا اس وقت آپ کو بتلایا گیا کہ عجم کے بادشاہ ایسا خط جس پر مہر نہ ہو قبول نہیں کرتے، تو اس ضرورت کے پیشِ نظر آپ نے انگوٹھی بنوائی، اس سے پہلے آپ نے انگوٹھی بنوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

انگوٹھی پہننے کا حکم

اب انگوٹھی کے پہننے کا کیا حکم ہے؟ بعض حضرات مطلقاً اس کو سنت قرار دیتے ہیں، چاہے اس کا تعلق حکمراں طبقہ سے ہو یا نہ ہو، اس کو بطور مہر انگوٹھی کی ضروت پیش آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ معاشرے میں بعض وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو کسی نہ کسی حیثیت سے حکمرانی کا کوئی شعبہ ملا ہوا ہے: حاکم ہو یا قاضی ہو یا مفتی ہو، اور ان کو مہر لگانے کی ضروت پیش آتی ہے؛ اس لیے کہ مہر کے بغیر عام طور پر لوگوں میں فیصلہ جاری نہیں ہوتا ہے؛ لیکن ان کے علاوہ باقی لوگوں کو مہر کی ضروت پیش نہیں آتی، تو انگوٹھی – جو مہر کے لیے استعمال کی جاتی ہے – اس کا سنت ہونا کس کے حق میں ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ سبھی کے لیے سنت ہے، چاہے اس کو استعمال کی ضرورت پیش آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ دوسری جماعت کا رجحان

اس طرف ہے کہ بادشاہ، قاضی اور مفتی یعنی وہ لوگ جن کو اپنے منصب کے پیشِ نظر اپنے عہدے کی وجہ سے اس کے استعمال کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کے لیے جائز؛ بلکہ سنت ہے، ان کے علاوہ دوسروں کے لیے اس کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔ احناف کے یہاں- جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے- حاکم، قاضی، مفتی یعنی جن کو اپنے منصب اور عہدے کے پیشِ نظر استعمال کی ضرورت پیش آتی ہے ان کے حق میں تو سنت ہے، اور دوسروں کے حق میں جائز ہے؛ لیکن خلافِ اولیٰ ہے، بہتر یہ ہے کہ وہ استعمال نہ کریں؛ اس لیے کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ۷ھ تک اس کو نہیں بنوایا تھا، جب ضرورت پیش آئی تو ضرورت کے پیشِ نظر بنوایا۔ نیز ابو داؤد شریف کی روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمرانوں کے علاوہ کو انگوٹھی استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اور ابوداؤد کی اسی روایت کی وجہ سے -جیسا کہ اوپر گذرا- بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حاکم کے علاوہ دوسروں کے لیے انگوٹھی استعمال کرنا مکروہ ہے؛ لیکن اس کے علاوہ بہت ساری روایتیں ہیں جن میں حاکم اور قاضی کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کی اجازت ہے، اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو انگوٹھی استعمال کرتے ہوئے دیکھا اور ان کو منع نہیں فرمایا۔ ان روایتوں کی وجہ سے دوسروں کے لیے جائز تو ہے؛ البتہ خلافِ اولیٰ ہے، پسندیدہ نہیں۔ ضرورت نہ ہو تو اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

مرد کے لیے کتنے وزن کی ہونی چاہیے؟

مَردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی کی اجازت دی گئی ہے، بہ شرطے کہ ایک مثقال یا اس سے کم ہو، اس سے زیادہ نہ ہو۔ ایک مثقال چار گرام تین سو چھہتر ملی گرام کا ہوتا ہے، اتنے یا اس سے کم وزن کی ہو تو جائز ہے، اس سے زیادہ وزنی ہو تو مرد کے لیے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

مرد کے لیے بہ یک وقت ایک ہی انگوٹھی استعمال کرنے کی اجازت ہے اور وہ بھی ایک ہی نگ والی، دو نگ والی انگوٹھی بھی مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ عورتوں کو چوں کہ زیورات کی اجازت ہے؛ اس لیے ایک سے زیادہ پہننے میں کوئی حرج نہیں، اور مرد کو زیورات کی اجازت نہیں ہے۔ بعض مَرد کئی کئی انگوٹھیاں پہنتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

کون سی انگوٹھی کا استعمال جائز ہے؟

جمہور کے نزدیک مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے، اگر لوہے یا پیتل وغیرہ کی ہے تو احناف کے نزدیک اس کا پہننا جائز نہیں ہے، صرف چاندی کی پہن سکتے ہیں۔ اور عورتیں چاندی اور سونے کی پہن سکتی ہیں، عورتوں کے لیے بھی لوہے اور پیتل کو احناف میں سے اکثر مشائخ نے مکروہ قرار دیا ہے، البتہ بعض نے اجازت دی ہے۔ عورتیں چاندی اور سونے کے علاوہ دوسری دھات کے زیورات استعمال کرسکتی ہیں؛ لیکن انگوٹھی چاندی اور سونے کے علاوہ کی استعمال نہ کریں۔

٨٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ وَرِقٍ، وَكَانَ فِصُّهُ حَبَشِيًّا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی، اور اُس کا نگینہ حبشی تھا۔

افادات: وَكَانَ فُصُّهُ حَبَشِيًّا: اس جملے کے مطلب میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ نگینہ جو اندر لگایا تھا وہ سیاہ تھا، حبشیوں کا رنگ کالا ہوتا ہے اور یہ بھی کالا تھا؛ اس لیے حبشی کہا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ: یہ حبشی طرز اور حبشی انداز کا بنا ہوا تھا؛ اس لیے اس کو حبشی کہا۔

٨٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، فَكَانَ يَخْتِمُ بِهِ وَلَا يَلْبَسُهُ.
قَالَ أَبُو عِيسَىٰ: أَبُو بِشْرٍ اسْمُهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہر لگاتے تھے اور پہنے نہ رہتے تھے۔ ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ: ابوبشر کا نام جعفر بن ابووحشیہ ہے۔

افادات:

روایات میں تعارض اور اس کے جوابات

وَلَا يَلْبَسُهُ: اس روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انگوٹھی پہنتے نہیں تھے؛

حالاں کہ بہت سی روایتوں میں نبیٔ کریم ﷺ کے انگوٹھی پہننے کا ذکر آیا ہے، دونوں میں بظاہر تعارض اور مخالفت معلوم ہوتی ہے، تو بعضوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ:

(۱) آپ اس انگوٹھی کو ہمیشہ نہیں پہنتے تھے، اس روایت کے اندر پہننے کی جو نفی کی گئی ہے وہ ہمیشہ پہننے کی نفی کی گئی ہے۔

(۲) بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ کے پاس دو انگوٹھیاں تھیں، ایک مہر لگانے کے کام میں استعمال ہوتی تھی اس کو آپ پہننے میں استعمال نہیں فرماتے تھے، اور دوسری پہننے کے استعمال میں آتی تھی، اس سے مہر لگانے کا کام نہیں لیا جاتا تھا۔

(۳) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر وقت پہنتے نہیں تھے، حضور ﷺ نے شروع میں جب انگوٹھی بنوائی تو آپ مستقل ہمیشہ پہنتے تھے؛ لیکن ایک مرتبہ نماز کے دوران آپ کی نگاہ اس انگوٹھی پر پڑی اور نماز سے توجہ ہٹی، اس کے بعد آپ نے اس کو نکال دیا، بعد میں جب ضرورت پڑتی اُس وقت پہنتے اور استعمال میں لاتے، پھر نکال دیا کرتے؛ لہٰذا ہمیشہ پہننے کا جو معمول تھا اسے نماز میں نگاہ پڑنے کی وجہ سے ذرا سی توجہ ہٹنے کے بعد ختم کر دیا؛ اس لیے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ضرورت کی ہوتی ہیں؛ لہٰذا اس کو مطلقاً نہیں چھوڑا جا سکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ: حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ ایک قریشی مہاجر صحابی تھے، انھوں نے منقّش یمنی چادر نبیٔ کریم ﷺ کو ہدیے میں پیش کی، حضور پاک ﷺ نے قبول فرمالی، ایک مرتبہ آپ اس کو پہن کر نماز ادا فرما رہے تھے کہ نماز کے دوران حضور ﷺ کی نگاہِ مبارک اس چادر کے نقش ونگار پر پڑی، ذرا سی دیر کے لیے آپ کی توجہ نماز سے ہٹی، سلام پھیرتے ہی آپ نے اس چادر کو ایسے اتارا جیسے کوئی ناپسندیدہ چیز آدمی اپنے جسم سے اتارتا ہے، اور فرمایا کہ: یہ ابوجہم کو واپس کر دو، یہ ان کی چادر ہے؛ اس لیے کہ اس نے مجھے نماز کی طرف سے غافل کر دیا، اور ان کی سادہ چادر جس پر نقش ونگار نہیں ہے وہ لے آؤ۔ یہ بھی اس لیے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ ان کی ہدیہ میں دی گئی منقش چادر کو واپس کر رہے تھے، اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ جو تعلق اور محبت تھی اس کے پیشِ نظر آپ کو یہ خیال آیا کہ

چادر واپس کی جائے گی، تو پتہ نہیں کہ ان کے دل پر کیا گذرے گی؟ وہ سمجھیں گے کہ میرا کوئی قصور ہوا یا کیا بات پیش آئی؟ ان کے حق میں تو یہ واپسی سوہانِ روح بن جائے گی، ان کو تکلیف نہ ہو؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ سادہ چادر منگوائی؛ تاکہ وہ مطمئن رہیں کہ یہ میرے کسی قصور کی وجہ سے نہیں، بلکہ کسی اَور وجہ سے واپس کیا جارہا ہے۔ دیکھیے! اس چادر کی جگہ پر دوسری چادر پہنی جاسکتی تھی: اس لیے آپ نے اس کو نکلوادیا، اور یہاں تو انگوٹھی تھی، دوسری انگوٹھی کہاں بنواتے! اس لیے آپ نے اس کو پہننا کم کردیا، ضرورت کی چیز تھی اس لیے بالکلیہ ختم نہیں کیا۔

٨٦ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عُبَيْدٍ هُوَ الطَّنَافِسِيُّ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

افادات: نگینہ یعنی انگوٹھی کا حلقہ جسے رِنگ کہا جاتا ہے، اور بیچ میں جہاں نگ لگایا جاتا ہے وہ حصہ تھوڑا سا چوڑا ہوتا ہے، اس کو عربی میں فص کہا جاتا ہے۔ ابھی اوپر ایک روایت آئی کہ اس کا نگینہ حبشی تھا، یعنی جو عقیق تھا وہ حبشہ سے لایا گیا تھا، یہاں کہتے ہیں کہ: وہ نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے، تو اس کے جواب میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ: دو انگوٹھیاں تھیں: ایک تو وہ جس کا نگ چاندی کا تھا، دوسری کوئی چیز نہیں تھی، اور ایک وہ جس کا نگ کالے رنگ کا تھا جس کو حبشی کہا گیا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ: حبشی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چاندی کا تھا؛ لیکن اس کی بناوٹ حبشیوں کے انداز کی تھی، یا اس کا بنانے والا حبشی تھا؛ اس لیے اس کو حبشی کہا گیا، گویا دونوں ایک ہی چیز ہوئی۔

٨٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، أَخْبَرَنِي قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجم کے بادشاہوں کو (دعوتِ اسلام کے) خطوط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتلایا گیا کہ: یہ عجمی حکمراں ایسے ہی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہو، تب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی۔ اور (اِس وقت) گویا مَیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی میں انگوٹھی کی سفیدی اور چمک دیکھ رہا ہوں۔

افادات: فكأني أنظر إلخ: یعنی ابھی بھی وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے، یہ واقعہ دل ودماغ میں تازہ ہے، جیسے بعض کہتے ہیں ابھی تک وہ آواز میرے کان میں ہے، گویا میں سن رہا ہوں، ابھی تک وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ کسی چیز کے اچھی طرح یاد ہونے کو بتلانے کے لیے اس نوع کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

۸۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: مُحَمَّدٌ سَطْرٌ، وَرَسُولُ سَطْرٌ، وَاللهِ سَطْرٌ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش اِس طرح تھا: ''محمد'' ایک سطر میں، ''رسول'' ایک سطر میں، اور ''اللہ'' ایک سطر میں۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی پر کیا لکھا ہوا تھا؟

كَانَ نَقْشُ: چوں کہ وہ نگینے کے اوپر اگر ایک سطر میں لکھے جاتے تو سطر لمبی ہوجاتی، نگینہ جس انداز سے بنایا جاتا ہے اس کی ساخت اس طرح لمبی سطر کی متحمل نہیں ہوتی؛ اس لیے وہ تین سطروں میں لکھے ہوئے تھے۔ اس لکھے ہوئے کی ترتیب کیا تھی؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: لفظ ''محمد'' سب سے نیچے، اس کے اوپر ''رسول''، اور اس کے اوپر ''اللہ''۔ نیچے سے اوپر پڑھیں گے تو محمد رسول اللہ ہوگا؛ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ظاہر یہ ہے کہ سطروں کی ترتیب میں پہلے لفظ محمد پھر رسول پھر اللہ تھا۔ اس روایت کا مقصود یہ بتلانا ہے کہ انگوٹھی پر جو نقش نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامِ مبارک کا (محمد رسول اللہ) کھدا ہوا تھا وہ ایک سطر میں نہیں تھا؛ بلکہ تین سطر میں تھا۔

٨٩ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ أَبُو عَمْرٍو، أَخْبَرَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَاتَمًا حَلْقَتُهُ فِضَّةٌ، وَنَقَشَ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آپ نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کو بتلایا کہ وہ بغیر مہر کا خط قبول نہیں کرتے، تب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انگوٹھی گھڑوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا، اور اس کے نگینے کے اوپر آپ نے ''محمد رسول اللہ'' کندہ کرایا تھا۔

افادات:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کب بنی؟

۶ھ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، اور نجاشی کے نام خطوط روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے ذوالقعدہ کی پہلی تاریخ کو مدینۂ منورہ سے مکۂ مکرمہ جانے کے لیے روانہ ہوئے، مکہ والوں کو جب پتہ چلا تو انھوں نے طے کرلیا کہ ان کو اندر داخل نہیں ہونے دیں گے، چناں چہ مکۂ مکرمہ کے آس پاس جو قبائل آباد تھے ان کو بھی انھوں نے یہ کہہ کر اپنا ہم نوا اور ہم خیال بنالیا کہ وہ لوگ وہاں سے مکہ پر چڑھائی کرنے آرہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مکۂ مکرمہ پر چڑھائی کی خبر سنے گا تو کون برداشت کرے گا! ان لوگوں نے بھی ان کا ساتھ دینا منظور کرلیا۔

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو اس سے کچھ پہلے پتہ چلا کہ، مکۂ مکرمہ والوں نے سواروں کا ایک لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ آگے بھیج دیا ہے، اب اگر آپ اسی عام راستے سے جس سے آپ مکۂ مکرمہ تشریف لے جارہے تھے آگے بڑھیں گے تو لامحالہ راستے میں اس لشکر سے مڈبھیڑ ہوگی، اور مقابلہ و جنگ کی نوبت آئے گی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو عمرہ کے ارادے سے تشریف لے جارہے تھے؛ اس لیے آپ کو یہ پسند نہیں تھا، چناں چہ جب آپ کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا راستہ بدل دیا، اور دوسرے راستے سے مقامِ حدیبیہ میں پہنچے، اور وہیں آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔

مکہ والوں نے تو آپ کو یہ بتلا دیا کہ ہم آپ کو اندر جانے نہیں دیں گے، اور ادھر اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ کو جو ہدایت دی تھی اس کے پیشِ نظر حضور ﷺ نے بھی طے کر لیا کہ مکہ والے جن شرائط کے ساتھ صلح کرنے کے لیے تیار ہوں گے ان سے صلح کر لوں گا، چناں چہ صلح ہوئی۔ اس صلح میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ: یہ صلح دس سال کے لیے ہے، ان دس سالوں میں دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے اوپر حملہ نہیں کرے گا۔ اس صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اِس سال تو یہ لوگ عمرہ نہیں کریں گے، آئندہ سال ان ہی تاریخوں میں آئیں گے، اُس وقت مکۂ مکرمہ میں تین روز ٹھہرنے کا موقع دیا جائے گا، اُس وقت روک نہیں سکیں گے۔ خیر! صلح ہوگئی اور شرط کے مطابق عمرہ کیے بغیر نبیٔ کریم ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم واپس تشریف لے گئے، چوں کہ اس صلح میں دس سال کے لیے آپس میں جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا اس وجہ سے دونوں فریقوں کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملا۔ اب تک تو لڑائی کا سلسلہ جاری ہونے کی وجہ سے ہر کوئی ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا، تدبیر کرتا رہتا تھا، کوئی اَور بات سُجھائی نہ دیتی تھی، اب صلح کے بعد یہ معاملہ ختم ہوگیا تو قریش اپنی تجارت میں لگ گئے اور نبیٔ کریم ﷺ نے مدینۂ منورہ جانے کے بعد مکہ والوں کی طرف سے حملے کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ سے سوچا اب میں اسلام کی دعوت جزیرۃ العرب کے آس پاس کے ممالک کے حکمران اور بادشاہوں کو دوں۔

چناں چہ اس زمانے میں دو بڑی طاقتیں تھیں: ایک روم، جس کے بادشاہ کا لقب ''قیصر'' تھا، اور دوسری فارس، جس کے بادشاہ کا لقب ''کسریٰ'' تھا۔ جو بھی اس تخت پر آتا اس کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اور ملک حبشہ سمندر کے سامنے کی طرف واقع تھا، اور وہاں کے بادشاہ کا لقب ''نجاشی'' تھا، حبشہ میں جو بھی تخت نشیں ہوتا اس کو اسی لقب سے پکارتے تھے، نام الگ ہوتے تھے۔

بہر حال! جب نبیٔ کریم ﷺ کو اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملا تو آپ نے طے کر لیا کہ ان لوگوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے جائیں، اسی واقعے کا اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ: جب نبیٔ کریم ﷺ نے ان تینوں (یعنی: کسریٰ، قیصر، نجاشی) کے نام خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے حضور ﷺ کو بتلایا کہ: آپ ان بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجنا چاہتے ہیں؛ لیکن

ان لوگوں کا ایک دستور ہے کہ ان کے پاس جو خط بھیجا جاتا ہے وہ خط اگر مہر بند ہے تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں، اگر وہ مہر والا نہیں ہے تو اس کو وہ قبول نہیں کرتے۔ نبیٔ کریم ﷺ کو تو دعوتِ اسلام دینی تھی اس لیے آپ نے مہر بنوانے کا فیصلہ کیا اور آپ نے مہر لگانے کی غرض سے انگوٹھی بنوائی۔ اُس زمانے میں -جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے- مہر لگانے کا کام انگوٹھی کے ذریعے سے کیا جاتا تھا جیسے آج کل ربڑ اسٹیمپ کے ذریعے کیا جاتا ہے، اس لیے آپ نے انگوٹھی بنوائی اور ان تینوں کے نام خط روانہ فرمائے۔

ایک خط کسریٰ کو لکھا۔ یہ ایران کا بادشاہ تھا، اُس زمانے میں دو بڑی حکومتیں تھیں، بڑی طاقت ور اور سپر پاور سلطنتیں تھیں: مشرق میں ایران کی جس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ تھا، اور مغرب میں روم کی، جس کے بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ ایران کے بادشاہ کا نام پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ نوشیروان جو بڑا انصاف پسند بادشاہ مشہور ہے، اس کا یہ پوتا ہوتا ہے۔

کسریٰ کے نام خط

نبیٔ کریم ﷺ نے اس کے نام ایک خط لکھا جس کی ابتدا بسم الله الرحمن الرحيم سے کی گئی تھی، اس کے بعد یہ عبارت تھی: من محمد رسول الله إلى كسرى عظيم فارس، یہ خط اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے فارس کے سربراہ کسریٰ کے نام ہے۔ پھر خط کا وہ مضمون تھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی: اسلم تسلم: تو اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ یہ خط نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ اس زمانے کا دستور یہ تھا کہ بڑے بادشاہوں کے نام جب کوئی خط بھیجا جاتا تھا تو خط لے کر جانے والا براہِ راست بادشاہ کو خط نہیں دے سکتا تھا؛ بلکہ اس بادشاہ کے ماتحت کو پیش کرتا، اور وہ اس کو آگے پہنچاتا تھا۔

جزیرۃ العرب کے دو علاقے: بحرین اور یمن کسریٰ کے ماتحت تھے۔ بحرین کے حاکم کا نام منذر ابن ساویٰ تھا؛ اس لیے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم ﷺ کا وہ نامہ مبارک لے کر بحرین کے حاکم: منذر بن ساویٰ کے پاس پہنچے، اور اس کو بتلایا کہ یہ خط کسریٰ کو پہنچانا ہے۔ اس نے ان کے وہاں تک جانے کا انتظام کر دیا چناں چہ کسریٰ کی خدمت میں یہ خط پیش کیا گیا۔

کسریٰ نے خط پھاڑ دیا

جب یہ خط اس کے پاس پہنچا اور خط کھول کر پڑھا گیا، تو اس خط میں چوں کہ ابتدا میں تھا: من محمد رسول الله إلیٰ کسریٰ عظیم فارس کہ یہ خط اللہ کے رسول محمد کی طرف سے فارس کے سربراہ کسریٰ کے نام ہے۔ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نام لکھا تھا اور بعد میں کسریٰ کا، یہ چیز اس کو بہت ناگوار گذری، اور اس نے کہا: ایک ایسا شخص جو ہماری حکومت میں رہتا ہے اس نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں رہتے تھے وہ علاقہ تہامہ اور حجاز کی حدود میں تھا، اور وہ ایک آزاد علاقہ تھا، وہاں کسی بادشاہ کی حکومت چلتی نہیں تھی؛ لیکن اُس زمانے کے عرف کے اعتبار سے وہ علاقہ کسریٰ کے ماتحت سمجھا جاتا تھا، جیسے پاکستان کی سرحد میں آزاد علاقہ آج بھی ہے، پہلے بھی رہا، کہنے کو تو یہ کہتے ہیں کہ فلانی حکومت کے اندر ہے؛ لیکن وہاں کے لوگ قانونی اعتبار سے کسی کے ماتحت سمجھے نہیں جاتے، ایسا ہی یہاں بھی تھا۔ اس پر کسریٰ کو بڑا غصہ آیا کہ میری رعیت کا ایک شخص ہو کر اس نے میرے ساتھ اس طرح معاملہ کیا، اس نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خط کو چاک کر دیا، ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اس نے آگے یہ اقدام کیا کہ یمن کے گورنر کو۔ جس کا نام باذان تھا، جو کسریٰ کے ماتحت تھا، اس کا باج گذار تھا اور اسی کو خراج ادا کرتا تھا۔ لکھا کہ: ان کو یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ نعوذ باللہ۔ گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو، انھوں نے میرے ساتھ ایسا گستاخی کا معاملہ کیا۔

اللہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے

چناں چہ باذان کے پاس جب کسریٰ کا خط پہنچا تو باذان نے دو بڑے طاقت ور پہلوانوں کو خط دے کر مدینۂ منورہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا، اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرنے کا حکم بھی لکھا تھا۔ جب یہ دونوں آدمی وہاں پہنچے اور دور سے ان کی نظر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر پڑی، تو وہ لرزنے اور کانپنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب اور ایسی ہیبت عطا فرمائی تھی کہ دشمن بھی آپ کے چہرے کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تسلی دی، جب

ان کو ذرا اطمینان ہوا تو خط پیش کیا، حضور ﷺ نے خط پڑھا، اس میں یہ مضمون تھا کہ: آپ نے اس طرح کا خط لکھا تھا، اور آپ کے لکھنے کے انداز میں بادشاہ کے ساتھ ایک طرح کی گستاخی تھی، اب ان دونوں کو آپ کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ خط پڑھ کر کے ان دونوں کو فرمایا: کل اس کا جواب مل جائے گا۔

مجھے میرے رب کا یہ حکم ہے

اسی واقعے میں یہ بھی منقول ہے کہ: ان دونوں کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی تھیں، ان کی اس ہیئت کو دیکھ کر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: یہ کیسا چہرہ بنا رکھا ہے؟ تم نے کیسی شکل بنا رکھی ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا: ہمارے رب (وہ کسریٰ کو اپنا رب کہتے تھے) نے ہمیں یہی حکم دیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: میرے پروردگار نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ: میں ڈاڑھی بڑھاؤں اور مونچھوں کو کٹاؤں۔ ملاحظہ فرمائیے! یہ غیر مسلم تھے، پھر بھی ان کے اس چہرے مہرے کو نبیٔ کریم ﷺ نے پسند نہیں کیا اور ناگواری کا اظہار کیا، تو پھر ایک مسلمان ہو کر داڑھی مونڈے تو نبیٔ کریم ﷺ اسے کیسے گوارا فرمائیں گے!

بہر حال! دوسرے دن صبح کو جب وہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تو حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ: جاؤ میرے رب نے تمھارے رب کو قتل کروادیا، انھوں نے تاریخ نوٹ کر لی اور واپس لوٹے۔ جب بازان –جس نے ان کو بھیجا تھا– کے پاس یمن پہنچے، تو بازان نے کہا: یہ تو بڑی بات ہے، چناں چہ نوٹ کی ہوئی تاریخ اور وقت کے مطابق تحقیق کی تو پتہ چلا کہ معاملہ اس طرح ہوا تھا کہ: پرویز کا بیٹا شیرویہ تھا اور پرویز کی بیوی شیرین تھی، شیرین حسین وجمیل تھی، یہ بیٹا باپ کی بیوی پر عاشق ہو گیا، اور اس کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مجوسیوں کے یہاں ماں اور بہن سے نکاح کوئی ممنوع نہیں ہے، اور یہ تو اس کی سگی ماں بھی نہیں تھی، اور یہ باپ کے رہتے ہوئے اس پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا، تو بیٹے نے موقع پا کر باپ کو نظر بند کر لیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا، اور تخت پر بیٹھتے ہی خاندان کے دوسرے رشتے دار مَردوں: بھائی وغیرہ کو قتل کر دیا؛ تاکہ کل کو اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا دعوے دار کھڑا نہ ہو، باپ قید میں تھا،

اوراس نے بیوی پر قبضہ کرلیا تھا۔ اسی قید خانے کے زمانے میں باپ کو یقین ہو گیا کہ یہ مجھے قتل کر دے گا، چناں چہ رات کو بیٹا اپنے باپ کے کمرے میں گیا، اس کو گرا کر اس پر چڑھ کر اس کو قتل کر دیا۔ یہاں باپ نے یہ تدبیر کی کہ: نظر بندی کے زمانے میں جس کمرے میں بند تھا اس کے پاس ایک زہرِ ہلاہل تھا، یعنی ایسا زہر جس کو ذرا سا بھی کھایا جائے تو فوراً ہلاک ہو جائے، وہ جس بوتل میں تھا اس کے اوپر لیبل لگا دیا کہ: یہ دوائی مقوِّی باہ (یعنی مرد جب عورت سے صحبت کرتا ہے تو اس کے لیے جس قوت کی ضرورت ہوتی ہے اس کی) ہے، چوں کہ یہ بیٹا عورتوں کا بڑا رسیا تھا، تو باپ نے پہلے ہی سے اس کے لیے قبر کھودڈالی تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد بیٹا اپنے باپ کے کمرے میں گیا، ساری چیزیں دیکھیں، الماری کے اندر اس نے یہ بوتل بھی دیکھی، چناں چہ اس نے اس کو جیسے ہی کھایا تو مر گیا۔ اس کے مر جانے کے بعد اب اس کے خاندان میں- چوں کہ وہ پہلے ہی اپنے بھائیوں وغیرہ کو قتل کر چکا تھا- مَردوں میں سے تو کوئی تھا نہیں، صرف شیرویہ کی ایک بیٹی تھی، اور فارس والے شاہی خاندان کے علاوہ کسی اَور کو تختِ حکومت پر لانا بدفالی اور بدشگونی سمجھتے تھے؛ اس لیے اس کی بیٹی ''بوران'' کو انھوں نے حکومت کی باگ ڈور دے دی، نبیٔ کریم ﷺ کو جب اطلاع ہوئی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جو قوم عورت کو اپنا بادشاہ بنائے وہ کامیاب اور فلاح یاب نہیں ہو سکتی۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کا ملک بالکلیہ ختم ہو گیا، سارا ملک مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس نے نبیٔ کریم ﷺ کے نامۂ مبارک کو پھاڑا تھا حضور ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: جس طرح میرے خط کو انھوں نے چاک کیا ہے، ٹکڑے کیا ہے، اسی طرح اللہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ یہ تو پہلا خط تھا۔

قیصر کے نام خط

دوسرا خط قیصر کو لکھا۔ روم کے بادشاہ کا نام ہرقل اور لقب قیصر تھا، اس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا جو آج کل ترکی میں ''استنبول'' کے نام سے مشہور ہے۔ اُس زمانے میں عیسائیوں کی بڑی سلطنت روم میں تھی۔ حضور ﷺ نے اس کے نام بھی خط بھیجا، اس خط کو لے کر حضرت دِحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ (جو بڑے

حسین وجمیل تھے) کو بھیجا، وہ اس خط کو لے کر بُصریٰ گئے جو آج بھی ملکِ شام میں ایک علاقہ ہے۔ (ایک تو بصرہ ہے جو عراق میں ہے، کوفہ اور بصرہ شہر ہیں، یہ بُصریٰ ہے۔) اس کے حاکم کو یہ خط حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے پیش کیا؛ تاکہ وہ یہ خط قیصر کی خدمت میں پہنچائے۔قیصر اصلاً تو قسطنطنیہ میں رہتا تھا؛ لیکن اتفاق کی بات کہ اس زمانے میں وہ اپنی ایک منت پوری کرنے کے لیے یروشلم آیا ہوا تھا۔ دراصل دو بڑی حکومتیں تھیں: فارس اور روم، ان میں آپس میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، کچھ مدت پہلے فارس کی حکومت نے قیصر کو شکست دی تھی، وہ بھی اتنی زبردست کہ وہ بالکل اپنے علاقے میں محصور ہو کر رہ گیا، اور شام وغیرہ کے دیگر علاقوں پر جہاں اس کا تسلط تھا اس پر بھی فارس نے قبضہ کر لیا۔ بعد میں قیصر نے دھیرے دھیرے اپنی طاقت جمع کر کے وقت آنے پر وہ سارے علاقے جو کسریٰ نے لیے تھے واپس حاصل کیے، تو اس نے منت مانی تھی کہ: اگر مجھے اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں کامیابی اور فتح یابی عطا فرمائے گا تو میں پیدل بیت المقدس کی زیارت کروں گا، وہاں کا پیدل حج کروں گا۔ چناں چہ وہ حمص – جو شام کا بڑا شہر ہے – سے یروشلم گیا۔ بادشاہ تھا؛ اس لیے اس کے پیدل چلنے کے لیے بھی باقاعدہ پھول بچھائے گئے؛ تاکہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو، اور مجمع اس کے ساتھ رہتا تھا، اس طرح وہاں پہنچا۔ جس زمانے میں وہ یروشلم پہنچا ہوا تھا اسی زمانے میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ خط لے کر پہنچے تھے، وہ خط وہاں پیش کیا گیا۔

قیصر کی ابوسفیان سے گفتگو

ہرقل عیسائی مذہب کا ماننے والا تھا، کسریٰ تو آتش پرست (اگنی پوجک) تھا اور یہ آسمانی مذہب یعنی عیسائیت کا ماننے والا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ آسمانی کتابوں کا بڑا عالم بھی تھا، نیز بڑا کاہن بھی تھا، ستاروں کی چالوں اور اس سے بھی واقف تھا۔ جب اس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پہنچا اُس وقت وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو علامتیں اگلی آسمانی کتابوں میں بتائی گئی ہیں، اس سے بھی بہ خوبی واقف تھا؛ لہٰذا اس نے خط کھول کر پڑھنے سے پہلے سوچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے متعلق معلومات حاصل کرے، چناں چہ اس نے یروشلم (شام) میں اپنے آدمیوں سے کہا کہ: یہ خط جہاں سے آیا ہے اس علاقے کے

کچھ لوگ اگر مل جاتے تو اچھا ہوتا، اس کے آدمیوں نے بتلایا کہ: وہاں سے تجارت کے لیے قافلے آتے رہتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں۔ چناں چہ تلاش کیا گیا تو اتفاق سے ابوسفیان- جو مکہ کے سردار تھے اور اُس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آپ ﷺ کے بڑے دشمن تھے- ہی ایک تجارتی قافلہ لے کر وہاں پہنچے ہوئے تھے، ہرقل کے آدمیوں نے ان کا پورا قافلہ بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا، کہ یہ اس علاقے کے باشندے ہیں۔

بادشاہ نے ان قافلے والوں سے پوچھا کہ: تمھارے اندر اس شخص کا جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، سب سے قریبی رشتے دار کون ہے؟ اتفاق کی بات کہ اس قافلے میں سے قریبی رشتے دار ابوسفیان ہی تھے، انھوں نے کہا کہ: میں ہوں؛ یہ اس لیے پوچھا کہ جتنا خاندان کے اعتبار سے قرب ہوگا اتنا دوسروں کے مقابلے میں اندرونی حالات سے زیادہ واقف ہوگا۔ ابوسفیان نے جب کہا کہ: میں ہوں تو ہرقل نے ان کو آگے بٹھا کر قافلے کے دیگر ساتھیوں کو پیچھے بٹھایا، اور اپنے ترجمان کے ذریعے قافلہ والوں کو یوں کہا کہ: دیکھو! میں ان سے کچھ سوالات کروں گا، اگر وہ اس کا جواب دینے میں غلط بیانی سے کام لیں اور جھوٹ بولیں تو تم بتا دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ: مجھے یقین تھا کہ اگر غلط جواب دوں گا تو بھی برسرِ دربار میرے ساتھیوں میں سے کوئی بھی مجھے نہیں جھٹلائے گا؛ لیکن یہاں سے جانے کے بعد مکہ میں اس کا چرچا ضرور ہوگا، ساتھیوں میں سے کوئی غیروں کے سامنے تو نہیں بولے گا؛ لیکن گھر جا کر باتیں ہوں گی کہ وہاں انھوں نے یہ جواب دیا تھا، اور میری طرف جھوٹ کی نسبت ہوگی، اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ چناں چہ سوالات ہوئے، جوابات دیے گئے، اور ان جوابات پر ہرقل نے ہر ہر جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایسا نتیجہ نکالا جس سے نبیٔ کریم ﷺ کی سچائی اور صداقت ظاہر ہوتی تھی۔ بہر حال! اس نے کہا کہ: تم نے یہ باتیں جو کہی ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو میری اس جگہ کے بھی وہ مالک ہوں گے، اور اگر میں وہاں ہوتا تو میں ان کے پاؤں دھو کر پانی پیتا اور ان کی خدمت کرتا۔

ان باتوں کے بعد خط پڑھا گیا، اس خط میں بھی نبیٔ کریم ﷺ کا وہی انداز تھا یعنی اپنا نام پہلے تھا: اس لیے ہرقل کے بھتیجے کو بہت ناگوار ہوا، اس نے کہا: یہ خط مجھے دے دو، غصے میں بپھرا ہوا تھا، قیصر نے

کہا: تو یہ خط کیوں مانگتا ہے؟ کہا کہ: تمھارے ساتھ گستاخی کی ہے، قیصر نے کہا کہ: اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان کو اسی طرح لکھنا چاہیے؛ اس لیے کہ نبی کو حق ہے، وہ سب سے بہتر ہے۔ خیر! قیصر کو ان علامتوں کی وجہ سے یقین تھا کہ آپ ہی نبیٔ آخر الزماں ہیں؛ لیکن اس کو اپنی حکومت کی فکر تھی، اس کو ڈر تھا کہ اگر میں ایمان لے آیا تو کہیں یہ لوگ مجھے اپنی حکومت سے ہٹا نہ دیں؛ اس لیے اس نے اطمینان حاصل کرنا چاہا کہ پتہ چلے، اسے اندازہ ہوگیا کہ اگر میں ایمان کا اظہار کروں گا تو یہ لوگ مجھے تخت پر رہنے نہیں دیں گے، تو باوجود آپ ﷺ کی سچائی کا یقین ہوتے ہوئے ایمان نہیں لایا؛ لیکن آپ ﷺ کے خط کا بڑا اکرام کیا، سونے کی ایک نلکی میں حفاظت کے ساتھ رکھا، اور اس نے اپنے خاندان والوں سے کہا کہ: جب تک یہ خط ہمارے پاس حفاظت اور عزت سے رہے گا ہماری حکومت باقی رہے گی۔

نجاشی کے نام خط

تیسرا خط نجاشی کو لکھا۔ یہ خط نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمیری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا تھا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں نجاشی دو تھے: پہلے وہ جن کے پاس حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے گئے تھے، اُن کا نام ''اصحمہ'' تھا، وہ ایمان لے آئے تھے، اور جب حضور ﷺ کا خط پہنچا ہے تو انھوں نے اپنے ایمان کا اظہار کیا، اور جیسا پہلے بھی بتلایا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں چمڑے کے موزے بھی بھیجے تھے، ۹ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور نبیٔ کریم ﷺ نے ان کی غائبانہ جنازہ کی نماز بھی پڑھائی تھی۔ ''بذل المجہود'' میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول نقل کیا ہے کہ: ان کا انتقال فتحِ مکہ سے پہلے ہوا تھا۔ یہ خط جو آپ ﷺ نے نجاشی کے نام بھیجا تھا یہ دوسرے نجاشی ہیں، یہ ایمان لائے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ شمائل میں لکھا ہے کہ: ان کے ایمان لانے کا یقینی طور پر پتہ نہیں چلا۔

٩٠- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ، وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا

دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے، تو (داخل ہونے سے پہلے) انگوٹھی اتار لیتے تھے۔

افادات:

قرآن، اللہ یا نبی کا نام لکھی ہوئی چیز لے کر بیت الخلاء جانے کا حکم

نَزَعَ خَاتَمَهُ: چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کے اوپر ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا- جیسا کہ گذشتہ روایات میں آچکا ہے- تو اللہ کا نام اس پر کندہ ہونے کی وجہ سے اس کو اس طرح کھلا ہوا پہن کر بیت الخلا میں نہیں جا سکتے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لیے اس کو نکال لیا کرتے تھے۔ کوئی بھی ایسی انگوٹھی جس پر اللہ یا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام یا قرآن پاک کی کوئی آیت وغیرہ کندہ ہو تو اس کو اس طرح کھلا پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ ہے، نکال دینا چاہیے، اگر جیب میں ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

٩١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ، فَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ، وَيَدِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، حَتَّى وَقَعَ فِي بِئْرِ أَرِيسٍ، نَقْشُهُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ .

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جو (زندگی بھر) آپ کے پاس رہی، پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس، پھر چاہِ اریس میں گرنے تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، اُس کا نقش ''محمد رسول اللہ'' تھا۔

افادات: فَكَانَ فِي يَدِهِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ: آپ کے پاس رہتی تھی، چاہے آپ اس کو پہنیں یا نہ پہنیں، یہ آپ کے قبضے میں رہتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن اوقات میں اس کو استعمال نہیں فرماتے تھے تو اس کی حفاظت کا کام ایک صحابی: حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کے حوالے تھا، وہ اس کی حفاظت کرتے تھے، اور ان کی تحویل میں رہتی تھی۔

خاتمِ رسول گم شد

فِي بِئْرِ أَرِيسٍ: بئرِ اریس ایک کنواں تھا جو مسجدِ قبا سے متصل ایک باغ میں تھا۔ جیسا کہ اس سلسلے میں تحقیقات کرنے والے حضرات نے لکھا ہے کہ: جس جگہ پر یہ باغ اور کنواں تھا آج کل وہاں سڑک بنی ہوئی ہے۔ کبھی کبھار نبیٔ کریم ﷺ اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے، اور اس کنویں کی منڈیر پر کنویں میں پاؤں لٹکائے ہوئے تشریف فرما ہوتے تھے، تو آپ کے بعد حضراتِ شیخین اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی کبھی کبھار اسی طرح اس کنویں پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کنویں پر تشریف فرما تھے، پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے اور انگوٹھی ہاتھ میں تھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کنویں میں گری، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ: حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے۔ حضور ﷺ کے بعد حضرات شیخین: حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی جب یہ حضرات انگوٹھی استعمال نہیں کر رہے ہوتے اس وقت وہ انگوٹھی حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ -جن کا تذکرہ ابھی گذرا- کے پاس حفاظت کی غرض سے رہتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس بئرِ اریس کے اوپر تشریف فرما تھے اور حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے، انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور وہ حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کو دے رہے تھے، یا حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دے رہے تھے، اسی لینے دینے میں وہ ہاتھ سے چھوٹی اور کنویں میں گر گئی، اس کو تلاش کرنے کے لیے پورے کنویں کا پانی نکلوایا، تین روز تک اس کی تلاش اور جستجو جاری رہی؛ لیکن انگوٹھی نہیں ملی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دورِ خلافت کے چھٹے سال یہ واقعہ پیش آیا، اس کے بعد فتنوں کا دَور شروع ہوا، جب تک یہ انگوٹھی تھی کوئی فتنہ نہیں اٹھا تھا، اُس کے اِس طرح گم ہونے کے بعد فتنوں کا دور شروع ہوا۔

۱۲-بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا بیان

افادات: اس باب کا عنوان کیا ہے؟ شمائل کے اس نسخے میں تو یہ ہے: باب ماجاء في أن النبي ﷺ كان يتختم في يمينه، بعض نسخوں میں اس کے بجائے یوں ہے: باب ماجاء في تختم رسول الله ﷺ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگوٹھی پہننے کے بیان میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی کے سلسلے میں اوپر کے باب میں تو انگوٹھی کی کیفیت بیان کی گئی تھی، کہ وہ کیسی تھی؟ اس کا حلقہ اور اس کا نگینہ کیسا تھا؟ اس پر نقش کیا تھا؟ یہ سب بتایا گیا، اب اس باب میں پہننے کی کیفیت بتلانا چاہتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنے دستِ مبارک میں کس طرح پہنتے تھے۔

عنوان کے الفاظ الگ الگ ہیں، البتہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے عنوان (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہننے کے طریقے کا بیان) کو راجح قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ اس باب میں ایک روایت بائیں ہاتھ میں پہننے کی بھی بیان کریں گے، اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عنوان میں دائیں ہاتھ کا تذکرہ ہے تو بائیں ہاتھ والی روایت کیوں آئی؟ اگرچہ اس کا بھی جواب دیا گیا ہے؛ لیکن اگر دوسرا عنوان لیا جاتا ہے تو اس میں دائیں ہاتھ کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں؛ بلکہ مطلقاً نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگوٹھی پہننے کی کیفیت کا بیان ہے، اب چاہے دائیں ہاتھ میں پہنی ہو یا بائیں ہاتھ میں، چناں چہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دوسرے عنوان کو راجح قرار دیا ہے اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

بہر حال! اس باب میں بتلایا جائے گا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگوٹھی پہننے کا طریقہ کیا تھا؟ کون سے ہاتھ میں کون سی انگلی میں آپ پہنتے تھے؟ کس طرح پہنتے تھے؟ نگینہ اوپر کی طرف ہوتا تھا یا اندر کی طرف ہوتا تھا؟

۹۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَا: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ

أَبِي نَمِرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ فِي يَمِينِهِ .

۱/۹۲ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، نَحْوَهُ .

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے۔

افادات:

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہننا افضل ہے؟

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انگوٹھی دونوں ہاتھوں میں پہننا ثابت ہے، اور دونوں قسم کی روایتیں بالکل صحیح درجے کی ہیں؛ اس لیے ائمۂ اربعہ اور تمام علما کا اتفاق ہے کہ: کسی بھی ہاتھ میں انگوٹھی پہن سکتے ہیں، اس کے جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے؛ البتہ کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے، یہ ایک الگ مسئلہ ہے، احناف کا مسلک علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ: بائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ دوسرا قول علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ: دایاں اور بایاں دونوں برابر ہے، یعنی کسی کو کسی پر ترجیح اور اوّلیت حاصل نہیں ہے، داہنے ہاتھ میں پہنے تو بھی ٹھیک اور بائیں میں پہنے تو بھی ٹھیک؛ البتہ ایک قول ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا یہ نقل کیا ہے کہ: دائیں میں پہننا بائیں کے مقابلے میں افضل ہے؛ لیکن اس قول کو راجح قرار نہیں دیا گیا، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دائیں میں پہننا بائیں کے مقابلے میں زیادہ افضل ہے۔ خلاصہ یہ کہ دو بڑے امام: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بائیں میں پہننا افضل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دائیں میں؛ جائز ہونے میں کسی کے نزدیک کوئی کلام نہیں ہے، کسی میں بھی پہن سکتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان کیا ہے؟ چوں کہ انھوں نے باب قائم کیا ہے: كان يتختم في يمينه، اور ایک روایت کے علاوہ تمام روایتیں بھی دائیں ہاتھ میں پہننے والی لائے ہیں، حالاں کہ بائیں ہاتھ میں پہننے والی روایتیں بھی ہیں، اور سب صحیح ہیں؛ لیکن وہ یہاں لائے ہی نہیں ہیں، ایک ہی

روایت پیش کی ہے؛اس لیے حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہنی جائے،امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ علما کا اختلاف افضلیت میں ہے؛ جواز میں نہیں۔

صاحبِ درمختار نے قہستانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: بائیں ہاتھ میں پہننا روافض کا شعار ہے؛ لیکن صاحبِ درمختار اس جملے کو نقل کرکے اپنی طرف سے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لعله کان وبان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں ان کا شعار ہوگا۔مطلب یہ ہے کہ: جس زمانے میں صاحبِ درمختار نے قہستانی کے حوالے سے نقل کیا ہے اس زمانے میں وہ روافض کا شعار نہیں تھا؛لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''بذل المجہود'' میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: ہمارے زمانے میں روافض کا شعار بائیں ہاتھ میں پہننے کا ہے، دراصل آدمی اپنے گردوپیش کے حالات کا جائزہ لے کر اور تحقیق کرکے بتلاسکتا ہے کہ اب شعار رہا یا نہیں؟

ایک بات اَور ہے کہ آگے ایک روایت ہے جس میں آتا ہے کہ پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی، اس کے بعد اس کی ممانعت آئی تو آپ نے اس کو پھینک دیا، اور ضرورت کی وجہ سے چاندی کی بنوائی اور بوقتِ ضرورت چاندی کی انگوٹھی کے استعمال کی امت کے مَردوں کو اجازت دی، تو امام بیہقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب سونے کی انگوٹھی تھی اس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داہنے ہاتھ میں پہنی تھی، اس کے بعد جب اس کو پھینک کر چاندی کی بنوائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائیں ہاتھ میں پہننا شروع کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انگوٹھی پہننے کے معاملے میں آخری عمل بائیں ہاتھ کا تھا۔اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے محدث ہیں اور شافعی المسلک ہیں، فرماتے ہیں کہ: یہ چیز پہننے والے کی نیت پر موقوف ہے کہ وہ کیوں پہن رہا ہے؟ اگر وہ انگوٹھی کو مہر لگانے کے لیے پہنتا ہے تو چوں کہ عام طور پر آدمی لکھنے کا کام، مہر لگانے کا کام داہنے ہاتھ سے کیا کرتا ہے، لہٰذا بائیں ہاتھ میں پہنے گا، جب ضرورت پیش آئے گی دائیں ہاتھ سے نکالے گا، دائیں ہاتھ سے مہر لگانے کا کام کرے گا، پھر بائیں ہاتھ میں پہن لے گا؛ اور اگر مقصد زینت ہے تو دائیں ہاتھ میں پہنے، جیسا کہ پہلے بھی

بتلادیا گیا کہ زینت کے کاموں میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ترجیح دی جاتی ہے۔شوافع کے یہاں داہنے ہاتھ کو جوافضل قرار دیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بایاں ہاتھ استنجا میں استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے دائیں ہاتھ میں پہننا بہتر ہے۔آپ کو پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ اگراس میں کچھ کندہ ہے تو اس حالت میں استنجا خانے میں لے کر نہیں جائیں گے۔

٩٣- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ، يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ، وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ .

٩٣/ ١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْفَضْلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ .

ترجمہ: حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے ابن ابی رافع کو دیکھا کہ، وہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، مَیں نے اُن سے اِس کا سبب پوچھا، تو اُنھوں نے کہا کہ: مَیں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

افادات: ابْنَ أَبِي رَافِعٍ: ان کا نام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بتلایا ہے؛ لیکن راجح یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمن تھا۔

عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ: حضرت جعفر ابن ابی طالب (جعفر طیار، جوحضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے) کے صاحب زادے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔

يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ: اس کے بالمقابل آگے ایک روایت آئے گی کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، اور بعض دیگر اہلِ بیت رضی اللہ عنہم بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى إلخ: یہ دوسری سند لائے، اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں پہننے کا تذکرہ ہے۔

٩٤- حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُونٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ

مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ .

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

افادات: میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ یہاں ساری روایتیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے داہنے ہاتھ کے سلسلے میں ہی بیان کی ہیں، حالاں کہ بائیں ہاتھ میں پہننے والی روایتیں بھی بہت ساری ہیں، اور وہ بالکل صحت کے درجے کو پہنچی ہوئی ہیں، البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں صرف ایک ہی بیان کی ہے۔

٩٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَلَا إِخَالُهُ إِلَّا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ .

ترجمہ: حضرت صلت بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور جہاں تک میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا تھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

افادات:

انگوٹھی پہننے کا طریقہ

یہ روایت بھی دائیں ہاتھ میں پہننے کے سلسلے میں ہے۔ یہی روایت ابوداؤد شریف میں ذرا تفصیل سے ہے کہ: محمد بن اسحاق فرماتے ہیں: میں نے صلت بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ (معلوم ہوا کہ چھوٹی (آخری) انگلی میں پہننا سنت ہے، اس کے ساتھ والی میں بھی پہن سکتے ہیں؛ لیکن اس کے بعد کی تین انگلیوں میں نہ پہنی جائے، فقہاء نے اسی طرح لکھا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننے کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔) میرے پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اسی طرح دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنے ہوئے دیکھا، اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا نگینہ اندر کے بجائے اوپر کی طرف تھا، میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: مرد جب انگوٹھی پہنے تو اس کا نگینہ اندر کی طرف رکھے، باہر نہ رکھے۔ دیکھیے! مرد کے حق میں انگوٹھی کی حیثیت زینت کی نہیں؛ ضرورت کی ہے، اور عورتیں نگینے کو باہر کی طرف رکھیں گی۔ پہننے کے طریقے میں بھی مَردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہے۔

٩٦ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، وَجَعَلَ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ، وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، وَنَهَى أَنْ يَنْقُشَ أَحَدٌ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي سَقَطَ مِنْ مُعَيْقِيبٍ فِي بِئْرِ أَرِيسٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی اور اُس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے، اور اُس میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا، اور لوگوں کو انگوٹھی پر (محمد رسول اللہ) کندہ کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ اور یہ وہی انگوٹھی ہے جو معیقیب کے ہاتھ سے چاہِ اَریس میں گر گئی تھی۔

افادات: وَجَعَلَ فَصَّهُ إلخ: چناں چہ صحیح یہی ہے کہ مرد جب انگوٹھی پہنے تو وہ انگوٹھی کا نگینہ اندر کی طرف رکھے، باہر کی طرف نہیں۔ اکثر روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انگوٹھی کے نگینے کو اندر کی طرف رکھنا آیا ہے، یہی افضل ہے، اس میں اس (انگوٹھی) کی بھی حفاظت ہے نیز خود پسندی سے بھی حفاظت ہوگی، بعض مرتبہ آدمی میں ''شو'' (Show) دکھلاوے کا مزاج ہوتا ہے اس سے حفاظت ہوگی۔

٩٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا.

ترجمہ: حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

افادات: فِي يَسَارِهِمَا: یہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا تذکرہ آیا ہے، جیسا کہ شروع میں اس سلسلے میں تفصیل سے بات گذر چکی ہے۔

٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى - وَهُوَ ابْنُ الطَّبَّاعِ - حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

وَقَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

وَرَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ قَتَادَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَسَارِهِ، وَهُوَ حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ أَيْضًا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ: یہ حدیث غریب ہے، سعید بن ابوعروبہ کے حوالے سے صرف اسی سند سے مروی ہے۔

دوسرے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ یہ حدیث بھی (سند کے لحاظ سے) صحیح نہیں۔

افادات: يَتَخَتَّمُ فِي يَسَارِهِ: یہ بائیں کا تذکرہ ہے۔

وهو حديث لا يصح أيضا: اس کا مطلب یہ ہے کہ حضراتِ محدثین جب کسی خاص حدیث کے متعلق بحث کرتے ہیں، تو گو کہ وہ مضمون دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہو؛ لیکن جس روایت کو وہ اپنا موضوعِ بحث بنائے ہوئے ہیں اس کی حیثیت پر کلام فرماتے ہیں، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انگوٹھی کے سلسلے میں قتادہ والی روایت میں صحیح یہ ہے کہ نہ دائیں کا تذکرہ آیا ہے نہ بائیں کا، جنھوں نے دایاں کہا وہ بھی صحیح نہیں، جنھوں نے بایاں کہا وہ بھی صحیح نہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر الگ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں ہاتھوں میں پہننا ثابت ہے؛ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بائیں یا دائیں کی کوئی صراحت نہیں ہے، مطلق آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی پہنی، البتہ بائیں ہاتھ میں پہننے کی روایتیں مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کتابوں میں موجود ہیں۔

۹۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْمُحَارِبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ، فَكَانَ يَلْبَسُهُ فِي يَمِينِهِ، فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ فَطَرَحَهُ ﷺ وَقَالَ: لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا، فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی جس کو

اپنے داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے، چناں چہ لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں، تو حضور ﷺ نے اس کو پھینک کر فرمایا: مَیں اِس کو کبھی نہیں پہنوں گا، اِس پر لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

افادات: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت گذر چکی کہ نبیٔ کریم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اوراس کا نگینہ اندر کی طرف رکھوایا۔ اس میں حضور ﷺ نے محمد رسول اللہ کندہ کروایا اور کسی اَور کو اس طرح نقش کروانے سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا، چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ اپنی اس انگوٹھی کو مہر کے طور پر استعمال کرتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی اس طرح استعمال کرتے تو پھر مہر کے طور پر استعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ چوں کہ اسٹیمپ (مہر) تو ہر ایک کا الگ الگ ہوتا ہے؛ اس لیے حضور ﷺ نے منع فرمایا۔ اور یہ وہی انگوٹھی تھی جو حضرت معیقیب کے ہاتھ سے بئرِ اریس میں گرگئی تھی۔

انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی؟

خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ: پہلے مَردوں کے لیے سونا استعمال کرنے کی اجازت تھی، اس وقت آپ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، اوراس کو آپ ﷺ داہنے ہاتھ میں استعمال فرماتے تھے؛ مگر جب سونے کی حرمت آئی تو نبیٔ کریم ﷺ نے لوگوں کی موجودگی میں وہ انگوٹھی نکال کر پھینک دی، اور فرمایا: آئندہ اسے کبھی بھی نہیں پہنوں گا، آپ ﷺ کو دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں نکال کر پھینک دیں۔

محی السنۃ علّامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ - جو بہت بڑے محدث ہیں - اپنی کتاب ''شرح السنۃ'' میں فرماتے ہیں کہ: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) سونا پہننے کی پہلے اجازت تھی، بعد میں اس کی حرمت کا حکم آیا، سونے کی انگوٹھی کا استعمال مرد کے لیے جائز نہیں؛ عورتوں کے لیے جائز ہے۔

(۲) پہلے جب سونے کی انگوٹھی آپ ﷺ نے بنوائی اس وقت آپ ﷺ اس کو داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے، اوراس کے بعد جب چاندی کی بنوائی تو اسے آپ بائیں ہاتھ میں پہننے لگے۔ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا عمل بعد کا ہے؛ لہٰذا اسی کو راجح قرار دیا جانا چاہیے، اسی لیے احناف اور مالکیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔

۱۳ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيْفِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا بیان

افادات: آپ ﷺ کے پاس کُل ۹ تلواریں تھیں، ہر ایک تلوار کا علاحدہ نام تھا، ایک تلوار کا نام ''ماثور'' تھا، یہ آپ کے والد کی طرف سے آپ کو وراثت میں ملی تھی، اور ایک تلوار کا نام ''قَضِیب'' تھا، آپ ﷺ جب اُحد میں تشریف لے جارہے تھے تب اسی کو گلے میں لٹکایا تھا۔ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ- جو انصار کے سردار ہیں- نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً پیش کی تھی۔ ایک تلوار کا نام ''قَلَعی'' تھا، ایک تلوار کا نام ''بَتَّار'' تھا، ایک کا نام ''ذُوالفقار'' تھا، بدر میں جو مالِ غنیمت آیا تھا اس میں سے نبیٔ کریم ﷺ نے یہ تلوار چنی تھی۔ ایک کا نام ''مِخذَم'' تھا، ایک کا نام ''رَسُوب'' تھا، اور ایک کا نام ''الحَتْف'' تھا؛ یہ کل نو تلواریں تھیں۔ اس سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے چار پانچ روایتیں پیش کی ہیں۔

۱۰۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ فِضَّةٍ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ کی تلوار کے قبضے کی کٹوری/ٹوپی چاندی کی تھی۔

افادات: تلوار کو جہاں سے پکڑتے ہیں، اسے ''دستہ'' کہا جاتا ہے، جو الگ سے بنا ہوا ہوتا ہے، آگے تلوار ہوتی ہے اس کے بعد چوڑائی میں لوہا ہوتا ہے، پھر وہ پکڑنے والا حصہ ہوتا ہے، اور پھر پکڑنے والا حصہ ختم ہونے کے بعد چوڑائی میں لوہا ہوتا ہے، پھر اوپر الگ سے ٹوپی ہوتی ہے، اس کو عربی زبان میں ''قبیعہ'' کہتے ہیں۔ علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: فتحِ مکہ کے موقع پر نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھ میں یہی تلوار تھی، اس کا نام ''ذوالفقار'' تھا۔

۱۰۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ: (حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی) حضرت سعید بن ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے قبضے کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

افادات: جہاں ہاتھ رہتا ہے وہ حصہ مراد نہیں؛ بلکہ اس سے اوپر کا حصہ مراد ہے، ہاتھ کا حصہ چاندی والا نہیں ہونا چاہیے۔

۱۰۲ - حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ صُدْرَانَ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا طَالِبُ بْنُ حُجَيْرٍ، عَنْ هُودٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ جَدِّهِ [لأُمِّهِ] رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ، قَالَ طَالِبٌ: فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ: كَانَتْ قَبِيعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً.

ترجمہ: حضرت ہود اپنے نانا (مزیدہ) سے نقل کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح (مکہ) کے روز (تلوار لے کر) مکہ میں داخل ہوئے، آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا۔ طالب کہتے ہیں کہ: مَیں نے ہود سے چاندی کے بارے میں پوچھا، تو اُنھوں نے فرمایا کہ: قبضۂ تلوار کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

افادات: یہاں سونے کا اضافہ ہے؛ مگر علّامہ تورپشتیؒ - جو بڑے محدث ہیں، اور مصابیح کے شارح ہیں - فرماتے ہیں کہ: اس کی سند قابلِ اعتماد نہیں ہے، یہ روایت ضعیف ہے۔

۱۰۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، وَزَعَمَ سَمُرَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَ حَنَفِيًّا.

۱۰۳/۱ - حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے اپنی تلوار حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی تلوار کے موافق بنوائی، اور سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اُنھوں نے اپنی تلوار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے موافق بنوائی تھی اور وہ حنفی تھی۔

افادات: حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بڑے تابعی ہیں اور خواب کی تعبیر کے امام بھی ہیں۔

وَكَانَ حَنَفِيًّا: بنوحنیفہ عرب میں ایک قبیلہ ہے، یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا، مسیلمۂ کذاب کا تعلق اسی

قبیلے سے ہے، یہ قبیلہ تلوار سازی میں مشہور تھا، گویا قبیلۂ بنو حنیفہ جس طرح تلوار بنایا کرتا تھا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار بھی اسی طرح تھی یا اس قبیلے کی بنائی ہوئی تھی۔

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ: آگے ایک اَور سند اس کی ذکر کی ہے، اس میں بھی یہی بات ہے۔

١٤ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دِرْعِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ کا بیان

١٠٤ - حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ العَوَّامِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ، فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ، فَأَقْعَدَ تَحْتَهُ طَلْحَةَ، فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اسْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَوْجَبَ طَلْحَةُ.

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اُحُد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے بدن) پر دو زِرہیں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چٹان پر چڑھنا چاہا مگر چڑھ نہ سکے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نیچے بٹھایا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ان کی پیٹھ پر پاؤں رکھ کر) چٹان پر چڑھ کر برابر جا کھڑے ہوئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تب یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: طلحہ نے (شفاعت یا جنت کو) واجب کرلیا۔

افادات: اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ کا بیان ہے، یہ لوہے کا ایک لباس ہوتا ہے، لوہے کا کرتہ جو جنگ اور لڑائی کے موقع پر اس لیے پہنا جاتا ہے تاکہ دشمن کی طرف سے آنے والے تیر یا ان کی طرف سے کیے جانے والے تلوار وغیرہ کے حملے کو اس کے ذریعے روکا جاسکے، اور ان تیروں اور تلواروں سے جسم کو کوئی گزند نہ پہنچے، جیسے آج کل گولی سے بچنے کے لیے بلیٹ پروف جیکٹ استعمال کرتے ہیں، اسی طرح اس زمانے میں تلوار اور تیر سے بچنے کے لیے لڑائی کے موقع پر یہ پہنا جاتا تھا، اسی کو اردو میں ''زرہ'' اور عربی میں درع کہا جاتا ہے۔ یہ کبھی تو پورے جسم کے لیے ہوا

کرتا تھا اور کبھی مختصر، جیسے اسکرٹ ہوتا ہے جس میں بازو وغیرہ کھلے ہوتے ہیں، اور نیچے بھی پنڈلیوں تک۔ یہ لوہے کی کڑیوں کو جوڑ کر بنایا جاتا تھا۔

آپ ﷺ کی زرہوں کی تفصیلات

نبیٔ کریم ﷺ کے پاس سات زرہیں تھیں، تمام زرہوں کے الگ الگ نام تھے: ایک کا نام ''ذات الفضول'' تھا، یہ بہت بڑی تھی، اپنی وسعت کی وجہ سے پورے جسم کو گھیر لیتی تھی، اس لیے اس کو''ذات الفضول'' کہتے ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ- جو انصار کے قبیلۂ خزرج کے سردار تھے، انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ روایات میں جو یہ آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، ابوشحم نامی یہودی سے نبیٔ کریم ﷺ نے تیس صاع غلہ خریدا تھا، قیمت ادا نہیں کر پائے تھے، رہن کے طور پر جو زرہ رکھی ہوئی تھی وہ یہی ''ذات الفضول'' تھی اور انتقال کے بعد وہ چھڑائی گئی۔ ایک زرہ اَور تھی جس کا نام ''ذات الحواشی'' تھا۔ ایک ''ذات الوشاح'' تھی۔ ایک ''فضہ''، ایک ''سغدیہ''؛ یہ فضہ اور سغدیہ دونوں یہودیوں کے قبیلۂ بنوقینقاع کے یہاں سے جو سامان غنیمت کے طور پر آیا تھا، اس میں سے نبیٔ کریم ﷺ نے لی تھیں، اور ایک ''بتراء'' اور ایک ''خرنق''۔ یہ کل سات زرہیں نبیٔ کریم ﷺ کے پاس تھیں، جنگ کے موقع پر حضور ﷺ ان کو استعمال فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ زرہ کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے، قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلے میں احتیاط اور حفاظت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، نیز اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی اعتماد اور بھروسہ اللہ کی ذات پر ہونا حقیقی توکل ہے۔

راویٔ حدیث کا تعارف

حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور نبیٔ کریم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی: حضرت اسماء ان کے نکاح میں تھی، اس اعتبار سے نبیٔ کریم ﷺ کے ہم زلف بھی ہیں،

عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، اور نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے لكل نبي حواري وحواريي زبير کہ ہر نبی کا ایک خصوصی مددگار ہوتا ہے اور میرے خصوصی مددگار حضرت زبیر ہیں۔ بڑے بہادر تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: غزوۂ احد کے موقع پر نبیٔ کریم ﷺ کے جسمِ اطہر پر دو زِرہیں تھیں: ذات الفضول اور فضہ۔

جنگِ احد میں آپ ﷺ کے زخمی ہونے کا واقعہ

احد ایک پہاڑ ہے جو مسجدِ نبوی ﷺ سے چار کلو میٹر دوری پر واقع ہے، شوال ۳ھ میں ایک جنگ مشرکینِ مکہ سے اسی پہاڑ کے پاس ہوئی تھی، جس کو جنگِ احد کہا جاتا ہے، اس میں نبیٔ کریم ﷺ کو بھی بہت زخم آئے تھے۔ اس جنگ کے دوران ابو عامر راہب نامی ایک کافر نے میدانِ جنگ میں آپ ﷺ کے لیے کچھ گڑھے کھودے تھے، جن کو اوپر سے بند کر رکھا تھا جس سے گڑھا معلوم نہ ہو سکے، اس میں گرنے کی وجہ سے نبیٔ کریم ﷺ کے گھٹنوں اور ران وغیرہ کے اوپر زخم بھی آئے اور چھل بھی گئے تھے، ان زخموں اور چوٹوں کی وجہ سے نبیٔ کریم ﷺ میں کافی نقاہت اور کمزوری آئی تھی۔ اس جنگ میں ایک موقع ایسا بھی آیا تھا کہ مسلمانوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ نعوذ باللہ نبیٔ کریم ﷺ شہید کر دیے گئے، یہ افواہ کفار نے اڑائی تھی، درحقیقت ایک صحابی رضی اللہ عنہ جو مسلمانوں کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے اور حضور ﷺ کے ہم شکل تھے، وہ شہید ہوئے تھے، جس سے یہ افواہ اڑانے کا موقع ملا تھا۔ بہر حال! حضور ﷺ بہت زیادہ زخمی ہونے کی وجہ سے بہت کمزور بھی ہو گئے تھے، اس نقاہت کی حالت میں جنگ ختم ہونے کے بعد وہیں ایک چٹان پر نبیٔ کریم ﷺ چڑھنا چاہ رہے تھے، یا تو اس لیے کہ بہت سے مسلمانوں کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ نبیٔ کریم ﷺ باحیات ہیں، تو مسلمان آپ کو دیکھ لیں یا اس وجہ سے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کفار کا حال دیکھنا چاہتے تھے۔ بہر حال جو بھی وجہ ہو، آپ ایک چٹان کے قریب تشریف لے گئے، وہ چٹان ذرا اونچائی پر تھی اور نبیٔ کریم ﷺ کے جسمِ اطہر پر لوہے کی دو دو زرہیں تھیں، ظاہر ہے کہ وہ تو بہت وزنی ہوتی ہیں، ایک طرف آپ ﷺ زخمی، اور زخموں کی وجہ سے آپ کو نقاہت تھی، مزید برآں ان زرہوں کا بوجھ، اس پر مستزاد یہ کہ چٹان بھی ذرا اونچائی پر تھی؛ لہٰذا آپ کے لیے چڑھنا مشکل ہو گیا

اور چڑھ نہ پائے ،تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ- یہ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور مشہور صحابی ہیں، قبیلۂ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں-کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیچے بٹھایا، اور ان کے کندھوں پر پاؤں مبارک رکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چٹان پر چڑھے۔

أوجب طلحة: طلحہ نے اپنے لیے واجب کر دیا۔کیا واجب کرلیا؟ اپنے اس عمل سے اپنے لیے جنت کو واجب کرلیا، یا اپنے اس عمل سے اپنے لیے میری سفارش وشفاعت کو واجب کرلیا۔

جنگِ اُحُد کے موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے علاوہ ایک اَور کارنامہ بھی انجام دیا تھا کہ: جب دشمنوں کی طرف سے آپ پر تیر برسائے گئے ان تیروں کو روکنے کے لیے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے تھے، اور ان تیروں کو اپنے ہاتھ پر روکا، اس روز اسی وجہ سے ان کو زیادہ زخم آئے تھے، اور ان کا ہاتھ ان تیروں کو روکنے کی وجہ سے بے کار اور شل ہو گیا تھا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ: وہ دن حضرت طلحہ کا دن تھا، یعنی اس دن انھوں نے بڑا کارنامہ انجام دیا۔ ﴿مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُواْ مَا عَٰهَدُواْ ٱللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُۥ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ﴾ [الأحزاب۲۳] میں من ینتظر سے مراد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس روایت کو اس باب میں اس لیے لائے ہیں کہ اُس روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو زِرہیں زیبِ تن کی تھیں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان زرہوں کا تذکرہ ہے؛ اس لیے اس کو بیان کیا۔

۱۰۵ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَصِيفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ، قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اُحُد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے جسم) پر دو زِرہیں تھیں جن کو اوپر تلے پہن رکھا تھا۔

افادات: یہاں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہوں کا تذکرہ ہے، اس مناسبت سے اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پیش کیا ہے۔

۱۵ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِغْفَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی خَود کا بیان

افادات: مغفر: عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ خَود ہے، یہ لوہے کی ٹوپی ہوتی ہے جس کو جنگ کے موقع پر آدمی اپنے سر اور چہرے کی حفاظت کے لیے پہنتا ہے، جس طرح ''کن ٹوپی'' ہوتی ہے جس کو آدمی سر اور چہرے کو سردی سے بچانے کے لیے پہنتا ہے اس نوع کی یہ لوہے کی ٹوپی ہوتی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کے خود (لوہے کی ٹوپی) کا بیان کررہے ہیں۔

۱۰۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ مِغْفَرٌ، فَقِيلَ لَهُ: هَذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: اقْتُلُوهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ مکہ میں اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ (کے سر) پر خَود تھا، کسی نے عرض کیا: یہ دیکھو! ابنِ خطل کعبہ کا پردہ پکڑے کھڑا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو قتل کرو۔

افادات: مکۂ مکرمہ رمضان المبارک ۸ ھ میں فتح ہوا، نبیٔ کریم ﷺ حضراتِ صحابہ کا دس یا بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے مکۂ مکرمہ فتح کرنے کے لیے تشریف لائے، حضور ﷺ نے خاص طور پر اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ آپ کی مدینۂ منورہ سے روانگی کا مکہ والوں کو پتہ نہ چلے؛ اس لیے کہ اگر پتہ چل جاتا تو یہ لوگ بھی مقابلے کے لیے تیاریاں کرتے، اور ظاہر ہے کہ اگر مقابلہ ہوتا تو خون خرابہ ہوتا، اور نبیٔ کریم ﷺ کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہاں اس کی نوبت نہ آئے؛ اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے دعا بھی فرمائی تھی، اور خاص طور پر اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ آپ اس طرح لشکر لے کر مدینۂ منورہ سے مکۂ مکرمہ روانہ ہوں کہ مکہ والوں کو پتہ نہ چلے، جہاں سے خبریں پہنچ سکتی تھیں سارے ناکے بند کردیے تھے؛ بلکہ ایک صاحب کی طرف سے باقاعدہ مکہ والوں کو اطلاع دینے کے لیے خط

بھیجا گیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کردیا، اور حضور ﷺ نے تین صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیج کر اس خط کو لے جانے والی عورت سے تلاشی کے بعد وہ خط حاصل کرلیا، اخیر تک مکہ والوں کو پتہ نہیں چلا، جس صبح کو نبیٔ کریم ﷺ مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے اس صبح کو فجر سے پہلے مکہ والوں کو پتہ چلا، اب اتنا وقت نہیں تھا کہ مقابلے کی تیاریاں کرتے، اور اچانک اس طرح اتنا بڑا لشکر لے کر جب نبیٔ کریم ﷺ پہنچے ہیں تو مکہ والوں پر ہیبت طاری ہوگئی۔ نبیٔ کریم ﷺ بھی یہی چاہتے تھے کہ مقابلے کی نوبت نہ آئے، مقابلے کے بغیر ہی مکہ فتح ہوجائے، چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ کسی کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے؛ البتہ چند گنے چنے لوگ ایسے تھے جن کے جرائم اور ان کی طرف سے صادر ہونے والے قصور ایسے سخت تھے کہ ان کو معافی نہیں دی جاسکتی تھی۔ حالاں کہ آپ ﷺ کی طرف سے اعلان کردیا گیا تھا کہ: جو آدمی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اس کو امن ہے، جو مسجدِ حرام میں چلا جائے اس کو امن ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کردے اس کو امن ہے؛ آپ ﷺ کی طرف سے اس طرح کے اعلانات کیے گئے کہ کوئی بھی آدمی ان میں سے کسی بھی شکل کو اختیار کر کے آسانی سے اپنی جان بچا سکتا تھا۔ اس میں جو آخری جملہ تھا کہ: جو اپنے گھر کا دروازہ بند کردے اسے بھی امن ہے، یہ ایک ایسی چیز تھی جو کسی کے لیے بھی مشکل نہیں تھی؛ لیکن بہ ایں ہمہ چند گنے چنے افراد ایسے تھے جن کے متعلق نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ان کو امن نہیں ہے۔ ان کی تعداد کے سلسلے میں اہلِ سیر کا اختلاف ہے: محمد ابن اسحاق آٹھ کہتے ہیں، عام اہلِ سیر گیارہ بتلاتے ہیں؛ لیکن علامہ مغلطائی نے مختلف روایتوں کو جمع کر کے ان کی تعداد کل پندرہ بتلائی ہے: گیارہ مرد اور چار عورتیں؛ ان کے متعلق یہ اعلان تھا کہ: ان کو پناہ نہیں ہے، یہ جہاں ملیں ان کو قتل کردیا جائے، ان میں بھی آٹھ تو ایمان لے آئے اور ان کی جان بخشی ہوگئی، اور مابقیہ سات میں سے پانچ کے قتل کی نوبت آئی، ایک بھاگ کر نجران کی طرف چلا گیا اور اسی حالتِ کفر میں مرا، اور ایک کے متعلق اہلِ سیر کا اختلاف ہے کہ وہ مارا گیا یا نہیں۔ بہرحال ان پندرہ میں سے بھی آٹھ کی تو جان بخشی ہوگئی تھی، مابقیہ سات میں سے ایک عبداللہ بن خطل تھا۔

عبداللہ بن خطل کے جرائم

یہ عبداللہ بن خطل اولاً اسلام لے آیا تھا، مکہ ہی کا رہنے والا تھا، ہجرت کے بعد مدینۂ منورہ آیا تھا اور مسلمان ہو چکا تھا، نبیٔ کریم ﷺ نے ایک قبیلے کی زکوۃ کی وصول یابی کے لیے اس کو بھیجا، اُس زمانے میں جو صدقات وصول ہوتے تھے اور جانوروں کی جو زکوۃ لی جاتی تھی اس کی وصول یابی کے لیے حکومت کی طرف سے آدمی بھیجے جاتے تھے۔ اس سفر میں ایک انصاری کا مسلمان غلام ساتھ تھا، راستے میں اس نے غلام کو کھانا پکانے کے لیے کہا، اور اس کے بعد وہ سو گیا، غلام بھی تھکا ہوا تھا اس کی بھی آنکھ لگ گئی، یہ جب اٹھا تو دیکھا کہ کھانا ابھی پکا نہیں ہے، تو غصے میں اس نے غلام کو قتل کر دیا، یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب صدقات لے کر واپس لوٹ رہے تھے، اب غصے میں غلام کو قتل تو کر دیا لیکن اس کو خیال آیا کہ یہ تو مسلمان تھا، میں نے اگر اس کو قتل کیا ہے تو کہیں اس کے قصاص میں مجھے قتل نہ کیا جائے؛ اس لیے اپنی جان کی فکر ہوئی، تو وہ بجائے مدینۂ منورہ جانے کے واپس مکۂ مکرمہ چلا گیا۔ ایک تو مسلمان کو قتل کرنے کا جرم، دوسرا یہ کہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا، اور مرتد کی سزا بھی قتل ہے، اور ساتھ ہی ساتھ صدقات کے وہ اونٹ - جو وہ لے کر آیا تھا - وہ بھی اپنے ساتھ لے گیا، اور مکہ جانے کے بعد اس نے دو باندیاں خریدیں، وہ دونوں باندیاں حضور ﷺ کی مذمت اور ہجو (برائی) میں اشعار پڑھتی تھیں، لوگ جمع ہوتے تھے اور مزہ لیتے تھے، یہ خود اتنا بڑا جرم تھا جو ناقابلِ عفو تھا؛ لہٰذا ان سارے جرائم کی وجہ سے ان پندرہ اشخاص میں جن کی جان بخشی نہیں ہوئی تھی یہ بھی تھا۔

هذا ابن خطل متعلق باستار الكعبة: وہ یوں سمجھا کہ شاید اس طرح میری جان بخشی ہو جائے، جان بخشی اس سے تو ہونی نہیں تھی، اگر ایمان لاتا تو ہوتی، بہت سے وہ تھے جن کے متعلق قتل کا حکم صادر ہوا تھا، وہ ایمان لائے تھے تو بچ گئے؛ لیکن یہ ایمان لانے کی بجائے صرف کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا۔

فَقَالَ اقْتُلُوهُ: چناں چہ ایک صحابی: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے وہیں اس کا سر قلم کیا۔

١٠٧ - حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ، وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، قَالَ: فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ لَهُ: ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ: اقْتُلُوهُ . قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَبَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتحِ مکہ کے سال مکہ میں اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اتارا تو آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ: ابنِ خطل کعبہ کا پردہ پکڑے کھڑا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو قتل کردو۔ ابنِ شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ اُس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام باندھے ہوئے نہیں تھے۔

افادات: یہ بھی وہی روایت ہے؛ مگر ذرا تفصیلی ہے۔

میقات سے بغیر احرام کے گذرنے کا حکم

احناف کے یہاں ایک مسئلہ ہے کہ کوئی شخص میقات کو بغیر احرام کے پار نہیں کرسکتا، مکۂ مکرمہ کی حرمت وعظمت اور اس کی بزرگی کا تقاضا یہ ہے کہ: مکہ کے ارادے سے جانے والا آدمی میقات سے بغیر احرام کے آگے نہ جائے، چاہے عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو؛ پھر بھی احرام باندھو، پھر عمرہ کرو؛ احرام باندھے بغیر نہیں جاسکتے، جب کہ دیگر ائمہ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر حج یا عمرے کے ارادے سے جارہا ہے تو میقات سے بغیر احرام کے نہیں گزرسکتا؛ لیکن اگر کسی دوسری غرض سے جارہا ہے تو بغیر احرام کے گزرسکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کے موقع پر لوہے کی ٹوپی پہن رکھی تھی، گویا آپ احرام میں نہیں تھے، آپ کے اس عمل سے استدلال کیا کہ بغیر احرام کے بھی جاسکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ: یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، فتحِ مکہ کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطبہ دیا تھا اس خطبے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر یہ بات بیان فرمائی کہ: یہ مکہ وہ جگہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جب سے دنیا پیدا کی تب سے حرمت والا قرار دیا، اور اس کی حرمت ہمیشہ کے لیے ہے؛ البتہ میرے لیے فتحِ مکہ کے روز دن کے ایک خاص

حصے یعنی صبح سے لے کر عصر تک میں وہ حرمت اٹھالی گئی تھی۔ پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد پھر دوبارہ اسی طرح لوٹادی گئی جیسا کہ پہلے تھی، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: آپ کے حق میں حرمت اٹھالی گئی تھی؛ اس لیے آپ کا اس وقت بغیر احرام کے داخل ہونا صحیح تھا۔

یہ تو ائمہ کے درمیان ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، ہر ایک کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ ائمہ کے درمیان مسائل میں اختلافات کوئی بے بنیاد بات نہیں ہے، تمام ائمہ اپنے اپنے مسائل کی بنیاد احادیث اورقرآن پر ہی رکھتے ہیں، ہر ایک کے پاس دلائل ہیں اور اپنے اپنے دلائل کی بنیاد پر کسی ایک دلیل کو ترجیح دے کر اس کو اختیار کرتے ہیں۔

خیر! یہاں تو اس کو اس لیے ذکر کیا کہ نبیٔ کریم ﷺ کے سرِ مبارک پر اس روز لوہے کی ٹوپی تھی۔

١٦ - بَابُ مَا جَاءَ فِي عِمَامَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے عمامہ کا بیان

افادات: یوں تو معتبر روایات میں نبیٔ کریم ﷺ کے عمامہ کی لمبائی کی مقدار نہیں آئی ہے؛ البتہ طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع کی صراحت ہے؛ مگر علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس روایت کو بے اصل قرار دیا ہے، اور علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے سیر کی کتابوں میں عمامے کی مقدار کے متعلق جستجو کی؛ لیکن مجھے اس سلسلے میں کوئی معتبر روایت نہیں ملی؛ البتہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ کے دو عمامے تھے: ایک بڑا، ایک چھوٹا۔ چھوٹا عمامہ بقول علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ چھ ہاتھ کا اور بہ قول ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ: سات ہاتھ کا، اور بڑا بارہ ہاتھ کا تھا۔ صاحبِ مدخل نے عمامے کی مقدار فقط سات ہاتھ بتلائی ہے، دوسری صورت پیش نہیں کی۔

١٠٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ،

ح وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتحِ مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اُس وقت آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ تھا۔

افادات: عمامے کے استعمال کو ''سنن عادیہ'' میں سے شمار کیا گیا ہے، جس کو مستحب بھی کہا جاتا ہے۔ لباس وغیرہ کے معاملے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو معمول رہا ہے اس کو ''سننِ عادیہ'' کہا جاتا ہے۔

عمامے کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا: کیا یہ سنت ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: عمامہ باندھا کرو حلم میں اضافہ ہوگا، یعنی عمامہ باندھنے کی وجہ سے طبیعت کے اندر حلم اور بردباری کی صفت پیدا ہوگی۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامے کو اسلام کا نشان اور مسلم اور کافر میں فرق کرنے والا قرار دیا۔ یہاں تو یہ بتلانے کے لیے یہ روایت پیش کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ سیاہ تھا۔

دو روایتوں میں تعارض اور ان کا حل

اوپر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خَود یعنی لوہے کی ٹوپی کا باب گذرا، اس میں یہ روایت آئی تھی کہ فتحِ مکہ کے موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر لوہے کی ٹوپی تھی، بہ ظاہر دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؛ لیکن شراحِ حدیث لکھتے ہیں کہ: لوہے کی ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھا ہوا تھا، یا یہ کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت لوہے کی ٹوپی اس اندیشہ سے پہنی تھی کہ کہیں مقابلے کی نوبت آئے تو حفاظت ہو سکے، اور جب مکہ میں اطمینان سے داخل ہوگئے تو فوراً آپ نے اس کو اتار کر عمامہ زیبِ تن فرمایا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: نیچے عمامہ تھا اور اس کے اوپر لوہے کی

ٹوپی تھی، کیوں کہ لوہے کی ٹوپی کو ایسے ہی اگر براہِ راست پہنا جائے تو سر میں اس کی وجہ سے چبھن ہوتی ہے، تو عمامہ کے اوپر آپ نے اس کو پہنا تھا، حاصل یہ کہ دونوں چیزیں پہنی ہوئی تھیں۔ جس روایت میں یہ آیا ہے کہ لوہے کی ٹوپی تھی وہ بھی درست ہے، اور جس میں یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کے سر مبارک پر عمامہ تھا وہ بھی اپنی جگہ پر درست ہے۔

۱۰۹- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُسَاوِرٍ الْوَرَّاقِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى رَأْسِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عِمَامَةً سَوْدَاءَ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ ﷺ کے سر پر سیاہ عمامہ دیکھا۔

افادات: اس روایت میں تو اتنا ہی ہے، مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں، اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ اس طرح بندھا ہوا ہے کہ اس کے دونوں کناروں (نچلے اور اوپر والے) کو نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا ہے۔

۱۱۰- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، وَيُوسُفُ بْنُ عِيسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُسَاوِرٍ الْوَرَّاقِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: (ایک روز) نبیٔ کریم ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا، اُس وقت آپ (کے سر) پر سیاہ عمامہ تھا۔

افادات: بعض حضرات فرماتے ہیں: یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر مسلم کے حوالے سے گذرا جس میں ان صحابی رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ کو منبر پر سیاہ عمامہ زیبِ تن کیے ہوئے دیکھا، اس صورت میں تو یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے میرک شاہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ جس بیماری میں نبیٔ کریم ﷺ کا انتقال ہوا اس وقت آپ نے اپنے سر مبارک پر سیاہ عمامہ پہن کر خطبہ دیا تھا۔

منبر کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خطبہ وہیں مدینۂ منورہ میں مسجدِ نبوی میں دیا گیا؛ لیکن اہلِ سیر کے یہاں مشہور روایت یہ ہے کہ یہ خطبہ فتحِ مکہ کے موقع پر دیا گیا۔ فتحِ مکہ کے موقع پر جب نبیٔ کریم ﷺ

مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا، اس کے بعد آپ کعبۃ اللہ کی صفائی کرواکر اندر تشریف لے گئے، اس سے فارغ ہوکر کعبۃ اللہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر نبیٔ کریم ﷺ نے خطبہ دیا، چوں کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ نے سیاہ عمامہ زیبِ تن فرمایا تھا وہی آپ کے سر مبارک پر تھا؛ لہٰذا راوی نے اسی کو ذکر کیا۔

خطب الناس: یہ کون سا خطبہ تھا؟ تو بعض حضرات مسلم شریف کی اس روایت کی بنیاد پر جو حضرت عمرو ابن حریث رضی اللہ عنہ ہی کی ہے یوں کہتے ہیں کہ: یہ خطبہ نبیٔ کریم ﷺ کے مرض الوفات کا ہے، کیوں کہ منبر وہیں مسجدِ نبوی میں تھا۔ اور اہل سیر کہتے ہیں کہ: نہیں، وہ خطبہ جو فتحِ مکہ کے موقع پر نبیٔ کریم ﷺ نے کعبۃ اللہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر دیا تھا وہ مراد ہے۔

۱۱۱ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَدَنِيُّ، عَنْ عَبْدِالْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، يَفْعَلُ ذَلِكَ. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اپنے عمامے (کے شملہ) کو دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیتے۔ نافع کہتے ہیں کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (بھی) اس طرح کیا کرتے۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے دیکھا کہ قاسم بن محمد اور سالم (بھی) اسی طرح کرتے تھے۔

افادات:

عمامے کا شملہ

کبھی کبھار نبیٔ کریم ﷺ نے بغیر شملہ کے بھی عمامہ باندھا ہے یعنی پورا لپیٹ دیا جائے، اس کا کوئی کنارہ اوپر یا نیچے باہر نہ نکالا جائے، محققین کا رجحان یہی ہے، مگر بعض حضرات منع فرماتے ہیں کہ بغیر شملے کے پہننا ثابت نہیں؛ البتہ یہ بات طے ہے کہ عام طور پر نبیٔ کریم ﷺ شملہ نکالتے تھے۔

شِملے بھی دو ہیں: ایک اوپر کی طرف اور دوسرا نیچے کی طرف لٹکنے والا، عام طور پر نبیٔ کریم ﷺ

نیچے لٹکنے والے شملے کو پیچھے کی طرف دونوں مونڈھوں کے بیچ میں لٹکاتے تھے، کبھی اسی کو آگے دائیں کندھے پر بھی لٹکایا کرتے تھے، اور کبھی دونوں طرف شملہ نکالتے تھے: نیچے بھی اور اوپر بھی؛ ان تینوں طریقوں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ باندھنا ثابت ہے۔

قَالَ نَافِعٌ: نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام اور بڑے محدث ہیں، وہ اس روایت کو ان سے نقل کرتے ہیں۔

وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ: قاسم بن محمد بن ابوبکر، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں اور مدینہ کے فقہائے سبعہ (مشہور سات فقہا) میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

وَسَالِمًا: سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہوتے ہیں اور یہ بھی مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۱۱۲ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ وَهُوَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْغَسِيلِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِصَابَةٌ دَسْمَاءُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک مرتبہ) خطبہ دیا، اور (اُس وقت) آپ (کے سر) پر سیاہ پگڑی/چکنی پٹی تھی۔

افادات: عصابة دسماء: اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ایک مطلب ہے عصابۃ یعنی عمامہ، اور دسماء یعنی سوداء کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی حالت میں خطبہ دیا کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا، یہ مرض الوفات کا قصہ ہے۔

(۲) دوسرا مطلب ہے: عصابۃ یعنی کپڑے کی پٹی اور دسماء یعنی چکنی، دسم سے ماخوذ ہے، جس بیماری میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو وہ بیماری دردِ سر کی تھی، آدھا سر درد کرتا تھا، جس کو عربی میں شقیقة کہتے ہیں، اس تکلیف میں تخفیف اور راحت حاصل کرنے کی غرض سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر پٹی باندھے ہوئے تھے، چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں میں تیل بہ کثرت استعمال فرماتے تھے، تو

اس تیل کے اثر سے وہ پٹی جو آپ نے باندھ رکھی تھی وہ چکنی ہوگئی تھی، اب عصابة دسماء کا مطلب یہ ہوگا کہ جب آپ آخری بیماری میں خطبہ دینے کے لیے تشریف لائے تو وہ پٹی جو آپ کے سر پر بندھی ہوئی تھی، تیل کی وجہ سے اس میں چکناہٹ تھی۔ دونوں مطلب صحیح ہیں۔ یہاں پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پہلے معنیٰ یعنی عمامہ کی مناسبت سے ذکر کیا ہے۔

۱۷ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِزَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہبند کا بیان

افادات: عربی زبان میں لنگی کے لیے لفظ ''ازار'' استعمال ہوتا ہے، دراصل اس زمانے میں عام طور پر دو چادریں استعمال کرنے کا رواج تھا، مردوں کے لیے سِلے ہوئے کپڑوں کا زیادہ رواج نہیں تھا، چادریں ہوتی تھیں، ایک چادر سے بدن کا نچلا حصہ ڈھانپا جاتا تھا اسی کو عربی زبان میں ''ازار'' اور اردو میں ''لنگی'' کہتے ہیں، اور ایک چادر سے بدن کا اوپر والا حصہ ڈھانپا جاتا تھا اس کو عربی میں ''رداء'' اور اردو میں ''چادر'' ہی بولتے ہیں، استعمال کے فرق کی وجہ سے نام میں فرق آگیا، اوپر والے حصے میں جو کپڑا استعمال کیا جاتا ہے اس کو ''رداء'' اور نیچے والے حصے کو ''ازار''، اردو میں اوپر والے کو چادر اور نیچے والے کو لنگی کہا جاتا ہے۔ یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لنگی کا تذکرہ ہے، اس طرح سمجھ لیجیے! جیسے ہم احرام پہنتے ہیں ایک ہی طرح کے دو کپڑے ہوتے ہیں: ایک نیچے، ایک اوپر۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر یعنی جس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسمِ مبارک کے اوپر والے حصے کو ڈھانپا کرتے تھے اس کی مقدار میں دو قول ہیں: ایک تو یہ ہے کہ وہ چار ہاتھ لمبی اور ڈھائی ہاتھ چوڑی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ: اس کی لمبائی چھ ہاتھ اور چوڑائی تین ہاتھ اور ایک بالشت؛ اور نیچے والے حصۂ بدن کو جس سے ڈھانپا جاتا تھا اس کی لمبائی چار ہاتھ ایک بالشت اور چوڑائی دو ہاتھ ہوتی تھی۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ لنگی استعمال کرنے کی تھی، آپ ہمیشہ لنگی استعمال فرماتے تھے،

پاجامہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیبِ تن فرمایا ہے یا نہیں؟ یہ چیز سیرت نگاروں کے درمیان مختلف فیہ ہے، علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ - جو شمائل کے شارح ہیں - فرماتے ہیں کہ: راجح قول یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاجامہ استعمال کرنا ثابت نہیں ہے، پاجامہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا، آپ نے خریدا تھا، اور آپ نے اپنی وفات کے وقت جو کپڑے چھوڑے ان میں پاجامہ بھی ہے؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاجامہ پہننا ثابت نہیں، جب کہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: خریدا تھا تو پہنا ہی ہوگا۔ بہر حال دونوں باتیں اس سلسلے میں کہی گئی ہیں۔ یہاں اس سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت پیش کرتے ہیں۔

۱۱۳ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، كِسَاءً مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيظًا، فَقَالَتْ: قُبِضَ رُوحُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي هَذَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں دکھلانے کو ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور موٹی لنگی نکالی، اور فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اِن دو کپڑوں میں قبض کی گئی تھی۔

افادات: یعنی بوقتِ وفات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدنِ مبارک پر یہی دو کپڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول سادہ لباس استعمال کرنے کا تھا، جیسے اس روایت میں ہے کہ پیوند لگی ہوئی چادر اور موٹے کپڑے کی لنگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امت کے لیے بیانِ جواز کے واسطے عمدہ اور مہنگا لباس پہننا بھی ثابت ہے، ایک موقع پر آپ نے کئی اونٹ کے عوض ایک جوڑا خریدا اور زیبِ تن فرمایا؛ ورنہ آپ کی عام عادتِ شریفہ سادہ لباس استعمال کرنے کی تھی۔ دو کپڑے جن میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی سادہ ہی تھے۔ اس روایت میں لنگی کا تذکرہ آیا ہے اس لیے یہاں اسے پیش فرمایا۔

۱۱٤ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّتِي، تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَمْشِي بِالْمَدِينَةِ، إِذَا إِنْسَانٌ خَلْفِي يَقُولُ: ارْفَعْ إِزَارَكَ، فَإِنَّهُ أَنْقَى وَأَبْقَى فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا هِيَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ، قَالَ: أَمَا لَكَ فِيَّ أُسْوَةٌ؟ فَنَظَرْتُ فَإِذَا إِزَارُهُ إِلَى نِصْفِ سَاقَيْهِ.

ترجمہ: حضرت اشعث بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے اپنی پھوپھی کو اُن کے چچا (عبید بن خالد رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے سنا، کہ اُنھوں نے (یعنی عبید بن خالد رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ: ایک مرتبہ مَیں مدینۂ منورہ میں کہیں جا رہا تھا کہ یکا یک ایک انسان میرے پیچھے سے کہنے لگا، اپنا تہبند اٹھاؤ؛ اِس لیے کہ یہ صفائی اور (کپڑے کے) دیر تک باقی رہنے کا ذریعہ ہے، پھر مَیں (کہنے والے کی طرف) متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، مَیں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ایک سفید و سیاہ رنگ کی (معمولی) چادر (چدریہ) ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کیا تیرے لیے میرا طریقہ کافی نہیں؟ پھر مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے تہبند) کو دیکھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تہبند آدھی پنڈلیوں تک ہے۔

افادات:

تہبند یا ازار نصف پنڈلی تک رکھنا مسنون ہے

انقیٰ ''نقاء'' سے ماخوذ ہے: صاف شفاف، یعنی آپ لنگی کو اونچا رکھیں؛ کیوں کہ نیچا رکھیں گے تو گرد و غبار لگے گا، ناپاک ہو جائے گی، صاف شفاف نہیں رہے گی، اور پھر اس طرح گھسیٹنے کی وجہ سے جلدی پھٹ بھی جائے گی، دیر پا نہیں رہے گی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لنگی کو اونچا رکھنے کے دو فائدے بتلائے ہیں: أنقی و أبقی اس میں صفائی زیادہ ہے: کپڑے کی بھی صفائی ہے اور دل کی بھی صفائی ہے؛ اس لیے کہ اگر آپ اس کو نیچا رکھیں گے تو اس کی وجہ سے دل میں کبر اور غرور پیدا ہوتا ہے؛ لہٰذا اس میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی صفائی بھی ہے۔ وابقی اور کپڑا زیادہ دیر باقی رہتا ہے؛ اس لیے کہ گھسے گا نہیں تو پھٹے گا بھی نہیں، اور دیر پا ہوگا۔

انما هي بردة ملحاء: ملحاء ملح يملح چت کبری ہونا، سفید اور سیاہ پٹے والی چادر کو عربی میں ملحاء کہتے ہیں۔ صحابی رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لنگی کو اونچا رکھنے کی جو وجہ بتلائی - کہ اس میں کپڑے کی صفائی بھی زیادہ ہے اور کپڑا دیر تک بھی رہتا ہے - وہ میرے کپڑے کے فائدے کے لیے بتلائی؛ اس لیے انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ تو ایک معمولی چادر ہے، اگر میلی بھی ہوگئی اور پھٹ بھی گئی تو کیا ہوگا؟ اس جواب کا منشا یہی تھا؛ ورنہ ظاہر ہے صحابہ تو صحابہ تھے،

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو تعلق اور عشق تھا اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر اعتراض کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔

إِزَارُهُ إِلَى نِصْفِ سَاقَيْهِ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ لنگی آدھی پنڈلی تک ہی پہنتے تھے، اس سے نیچے نہیں، یہ سنت ہے۔

۱۱۵ – حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَأْتَزِرُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، وَقَالَ: هَكَذَا كَانَتْ إِزْرَةُ صَاحِبِي، يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھتے تھے، اور فرماتے کہ: میرے ساتھی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تہبند پہننے کا یہی طریقہ تھا۔

افادات:

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکیں

پہلے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ بتلایا تھا کہ حدیبیہ کے موقع پر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے ارادے سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر چلے تھے، اور مکہ والوں نے آپ کا راستہ روک لیا تھا، تو مقامِ حدیبیہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں، ہم تو عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، ہم کو موقع دے دو، ہم بیت اللہ کی زیارت، طواف وسعی کرکے عمرہ کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے، ہمارا ارادہ لڑائی اور جنگ کا نہیں ہے۔ یہ پیغام پہنچانے کی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: عمر! جاؤ اور میرا یہ پیغام مکہ والوں کو پہنچاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! مکہ والوں کی میرے ساتھ عداوت اور بغض کو آپ جانتے ہیں، اور وہاں میرے قبیلے کا کوئی اَور ہے بھی نہیں جو میری حمایت کرے، آپ اس مقصد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں، ان کے قبیلے کے لوگ وہاں ہیں؛ اس لیے اگر وہ جائیں گے تو ان کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا، اس زمانے میں قبائل کی بنیاد پر ایک دوسرے

کی مدد کی جاتی تھی، دین نہیں دیکھا جاتا تھا، لہٰذا حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: تم جاؤ، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی احرام کی حالت میں تھے، ایک چادر اوپر اور ایک چادر نیچے لنگی کے طور پر پہنی ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ پیغام لے کر مکہ جانے کے لیے روانہ ہوئے، یہاں سے چلے اور اُدھر مکہ والوں کو خبر مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم ﷺ کا کوئی خاص پیغام لے کر آرہے ہیں، اگرچہ موبائل کا زمانہ نہیں تھا؛ لیکن بات پہنچ گئی، تو جب ان کے خاندان کے لوگوں کو پتہ چلا تو وہ سب ہتھیار لگا کر مکۂ مکرمہ کے باہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا استقبال کرنے کے لیے آئے، دیگر لوگ بھی آئے تھے۔ حضرت سعید بن العاص - جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے - نے باقاعدہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اُنھیں اپنی حفاظت میں لے لیا کہ آپ جس کام و پیغام کے لیے آئے ہیں پوری آزادی کے ساتھ یہ پیغام لوگوں تک پہنچائیے، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتا، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ اب یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لے کر جارہے ہیں، گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دولہا ہیں اور بارات جارہی ہے، ان کے ہمراہیوں نے دیکھا کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لنگی آدھی پنڈلی تک ہے۔ اس زمانے میں مکہ والوں اور بالخصوص جو بڑے لوگ اور قوم کے سردار تھے ان کا فیشن یہ تھا کہ وہ اپنی لنگیاں ایک دم گھسیٹتی ہوئی پہنتے تھے، اور اسی کو وہ اپنا خصوصی امتیاز، مقام، اسٹیٹس (Status) سمجھتے تھے، کہ اس طرح پہنیں گے تو ہی سمجھا جائے گا کہ ہماری سرداری باقی ہے۔ چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لنگی اس طرح دیکھ کر ان کے قبیلے والوں نے ان سے کہا: عثمان! آپ تو مکہ کے بڑے سرداروں کے پاس پیغام لے کر جارہے ہیں، اور آپ کی لنگی تو آدھی پنڈلی تک ہے، آپ کو اس طرح لنگی پہنے ہوئے دیکھ کر وہ لوگ آپ کو حقیر جانیں گے۔ اور ہوسکتا ہے کہ آپ جس پیغام کو لے کر جارہے ہو، آپ کی اس ہیئت کو دیکھ کر وہ سننا گوارہ نہ کریں۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو لنگی ذرا نیچی کر لینی چاہیے، اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: هكذا ازرة حبيبي ﷺ میرے محبوب ﷺ کی لنگی اسی طرح ہے یعنی آپ کے لنگی پہننے کا طریقہ یہی ہے، میں اس کو ذرہ برابر بھی بدل نہیں سکتا۔

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار وتمکیں	*	پَر وہ نہ سمجھے میری بزم کے قابل نہ رہا

ایک مسلمان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقوں پر ہی فخر ہونا چاہیے، اسی طریقے کو ہم اپنائیں، لوگ اگر اس کو معمولی سمجھتے ہیں، اس پر ہنستے ہیں تو ہنسا کریں، ہمارا کیا جاتا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

کئی سال پہلے کی بات ہے، ایک مرتبہ میں دلی میں فتح پوری مسجد سے ادھر بازار میں سائیکل رکشا پر بیٹھ کر جارہا تھا، میں نے دیکھا کہ دو یورپین نے کانوں میں کچھ پہن رکھا تھا، اور بال بھی بے تکے تھے، وہ تھے تو لڑکے؛ مگر لگتی تھیں لڑکیاں، تو پورے بازار کے دکان داران دونوں کو دیکھ رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں؛ لیکن ان دونوں کو کوئی پرواہ ہی نہیں، وہ اپنی دھن میں مست ہیں، میں تو یہ منظر دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ دیکھو! ان کو اپنے اس غلط طریقے پر بھی کتنا فخر ہے، کہ ساری دنیا ان پر ہنستی ہے؛ مگر ان کو کوئی پرواہ نہیں، اور آج ہمارا مسلمان نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے کے معاملے میں یوں سوچتا ہے کہ میں اس طرح کروں گا تو لوگ مجھے کیا کہیں گے؟ میرے متعلق کیا سوچیں گے؟ میں ڈاڑھی رکھوں گا، میں پاجامہ اس طرح پہنوں گا تو لوگ میرا مذاق اڑائیں گے، آج ہماری یہ سوچ بن گئی ہے جس کی وجہ سے ہم نے بھی ان چیزوں کو چھوڑ دیا۔ میں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس غیرتِ ایمانی کو بتلانا چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں کتنی غیرت کا اظہار فرمارہے ہیں۔

۱۱۶ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نُذَيرٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِعَضَلَةِ سَاقِي أَوْ سَاقِهِ فَقَالَ: هَذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلَ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْإِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ .

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری پنڈلی -یا (فرمایا) اپنی پنڈلی- کا گوشت پکڑ کر فرمایا: یہ تہبند (پہننے) کی (آخری) جگہ (یعنی حد) ہے، اگر یہ منظور نہ ہو تو کچھ نیچے سہی، اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو ٹخنوں پر تہبند کا کوئی حق نہیں۔

افادات:

ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانے پر وعید

ٹخنوں کے اوپر اس طرح کہ ٹخنے ڈھک جائیں لنگی آنی نہیں چاہیے، اس سے اونچی رہنی چاہیے۔ ٹخنوں کو ڈھانکنے پر بڑی وعید آئی ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: ٹخنوں سے نیچے جتنے حصے پر کپڑا رہے گا اتنا حصہ جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنی لنگی یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔ آج کل لوگ فیشن میں آ کر یہ ساری حرکتیں کرتے ہیں اور وعید کے حق دار ہو جاتے ہیں۔ کئی گناہ وہ ہیں کہ جب آدمی گناہ کر رہا ہوتا ہے وہ گناہ میں ہے، مثلاً ایک شراب پینے والا شراب پی رہا ہے وہاں تک تو حرام کام کر رہا ہے، پی چکا تو اب وہ گناہ ختم ہو گیا، اس کے نامۂ اعمال میں حرام کام لکھ دیا گیا؛ وہ کام پورا ہو گیا۔ زنا کرنے والا زنا کر رہا ہے، زنا حرام کام ہے، جب زنا کر رہا تھا وہاں تک حرام میں مبتلا تھا، فارغ ہو گیا تو زنا ختم ہو گیا، مگر بعض گناہ وہ ہیں کہ چوبیس گھنٹے لگے ہوئے ہیں، سویا ہے تو بھی، بیدار ہے تو بھی، نماز میں ہے تو بھی، مثلاً یہی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا لنگی لٹکانا، ظاہر ہے وہ تو ہر وقت لٹکی ہوئی رہتی ہے گویا یہ ایسا گناہ ہے جس میں آدمی ہر وقت مبتلا ہے۔ ڈاڑھی مونڈانا اسی قبیل سے ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے: ''ڈاڑھی کا وجوب''، اس میں مذکورہ بات حضرت نے لکھی ہے۔ بہر حال یہ گناہ بڑا خطرناک ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ - جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے - فرماتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ کے کہنے سے اپنے ٹخنے کھولنے کو تیار نہیں، اور انگریز کے کہنے سے گھٹنے تک کھول ڈالے اور چڈی پہن لی! اس میں کیا ہوتا ہے؟ گھٹنا بھی کھلا رہتا ہے، تو انگریز کے کہنے سے گھٹنا بھی کھول دیا، اور اللہ کے رسول ﷺ کے کہنے سے ٹخنے بھی کھولنے کو تیار نہیں ہیں۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۱۸ - بَابُ مَا جَاءَ فِي مِشْيَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار کا بیان

افادات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے تھے تو آپ کی رفتار کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ اس کو مستقلاً بیان کررہے ہیں، ویسے پہلے باب میں ضمناً آیا تھا، یہاں اس کو مستقل عنوان دے کر بیان کرنا چاہتے ہیں۔

۱۱۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ أَبِي يُونُسَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ، وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِي مِشْيَتِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوَى لَهُ، إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی خوب صورت چیز نہیں دیکھی، گویا آفتاب آپ کے چہرے میں جاری تھا/ چمک رہا تھا، اور مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کے واسطے زمین لپٹی جاتی ہے، ہم (آپ کے ساتھ چلنے میں) اپنے آپ کو محنت ومشقت میں ڈالتے تھے، اور آپ بے پروا (اپنی معمولی رفتار سے) چلے جاتے تھے۔

افادات: یعنی آپ تیز چلنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، ایک عام رفتار سے آدمی جیسے چلتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل رہے ہوتے تھے؛ لیکن وہ رفتار بھی اتنی تیز ہوتی تھی کہ آپ کا ساتھ دینے کے لیے ہمیں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا پڑتا تھا۔

۱۱۸ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللهِ مَوْلَى غُفْرَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذَا وَصَفَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: كَانَ إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِيْ صَبَبٍ.

ترجمہ: حضرت علی کے رضی اللہ عنہ پوتے حضرت ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے تو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار کے متعلق) فرماتے کہ: چلتے وقت آپ قوت سے چلتے، گویا کہ

بلندی سے پستی میں اُتر رہے ہیں۔

افادات: یعنی جیسے کوئی آدمی اونچی جگہ سے نیچی جگہ کی طرف جارہا ہوتو اس رفتار میں تیزی بھی ہوتی ہے اور جسم کا اوپر والا حصہ آگے کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے، اور پاؤں بھی آدمی کو قوت کے ساتھ اٹھانے پڑتے ہیں؛ ورنہ گرجانے کا اندیشہ رہتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ اسی طرح چلا کرتے تھے۔

۱۱۹- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنِ الْمَسْعُودِيِّ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفِّيًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ .

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب چلتے تو آگے کو کچھ اِس طرح جھکنے لگتے کہ گویا آپ بلندی سے پستی کی طرف اُتر رہے ہیں۔

افادات: تکفؤ کے تین معنی بیان کیے گئے ہیں: ایک تو آگے کی طرف جھک کر چلنا۔ دوسرا تیزی کے ساتھ چلنا۔ تیسرا قوت کے ساتھ قدم اٹھا کر بغیر پاؤں گھسیٹے چلنا۔ نبیٔ کریم ﷺ کی چال اور رفتار میں یہ تینوں خوبیاں پائی جاتی تھیں، جب آپ ﷺ چلتے تھے تو تیزی کے ساتھ آگے کی طرف جھک کر اور مضبوطی سے قدم اٹھائے ہوئے چلتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ ڈھلان سے نیچے کی طرف اتر رہے ہوں، نیچی اور نشیبی جگہ میں آدمی جب اترتا ہے اُس وقت اس کی چال کی جو کیفیت ہوتی ہے وہی کیفیت ہوتی تھی۔

١٩ - بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقَنُّعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے سرپوش کا بیان

افادات: نبیٔ کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ آپ عمامے یا ٹوپی کے نیچے کپڑا رکھتے تھے، آپ کے بال عام طور پر بڑے ہوتے تھے، اور آپ تیل بھی بہ کثرت استعمال کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اگر کپڑا نہ رکھا جائے تو اس کی وجہ سے عمامے یا ٹوپی میں چکناہٹ آجاتی ہے، تو

عمامے اور ٹوپی کو چکناہٹ سے بچانے کے لیے آپ درمیان میں کپڑا رکھتے تھے، اسی کو قناع سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک پر کپڑا (سرپوش) رکھنے کا تذکرہ۔

۱۲۰ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر اکثر سرپوش رکھتے، آپ کا (وہ سرپوش) کپڑا تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

افادات: تیلی کا کپڑا چکنا ہوتا ہے؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کپڑے میں چکناہٹ ہونے کے باوجود وہ کبھی بھی میلا نہیں ہوتا تھا، اور نہ اس میں جوں پڑتی تھی اور نہ کبھی جسمِ مبارک سے کھٹمل خون چوس سکتا تھا، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر کبھی مکھی بیٹھ پاتی تھی۔

۲۰ - بَابُ مَا جَاءَ فِي جِلْسَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست کا بیان

۱۲۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ حَسَّانَ، عَنْ جَدَّتَيْهِ، عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا رَأَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدٌ الْقُرْفُصَاءَ، قَالَتْ: فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ الْمُتَخَشِّعَ فِي الْجِلْسَةِ أُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حسان کی دادی اور نانی، حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہیں کہ: انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد میں گوٹ مارے/ اکڑو سر جھکائے دیکھا۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی عاجزانہ ہیئت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو مَیں خوف سے لرز اُٹھی۔

افادات: حضرت عبداللہ بن حسان اپنی دادی اور نانی: دحیبہ اور صفیہ سے اور یہ دونوں حضرت قیلہ بنتِ مخرمہ رضی اللہ عنہا- جوان کی تربیت کرنے والی تھیں- سے نقل کرتی ہیں، حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد کے اندر دیکھا کہ آپ قرفصاء کے طور پر بیٹھے ہوئے تھے۔

قرفصاء کی تشریح

قرفصاء کی تشریح میں دو باتیں کہی گئی ہیں: ایک تو یہ کہ گوٹ مار کر یعنی آدمی گھٹنے کھڑے کر کے اپنی سرین پر بیٹھے، اور دونوں ہاتھوں سے پاؤں کے اوپر حلقہ بنالے، اکثر حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے۔ بعض نے اس کی تشریح یہ بھی کی ہے کہ: نماز کے قعدہ کی طرح دوزانو بیٹھ کر دونوں ہاتھوں کو بغل میں ڈال کر پیٹ کو ران کے ساتھ ملاتے ہوئے جھک کر بیٹھنا۔

أُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ: پہلے بتلایا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خاص رعب اور ہیبت عطا فرمائی تھی، اور دور تک اس کا اثر جاتا تھا، اول وہلے میں کوئی آدمی آپ کو دیکھ لیتا تو آپ کے رعب کی وجہ سے سہم جاتا تھا۔ ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدرتی رعب اور دوسری طرف آپ کی عاجزانہ نشست، بڑا آدمی جب اس طرح عاجزانہ نشست کے ساتھ بیٹھا ہوا ہو تو دیکھنے والے کے دل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ کیا بات ہوگئی؟ ایسے کیوں بیٹھے ہیں؟ گویا ایک ہیبت سی طاری ہوجاتی ہے۔

۱۲۲- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى .

ترجمہ: حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ: انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد میں اس طرح چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے۔

افادات:

پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنا

پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنے کے سلسلے میں مسلم شریف کی ایک روایت ہے جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ارشاد ہے: لایستلقین احدکم ثم یضع احدی رجلیہ علی الاخری کہ تم میں سے کوئی آدمی اس طرح چت نہ لیٹے کہ ایک پاؤں کے اوپر دوسرا پاؤں رکھے، یعنی منع فرمایا ہے، اور یہاں خود حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح لیٹے ہوئے دیکھا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد کی شرح: بذل المجہود میں ان دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ: جس میں ممانعت آئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک پاؤں کو کھڑا کر کے اس کے اوپر دوسرا پاؤں رکھنا، جیسے کوئی آدمی بائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور پھر اس کے گھٹنے کے اوپر دایاں پاؤں اٹھا کر کے رکھے، عام طور پر عربوں میں لنگی پہننے کا رواج تھا، اب اس طرح کوئی آدمی پاؤں کو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھے گا تو ستر کے کھل جانے کا اندیشہ ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی، اور یہاں جس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اس میں پاؤں پر پاؤں رکھنے کی شکل یہ ہے کہ دونوں پاؤں لمبے رکھے ہونے کی حالت ہی میں ایک پر ایک رکھا گیا تھا، اس صورت میں لنگی پہنے ہوئے ہو تو بھی ستر کھلنا تو کجا بلکہ اور چھپ جائے گا، ہوا کی وجہ سے بھی کھلنے کا اندیشہ نہیں۔

۱۲۳ – حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَدَنِيُّ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ رُبَيْحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ احْتَبَى بِيَدَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تھے تو اپنے ہاتھوں سے گوٹ مار لیتے تھے۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گوٹ مار کر بیٹھنا

گوٹ مار کر یعنی دونوں پاؤں اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے اس کے اردگرد ہاتھوں سے حلقہ بنالے جس کو احتباء کہتے ہیں، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ احتباء عربوں کی دیواریں ہیں، جیسے کوئی آدمی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے تو آرام حاصل ہوتا ہے، اسی طرح جب آدمی ہاتھ کا حلقہ بنا کر بیٹھے گا

تو اس کی وجہ سے بھی آرام حاصل ہوتا ہے، اور اگر ہاتھ کے حلقے کے بجائے کپڑا وغیرہ مثلاً رومال ہو، اور وہ پیچھے یعنی کمر کی طرف سے لاکر کے آگے باندھے تو ہاتھ بھی چھوٹ جائے گا اور وہ آرام سے بیٹھے گا جیسے ٹیک لگائے ہوئے ہو، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر مسجد میں اس طرح بیٹھتے تھے؛ البتہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ: فجر کی نماز کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں چارزانو بیٹھتے تھے۔

بہرحال! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹھنے کی مختلف شکلیں ہیں جو بھی اختیار کی جائے اسی نیت سے اختیار کی جائے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح بیٹھے تھے، تو اِن شاء اللہ اس کا بھی ثواب ملے گا۔

٢١ - بَابُ مَا جَاءَ فِي تُكَأَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تکیہ لگانے کا بیان

افادات: یہ باب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تکیے کے بیان میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے وقت تکیہ سے یا اور کسی چیز سے ٹیک لگاتے تھے، تو اس کی کیا ہیئت اور شکل ہوتی تھی؟ اس کو بتلانے کے لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کیا ہے۔

١٢٤ - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنِ إِسْرَائِيلَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ عَلَى يَسَارِهِ .

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا جو بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔

افادات:

ٹیک لگا کر بیٹھنے کی تین صورتیں

ٹیک لگا کر بیٹھنے کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں: (۱) دائیں یا بائیں طرف گاؤ (لمبا سا گول) تکیہ لگا کر

تکیہ والی جانب میں ذرا جھک کر بیٹھنا (۲) یا پیچھے دیوار کے ساتھ (۳) یا بڑا تکیہ ہے اور آدمی پیٹھ اس کے ساتھ لگا کر بیٹھے۔ یہ تین صورتیں ہیں۔

الفاظِ حدیث میں راویوں کا اختلاف

یہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بائیں طرف تکیے کا سہارا لے کر بیٹھے ہوئے دیکھا، اس روایت میں بائیں طرف کا تذکرہ آیا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے اخیر میں اس روایت کو دوبارہ لائیں گے، یہاں اس روایت کے راویوں میں حضرت اسرائیل رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان سے ان کے شاگرد اسحاق ابن منصور اس روایت کو اس قید کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ: بائیں طرف سہارا لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھے ہوئے دیکھا؛ لیکن اِن ہی اسرائیل کے جو دوسرے شاگرد ہیں، وہ صرف ''ٹیک لگانے'' کا تذکرہ کرتے ہیں، ''بائیں طرف'' کا تذکرہ نہیں کرتے۔ یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی تکیے وغیرہ کا سہارا لے کر بیٹھنا چاہے تو چاہے دائیں طرف بیٹھے یا بائیں طرف یا پیچھے کی طرف، ہر طرح بیٹھ سکتا ہے۔

۱۲۵ – حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، أَخْبَرَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ. قَالَ: وَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ: وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَوْ قَوْلُ الزُّورِ قَالَ: فَمَا زَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ.

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہوں کے متعلق نہ بتاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ضرور یا رسول اللہ! فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب تک تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر سہارا چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ راوی کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جملے کو بار بار دہراتے رہے؛ حتیٰ کہ ہم نے (اپنے جی میں) کہا: کیا خوب ہوتا کہ آپ خاموش ہو جاتے۔

افادات:

راویٔ حدیث کا تعارف

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، قبیلۂ بنو ثقیف سے ان کے وِلا کا تعلق ہے، انھوں نے ان کو آزاد کیا تھا، اس لیے ''ثقفی'' کہلاتے ہیں، نفیع ان کا نام ہے۔

گناہ کی حقیقت

گناہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے کرنے کا کوئی حکم دیا، اس کو آدمی نہ کرے یا کسی چیز سے رکنے کا حکم دیا، اس سے آدمی نہ رکے تو یہ گناہ اور نافرمانی کہلاتی ہے۔

گناہ کی تقسیم اور گناہِ صغیرہ کی حقیقت

گناہ کی دو قسمیں کی گئی ہیں: (۱) صغیرہ (۲) کبیرہ۔ صغیرہ گناہ تو وہ ہیں جو دوسرے نیک کاموں کی وجہ سے معاف ہوجاتے ہیں، نماز سے معاف ہوجاتے ہیں، روزے سے معاف ہوجاتے ہیں، وضو کرتے وقت جو عضو دھویا جاتا ہے، اس عضو سے جو گناہ سرزد ہوئے تھے، وہ دھل جاتے ہیں، اس طرح کے اعمال سے صرف چھوٹے اور صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

گناہِ کبیرہ کی حقیقت

دوسری قسم کبیرہ ہے یعنی بڑے گناہ جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے فضل سے معاف کردے تو وہ اس کے اختیار کی چیز ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی باز پرس نہیں کرسکتا، ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ ﴿٢٣﴾﴾ [الأنبياء] اللہ جو کرے، اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا، اللہ اگر معاف کردے تو اس کی مرضی کی بات ہے؛ البتہ ضابطہ یہ ہے کہ بغیر توبہ کے یہ معاف نہیں ہوتے۔

توبہ میں تین چیزوں کی ضرورت

توبہ میں تین چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے:

(۱)ایک تو آدمی اس گناہ کو چھوڑ دے۔گناہ پر باقی رہتے ہوئے توبہ نہیں ہوسکتی۔ایک آدمی نامحرم عورت کو دیکھ رہا ہے، بدنظری ہورہی ہے، بقول حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ: عورتوں کو دیکھتے جارہے ہیں اور ساتھ ساتھ کہتے جارہے ہیں: توبہ توبہ! کیسی بے پردہ پھررہی ہیں اور خود بھی دیکھ رہے ہیں، یہ توبہ نہیں ہے۔توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی اس گناہ کو چھوڑ دے، جیسے پیشاب کا کوئی گڑھا ہے،اس کے اندر پڑے پڑے کوئی آدمی اپنے آپ کو پاک کرنا چاہے تو پاک نہیں ہوسکتا، پاک ہونے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس سے باہر نکلو،اس کے بعد پھر جب پانی ڈالوگے اور دھوؤگے تو پاکی حاصل ہوگی،اگر وہاں رہتے ہوئے ساری دنیا کا پانی ڈال لے تو بھی پاک ہونے والا نہیں ہے بہرحال!توبہ کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ آدمی اس گناہ کو چھوڑ دے۔

(۲)دوسرا یہ کہ یہ جو گناہ ہوا ہے اس پر دل میں ندامت اور پچھتانے کی کیفیت ہو یعنی دل میں ایک دکھ ہو، درد ہو کہ میں نے کس بڑی ذات کی نافرمانی کی،وہ اللہ تعالیٰ کہ جس کے اتنے احسانات ہیں، جس نے مجھ کو پیدا کیا، ہر وقت میں اس کی نعمتوں کو استعمال کررہا ہوں،ایسی بڑی ذات کی میں نے نافرمانی کی،دل میں ایک تکلیف سی ہو،اسی کو ندامت کہتے ہیں۔توبہ میں یہ بھی ضروری ہے۔

(۳)تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ آئندہ کے لیے اس کام کو نہ کرنے کا پکا ارادہ ہو۔توبہ کرتے وقت یہ پختہ ارادہ ہو کہ آئندہ کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا، یہ اور بات ہے کہ بعد میں اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے وہ کام اس نے کرلیا اور توبہ ٹوٹ گئی؛لیکن جس وقت توبہ کررہا ہے،اس وقت دل میں تذبذب نہ ہو، توبہ کے وقت دل پکا ہو کہ آگے ہرگز ایسا نہیں کروں گا،مرجاؤں گا؛لیکن نہیں کروں گا،تبھی توبہ توبہ کہلائے گی۔اگر دل میں یہ ہے کہ اس کو دوبارہ کرنا ہے تو پھر یہ توبہ نہیں ہوئی۔خلاصہ یہ کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا اور صغیرہ عبادات وغیرہ کی وجہ سے معاف ہوجاتا ہے۔

اصرار کے ساتھ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا

یہاں ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے:صغیرہ گناہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے کرنے پر جرأت کرے،اگر بار بار کرے گا تو علماء کہتے ہیں کہ: اصرار علی الصغیرۃ یعنی صغیرہ گناہ پر جمنا یہ بھی

کبیرہ گناہ ہے، گویا اصرار کے ساتھ صغیرہ صغیرہ نہیں؛ بلکہ کبیرہ ہوجاتا ہے۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہ کی ایک تعریف

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی دو قسمیں کی گئی ہیں اور صغیرہ کون سا گناہ کہلاتا ہے، اس سلسلے میں علماء نے باقاعدہ تفصیلات بیان کی ہیں۔ قرآن اور حدیث میں جس گناہ کے کرنے پر عذاب کی، اللہ کے غضب کی، لعنت کی، کوئی وعید اور دھمکی سنائی گئی ہو تو ایسے گناہ کو عام طور پر ''کبیرہ'' کہا جاتا ہے۔

کبائر کی تعداد

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث گذرے ہیں، ان کی ایک کتاب ہے ''کتاب الکبائر''، جس میں انھوں نے چارسو کبیرہ گناہ گنوائے ہیں اور علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الزواجر'' میں ۴۶۳ر گناہ شمار کروائے ہیں۔

قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں، ضرور بتلائیے! اس لیے کہ وہ تو اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے بچانے کا اہتمام کرتے تھے، دینی معلومات حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے حریص تھے۔

جھوٹی گواہی اور جھوٹی بات کی عظیم قباحت

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی کتنا بڑا گناہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اس کی اہمیت کو بتانے کے لیے سیدھے بیٹھ گئے۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ خواہش کیوں کی؟

حتیٰ قلنا لیتہ سکت: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت تھی اور جو عشق تھا، اس محبت اور عشق کے پیشِ نظر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمولی سی تکلیف بھی ان کو گوارا نہیں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس گناہ کی اہمیت اور اس کی خطرناکی ظاہر کرنے کے لیے ٹیک چھوڑ کر سیدھے بیٹھ جانے اور بار بار

اس جملے کو دہرانے سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ ہم کو اس گناہ کی اہمیت اور اس کی خطرناکی کا اندازہ ہو جائے؛ اس لیے صحابی کہتے ہیں کہ: ہم دل میں سوچنے لگے کہ ہمیں تو اندازہ ہو گیا، کاش! کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو جائیں؛ تاکہ آپ کو تکلیف نہ ہو، آپ کا مقصد تو حاصل ہو گیا۔ بہر حال! حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ تمنا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غایتِ محبت اور بہت زیادہ عشق اور تعلق کی وجہ سے تھی۔ جس کے ساتھ عشق، تعلق اور محبت ہوتی ہے اس کی معمولی اور ادنیٰ سی تکلیف کو آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔

یہ روایت اس لیے لائے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، اس سے آپ کا ٹیک لگا کر بیٹھنا ثابت ہوتا ہے۔

ٹیک لگانے کا شرعی حکم

آدمی ٹیک لگا کر بیٹھ سکتا ہے، ٹیک لگا کر بیٹھنا شرعی اعتبار سے کوئی بری چیز نہیں۔ شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ چوں کہ اس میں آدمی کو راحت اور آرام ملتا ہے، تو یہ ممنوع ہوگا۔ ایسا نہیں ہے، بیٹھ سکتے ہیں۔ البتہ جن لوگوں کے درمیان بیٹھا ہے، ان کو دیکھا جائے گا کہ اپنے برابر کے ہیں یا اپنے سے چھوٹے، اگر چھوٹوں یا برابر کے لوگوں کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھا ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں؛ لیکن اپنے بڑوں کی موجودگی میں ٹیک لگا کر بیٹھنا، یہ ادب کے خلاف ہے اس سے آدمی کو بچنا چاہیے۔

١٢٦ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا.

١٢٧ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا آكُلُ مُتَّكِئًا.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو! میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

ترجمہ: حضرت علی ابن اقمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا ہوں۔

افادات:

ٹیک لگا کر کھانے کا نقصان

چوں کہ ٹیک لگا کر کھانا تواضع کے خلاف ہے اور ٹیک لگا کر کھانے سے آدمی زیادہ کھالیتا ہے اور شریعت میں زیادہ کھانا پسندیدہ نہیں؛ کیوں کہ کھانا ایک ضرورت کی چیز ہے اور جتنی بھی ضرورت کی چیزیں ہیں، ان کو ضرورت تک ہی محدود رکھنا چاہیے، یہ چیزیں جب ضرورت سے آگے بڑھتی ہیں تو فائدہ کے بہ جائے نقصان پہنچاتی ہیں۔

ایک آدمی بیت الخلا میں جائے اور استنجا سے فارغ ہو جائے، تو کیا فارغ ہونے کے بعد وہیں بیٹھا رہتا ہے؟ وہ ضرورت کی جگہ ہے، ضرورت پوری ہوگئی، تو آدمی فوراً باہر نکل آتا ہے۔ جیسے وہاں زیادہ ٹھہرنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، ایسے ہی دیگر ضرورتوں کا حال ہے۔

ضرورت کے ہر کام کو ضرورت کے بقدر کیا جائے، جیسے سونا۔ سونا آدمی کی ایک طبعی ضرورت ہے، اتنا سولیا کہ جس کی وجہ سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوگیا، آدمی فریش (fresh) ہوگیا تو بس اب اٹھ جاؤ اور زیادہ سوؤ گے تو یہ طبیعت کو بگاڑے گا، اس لیے اتنا ہی سوؤ جتنی ضرورت ہے۔ کھانے پینے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

ٹیک لگا کر کھانا کیوں مکروہ ہے؟

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھانے کے متعلق فرمایا کہ: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا؛ چوں کہ ٹیک لگا کر کھانا ایک تو تواضع کے خلاف ہوتا ہے اور دوسرے آدمی ضرورت سے زیادہ کھالیتا ہے۔ اور اس سے پیٹ بھی بڑھ جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بات اس لیے فرمائی؛ تاکہ لوگوں کو آپ کا عمل معلوم ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کریں۔

ٹیک لگا کر کھانے کی صورتیں

اب یہ ٹیک لگا کر کھانے کی کیا شکل ہے؟ اس کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کی

چار شکلیں ہیں:

(۱)ایک تو یہ کہ آدمی دائیں یا بائیں طرف تکیہ وغیرہ رکھ کر ٹیک لگا کر کھائے۔

(۲)دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہتھیلی زمین پر رکھ کر اس کا سہارا لے کر کے کھائے۔إلّا یہ کہ کوئی آدمی موٹا ہو، اس کے لیے سیدھا بیٹھنا مشکل ہو، سیدھا بیٹھ کر کھا ہی نہیں سکتا تو بات دوسری ہے، ورنہ تو اس کے بغیر اس طرح سہارا لے کر بیٹھ کر کھانے کو پسند نہیں کیا گیا۔

(۳) تیسری صورت پیچھے کی طرف تکیہ یا دیوار سے ٹیک لگا کر سہارا لگا کر کھانا ہے۔

(۴)چوتھا طریقہ: چہار زانو بیٹھنا ہے۔اس کو بھی ٹیک لگا کر کھانا ہی کہا گیا ہے اور اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح بیٹھ کر آدمی زیادہ کھالیتا ہے، جب اکڑوں بیٹھے گا یعنی پاؤں کھڑے کر کے بیٹھے گا تو پیٹ بھی دبتا ہے اور یہ بیٹھک (جماؤ کے ساتھ بیٹھنے کے برخلاف) سرسری ہونے کی وجہ سے آدمی زیادہ کھا نہیں پائے گا اور شریعت کا مقصد بھی یہی ہے۔کھانے کی ان چار شکلوں کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

١٢٨ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ .

قَالَ أَبُو عِيسَى: لَمْ يَذْكُرْ وَكِيعٌ فِيهِ عَلَى يَسَارِهِ، وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ إِسْرَائِيلَ نَحْوَ رِوَايَةِ وَكِيعٍ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا ذَكَرَ فِيهِ عَلَى يَسَارِهِ إِلَّا مَا رَوَى إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنِ إِسْرَائِيلَ .

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ: وکیع نے بائیں کروٹ کا ذکر نہیں کیا، وکیع کی روایت کی طرح بہت سے راویوں نے اسرائیل سے اسی طرح نقل کیا ہے، ہم نہیں جانتے کہ بائیں کروٹ کا ذکر اسحاق بن منصور-بحوالہ اسرائیل- کے علاوہ کسی اَور نے کیا ہو۔

افادات: شروع باب میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت لائے تھے جس میں بتلا دیا تھا کہ اس حدیث کے نقل کرنے والے محدث اسرائیل کے بہت سارے شاگرد ہیں، ایک ہی

شاگرد نے بائیں طرف کا تذکرہ کیا ہے، باقی تمام شاگرد صرف وِسَادَةٌ یعنی تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۲۲ - بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّكَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹیک لگانے کا بیان

افادات: اس سے پہلے جو باب اور عنوان گذرا تھا، اس میں تکیے سے ٹیک لگانے کا تذکرہ تھا اور اس عنوان میں تکیے کے علاوہ کسی اور چیز، خاص طور پر کسی انسان کا سہارا لینے اور ٹیک لگانے کو بیان کر رہے ہیں؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو بہ حیثیت انسان کے شرافت اور بزرگی عطا فرمائی، اس لیے شاید کسی کو یہ گمان ہو کہ اس سے سہارا لینا انسانی شرافت اور بزرگی کے خلاف ہے تو یہاں یہ باب قائم کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت ہے۔

۱۲۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ شَاكِيًا فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ فَصَلَّى بِهِمْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھے؛ اس لیے (حجرہ سے) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر ٹیک دیے ہوئے باہر تشریف لائے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت ایک یمنی منقش چادر میں لپٹے ہوئے تھے، پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

افادات:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے جنھوں نے دس سال تک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے، اُن کی یہ روایت ہے، اس کتاب میں بیش تر روایتیں ان کی اور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہیں۔

مرض الوفات کا واقعہ

یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا، جس کو ''مرض الوفات'' کہتے ہیں یعنی وہ بیماری جو آپ کے انتقال اور وفات کا سبب بنی، اسی بیماری کا قصہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف لائے۔

يَتَوَكَّأُ عَلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ: اس روایت کو اس باب میں لانے کا مقصود یہی جملہ ہے۔ دیکھو! حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سہارے کے لیے آپ نے استعمال فرمایا۔ یہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے، ان کا لقب ہی تھا حِبُّ رسول اللہ ﷺ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب اور لاڈلے۔

قِطْرِيٌّ کی تحقیق

قِطْرِيٌّ: یہ قطر کی طرف نسبت ہے، قطر ایک ملک ہے۔ اس وقت یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں الگ الگ ہوگئیں، ورنہ یہ یمن ہی کا حصہ ہے؛ اس لیے قطری یعنی یمنی چادر جو منقش تھی اور سوت کی بنی ہوئی تھی، جو اس زمانے میں بہت مشہور تھی اور استعمال کی جاتی تھی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چادر کو لپیٹے ہوئے حجرۂ مبارکہ سے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے اور جس وقت تشریف لائے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ: اس یمنی چادر کو آپ نے اپنے جسم پر لپیٹ رکھا تھا، چادر کو جسم پر اٹکانے کے واسطے دو کندھوں پر ڈال کر ایک پلّہ دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ڈال دیا جاتا ہے، دونوں طرف پلوؤں کے ڈالے جانے کو عربی زبان میں تَوَشُّحْ سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی لپیٹے ہوئے، ڈالے ہوئے۔

بس! یہاں ان کا مقصد تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا حجرۂ شریفہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر اور ٹیک لگا کر باہر تشریف لانے کو بتلانا ہے اور اسی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

موت کے استحضار کا ایک عبرت ناک قصہ

یہ روایت پہلے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کے بیان میں آچکی ہے، وہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ قصہ بھی بیان کیا تھا جو ان کے استاذ نے ان کو بتلایا تھا کہ انھوں نے اپنے استاذ سے یہ سنا کہ ایک مرتبہ میں سبق پڑھانے اور حدیث کا درس دینے کے لیے بیٹھا ہوا تھا اور مشہور محدث حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور انھوں نے آتے ہی مجھ سے یوں کہا کہ: یہ حدیث سناؤ؟ میں نے ان کو زبانی اس کی سند پڑھ کر سنانا شروع کی تو انھوں نے کہا: اگر کاپی اور نوشتہ میں دیکھ کر سناتے تو زیادہ اچھا ہوتا کہ اس میں پختگی زیادہ ہے، ان کی اس بات پر میں کمرے میں جانے کے لیے اٹھا، تاکہ وہ کاپی لے آؤں تو انھوں نے میرا کرتہ پکڑ لیا کہ حدیث سناتے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری آپ سے ملاقات نہ ہو، یہ قصہ پہلے گذر چکا۔

۱۳۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَفَّافُ الْحَلَبِيُّ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ وَعَلَى رَأْسِهِ عِصَابَةٌ صَفْرَاءُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: يَا فَضْلُ! قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: اشْدُدْ بِهَذِهِ الْعِصَابَةِ رَأْسِي، قَالَ: فَفَعَلْتُ، ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ كَفَّهُ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَامَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں آپ کی اُس بیماری میں جس میں وفات ہوئی حاضر ہوا، اُس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر زرد پٹی بندھی ہوئی تھی، میں نے سلام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (جواب کے بعد) فرمایا کہ: اے فضل! میں نے کہا: یارسول اللہ! حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پٹی سے میرا سر کَس کر باندھ دو، فضل نے کہا: میں نے تعمیلِ ارشاد کی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے اور میرے مونڈھے پر اپنی ہتھیلی رکھی اور (اس کے سہارے) کھڑے ہوگئے، پھر مسجد میں تشریف لے آئے۔ اس حدیث میں مفصل قصہ ہے۔

افادات: یہ دوسری روایت حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی لائے ہیں جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحب زادے ہیں اور ان ہی سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوالفضل'' ہے۔

عِصَابَةٌ: پہلے بھی یہ لفظ عمامے کے بیان میں آچکا ہے، عِصَابَةٌ کے دو معنیٰ اور ترجمے کیے جاتے ہیں: ایک کپڑے کی پٹی اور دوسرا عمامہ۔ بعض حضرات نے اس جگہ پر بھی لفظ عِصَابَةٌ کا ترجمہ بجائے پٹی کے عمامے سے کیا ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف رنگوں کے عمامے استعمال فرمائے ہیں اور مختلف رنگ کے عماموں میں پیلے رنگ کا بھی عمامہ آپ نے استعمال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیلے رنگ کے عمامے کو استعمال فرمانے کے سلسلے میں اسی روایت سے استدلال کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں روایت میں آگے جو الفاظ ہیں، اس کے پیشِ نظر عام طور پر شرّاح عِصَابَةٌ کا ترجمہ ''پٹی'' سے کرتے ہیں، کہ پیلے رنگ کی پٹی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر بندھی ہوئی تھی، کیوں کہ آپ کا جس بیماری میں انتقال ہوا وہ بیماری دردِ سر کی تھی۔ شقیقة آدھے سر کا جو درد ہوتا ہے، جس کو ادھ سری بولتے ہے۔ یہ تکلیف آپ کو غزوۂ خیبر میں یہودی عورت کی طرف سے زہر کھلانے کے اثر سے ہوتی تھی، یہ بڑی شدید بیماری تھی، اسی میں آپ کا انتقال ہوا تو اس کی وجہ سے چوں کہ سر میں درد ہوتا ہے اور دردِ سر میں کوئی چیز اگر سر پر کَس کے باندھ دیتے ہیں، تو اس درد میں راحت ہوتی ہے۔

مفصل قصہ

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ: وہ قصہ یہ ہے کہ آپ کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ: لوگوں کو بلاؤ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے جا کر لوگوں کو آواز دی کہ آؤ! مسجد میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا رہے ہیں۔ سب لوگ جمع ہو گئے۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: دیکھو! اگر میں نے کسی کو مارا ہو تو میں یہاں موجود ہوں، وہ میری کمر پر مار کر کے اس کا بدلہ لے لے۔ میں نے کسی کی عزت پر کوئی حملہ کیا ہو تو میں یہاں موجود ہوں، وہ مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ مجھ پر کسی کا کوئی مالی مطالبہ ہو تو وہ

مانگ لے اور مجھ سے وصول کرلے، میں یہاں موجود ہوں اور وہ یہ نہ سوچیں کہ اگر میں بدلہ لوں گا تو بدلہ لینے کی وجہ سے میرے دل میں کدورت، ناراضگی ہوگی اور اس سے مجھے نقصان پہنچے گا، نہیں نہیں، ایسا نہ سوچے بلکہ دنیا کا بدلہ میرے لیے آخرت کے مقابلے میں آسان ہے۔

اس کے بعد روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: بھائی! کسی کو کوئی دعا کرانی ہو تو کرالو۔ دو تین صحابہ نے دعا کروائی، ایک صحابی نے کھڑے ہو کر کہا کہ: اللہ کے رسول! مجھ میں نفاق ہے اور مجھ میں جھوٹ کی بھی عادت ہے اور مجھے نیند بہت آتی ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ: اے اللہ! ان کے ایمان کو کامل کر دے اور ان کو جھوٹ سے نجات دے دے اور ان کو نیند کی کثرت کی بیماری سے نجات دے۔ اسی طرح ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ نے دعا کی درخواست کی، انھوں نے کہا کہ: میں بزدل ہوں اور جھوٹ کی عادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے بھی دعا کی۔ راوی کہتے ہیں کہ: پھر ان سے زیادہ بہادر میدانِ جنگ کے اندر کوئی نہیں دیکھا گیا۔

حقوق معاف کرانے کا نبوی اہتمام

اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا کہ: میں دوبارہ پھر یہ بات کہوں گا۔ ظہر سے پہلے یہ بات فرمائی اور ظہر کی نماز کے بعد دوبارہ آپ نے پھر یہی تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ: بھائی کسی کا کسی کے اوپر کوئی حق ہے تو اس دنیا سے جانے سے پہلے وہ حق ادا کر دے اس سے پہلے کہ قیامت کے روز اس کے اعمال اور نیکیوں کے ذریعے وصول کیا جائے۔ پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے اور وہاں عورتوں کو جمع کر کے ان کے سامنے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی بات ارشاد فرمائی۔

۴۳ - بَابُ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گذر بسر کا بیان

افادات: اس باب میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے پینے میں کیا استعمال

فرماتے تھے، آپ کا گذارا کن چیزوں سے ہوتا تھا، نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے اختیار، اپنی خوشنودی، اپنی رضامندی، اپنے ارادے سے اپنے لیے فقر وفاقہ اور تنگی اور عسرت کی زندگی اختیار فرمائی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو آپ کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو بادشاہوں والی زندگی عطا فرمائیں، پہاڑ آپ کے لیے سونے کے بنا دیے جائیں، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں تو تیرا شکر ادا کروں، ایک دن بھوکا رہوں تو صبر سے کام لوں۔

آپ کے سچے عاشقوں کی طرف فاقہ تیزی سے لپکتا ہے

نبیٔ کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں یہ عسرت، تنگی، فقر وفاقہ کے جو احوال آئے، وہ خود نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے لیے پسند فرمائے تھے؛ بلکہ آپ ﷺ نے اپنی آل کے لیے اور اپنے حقیقی پیروکاروں کے لیے بھی یہی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی یہی حالات عطا فرمائے۔ جو نبیٔ کریم ﷺ سے جتنا قریب ہوگا اس کو یہ چیز اتنی ہی زیادہ پیش آئے گی۔ ایک آدمی نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے محبت کرتا ہوں، پھر دوبارہ کہا، اس کے بعد پھر کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سوچ کر بولو، کیا کہہ رہے ہو؟ مجھ سے محبت کرنے والوں کی طرف فقر وفاقہ اتنی تیزی کے ساتھ آتا ہے، جیسے ڈھلان والی جگہ میں پانی تیزی کے ساتھ نیچے جاتا ہے۔

شمائل کے نسخوں کا اختلاف

عسرت وتنگی اور جو فقر وفاقہ کو نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے لیے اختیار فرمایا تھا اسی کو اس باب میں بیان کر رہے ہیں۔ اس کتاب کے نسخوں میں باب کے تعلق سے کچھ اختلاف ہے: ہندوستانی نسخوں میں یہ باب باب ماجاء في عيش رسول الله ﷺ دو جگہ آیا ہے، ۹ رنمبر کا باب بھی ہے اور ۵۲ رنمبر کا باب بھی ہے۔ ۹ رنمبر کے باب میں دو روایتیں ہیں اور ۵۲ رنمبر کے باب میں نو روایتیں ہیں، کل گیارہ روایتیں ہیں اور بعض نسخوں میں ان روایتوں کو ایک ہی باب میں بیان کیا ہے، ہمارے نسخے میں جو اس وقت ہم پڑھ رہے ہیں، گیارہ کی گیارہ روایتیں ایک ہی باب میں بیان کر دی گئی ہیں۔

۱۳۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ، فَتَمَخَّطَ فِي أَحَدِهِمَا، فَقَالَ: بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ أَبُوهُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا مَغْشِيًّا عَلَيَّ، فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي يَرَى أَنَّ بِي جُنُونًا، وَمَا بِي جُنُونٌ، وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ .

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم (ایک مرتبہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور اُن کے جسم پر کتان کے دو گیروی رنگ کے کپڑے تھے، اُن میں سے ایک سے ناک پونچھا، پھر (تعجب سے) کہنے لگے: واہ واہ! ابوہریرہ (آج) کتان سے ناک پونچھتا ہے، (بہ خدا) مَیں نے (ایک زمانے میں) اپنے آپ کو اِس حالت میں (بھی) دیکھا ہے کہ، مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بے ہوش ہوکر گر پڑتا تھا، پھر آنے والا آکر میری گردن پر یہ سمجھ کر پاؤں رکھتا کہ مجھے دیوانگی (کا اثر) ہے اور حقیقتاً مجھے جنون نہیں تھا؛ بلکہ یہ بھوک ہی ہوتی تھی۔

افادات: محمد بن سرین رحمۃ اللہ علیہ بڑے تابعی ہیں اور خواب کی تعبیر کے امام ہیں۔

مِنْ كَتَّانٍ: کتان عمدہ قسم کا ایک کپڑا ہے۔ محیطِ اعظم میں لکھا ہے کہ یہ ہندی میں السی جو ہوتی ہے، اس السی کی چھال کے ذریعے یہ کپڑا اس زمانے میں بنایا جاتا تھا اور اعلیٰ قسم کا شمار ہوتا تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بدن کے اوپر یہ کتان کے بنے ہوئے دو گیروے رنگ کے کپڑے تھے۔ یہ کتان کا کپڑا اس زمانے میں اعلیٰ درجے کا سمجھا جاتا تھا۔

ایک زمانہ وہ تھا، ایک زمانہ یہ ہے

فَقَالَ: بَخٍ بَخٍ: یعنی اللہ نے آج وہ دن دکھلایا کہ کتان کے کپڑے میں ناک صاف کر رہا ہے، اتنی مالی وسعت ہوگئی۔

يَرَى أَنَّ بِي جُنُونًا: مرگی یہ جنون کی ایک قسم ہے، گردن میں ایک رگ ہوتی ہے، اس زمانے میں لوگ مرگی کے علاج کے طور پر اس کو دباتے تھے تو جو آدمی مرگی کی وجہ سے بے ہوش ہوجاتا تھا

اس رگ کے دب جانے کی وجہ سے ہوش میں آجاتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آنے والا آتا تھا اور اپنا پاؤں میری گردن کے اوپر رکھتا تھا، یہ سمجھ کر کے کہ مجھے مرگی کا دورہ پڑا ہے حالاں کہ مرگی ورگی کچھ نہیں، وہ تو بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتا تھا۔ ایک زمانہ وہ تھا اور آج اللہ نے یہ وسعتیں عطا فرمائیں۔

باب کے ساتھ روایت کا ربط وتعلق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال ذکر کیا، اور یہ روایت پیش کی ہے وہ اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے تھے اور اصحابِ صفہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کے مہمان تھے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر میں کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو ان کو بھوکے رہنے کی نوبت نہ آتی، اس سے معلوم ہوا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی فاقے والا حال گذرتا تھا۔

١٣٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَلَا مِنْ لَحْمٍ، إِلَّا عَلَى ضَفَفٍ. قَالَ مَالِكٌ: سَأَلْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: مَا الضَّفَفُ؟ قَالَ: أَنْ يَتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ.

ترجمہ: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلا مہمان کبھی روٹی اور گوشت سے شکم سیر نہیں ہوتے۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے ایک دیہاتی آدمی سے پوچھا: ضفف کا معنیٰ کیا ہے؟ تو اُس نے جواب دیا: لوگوں کے ساتھ کھانا۔

افادات: ہم لوگ اپنے فقر وفاقہ اور اپنی مالی تنگ دستی کا بڑا شکوہ اور شکایت کرتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو گزر بسر ہوتا تھا، وہ ابھی آپ کے سامنے آرہا ہے، شاید ہی کسی کو ایسی نوبت آتی ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس طرح عسرت اور تنگی اور فقر وفاقہ کے ساتھ گذر بسر کرنا یہ اختیاری تھا جیسا کہ پہلے بھی بتلا دیا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ حجاز کے پہاڑ میرے لیے سونے کے بنا دیے جائیں؛ لیکن میں نے عرض کیا کہ: اے اللہ! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں؛ تا کہ تیرا شکریہ ادا کروں، اور ایک دن بھوکا رہوں؛ تا کہ صبر سے کام لوں۔

لفظِ ضفف کا مطلب

''ضفف''، لغت کے اعتبار سے ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کے معنی میں آج بھی اہلِ لغت میں اختلاف ہے، مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک بدوی یعنی دیہات کے رہنے والے سے -کیوں کہ وہ اصلی زبان سے واقف تھے- پوچھا کہ: ضفف کیا ہے؟ اس نے بتلایا کہ: لوگوں کے ساتھ کھانا یعنی اجتماعی حالت میں جب کھانے کی نوبت آتی تھی، تب پیٹ بھر کر تناول فرماتے اور پیٹ بھر کے کھانے کا مطلب وہی ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کسی جگہ اگر اجتماعی حالت یعنی دعوت وغیرہ ہوتی تھی تو پیٹ بھر کر کھانے کی نوبت آتی تھی، ورنہ کبھی پیٹ بھر کے کھانے کی نوبت نہیں آئی۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اب اس پر بعض لوگوں نے اشکال کیا ہے کہ آج اگر کسی کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ دعوت کے اندر پیٹ بھر کے کھاتا ہے اور گھر پر بھوکا رہتا ہے تو یہ چیز عیب کی ہے ایسی چیز کی نسبت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟ اس لیے بعض حضراتِ شراح نے اس مطلب کو پسند نہیں کیا۔

(۱) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ ہمارے زمانے میں اس طرح کی بات جب کسی کے متعلق کہی جاتی ہے تو اس کے بخل کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ دوسروں کے یہاں تو پیٹ بھر کے کھاتا ہے اور اپنے یہاں یعنی گھر پر پیٹ بھر کر کھانے میں بخل کرتا ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور آپ کا خود بھوکا رہ کر لوگوں کو کھلانا یہ تو اتنی معروف چیز ہے کہ اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، یہاں تو صرف آپ کی عسرت اور تنگی کو بتلانا ہے کہ آپ کے پاس اتنی وسعت ہی نہیں ہوتی تھی کہ گھر پر رہ کر پیٹ بھر کر کھانے کی نوبت آئے؛ بلکہ دعوت میں کبھی کبھار اس کی نوبت آتی تھی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مطلب کو راجح قرار دیا ہے۔

(۲) حضراتِ شراح میں سے بعض نے اس معنیٰ کو ناپسند قرار دیا ہے؛ اس لیے انھوں نے دوسرا

مطلب یہ بتلایا ہے کہ میز بانی کی حالت میں شکم سیر ہوکر کھانے کی نوبت آتی تھی۔اس لیے کہ جب مہمان کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں اور اس مجلس میں حضور ﷺ بھی ہیں، اب اگر حضور ﷺ ہاتھ اٹھالیں گے تو ظاہر ہے کہ مہمان بھی ہاتھ اٹھالیں گے اور اس صورت میں ان کے بھوکا رہنے کی نوبت آئے گی؛اس لیے ان کی رعایت میں نبئ کریم ﷺ بھی کھاتے رہتے تھے اور اس کے نتیجے میں شکم سیر ہوکر کھانے کی نوبت آتی تھی۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: آپ کے یہاں جب کوئی مہمان آتا تھا تو ویسے تو آپ کی عام حالت تنگی، فقر وفاقے اور عسرت کی تھی؛ لیکن کیسا ہی آدمی ہو، جب اس کے گھر مہمان آتا ہے تو وہ کچھ نہ کچھ تکلف کر کے بھی مہمان کے لیے انتظام کرتا ہے تو نبئ کریم ﷺ اپنے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے مہمان کے لیے اس کا انتظام کرتے تھے، اس میں آپ ﷺ کے لیے بھی شکم سیر ہوکر کھانے کی نوبت آتی تھی۔

(۴) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہاں مجمع کے ساتھ کھانا مراد ہے، دعوت مقصود نہیں یعنی جب آپ ﷺ تنہا کھاتے تھے تو کبھی پیٹ بھر کر کھانے کی نوبت نہیں آتی تھی، مجمع کے ساتھ جب کھانا ہوتا تھا تو چاہے وہ دعوت کی وجہ سے ہو یا اپنے گھر پر ہو تو مجمع کی رعایت میں شکم سیر ہوکر کھانے کی نوبت آتی تھی، کہ ایسے مجمع میں جب کوئی بڑا آدمی کھا رہا ہوتا ہے اور وہ اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو دوسرے لوگ بھوک ہونے کے باوجود رک جاتے ہیں، اس خیال سے نبئ کریم ﷺ کے شکم سیر ہوکر کھانے کی نوبت آتی تھی۔

۱۳۳ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ.

ترجمہ: حضرت سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: کیا تمھیں اپنی مرضی کے موافق کھانا پینا میسر نہیں؟ (اللہ کی قسم) میں نے تمھارے نبی ﷺ کو (اس حالت میں) دیکھا ہے کہ آپ کو پیٹ بھر ردّی کھجور بھی نہیں ملتی تھی۔

افادات: أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ إلخ: یعنی تمھارا جی چاہتا ہے، ایسی کھانے پینے کی نعمتیں کیا تم کو

ملی ہوئی نہیں ہیں؟ یعنی اللہ نے ساری نعمتیں دے رکھی ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق یہ کھانے پینے کی چیزیں تم استعمال کررہے ہو۔

لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ: نبی کی اضافت ''کم'' (یعنی مخاطبین) کی جانب لوگوں پر الزام قائم کرنے کے لیے ہے یعنی جس پر تم ایمان لائے اور جن کی شخصیت کو تم اپنے لیے مقتدا اور پیروی کا نمونہ سمجھتے ہو، ان کا حال تو یہ تھا۔ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نبیٔ کریم ﷺ کی اقتدا اور پیروی پر ابھارنا چاہتے ہیں، یہ بھی گفتگو کا ایک انداز ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا حال تو یہ تھا کہ آپ دنیا اور اس کی لذتوں سے اپنے آپ کو کنارہ کش رکھتے تھے اور تم اس میں پڑے ہوئے ہو۔

الدَّقَل: معمولی گھٹیا قسم کی کھجور کو دَقَل کہتے ہیں، ایسی کھجور بھی نبیٔ کریم ﷺ کو پیٹ بھر کے نصیب نہیں ہوتی تھی، آپ ﷺ کا یہ حال تھا اور تمھیں اللہ تعالیٰ نے تمھاری مرضی کے مطابق کھانے پینے کی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ اس سے نبیٔ کریم ﷺ کی گذر بسر کی تنگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

١٣٤ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: إِنْ كُنَّا آلَ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ، إِنْ هُوَ إِلَّا الْمَاءُ وَالتَّمْرُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہم گھرانۂ محمد ﷺ کا ایک ایک مہینے تک یہ حال رہا کرتا تھا کہ آگ جلانے کی نوبت تک نہیں آتی تھی، گزارے کی چیز صرف کھجور اور پانی تھا۔

افادات: مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ: ''آگ جلانے کی نوبت نہ آتی تھی'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ہوتی ہی نہیں تھی جس کو پکایا جائے، روٹی وغیرہ ہوتی ہی نہیں تھی کہ جس کی خاطر چولہا سلگانا پڑے، کچھ ہو تو چولہا سلگایا جائے۔

کھجور کے ساتھ پانی کو ذکر کرنے کی وجہ

کھجور اور پانی ہوتا تھا، یہ پانی کا تذکرہ بھی اس لیے فرمایا کہ خالی کھجور بھی پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوتی تھی، وہ بھی قلیل مقدار میں ہوتی تھی اور پانی کے ذریعے سے اس کی کمی کو پورا کیا جاتا تھا۔ کھانے کی چیز کم ہوتی ہے تو پھر آدمی پانی زیادہ پی لیتا ہے؛ تاکہ پیٹ کا تقاضا پورا کر دیا جائے۔

یہاں بھی کہنے کا مطلب یہی ہے کہ کھجور بھی پیٹ بھر کر میسر نہیں ہوتی تھی۔

چولہا نہ جلنے کی روایتوں کا اختلاف

یہاں تو ایک مہینے کا تذکرہ ہے، دوسری روایتوں میں ہے کہ دو مہینے پورے گذر کر تیسرے مہینے کا چاند نظر آتا تھا اور گھروں میں چولھا جلنے کی نوبت آتی نہیں تھی! دو دو مہینے مسلسل! ہمارے یہاں تو ایک دن کا اگر فاقہ ہوجائے تو شور مچ جاتا ہے، لوگ بے چین ہوجاتے ہیں کہ فاقہ ہوگیا اور یہاں تو دو دو مہینے فاقے سے گذر جاتے تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک چاند اور پھر دوسرا چاند آجاتا تھا کہ نبئ کریم ﷺ کے گھروں میں یعنی ازواجِ مطہرات کے یہاں آگ جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو ان کے شاگرد بھی ہیں، اس روایت کو ان سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے پوچھا کہ پھر کس چیز پر گذر رہوتا تھا تو فرمایا کہ: کھجور اور پانی پر۔ اور جیسا کہ اوپر بتلایا گیا کہ پانی کا تذکرہ اسی لیے کیا کہ کھجور بھی اتنی نہیں ہوتی تھی کہ جس سے پیٹ بھر سکے اس کی کمی کو پانی کے ذریعے پورا کیا جاتا تھا۔

۱۳۵ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ، أَخْبَرَنَا سَهْلُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَنْصُورٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْجُوعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَطْنِهِ عَنْ حَجَرَيْنِ.
قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي طَلْحَةَ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ: وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ، كَانَ أَحَدُهُمْ يَشُدُّ فِي بَطْنِهِ الْحَجَرَ مِنَ الْجَهْدِ وَالضَّعْفِ الَّذِي بِهِ مِنَ الْجُوعِ.

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے بھوک کی شکایت کی، اور ہم نے اپنے پیٹ سے (آپ کو دکھانے کے لیے) کپڑا ہٹایا جس پر ایک ایک پتھر (بندھا ہوا) تھا، اس پر حضور ﷺ نے دو پتھروں سے (بندھے ہوئے) اپنے شکم سے (کپڑا) ہٹایا۔

ابوعیسیٰ نے کہا: ابوطلحہ کی حدیث کے حوالے سے یہ حدیث غریب ہے، ہمیں اسی طریق سے معلوم ہے۔ اور

ان کے قول وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ کا معنیٰ یہ کہ: بھوک کی وجہ سے لاحق ہونے والی کمزوری اور مشقت کی وجہ سے وہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔

افادات:

پتھر باندھنے کی توجیہات

(۱) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: وہ لوگ بھوک کے اندر مشقت اور ضعف کی وجہ سے پیٹ کے اوپر پتھر باندھتے تھے؛ تاکہ چلنے میں ضعف لاحق نہ ہو سکے، چوں کہ بھوک زیادہ ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے کمر جھک جاتی ہے، ضعف کی وجہ سے سیدھی نہیں رہتی تو پتھر باندھ کر، اوپر کپڑا کس دیتے تھے؛ تاکہ کمر سیدھی رہے، چلنے میں ضعف کا احساس نہ ہو، اس لیے پتھر باندھا جاتا تھا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: مدینۂ منورہ میں ایک مخصوص قسم کا پتھر ہوتا تھا جس کو مُشْبِعَة کہتے تھے، جس کی خاصیت یہ تھی کہ بھوک کی حالت میں اگر اسے پیٹ پر باندھا جاتا تو بھوک کے اندر کچھ تسکین ہو جاتی تھی، بھوک کی وجہ سے جو بے چینی کی کیفیت ہوتی ہے، وہ دور ہو جاتی تھی۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بھوک میں جب پیٹ خالی ہوگا تو اس کی وجہ سے گیس پیدا ہو جاتی ہے اور یہ خالی پیٹ آدمی کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے، تو خالی ہونے کی وجہ سے پیٹ میں نفخ اور گیس پیدا نہ ہو اس کے لیے پتھر باندھ کر اس پر کس کر کپڑا باندھ دیا کرتے تھے؛ تاکہ نفخ اور گیس کی کیفیت پیدا نہ ہو۔

پیٹ پر پتھر باندھنے پر اشکال اور اس کے جوابات

یہاں شراح نے ایک سوال قائم کیا ہے کہ: روایتوں میں آتا ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''صومِ وصال'' رکھتے تھے۔ صوم وصال کا مطلب یہ ہے کہ کئی روز تک مسلسل اس طرح روزہ رکھا جائے کہ درمیان میں افطار اور سحری کی نوبت نہ آئے۔ کوئی آدمی چار روزے اس طرح رکھے کہ آج شروع کیا تو چوتھے روز کے بعد پیٹ میں دانہ پڑے گا۔ اس کے درمیان میں نہ پانی نہ کوئی اور چیز، اس کو ''صومِ وصال''

کہتے ہیں، حاصل یہ کہ دو یا زیادہ روزے اس طرح رکھنا کہ درمیان میں کھانے پینے کی نوبت نہ آئے، نہ افطار ہو اور نہ سحری۔ نبیٔ کریم ﷺ صومِ وصال رکھتے تھے، آپ ﷺ کا صومِ وصال دیکھ کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی شروع کر دیا تھا، نبیٔ کریم ﷺ نے ان حضرات کو جنھوں نے آپ کی دیکھا دیکھی صوم وصال شروع کیا تھا منع کر دیا کہ تم صوم وصال مت رکھو؛ اس لیے کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضور ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ: میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے تو بھوک کی وجہ سے پتھر باندھنے کی نوبت کیوں آئی؟ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں!

(۱) بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ: صومِ وصال والی روایتیں راجح ہیں اور پتھر والی روایت اس کے مقابلے میں ضعیف ہے، جب کہ بہت سے حضرات کہتے ہیں کہ نہیں پتھر باندھنے والی روایتیں بھی بہ کثرت ہیں۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، یہ اللہ کی طرف سے آپ کو اعزاز اور انعام عطا کیا گیا تھا، جو روزے کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جب آپ صوم وصال رکھتے تھے، تب یہ چیز آپ کو حاصل ہوتی تھی اور آپ دیکھیں گے کہ عام مسلمانوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ عام حالت میں اگر صبح سے شام تک بھوکے رہیں گے تو بے قرار ہو جائیں گے؛ لیکن روزے میں صبح سے شام تک بھوکا رہنے کی صورت میں بھوک کا خاص احساس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے، اور ایسا کرنا آسان ہو جاتا ہے، روزہ کی نیت کی برکت ہوتی ہے۔ بہر حال نبیٔ کریم ﷺ کو یہ چیز صوم وصال والی حالت میں حاصل ہوتی تھی، اگر صومِ وصال نہیں ہے تو اس میں بھوک کی وجہ سے پتھر باندھنے کی نوبت پیش آئی تو اس میں اشکال نہیں ہو سکتا۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ حالات کا اختلاف ہے کہ کبھی یہ کبھی وہ۔ اللہ والے جو ہوتے ہیں، ان کو دو قسم کی صورت پیش آتی ہے:

گہے برطارمِ اعلیٰ نشینم	*	گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

اللہ والوں کے مختلف احوال

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان کے اندر ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ: مغرب کے رہنے والے بزرگ بغداد آئے اور وہاں مسجد میں وضو فرما رہے تھے، پاؤں پھسلا اور حوض میں گر پڑے، بڑی مشکل سے ان کو نکالا گیا، ڈوبتے ڈوبتے جان بچ گئی تو یہ منظر دیکھ کر ان کے کسی عقیدت منداور مرید نے عرض کیا کہ: حضرت! فلاں روز تو آپ کو دیکھا تھا کہ آپ سمندر میں پانی کے اوپر چل رہے تھے اور آپ کے پاؤں بھی بھیگ نہیں رہے تھے اور آج اس تھوڑے سے پانی میں ڈوبنے میں کوئی کسر باقی نہ رہی، کیا بات ہے؟ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ:

گہے برطارمِ اعلیٰ نشینم	*	گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

وہاں اس موقع پر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے:

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند	*	کہ اے روشن گہر پیرِ خرد مند

کہ ایک آدمی نے اس بڑے میاں سے جنھوں نے اپنا بیٹا کھویا تھا یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ: کیا بات ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنعان کے کنویں میں ڈالا تھا، کنعان ان کا وطن تھا، وہاں جنگل میں سیر کرنے کے لیے گئے تھے، وہاں کنویں میں ڈالا تھا تو اس کا تو آپ کو پتہ نہ چلا۔

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی	*	چرا در چاہ کنعانش ندیدی

مصر میں جب یوسف نے اپنا کُرتا اپنے بھائیوں کو دیا تو یہاں آپ کو اس کی خوشبو کی مہک آنے لگی اور جب وہ یہاں تھے تو پتہ بھی نہیں چلا؟ اس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

بگفتا احوالِ ما برقِ جہان ست	*	دمے پیدا ودیگردم نہان ست

ہمارے حالات تو کوندنے والی بجلی کی طرح ہوتے ہیں۔آپ نے اندھیری رات میں بجلی کو دیکھا ہوگا، جب وہ بجلی کوندتی ہے، چمکتی ہے تو ساری چیزیں روشن ہوجاتی ہیں، ایک سوئی بھی نظر آجاتی ہے

اور جہاں وہ بجلی بند ہوگئی، گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے تو کبھی اتنی تیز روشنی، کبھی ایسا اندھیرا۔

گہے برطارم اعلی نشینم	*	گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کبھی تو آسمان پر پہنچ جاتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت پر بھی نظر نہیں جاتی۔

اللہ تعالیٰ اس طرح کے الگ الگ حالات اہل اللہ پر طاری کرتے ہیں، اسی طرح یہاں پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات الگ الگ ہوتے تھے، صومِ وصال میں وہ کیفیت تھی اور فاقے کے اندر یہ کیفیت کہ آپ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے تھے۔

(۴) بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ بھوک کی شدت کو آپ اتنا محسوس نہیں کرتے تھے؛ لیکن آپ دیکھتے تھے کہ آپ کے رفقاء حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور جن میں غریب فقراء بھی ہیں، وہ بھوک سے دوچار ہیں اور بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رہے ہیں تو ان کے ساتھ اشتراکِ عمل کے طور پر باندھتے تھے؛ تاکہ ان کے لیے تسلی کا سامان ہو۔ جب چھوٹوں پر کوئی مصیبت آتی ہے اور اس مصیبت میں بڑا بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائے تو ان کی ہمت بندھ جاتی ہے اور ان کے لیے تسلی کا سامان ہو جاتا ہے؛ اس لیے اس عمل میں شریک ہونے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھر باندھتے تھے۔

یہاں مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گذر بسر کتنی تنگی کے ساتھ ہوتی تھی کہ دو دو پتھر پیٹ پر باندھنے پڑتے تھے۔

۱۳۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، أَخْبَرَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا أَحَدٌ، فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ فَقَالَ: خَرَجْتُ أَلْقَى رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَنْظُرُ فِي وَجْهِهِ، وَالتَّسْلِيمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ؟ قَالَ: الْجُوعُ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ ﷺ: وَأَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذَلِكَ، فَانْطَلِقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيرَ النَّخْلِ وَالشَّاءِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ، فَلَمْ يَجِدُوهُ،

فَقَالُوا لِامْرَأَتِهِ: أَيْنَ صَاحِبُكِ؟ فَقَالَتْ: انْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ، فَلَمْ يَلْبَثُوا أَنْ جَاءَ أَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعَبُهَا، فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ ﷺ وَيَفْدِيهِ بِأَبِيهِ وَأُمِّهِ، ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حَدِيقَتِهِ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا، ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى نَخْلَةٍ فَجَاءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهِ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا، أَوْ تَخَيَّرُوا مِنْ رُطَبِهِ وَبُسْرِهِ، فَأَكَلُوا وَشَرِبُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هَذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ، وَرُطَبٌ طَيِّبٌ، وَمَاءٌ بَارِدٌ. فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ دَرٍّ، فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَدْيًا، فَأَتَاهُمْ بِهَا فَأَكَلُوا، فَقَالَ ﷺ: هَلْ لَكَ خَادِمٌ؟ قَالَ: لَا. قَالَ: فَإِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا. فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ، فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اخْتَرْ مِنْهُمَا، قَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، اخْتَرْ لِي. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ، خُذْ هَذَا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي، وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا. فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا أَنْ تَعْتِقَهُ قَالَ: فَهُوَ عَتِيقٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا، وَمَنْ يُوقَ بِطَانَةَ السُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت (گھر سے) باہر نکلے جس میں نہ نکلتے اور نہ اُس وقت میں کوئی شخص آپ کی ملاقات کے لیے جاتا، پھر آپ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے ابوبکر! تمھیں اِس وقت کون سی چیز لے آئی؟ جواب دیا: میں اللہ کے رسول کی ملاقات اور چہرۂ انور کی زیارت وسلام کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، آپ نے پوچھا: اے عمر! تمھیں کون سی چیز لے آئی؟ جواب دیا: اے اللہ کے رسول! بھوک (کی بے قراری کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں)۔ تب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھوک تو مَیں بھی کچھ محسوس کر رہا ہوں۔ پھر یہ سب حضرات ابوالہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے، ان کے پاس کئی کھجوروں کے درخت اور کئی بکریاں تھیں؛ البتہ ان کے یہاں خادم نہ تھا، ان حضرات نے ان (صحابی) کو نہ پایا تو ان کی بیوی سے پوچھا کہ: تمھارے خاوند

کہاں ہیں؟ بیوی نے کہا: ہمارے لیے میٹھا پانی لینے کے لیے گئے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بدقّت ایک مشک اٹھائے ہوئے آئے، اس کو رکھا، پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغل گیر ہوگئے اور فرمانے لگے: آپ پر میرے ماں باپ قربان! اس کے بعد ان حضرات کو اپنے باغ میں لے گئے، ان کے لیے ایک فرش بچھایا، پھر وہ کھجور کے درخت کے پاس جا کر ایک خوشہ لے آئے اور آپ کے سامنے پیش کیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: (کچی پکی کھجوروں کے بہ جائے) ہمارے واسطے صرف پکی کھجوریں چن کر لے آتے! انھوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! (مختلف انواع والا خوشہ) میں اس غرض سے لے آیا ہوں کہ آپ لوگ پکی اور گدری کھجوریں حسبِ رغبت نوش فرمائیں، ان حضرات نے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا، اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اُس مالک کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ ان نعمتوں کے قبیل سے ہے جن کے متعلق قیامت کے دن تم سے پوچھ ہوگی، یہ ٹھنڈی چھاؤں، عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی (کتنی عظیم نعمتیں ہیں)!، پھر ابوالہیثم رضی اللہ عنہ ان حضرات کے لیے کھانا تیار کرنے کے واسطے جانے لگے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ہمارے لیے دودھ والی بکری ذبح مت کر دینا۔ انھوں نے ان حضرات کے واسطے بکری کا بچہ ذبح کیا اور (کھانا پکا کر) ان حضرات کے سامنے پیش کیا، پھر سارے حضرات نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان صحابی سے) پوچھا: کیا تمھارے پاس کوئی خادم ہے؟ عرض کیا کہ: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب ہمارے پاس قیدی آئیں تو ہمارے یہاں آنا۔ چناں چہ (ایک موقع سے) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صرف دو غلام آئے جن کے ساتھ تیسرا (غلام) نہ تھا، ابوالہیثم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اِن دو میں سے کسی کو پسند کر لیجیے، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہی پسند کر دیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ: بلاشبہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے، اِس غلام کو لے لیں؛ اس لیے کہ مَیں نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور مَیں تاکید کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس گئے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے باخبر کیا، تو ان کی بیوی نے کہا کہ: اِس کے حق میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات فرمائی ہے آپ کماحقہٗ اس کی تعمیل نہیں کر سکیں گے؛ مگر یہ کہ آزاد کر دیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ: (ٹھیک ہے پھر تو) وہ آزاد ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان کا یہ عمل معلوم ہوا تو) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس کسی نبی اور خلیفہ کو بھیجا اُن کے لیے دو خفیہ مشیر رکھے: ایک بھلائی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے، اور دوسرا مشیر فساد کرانے/ تباہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، جس شخص کو برے مشیر سے بچا لیا گیا اُس کو (ہر قسم کی برائی سے) بچا لیا گیا۔

افادات: حضور ﷺ کے گذر بسر کا بیان چل رہا تھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کس طرح فقر وفاقہ اور عسرت کے ساتھ گذارا فرماتے تھے، اسی سلسلے میں یہ روایت پیش فرماتے ہیں۔

فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا: ہوسکتا ہے کہ دوپہر کا وقت ہو، عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ دوپہر کو قیلولہ کے وقت آدمی گھر پر ہوتا ہے، نہ خود نکلتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اس سے ملاقات کے لیے آتا ہے۔ عام طور پر کوئی ایمرجنسی (emergency) ضرورت پیش ہوتی ہے، تبھی آدمی بے وقت نکلتا ہے۔

دیدارِ یار نے بھوک پیاس کی شدت بھی بھلادی

آپ کے باہر تشریف لانے کے تھوڑی ہی دیر بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر کیوں تشریف لائے؟ بعض روایتوں کو سامنے رکھ کر کچھ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی- جیسا کہ آگے حضور ﷺ اپنا حال بیان فرمائیں گے- بھوک کا تقاضا تھا اور بھوک سے بے چین ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لائے تھے۔

البتہ حضور ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بھوک بھول گئے، ان کو یاد ہی نہیں رہا کہ میں بھوک کی وجہ سے باہر نکلا ہوں، انھیں حضور ﷺ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اور حضور ﷺ کو دیکھنا ان کا ایک محبوب مشغلہ تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کا محبوب مشغلہ کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ: نبیٔ کریم ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت اور اپنے مال کو آپ پر خرچ کرنا۔ بہر حال! بعض علماء تو یوں فرماتے ہیں کہ: ان کو بھی بھوک کا تقاضہ تھا، اسی سے بے چین ہو کر وہ باہر نکلے؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھ کر اپنی بھوک بھول گئے اور حضور ﷺ کے پوچھنے پر وہ جواب دیا جو آگے آرہا ہے۔

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: وہ اگر نبیٔ کریم ﷺ کو اپنی بھوک کے متعلق بتلاتے تو یہ سمجھ کر اور یہ سوچ کر کہ میری بھوک کا حال سن کر نبیٔ کریم ﷺ کو تکلیف ہوگی، انھوں نے اصل وجہ بیان نہیں کی۔

بعض مرتبہ آدمی کا خود کا جو حال ہوتا ہے اس سے آدمی کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی، جتنا کہ اپنے قریبی لوگوں کی بدحالی کی وجہ سے ہوتی ہے، آدمی خود بھوکا ہے؛ لیکن اپنی بھوک کا اتنا احساس اور اتنی تکلیف نہیں ہوتی، جتنی تکلیف اپنے بیٹے اور اپنے دوسرے عزیزوں کی بھوک کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بہر حال! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ کر کہ اگر میں یوں کہوں گا کہ میں بھوکا ہوں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سن کر تکلیف ہوگی، انھوں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: دراصل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ جو تعلق اور جو مناسبت تھی، اس کمالِ مناسبت کی وجہ سے جو بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک پر آتی تھی، وہی خیال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی گذرتا تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جوابات میں یکسانیت

بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ ان واقعات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہی انداز اختیار کیا جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار کیا۔ چناں چہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جب صلح ہوگئی تو تمام ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو ناگوار گذرا؛ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دم بے قابو ہو کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم لوگ حق پر اور یہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ بہت سی چیزیں دریافت کیں اور ہر سوال کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اور آپ کے ان جوابات کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل کو اطمینان اور تسلی نہیں ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس وقت وہاں موجود نہیں تھے، لشکر کی قیام گاہ میں دوسری طرف کنارے پر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں گئے اور ہو بہو وہی سوالات کیے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہو بہو وہی جوابات دیے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیے تھے۔

من تو شدم، تو من شدی

اس طرح اور بھی بہت سارے ایسے واقعات ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہی چیز اختیار کی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو طبعی طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ وہ

مناسبت اور وہ تعلق تھا کہ جو چیز آپ ﷺ کے قلبِ مبارک میں آتی تھی، ان کے قلب پر بھی آتی تھی۔ بعض حضرات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقام بتلانے کے لیے اسی کو تعبیر کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ اگر کسی آئینے کے سامنے کھڑے ہوں تو آپ ﷺ تو آپ ہیں؛ لیکن آئینے میں جو عکس نظر آتا تھا گویا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

بہر حال! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب حضور ﷺ بے وقت اپنے مقام سے باہر تشریف لائے تو اس کمالِ تعلق اور مناسبت کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی غیر اختیاری طور پر داعیہ پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے گھر سے باہر نکلے اور باہر نکلتے ہی نبیٔ کریم ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔

حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

ابو الہیثم کنیت ہے، نام: مالک ہے اور والد کا نام: عامر ہے۔ ”تیہان“ ان کے والد کا لقب تھا، یہ اُن حضراتِ انصار رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھ پر عقبہ میں بیعت کی تھی اور بیعتِ عقبہ کے بعد نبیٔ کریم ﷺ نے حضراتِ انصار میں سے بارہ حضرات کو نقیب مقرر کیا تھا کہ وہ اسلام کی اشاعت کریں گے۔ اس روز حضرت جبرئیل حضور ﷺ کے پاس وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت جبرئیل جن کی طرف اشارہ کرتے تھے حضور ﷺ اس کو نقیب کے طور پر مقرر فرماتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ابو الہیثم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو نبیٔ کریم ﷺ نے انصار میں سے نقیب مقرر کیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان حضرات سے کہا کہ: ان کے گھر چلیں، یہ لوگ روانہ ہوئے۔ حضور ﷺ ان حضرات کو لے کر ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ بڑی مقدار میں کھجوروں کے درخت اور بکریوں کے مالک تھے۔

حضرت ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کی سادگی

ان کے پاس کوئی خدمت گار نہیں تھا، کام کاج کرنے والا نوکر چاکر نہیں تھا، اس قدر مال دار ہونے کے باوجود سارا کام خود ہی کرتے تھے۔ چناں چہ یہ حضرات ان کے گھر تشریف لے گئے، ان

حضرات نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کو ان کے مکان پر نہیں پایا؛ کیوں کہ وہ موجود نہیں تھے۔

مدینۂ منورہ میں میٹھے پانی کی قلت

مدینۂ منورہ میں ہر جگہ میٹھا پانی میسر نہیں تھا، عام طور پر وہاں کا پانی کھارا اور نمکین ہوا کرتا تھا، کچھ ہی کنوؤں میں میٹھا پانی تھا؛ اس لیے مدینہ والوں کو اپنے پینے کے لیے میٹھے پانی کا خاص طور سے انتظام کرنا پڑتا تھا، کہیں دور سے خاص اہتمام کر کے لانا پڑتا تھا۔

زعب: پانی کا مشکیزہ وزنی ہوتا ہے، اس کو اس انداز سے اٹھانا کہ جس کی وجہ سے پانی بھی اندر سے چھلکتا ہو۔ زعب یزعب: چھلکاتے ہوئے اور مشقت سے اٹھائے ہوئے آنا۔

میزبان کی فدائیت

مشکیزہ زمین پر رکھتے ہی مارے خوشی کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمٹ گئے کہ آج میرے گھر پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے! اور اپنے ماں باپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کرنے لگے یعنی یوں عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ میرے یہاں تشریف لائے ہیں۔ خوشی خوشی آپ کا استقبال کرتے ہیں۔ اب ان تینوں حضرات کو اپنے باغ میں لے گئے اور باغ میں جا کر ان کے بیٹھنے کے واسطے بچھونا بچھایا، اور پھر وہ ایک کھجور کے درخت کے پاس گئے اور وہاں سے کھجور کا ایک بڑا خوشہ توڑ کر لائے اور ان کے سامنے رکھا۔

مہمان کی رعایت

پورے خوشے میں ہر طرح کی کھجوریں ہوتی ہیں، پکی ہوئی بھی، اَدھ پکی بھی اور کچی بھی، یہ پورا توڑ کر لائے، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ کی، آپ پورا خوشہ توڑ کر لائے، اس میں سے جو پکی پکی کھجوریں تھیں، وہ چن کر توڑ لاتے، اس طرح پورا خوشہ لانے سے بعض کھجوریں ضائع نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس عمل پر اُن کو ٹوکا کہ پورا خوشہ کیوں توڑ کر لائے، اندر سے پکی پکی کھجوریں چن لیتے اور لے آتے۔ انھوں نے عرض کیا: میں قصداً یہ پورا توڑ کر لایا ہوں؛ اس لیے کہ لوگوں کا

مزاج اور پسند الگ الگ ہوتی ہے: بعض لوگوں کو پکی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں، بعض لوگوں کو ادھ پکی ہوئی اچھی لگتی ہیں اور بعض لوگوں کو کچی اچھی لگتی ہیں، میں اس لیے ہر طرح کی لے آیا کہ آپ حضرات اپنی پسند سے خوشے سے جیسی بھی کھجور کی رغبت ہو؛ پکی، ادھ پکی، کچی نوش فرمائیں۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ: ان کے اس عمل کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحسین فرمائی۔ پھر ان حضرات نے اس خوشے میں سے کھجوریں توڑ کر کھائیں اور کھانے کے بعد میٹھا پانی پیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کا نبوی اہتمام

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت کا کوئی موقع چوکتے نہیں تھے، کوئی بھی معاملہ پیش آتا، ان کو کسی چیز کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہوتی تو فوراً آپ اس کا اہتمام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بھوک کی بے چینی کی حالت میں کھجور کھلائیں، پانی پلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات شیخین کو کہا: هَذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

قرآن میں سورۂ تکاثر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ ٱلنَّعِيمِ ﴿٨﴾﴾ [التکاثر] کہ قیامت کے روز تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان نعمتوں کے متعلق۔ جو اس نے دنیا میں تم کو عطا فرمائی تھیں۔ پوچھا جائے گا کہ: ہم نے یہ نعمتیں دی تھیں، تم نے ان کا کیا حق ادا کیا؟ شکر گزاری کی یا نہیں؟

قیامت میں تین دفتر

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ: قیامت کے دن جب آدمی حساب کتاب کے لیے پیش ہوگا، تو تین رجسٹر لائے جائیں گے: ایک رجسٹر میں تو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا تذکرہ ہوگا جو اللہ نے دنیا میں اسے عطا فرمائی تھیں، پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک جو کچھ بھی اللہ کی نعمتوں میں سے اس نے استعمال کیا، وہ سب اس رجسٹر میں درج ہوگا، اتنے گلاس پانی پیا، اتنی سانسیں لیں، اتنی ہوا استعمال کی، اتنا کھانا کھایا، بیوی، بچے، گھر، ان ساری چیزوں کا اندراج ہوگا، ساری نعمتوں کا تذکرہ ہوگا۔

دوسرے رجسٹر میں یہ درج ہوگا کہ آدمی نے دنیا میں اللہ کی کتنی عبادتیں کی تھیں، اس نے اتنی نمازیں پڑھیں، اتنے روزے رکھے، اتنا قرآن پڑھا، اتنی تسبیح پڑھی، سب لکھا ہوا ہوگا اور تیسرے رجسٹر میں اس کے گناہوں کا تذکرہ ہوگا۔

جب آدمی کو حساب کتاب کے لیے پیش کیا جائے گا اور تینوں رجسٹر لائے جائیں گے، کہ یہ اس کا کچا چٹھا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اس کو عطا فرمائی تھیں، وہ نعمتوں کے رجسٹر میں درج ہوں گی، زندگی میں اللہ تعالیٰ نے جو سب سے چھوٹی نعمت دی تھی! اس نعمت کو اللہ تعالیٰ یوں کہیں گے کہ: جا! تو جا کر اس کی عبادتوں میں سے اپنی قیمت وصول کرلے۔ روایتوں میں ہے کہ: وہ نعمت آگے بڑھے گی اور اس کی ساری عبادتوں کو سمیٹ لے گی، زندگی بھر کی جتنی عبادتیں کی تھیں، سب کو سمیٹ لے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے، تو وہ جواب میں عرض کرے گی: میں نے اس کی ساری عبادتیں لے لیں تب بھی میری قیمت وصول نہیں ہوئی، ایک چھوٹی نعمت کی قیمت بھی ادا نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرنا بھی شکر ہے

الغرض! یہاں نبیٔ کریم ﷺ تربیت فرما رہے ہیں ان حضرات کی اور ان کے واسطے سے ہم سب اور قیامت تک آنے والی پوری امت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے متعلق قیامت کے روز تم سے سوال کیا جائے گا: ظِلٌّ بَارِدٌ: ٹھنڈی چھاؤں۔ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ: عمدہ، تازہ کھجوریں اور مَاءٌ بَارِدٌ: ٹھنڈا پانی۔ آپ ان نعمتوں کو بیان کر رہے ہیں کہ آپ کا یہ اندازِ بیان خود شکر گزاری ہو جائے، اس طرح بیان کرنا بھی ایک طرح کا شکر ہے، اس انداز سے جب آدمی بولتا ہے کہ اللہ نے کیا کیا دیا ہے، اس نے کیسی کیسی نعمتیں دی ہیں، یہ بھی شکر ادا کرنے کا ایک انداز ہے۔

ایک اہم سبق

دودھ والی بکری ذبح کرنے سے منع فرمایا؛ اس لیے کہ گوشت کھانے کا مقصد تو اس بکری سے بھی

حاصل ہوجائے گا جو دودھ نہیں دیتی۔ اگر دودھ دینے والی بکری ذبح کریں گے تو گوشت کا مقصد تو اس سے حاصل ہوگا لیکن دودھ کا فائدہ ختم ہوجائے گا۔

دیکھو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور تربیت! اس سے ہمیں اپنی زندگی کے اندر ان چیزوں کا لحاظ کرنے کی تعلیم ملتی ہے کہ ہم جب کسی چیز کو اپنے کام کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ کریں تو اس میں ان پہلوؤں کا بھی لحاظ رکھیں، ایسا نہ ہو کہ جس کام کے لیے استعمال کر رہے ہوں، وہ تو پورا ہو رہا ہو؛ لیکن ساتھ میں دوسرا نقصان بھی ہو رہا ہو، تو ایسی صورت میں دوسری چیز استعمال کریں جس میں یہ نقصان نہ ہوتا ہو۔ یہ بہت بڑی تعلیم ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے رہے ہیں۔ بہر حال! ان کو تاکید کی کہ دودھ دینے والی بکری ذبح مت کرنا۔ چناں چہ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے بکری کا چار مہینے یا ایک سال سے کم کا بچہ ذبح کیا اور پھر پکا کر تیار کر کے ان کی خدمت میں لاکر پیش کیا، ان حضرات نے کھانا تناول فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ صورت حال دیکھی کہ وہ سارا کام خود کر رہے ہیں، پانی بھی لینے کے لیے خود گئے، خوشہ توڑنے بھی خود گئے، بکری کا بچہ بھی خود ذبح کر کے پکایا، سب کچھ بذاتِ خود کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمھارے پاس کوئی نوکر یا کام کرنے والا نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ چوں کہ جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور اس میں قیدی بھی آتے رہتے تھے اور ان قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: جب ہمارے پاس کوئی قیدی آئے تو تم ہمارے پاس آنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کلام سے مقصد یہ تھا کہ ہم تم کو کوئی غلام خدمت کے لیے دیں گے۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو غلام لائے گئے، ان کے ساتھ تیسرا نہیں تھا، دو ہی تھے۔ جب حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو غلام آئے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ جب وہ آئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سمجھ گئے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دو ہیں، ان میں سے تم کوئی ایک پسند کر لو، اور جو چاہو لے جاؤ۔

مشورے کا ایک ادب اور خادم کی صفت

إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ: بعض روایتوں میں ہے کہ: جیسے اپنا معاملہ ہوتا ہے اور اپنے لیے جو

چیز پسند کرتا ہے، وہ اس کے لیے پسند کرے۔ یہ مشورے کا ایک ادب ہے، گویا حکم ہے کہ جس سے مشورہ کیا جاتا ہے، وہ امانت دار ہوتا ہے۔

فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي: اس پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: آج کل کوئی ایسا ہوتو اس کو نہیں رکھیں گے؛ کیوں کہ ہمارے کام میں تاخیر ہوگی، نعوذ باللہ .

مثالی بیوی کا بے مثال اقدام

مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ إلخ: اتنی مدت کے بعد بڑی تمناؤں سے یہ غلام ملا تھا؛ لیکن ان کی بیوی نے ان کو یہ مشورہ دیا، یہ بھی نہیں سوچا کہ چلو کچھ دن تو خدمت کے لیے رکھ لو، بعد میں آزاد کردیں گے، نہیں! انھوں نے کہا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کے سلسلے میں اچھے سلوک کی جو تاکید فرمائی ہے، تم اس پر کما حقہ عمل نہیں کرسکو گے، سوائے اس کے کہ تم اس کو آزاد کردو۔ یہ بھی بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردہ اور آپ کے تربیت یافتہ تھے، انھوں نے فوراً کہا کہ: تب تو یہ آزاد ہے۔

إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا إلخ: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پتہ چلا کہ ہم نے ان کو جو غلام دیا تھا، بیوی نے اسے آزاد کرنے کا مشورہ دیا اور انھوں نے بھی اسے آزاد کردیا، اس سے کوئی خدمت بھی نہیں لی، میری نصیحت کا اور میری تاکید کا انھوں نے اتنا زیادہ اثر لیا تو اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اصول ارشاد فرمایا، وہ تکوینی اصول ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا کو جو بنایا ہے اس میں یہی چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جس نبی کو بھی بھیجا یا اس نبی کے کسی جانشین اور ماننے والے کو بھیجا تو اس کے دو باطنی مشیرِ کار، صلاح کار، مشورہ دینے والے، ایسے رازدار جن کے سامنے وہ سب کچھ کہتا ہے اور اس سلسلے میں وہ اس کو صلاح دیتے ہیں، پیدا فرمائے۔ قدرت کا ایک نظام ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو کچھ قدرت، اختیارات، پاورس (powers) دیتے ہیں تو اس کے پاس اس کے دوستوں کے حلقے میں یا اس کے ماننے والوں کے حلقے میں ایسے کچھ آدمی بھی پیدا کرتے ہیں، جن کی بات پر یہ دھیان دیتا ہے اور جن کے سامنے وہ اپنی ساری باتوں کو پیش کرتا ہے اور جن سے وہ اپنی باتوں میں اور اپنے معاملات میں مشورہ لیتا ہے۔

اچھے مشیر کی صفات

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: قدرت کا ایک نظام ہے، ایسے ہر ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کے دو باطنی مشیر اور صلاح کار، راز دار دیے جاتے ہیں: ایک مشیر تو وہ ہوتا ہے جو اس کو اچھی ہی بات کا حکم دیتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے، وہ جب بھی اس کے سامنے اپنے حالات پیش کرے گا تو وہ اس کو ہمیشہ اچھا مشورہ دے گا؛ اچھی بات رکھے گا تو کہے گا کہ: کرو اور غلط اقدام اور غلط کام کرنے سے اس کو روکے گا۔

برے مشیر کی صفات

دوسرا باطنی مشیر اور راز دار قدرت کی طرف سے ایسا بھی ملا ہوا ہے کہ اس کے سامنے جب بھی وہ اپنی ساری باتوں کو پیش کرتا ہے تو وہ اس کو ہلاکت میں ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا، یعنی اسے برباد کرنے والے غلط غلط مشورے دیتا ہے۔ یہ قدرت کا نظام ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے ہر ایک آدمی کو یعنی صاحبِ اختیار کو اندرونی طور پر ایسے دو مشیر ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

ساتھ میں یہ بھی نظام ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کامیاب کرنا چاہیں، اس کو اچھے صلاح کار اور اچھے مشیر کی بات پر عمل کرنے کی اور اس کو ماننے کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو برباد کرنا چاہتے ہیں وہ اس کی بات نہیں مانتا، وہ دوسرے کی مانتا ہے اور وہ اس کو بربادی کے راستے پر ڈالتا ہے اور جو اپنے برے صلاح کار کے شر سے بچا دیا گیا وہ برائی سے بچ گیا۔

حدیث اور باب کے درمیان مناسبت

یہاں تو اِس روایت کو لاکر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دیکھو نبیٔ کریم ﷺ کا گذر بسر کیسا تھا کہ ایسا موقع اور ایسا وقت بھی آتا تھا، حالاں کہ آپ تو بھوک پر بہت قوت کے ساتھ صبر کرنے والے اور برداشت کرنے والے تھے، تب بھی ایک وقت ایسا آیا کہ بھوک سے بے چین ہو کر آپ باہر نکل آئے اور یہ معاملہ صرف حضور ﷺ کو نہیں؛ بلکہ آپ کے جو خاص قریبی حضراتِ شیخین: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے ساتھ بھی پیش آیا، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کا گذارا کیسی دشواری کے ساتھ، کیسی عسرت کے ساتھ، کیسے فقروفاقے اور غربت کے ساتھ ہوتا تھا۔

۱۳۷ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ بَيَانِ بْنِ بِشْرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ أَهْرَاقَ دَمًا فِي سَبِيلِ اللهِ، وَإِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَغْزُو فِي الْعِصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَا نَأْكُلُ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةَ حَتَّى تَقَرَّحَتْ أَشْدَاقُنَا، حَتَّى إِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيرُ، وَأَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي فِي الدِّينِ؟ لَقَدْ خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ عَمَلِي .

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں (کافروں کا) خون بہایا، اور مَیں پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، (اللہ کی قسم) ایک دور وہ تھا کہ مَیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر جہاد کرتا تھا، ہم لوگ صرف درخت کے پتوں اور خاردار درختوں کے پھل (یعنی کیکر کی پھلیاں) کھاتے تھے؛ یہاں تک کہ ہمارے جبڑے زخمی ہوجاتے، اور قضائے حاجت کے وقت ہمارا فضلہ بکری اور اونٹ کی مینگنیوں کی طرح ہوتا تھا، اور (تعجب ہے کہ) اس کے بعد بھی بنو اسد کے لوگ دین کے بارے میں مجھ کو ادب سکھلاتے/ دھمکاتے ہیں! (اگر دین سے میری ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں) تب تو میں ناکام ہوا اور میرے اعمال رائیگاں گئے۔

افادات:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بعض حالات

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، قبیلۂ بنوزہرہ - جو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا قبیلہ ہے - سے ان کا تعلق تھا۔ بہت شروع میں اسلام لائے، خود فرماتے ہیں کہ: کچھ دن تو میرے اسلام میں ایسے گذرے کہ میں اسلام کا ایک تہائی تھا۔ کہتے ہیں کہ: میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گُھپ اندھیرے میں ہوں اور اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہا ہوں، اتنے میں اچانک چاند طلوع ہوا، میں نے اپنے آگے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو چلتے

ہوئے دیکھا۔ان سے پوچھا: آپ لوگ کب آئے؟انھوں نے کہا کہ ابھی۔تو میں بھی ان کے ساتھ ہوگیا۔ چناں چہ یہ شروع میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں،ان کو بھی اللہ نے یہ توفیق عطا فرمائی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بڑے اطاعت شعار اور فرماں بردار تھے،جب یہ اسلام لے آئے تو ان کی والدہ نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور قسم کھائی کہ: یا تو تم اس دین کو چھوڑ دو یا میں بھوکی پیاسی مرجاؤں گی، کھانا نہیں کھاؤں گی۔انھوں نے اُنھیں سمجھایا اور اسی پر قرآن کی آیت:﴿ وَإِن جَٰهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَآ ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾﴾ [العنکبوت] نازل ہوئی۔ ماں باپ اگر مشرک ہیں تو بھی دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو؛ البتہ وہ تم پر یہ اصرار کرتے ہوں کہ تم بھی ایمان اور اسلام کو چھوڑ دو، تو اس میں ان کی بات ماننے کی ضرورت نہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو انھوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ: دیکھو میں آپ کا بڑا مطیع اور فرماں بردار ہوں،لیکن اگر آپ کی ہزار جانیں ہوں اور آپ بھوکا اور پیاسا رہ کر ہر جان قربان کردیں، تو بھی میں ایمان چھوڑنے والا نہیں ہوں۔جب انھوں نے اپنا یہ فیصلہ سنایا تو ان کی والدہ نے بھی کھانا شروع کردیا،وہ سمجھ گئیں کہ یہ ماننے گا نہیں۔بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسلام کی توفیق دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں اور جنت کی بشارت

چوں کہ قبیلۂ بنوزہرہ- جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کا قبیلہ ہے- سے تعلق رکھتے تھے،اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ان کو اپنا ماموں بھی کہا کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! یہ میرے ماموں ہیں،کسی کا ماموں ایسا ہو تو بتاؤ!۔

یہ بڑے ماہر تیر انداز تھے،اپنی تیراندازی میں بڑے مشہور تھے،جن دس آدمیوں کو ایک ہی مجلس میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی،جن کو ’’عشرۂ مبشرہ‘‘ کہا جاتا ہے،ان میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

فتحِ مکہ کے موقع پر یہ بیمار ہوگئے تھے اور جاں بری کی امید نہیں رہی تھی،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے،انھوں نے کہا کہ: میرے پاس بہت سارا مال ہے اور میرے وارثوں

میں ایک بیٹی کے علاوہ اور کوئی ہے نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں پورا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی وصیت کر جاؤں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: نہیں، پورا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ: دو تہائی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ: دو تہائی بھی نہیں۔ انھوں نے کہا کہ آدھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: آدھا بھی نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک تہائی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ہاں! ایک تہائی کی وصیت کر سکتے ہو اور وہ بھی بہت ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

اس کے بعد صحت یاب ہو کر لمبے عرصے تک زندہ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قادسیہ کے موقع سے ایرانیوں کے ساتھ جو فیصلہ کن جنگ ہوئی، اس میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار یہی تھے اور اُن ہی کی سپہ سالاری میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی تھی۔ اس جنگ میں ۹۹/ اہلِ بدر اور تین سو سے زیادہ اصحابِ بیعتِ رضوان نے حصہ لیا تھا۔ بڑا اونچا مقام ہے۔ وفات کے وقت پرانا اونی کُرتا منگوایا، اس کو پہنا اور کہا کہ: یہ وہی کرتہ ہے جس کو پہن کر میں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی، میں چاہتا ہوں کہ اسی کے ساتھ میں دنیا سے جاؤں۔ ''عشرۂ مبشرہ'' اور ''اہلِ بدر'' میں سب سے اخیر میں انتقال پانے والے یہی ہیں۔ بقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق کوفہ کے لوگوں کی غلط شکایات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو ''کوفہ'' کا گورنر بنایا، اس زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے متعلق کچھ شکایتیں پہنچیں کہ یہ نماز برابر نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور کہا کہ: لوگ آپ کی شکایت کرتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ آپ نماز برابر نہیں پڑھاتے! تو انھوں نے اسلام لانے پر دی ہوئی اپنی قربانیاں گنوائیں۔ ایسے موقع پر آدمی اپنے کارناموں کو تحدیث بالنعمۃ کے طور پر بیان کرتا ہی ہے کہ ایسی ایسی تکلیفیں میں نے اٹھائیں، پھر بھی اگر میری نماز صحیح نہ ہوئی ہو تو گویا

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم	*	نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

دنیا بھی گئی اور آخرت بھی، یہ کوئی بات ہوئی! پھر انھوں نے کہا کہ: میں تو اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کس طرح پڑھتے ہو؟ انھوں نے نماز پڑھنے کی تفصیل بتلائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: برابر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ اپنے گورنروں کی اور اپنے مقرر کیے ہوئے حکمرانوں کی کوئی شکایت آتی، تو باقاعدہ اس کی تحقیق کرتے تھے۔ چناں چہ ان کے ساتھ دو آدمی کوفہ بھیجے اور ان سے کہا کہ: کوفہ کی ہر مسجد میں جا کر نماز کے بعد اعلان کرنا کہ ان کی کوئی شکایت ہو تو بتاؤ! چناں چہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی ان کے ساتھ گئے۔ عام طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے کام حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے لیا کرتے تھے، وہ گئے اور سب جگہ اعلان کیا، تو کسی نے کوئی شکایت نہیں کی۔

تین شکایتیں اور تین بددعائیں

البتہ ایک مسجد میں جب وہ پہنچے اور یہ اعلان کیا تو ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ: جب تم قسم دے کر پوچھتے ہو تو پھر مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ ان کی کیا شکایتیں ہیں، چناں چہ اس نے تین شکایتیں کیں: (۱) ایک تو یہ کہ وہ جہاد کے لیے نہیں نکلتے، خود بیٹھے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھیجتے ہیں۔ (۲) دوسری یہ کہ مال کی تقسیم میں برابری نہیں کرتے۔ (۳) تیسری یہ کہ انصاف سے فیصلہ نہیں کرتے۔

ان تین شکایتوں کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی وہیں تھے، چوں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے، ان کی دعا قبول ہوا کرتی تھی؛ لہٰذا اُنھوں نے بددعا دیتے ہوئے کہا: اے اللہ! اگر یہ آدمی جھوٹا ہے اور محض شہرت کے لیے اس نے یہ بات کہی ہے- اس لیے کہ کسی بڑے آدمی پر جب کوئی آدمی اعتراض کرتا ہے تو اس اعتراض کی وجہ سے اس کی شہرت ہو جاتی ہے، بہت سے لوگ اسی لیے ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ ہمارا تو کوئی نام ہے نہیں، اس بڑے آدمی کے پیچھے پڑ جاؤ؛ تاکہ اس کی وجہ سے ہمارا بھی کچھ نام ہو جائے- تو (۱) اے اللہ! تو اس کی عمر بڑھا دے (۲) اس کے فقر میں اضافہ کر دے (۳) اسے فتنوں میں مبتلا کر دے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ تین بددعائیں اسے دیں۔ چناں چہ ایک شخص اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس کو دیکھا کہ اس کی عمر اتنی لمبی ہوئی کہ اس کی

پلکیں بھی جھک گئی تھیں، دیکھنے کے لیے پلکیں پکڑ کر اٹھا کر دیکھتا تھا، اور فقر کا یہ حال تھا کہ لوگوں سے مانگتا پھرتا تھا، اور فتنے میں اس طرح مبتلا ہوا کہ لڑکیاں گذرتی تھیں اور یہ ان کو چھیڑتا تھا۔ کسی نے پوچھا: تیرا ایسا حال کیوں ہے؟ تو کہا کہ: مجھے سعد کی بد دعا لگ گئی ہے۔

جوابِ شکوہ

الغرض! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے یوں کہا کہ لوگوں نے آپ کی شکایتیں کیں، یہاں تک کہ نماز کے متعلق بھی شکایت کی ہے، تو اس پر انھوں نے اپنا یہ حال بیان کیا کہ میں اسلام میں سب سے پہلا وہ آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں خون بہایا، مجھے یہ فخر اور سعادت حاصل ہے کہ اللہ کے راستے میں دشمن کا خون بہانے والا سب سے پہلا آدمی میں ہوں۔

إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ أَهْرَاقَ دَمًا فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ہوا یہ تھا کہ مسلمان تھوڑے سے تھے اور چھپ چھپ کر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ چند مسلمان -جس میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے- پہاڑ کی ایک گھاٹی میں جا کر نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں وہاں مشرکین کی ایک جماعت پہنچ گئی اور ان کے ساتھ جھگڑا کرنے لگی۔ انھوں نے کہا کہ ہم کو اپنے حال پر چھوڑ دو؛ لیکن انھوں نے نہیں مانا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہاں پڑا ہوا اونٹ کا ایک جبڑا اٹھا کر ایک کو مارا، جس سے اس کا خون بہنے لگا۔ اسی کو کہتے ہیں کہ: میں پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں دشمن کا خون بہایا۔

وَإِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ: ہجرت کے بعد غزوۂ بدر سے پہلے ایک سریہ (لشکر کی ایک ٹکڑی) حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی حضرت ابوعبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشرکین کے ایک قافلے کے تعاقب میں بھیجی جس میں مہاجرین تھے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے، اور ایک دوسرے کی طرف سے تیر چلائے گئے، تو مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا تیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چلایا۔ اسی کو کہتے ہیں کہ: میں سب سے پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا۔

لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَغْزُو فِي الْعِصَابَةِ إلخ: میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ میں جنگ کے اندر ہوں اور ہم لوگ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھاتے تھے، یہاں تک کہ پتوں کے کھانے کی وجہ سے ہمارے منہ کے جو کنارے ہیں یعنی باچھیں، وہ زخمی ہو گئے۔

سریۂ خبط یا سریۂ سِیف البحر

یہ واقعہ ۵ھ یا ۸ھ میں پیش آیا۔ اس کو "سریۂ خبط" اور "سریۂ سِیفُ البحر" بھی کہا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے ۳۰۰ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت قبیلۂ جہینہ - جو سمندر کے کنارے آباد تھا - کی طرف بھیجی۔ اور ان کو توشے کے طور پر جو کھجوریں دی گئی تھیں وہ بہت کم تھیں، کچھ ہی دنوں میں وہ ختم ہوگئیں، جب کسی کے پاس توشہ نہ رہا تو امیرِ لشکر کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہو اس کو جمع کر دے۔ جب جمع کیا گیا تو دو تھیلے کے برابر ہو گیا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ روزانہ ہر ایک کو ایک ایک کھجور دیتے تھے۔ کسی نے راویٔ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: ایک کھجور سے آپ لوگوں کی ضرورت کیا پوری ہوتی ہوگی؟ تو جواب دیا کہ: اس کی بھی قدر اس وقت ہوئی، جب وہ ایک ایک کھجور ملنا بھی بند ہو گئی۔ چناں چہ جب کچھ بھی نہ رہا تو پھر درخت کے پتّے کھانے کی نوبت آئی۔ اسی لشکر میں حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے قبیلۂ جہینہ کے لوگوں سے ادھار اونٹ خریدے کہ بھائی! کوئی ہے جو مجھے ادھار اونٹ دے! اس کی قیمت کھجور کی شکل میں مدینہ جانے کے بعد ادا کر دوں گا۔ اس طرح انھوں نے تین اونٹ خریدے اور ذبح کر کے پورے لشکر کی دعوت کی اور اُنھیں کھلایا۔ دوسرے دن اور تیسرے دن بھی انھوں نے یہی کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں موجود تھے، انھوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: یہ جو ادھار خرید خرید کر لوگوں کو کھلا رہے ہیں، ان کے پاس اپنا تو کوئی مال ہے نہیں، ان کے اپنے باغات

بھی نہیں، جو بھی ہیں سب ان کے ابّا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہیں، جو قبیلۂ خزرج کے سردار تھے اور بڑے سخی تھے۔ اگر یہ اس طرح ادھار لیتے رہے اور ان کے ابّا نے منع کر دیا کہ میں نہیں ادا کروں گا تو کیا ہوگا؟ اس لیے ان کو روک دو! حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا کر یہ بات کہی، تو انھوں نے کہا: میرے ابا محتاج کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کو کھلاتے ہیں، اللہ کے راستے میں جو لوگ نکلے ہیں، میں اگر ادھار لے کر ان کو کھلا رہا ہوں تو کیا وہ میرا قرضہ ادا نہیں کریں گے؟ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ اگر ان کے ابا انکار کر دیں تو یہ جو ادھار دے رہا ہے، کہیں اس کا مال ضائع نہ ہو جائے۔ لہٰذا ان کو حکماً روک دو۔ بالآخر تیسرے دن کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حکماً روک دیا۔

اب پھر وہی بھوک اور فاقے کی نوبت آ گئی؛ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ ایک بڑی مچھلی جو پہاڑ کے ٹیلے کے برابر تھی سمندر سے باہر پھینکی، اور یہ تین سو آدمی تھے۔ اٹھارہ دن تک سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور بھوک کی وجہ سے سب کے بدن جو دبلے ہو گئے تھے، وہ بھی موٹے تازے ہو گئے۔ وہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ اس کی ایک پسلی -بعضوں نے کہا کہ دونوں پسلیاں- کمان کی طرح کھڑی کر کے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کے سب سے اونچے آدمی کو ہاتھ میں نیزہ دے کر اونٹ پر سوار کیا اور کہا کہ: اس کے نیچے سے گذرو! یہ نیچے سے گذرے تو بھی وہ نیزہ اس پسلی کو نہیں لگا۔ یہ اونچے آدمی بھی حضرت قیس رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ: اتنے اونچے تھے کہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو ان کے پاؤں زمین کو لگتے تھے۔

بہر حال! اس کے بعد یہ لوگ واپس آ گئے۔ یہ غزوۂ سیف البحر یا غزوۂ خبط کہلاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسی کا حوالہ دے رہے ہیں کہ: میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کر رہا ہوں اور ہم لوگ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کھا رہے ہیں، یہاں تک کہ اس کے کھانے کی وجہ سے ہمارے منہ کے کنارے یعنی باچھیں زخمی ہو گئے۔

وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ إلخ: پاخانہ غذا کے مطابق ہوتا ہے، چکنی چپڑی غذائیں کھائیں گے تو چکنا ہوگا۔

وَأَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ يَعْزُرُونِي فِي الدِّينِ: کوفہ کے جس قبیلے کے آدمی نے یہ بات کہی تھی، وہ قبیلۂ بنو اسد سے تعلق رکھتا تھا اس لیے ایسا فرمایا۔

لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِذًا وَضَلَّ عَمَلِي: اس لیے کہ اتنا پرانا مسلمان ہوں اور پھر بھی اگر میری نماز صحیح نہیں ہوئی تو گویا میری دنیا تو گئی۔ دنیا میں تو یہ حال ہوا جو ابھی فاقے کا بتلایا۔ اور آج نماز صحیح نہ ہونے کی وجہ سے آخرت بھی برباد ہوئی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

باب کے ساتھ مناسبت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جو درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھا کر گذارا کرنے کا ذکر کیا، اس کی وجہ سے اس روایت کو یہاں پیش کیا کہ جب حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ حالت گذرتی تھی تو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر بسر بھی اسی طرح تھا۔

١٣٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسَى: أَبُو نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ عُمَيْرٍ، وَشُوَيْسًا أَبَا الرُّقَادِ، قَالَا: بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَقَالَ: انْطَلِقْ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ، حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي أَقْصَى أَرْضِ الْعَرَبِ، وَأَدْنَى أَرْضِ الْعَجَمِ فَأَقْبِلُوا، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوا هَذَا الْكَذَّانَ، قَالُوا: مَا هَذِهِ؟ قَالُوا: هَذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوا حَتَّى إِذَا بَلَغُوا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيرِ، قَالُوا: هٰهُنَا أُمِرْتُمْ، فَنَزَلُوا - فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ - قَالَ: فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ حَتَّى تَقَرَّحَتْ أَشْدَاقُنَا، فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدٍ، فَمَا مِنَّا مِنْ أُولَئِكَ السَّبْعَةِ أَحَدٌ إِلَّا وَهُوَ أَمِيرُ مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ وَسَتُجَرِّبُونَ الْأُمَرَاءَ بَعْدِي.

ترجمہ: حضرت خالد ابن عمیر اور شویس ابوالرقاد کہتے ہیں کہ: حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو (تین سو مجاہدین کے ساتھ سرزمینِ عجم کی طرف) بھیجا اور فرمایا کہ: تم اور تمھارے ساتھی چلتے رہنا؛ یہاں تک کہ تم منتہائے سرزمینِ عرب اور سرزمینِ عجم کے قریب پہنچ جاؤ، چناں چہ وہ سب حضرات روانہ ہوگئے اور

جب مقام "مربد" پر پہنچے تو وہاں سفید نرم پتھروں پر نظر پڑی، (تعجب سے آپس میں) پوچھنے لگے: یہ کیا ہے؟ کہا کہ: یہ بصرہ ہے، پھر روانہ ہوئے؛ یہاں تک کہ چھوٹے پل کے برابر پہنچے تو کہنے لگے: اسی جگہ کا حکم دیا گیا ہے، اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر راویوں نے لمبی حدیث ذکر کی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ: عتبہ ابنِ غزوان نے فرمایا: کہ بے شک! میں نے اپنے تئیں یہ حال دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتواں شخص تھا، ہمارے واسطے درختوں کے پتوں کے سوا کچھ کھانا نہ تھا، (ہم ان کو کھاتے تھے) یہاں تک کہ ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے/ ہمارے منہ چھل گئے۔ ایک موقع پر مجھے ایک چادر مل گئی تھی جسے میں نے اپنے اور سعد کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ (اِس وقت ہمارا یہ حال ہے کہ) اُن ساتوں میں سے ہر کوئی کسی شہر کا حاکم ہے، اور عنقریب تم لوگ ہمارے بعد والے حکمرانوں کا تجربہ کر لو گے۔

افادات: عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بہت قدیم الاسلام ہیں، بالکل شروع میں جب بہت کم لوگ اسلام لائے تھے، تب یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ: میں ساتواں ایمان لانے والا آدمی تھا، ان کا بڑا اونچا مقام ہے۔

مملکتِ اسلامیہ میں شاہِ فارس کے لشکر کی چیرہ دستیاں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب کسریٰ کی سلطنت ختم ہوئی اور ایرانیوں کو اس موقع پر قادسیہ کے میدان میں شکستِ فاش دی گئی، اس کے بعد بھی ان کے لشکر کی کچھ ٹکڑیاں آ آ کر اسلامی علاقوں پر حملہ کرتی تھیں اور اس کی وجہ سے ایک بے امنی کی کیفیت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اس طرح ان کے بار بار آ کر کے حملہ کرنے کا سلسلہ بند ہو۔ جہاں آج کل بصرہ ہے، اسی جگہ پر عبوریہ نامی ایک شہر تھا، وہاں سے یہ ٹکڑیاں آتی تھیں۔ یزدجرد کسریٰ کے سپہ سالار کی مدد کے لیے فوج بھیجتا، اور ویسے بھی ان کی مدد کے لیے بھی اسی علاقے سے لوگ عرب کے علاقے میں آتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک جنگی تدبیر

لیکن اس کو بند کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی بڑا لشکر میسر نہیں تھا؛ کیوں کہ اس وقت آدمیوں کی قلت تھی؛ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی بڑا لشکر تیار نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک تدبیر اور

سیاست یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ بڑے لشکر کی جگہ کسی ماہر سپہ سالار کے ساتھ چھوٹا سا لشکر بھیج دیا کرتے تھے۔ وہ سپہ سالار اپنے تجربوں اور تدبیروں کی بنیاد پر اس چھوٹے سے لشکر سے وہی کام انجام دے دیا کرتا تھا، جو بڑے لشکر سے ہوا کرتا تھا۔ چناں چہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ شکایت پہنچی کہ اس طرح وہاں سے بار بار ان کے لشکر کے دستے آ آ کر اسلامی علاقوں پر حملہ کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہی آیا کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ جو بہت پرانے اور تجربہ کار آدمی ہیں۔ اور جتنے پرانے تھے، وہ سب ماشاء اللہ! بڑے مضبوط، ہر اعتبار سے پہنچے ہوئے تھے۔ تو سوچا کہ ان کے ذریعے سے اس کام کو انجام دلایا جائے۔ اس لیے کسی بڑے لشکر کے بہ جائے تین سو آدمیوں کی ایک ٹکڑی دے کر کہا کہ: تم وہاں جاؤ! اسی کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوا هَذَا الْكِذَّانَ: اب جس زمانے میں یہ روایت بیان کی جارہی ہے، اس زمانے میں اس واقعے کو پیش آئے ہوئے بہت مدت گذر چکی تھی۔ بصرہ شہر آباد ہو چکا تھا اور بصرہ شہر کا ایک محلہ جس کا نام مربد ہے، پہلے وہاں اونٹوں اور گھوڑوں وغیرہ کا بازار تھا، بعد میں تو اس محلے میں بڑی ترقی ہوئی اور بصرہ کا بڑا مشہور محلہ ہوا تو اسی کو کہتے ہیں کہ: یہاں تک کہ جب یہ لوگ آج کل جہاں مربد نامی محلہ ہے، وہاں پہنچے۔

قَالُوا: هَذِهِ الْبَصْرَةُ: بصرہ بھی سفید نرم پتھر کو کہتے ہیں تو الْكِذَّانَ اور الْبَصْرَةُ ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں۔ الغرض! اُن ہی میں سے بعضوں نے جواب دیا کہ یہ تو بصرہ ہے یعنی یہ چھوٹے چھوٹے سفید پتھر ہیں۔

حَتَّى إِذَا بَلَغُوا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيرِ: جہاں بصرہ آباد ہے، وہاں دریا کے اوپر اُس وقت ایک چھوٹا پُل بنا ہوا تھا- جب یہ روایت بیان کی جارہی ہے، اس وقت سواری کے جانور اور انسانوں کے گذرنے کے لیے وہ پُل بنایا گیا تھا- اس کے مقابل میں ایک بڑا پُل بغداد کے اندر بنایا گیا تھا، اس کے مقابلے میں اس کو چھوٹا پُل کہتے ہیں۔ وہ لوگ اس چھوٹے پُل کے سامنے پہنچے تو جگہ کا معاینہ اور ویزِٹ (visit) کرنے کے بعد ان کو یہ احساس ہوا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ہدایت دی تھی کہ

سرزمینِ عرب کے انتہائی اور سرزمینِ عجم کے ابتدائی علاقے میں جاکر ٹھہر جانا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہی جگہ ہے۔ چناں چہ وہ وہاں اتر گئے۔

فَذَكَرُوا الْحَدِيثَ بِطُولِهِ: یہاں راوی نے روایت کے آگے کا حصہ ختم کر دیا، آگے بس ایک دو جملے لا رہے ہیں۔ یہاں صرف اتنا کہا کہ انھوں نے ایک طویل حدیث ذکر کی۔ وہ حدیث اور بات یہ ہے کہ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے، اس کے بعد ایرانیوں کا ایک لشکر خراسان کی طرف سے آیا اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اپنی لشکری ٹکڑی کے ذریعے سے زوردار مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور وہاں انھوں نے باقاعدہ فوجی چھاؤنی بھی قائم کر دی کہ آئندہ کے لیے جو روز روز کے جھگڑے تھے، وہ ختم ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی لیے بھیجا تھا کہ آئندہ کے لیے ان کی طرف سے یہ جو بدامنی کی شکلیں پیدا ہوتی ہیں، وہ پیدا نہ ہوں۔

شہر بصرہ کی بنیاد اور اس کا پس منظر

جہاں یہ حضرات ٹھہرے تھے، وہاں پہلے سے اُبلّہ نامی ایک آبادی تھی۔ یہ مسلمان عرب کے رہنے والے تھے، ان کی زندگی تو سیدھی سادی تھی۔ اور یہ ایرانی علاقہ بڑا تہذیب یافتہ، ترقی یافتہ، عیش وعشرت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ جب ان آبادیوں میں یہ مسلمان جا کر آباد ہوئے تو حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر ہمارے اس لشکر کو یہیں رہنے دیں گے تو ہمارے آدمیوں کی عادتیں خراب ہو جائیں گی۔ حضرت عمر حضرت عتبہ ابن غزوان رضی اللہ عنہ اور اسی طرح اس زمانے کے جتنے بھی بڑے حضرات تھے، اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے؛ لہٰذا انھوں نے بھی سوچا کہ یہ لوگ بھی عیش وعشرت کے عادی بن جائیں گے؛ اس لیے ان کو یہاں نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ چناں چہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے لشکر کے لیے ایک الگ آبادی قائم کروں، نیا شہر بساؤں۔ بصرہ شہر ان ہی حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے آباد کیا، گویا وہاں کے انجینئر یہی حضرت عتبہ ابن غزوان رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے وہاں کی بڑی جامع مسجد کا نقشہ بنایا اور اسی سے لگ کر چاروں طرف نقشہ تیار کیا۔ بانس کی مسجد بنائی اور اسی طرح محلے وغیرہ بھی بانس ہی کے تھے۔

بصرہ شہر کب آباد ہوا؟

قیام کے زمانے میں کبھی انھوں نے چاول دیکھا بھی نہیں تھا۔ایک مرتبہ جب چاول کا دانہ-اس کے اوپر چھلکا ہوتا ہے-سامنے آیا تو برتنوں میں رکھا ہوا دیکھ کر کہنے لگے کہ کہیں دشمن نے ہمارے لشکر کو ختم کرنے کے لیے کوئی سازش تو نہیں کی! اگر اس طرح کھائیں گے تو مر جائیں گے،کوئی ہاتھ نہیں لگا رہا تھا۔اتنے میں گھوڑا آیا اور اس نے منہ ڈال کر کھایا،اس کو کچھ نہیں ہوا تو کہا کہ: یہ زہر نہیں ہے۔ اس کے بعد اس کو پکایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان حضرات نے چاول دیکھا۔ بہر حال! پھر وہاں انھوں نے شہر بسایا۔ بصرہ شہر کا نقشہ ۱۷ھ میں بنایا اور ۱۸ھ میں وہ آباد ہوا۔اس طرح اسلامی لشکر کی ایک پوری چھاؤنی تیار ہوئی۔

یہی حال کوفہ کا بھی ہے،وہاں پہلے کوئی بھی نہیں تھا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ بھی آباد ہوا ہے۔ بصرہ اور کوفہ یہ دونوں وہ شہر ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں آباد کرائے تھے اور بصرہ کا نقشہ بنانے والے یہی حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا بصرہ سے مدینہ جانے پر ایک خطبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ کا گورنر بنا دیا؛ لیکن قیام کے دوران ان کا جی وہاں زیادہ رہنے کو نہیں چاہتا تھا؛ اس لیے انھوں نے اپنا ایک نائب مقرر کیا کہ: میرے مدینہ جا کر آنے تک میرے نائب رہو۔ جانے سے پہلے ایک خطبہ دیا،اس خطبے کے چند کلمات آگے آرہے ہیں۔اس خطبے کے شروع میں انھوں نے یہ کہا کہ: یہ دنیا باقی رہنے والی نہیں ہے،اب تو دنیا کا اتنا حصہ رہ گیا ہے جیسے کوئی آدمی کسی گلاس وغیرہ میں پانی پیتا ہے اور نیچے تھوڑا سا رہ جاتا ہے،گویا گزرے ہوئے زمانے کے مقابلے میں دنیا اتنی ہی باقی ہے،اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔آدمی کو چاہیے کہ وہاں کے لیے تیاری کرے اور وہاں جو چیز کام آنے والی ہے ایسے اعمال کرے۔اس کے بعد انھوں نے شروع اسلام میں جو تکلیفیں اٹھائی تھیں،ان کا تذکرہ کیا۔

خطبہ دینے کے بعد اپنا نائب مقرر کر کے مدینہ چلے گئے۔ مدینۂ منورہ جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معذرت چاہی اور استعفیٰ دے دیا کہ مجھے وہاں نہیں رہنا ہے، میں تو یہیں مدینہ میں رہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑا اصرار کیا کہ نہیں تم کو جانا پڑے گا؛ چناں چہ ان کو بہ اصرار روانہ کیا۔ اسی خطبے کا تذکرہ ہے اور اس کے کچھ حصے یہاں بیان کیے گئے ہیں۔

وَإِنِّي لَسَابِعُ سَبْعَةٍ: یعنی جو سات آدمی ایمان لائے تھے ان میں ساتواں میں تھا، گویا بہت شروع کے مسلمان ہیں۔

مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ: انھوں نے اس زمانے کی جو اپنی تکلیفیں، مشقتیں اور مجاہدے بیان کیے ہیں، ان ہی کو بیان کرنے کے لیے خطبے کا یہ حصہ لائے ہیں۔ ''مَا لَنَا'' میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آ گئے۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر کیسی مشقت کے ساتھ ہوتا تھا، اسی کو بتلانے کے لیے لائے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی خستہ حالی

حَتَّى تَقَرَّحَتْ أَشْدَاقُنَا: أَشْدَاقٌ، شِدْقٌ کی جمع ہے۔ یہاں تک کہ ان درختوں کے پتے کھانے کی وجہ سے ہمارے منہ کے کنارے یعنی باچھیں زخمی ہو گئیں اور پہننے کے لیے کپڑے بھی نہیں تھے، ایک کوڑی یعنی جہاں کچرا پڑا رہتا تھا، اس کے اوپر کسی نے بہت پرانا اور بوسیدہ کپڑا ڈال دیا تھا، میں نے وہ پرانی چادر اٹھائی اور اس کو دوہرا کر کے اس کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ اپنے لیے لنگی کے طور پر اور ایک حصہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیا۔

فَمَا مِنَّا مِنْ أُولَئِكَ إلخ: گویا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی دیا۔

..... تب ہماری قدر معلوم ہوگی

وَسَتُجَرِّبُونَ الْأُمَرَاءَ بَعْدَنَا: اور ہمارے بعد جو دوسرے گورنر آئیں گے ان کو تم آزماؤ گے۔ اِس وقت ہم حکومت کا نظام چلا رہے ہیں، اگر غیر اختیاری طور پر ہماری طرف سے کسی کو کوئی گزند پہنچ جائے تو چاہیے کہ اس سے درگذر کریں؛ اس لیے کہ ہم تو تکلیف اٹھا کر یہاں پہنچے ہیں، ہمیں تکلیف کا اندازہ ہے۔

کیوں کہ جو آدمی خود دکھ اٹھا چکا ہو، وہ دوسروں کے دکھ کو سمجھتا ہے اور لوگوں کو دکھ میں ڈالنے کی کوشش نہیں کرتا۔ ہاں! جس نے کبھی دکھ نہ اٹھایا ہو وہی ایسا کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت ہماری جو حکمرانی ہے، اس کی قدر تم کو اس وقت ہوگی، جب ہمارے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ہماری جگہ پر دوسرے لوگ حکمرانی کے لیے آئیں گے، اور ان کا جو سلوک تمھارے ساتھ ہوگا تب تم کو اندازہ ہوگا کہ ہم کتنے اچھے تھے۔

باب کے ساتھ مناسبت

بہرحال! یہاں اس روایت کو لانے کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ انھوں نے درختوں کے پتے کھانے اور اس کی وجہ سے ہونٹوں کے اوپر زخم پڑ جانے کا تذکرہ کیا ہے، یہ حال حضور ﷺ کا بھی تھا۔

۱۳۹ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ أَسْلَمَ أَبُو حَاتِمٍ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ، وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ مَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبِطُ بِلَالٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ کے راستے میں اتنا ڈرایا گیا کہ ایسا کوئی ڈرایا نہیں جاسکتا، اور مجھے اللہ کے دین کے لیے اتنی ایذا دی گئی کہ اتنی ایذا کسی کو نہیں دی جاسکتی۔ اور مجھ پر تیس شب و روز ایسے گذرے ہیں کہ میرے اور بلال کے واسطے کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی جس کو کوئی جاندار کھائے، بہ جز اتنی (تھوڑی سی) مقدار کے جس کو بلال کی بغل چھپا دے۔

افادات: لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ: اس لیے کہ اس وقت کوئی اَور تھا نہیں، ایمان لانے والے ہی بہت کم تھے۔

وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ: کیوں کہ صرف آپ اور آپ کے گنے چنے متبعین ہی تھے۔ اُن ہی کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا تھا۔

شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبِطُ بِلَالٍ: یعنی چھوٹا سا تھیلا بلال کے پاس بغل میں لٹکا ہوا تھا، گویا وہ تیس راتیں اور دن ایسے گذرے، اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس سے بھی گزر بسر کی مشقت کا پتہ چلتا ہے۔

١٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، أَخْبَرَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ الْعَطَّارُ، أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَجْتَمِعْ عِنْدَهُ غَدَاءٌ وَلَا عَشَاءٌ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ إِلَّا عَلَى ضَفَفٍ. قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ كَثْرَةُ الْأَيْدِي.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بلا مہمان کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں صبح یا شام کے کھانے میں گوشت اور روٹی جمع نہیں ہوتے۔ راویٔ حدیث عبداللہ کہتے ہیں کہ: بعضوں نے ''ضفف'' کا معنیٰ بہت سے ہاتھ کیا ہے۔

افادات: پہلے یہ روایت آچکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کبھی کوئی دعوت کا موقع ہوتا، مہمان ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا اہتمام کرتے تھے؛ ورنہ نہیں۔

١٤١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي فُدَيْكٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ، عَنْ نَوْفَلِ بْنِ إِيَاسٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ: كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَنَا جَلِيسًا، وَكَانَ نِعْمَ الْجَلِيسُ، وَإِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتَّى إِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهُ وَدَخَلَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ وَأُتِينَا بِصَحْفَةٍ فِيهَا خُبْزٌ وَلَحْمٌ، فَلَمَّا وُضِعَتْ بَكَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: هَلَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَلَا أَهْلُ بَيْتِهِ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ فَلَا أَرَانَا أُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَنَا.

ترجمہ: حضرت نوفل بن ایاس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہمارے ہم نشین تھے اور بہت اچھے ہم نشین تھے۔ ایک دن وہ اور ہم (ایک جگہ سے) لوٹے اور (واپسی میں اُن کے ساتھ ہی) اُن کے مکان پر چلے گئے، وہ گھر میں گئے اور غسل کر کے باہر تشریف لائے اور (اس کے بعد) ہمارے پاس ایک پلیٹ لائی گئی جس میں روٹی اور گوشت رکھا ہوا تھا، جب (وہ ہمارے سامنے) رکھی گئی تو حضرت عبدالرحمٰن رو پڑے۔ میں نے عرض کیا: اے ابو محمد! کیوں روتے ہو؟ فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ اور آپ کا گھرانہ جَو کی روٹی سے (بھی) آسودہ نہ ہو سکا، میرا خیال ہے کہ ہم کو یہ مہلت ہماری بہتری کے لیے نہیں ملی۔

افادات: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، وہ ہمارے ہم نشین تھے یعنی ہم ان کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاص کی انتہا

فَلَا أَرَانَا أُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَنَا: مطلب یہ کہ جہاں تک میرا خیال ہے ہم کو جو ملا ہے، اور ہم جو استعمال کر رہے ہیں، اس سے ہمیں خوش نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کو جب ہم وہاں پہنچیں تو ہم سے یہ کہہ دیا جائے: ﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ ٱلدُّنْيَا وَٱسْتَمْتَعْتُم بِهَا﴾[الأحقاف] کہ تم یہاں اپنے اعمال کا بدلہ کیا مانگتے ہو، وہ تم کو اچھی نعمتوں کی شکل میں دنیا میں دے دیا گیا تھا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس مال آتا تھا تو اس کو دیکھ کر بھی اس لیے روتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ہمارے اعمال کا بدلہ بن جائے اور کل قیامت میں ہمیں یوں کہہ دیا جائے کہ: اب کچھ نہیں ملے گا، تمھارے اعمال کا بدلہ تمھیں مل گیا۔ بہر حال! اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گزر بسر کتنی مشقت کے ساتھ ہوتی تھی۔

٢٤ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَكْلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانا کھانے کا بیان

١٤٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَرَوَى غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ بَشَّارٍ هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ: كَانَ يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے۔

ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ: اس حدیث کو محمد بن بشار کے علاوہ دوسرے حضرات نے اس طرح روایت کیا ہے کہ انھوں (کعب بن مالک) نے فرمایا کہ: اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے۔

افادات: یہ باب حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے کے طریقے کے بیان

میں ہے۔ جن انگلیوں کے ذریعے سے کھانا کھایا جاتا ہے، ان کو چاٹنا مستحب ہے، بعض حضرات اسی روایت کے پیشِ نظر تین مرتبہ چاٹنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

انگلیوں کو تین مرتبہ چاٹنا مراد ہے یا تین انگلیوں کو چاٹنا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو شمائل کے شارح ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: یہاں کَانَ یَلْعَقُ أَصَابِعَہٗ ثَلَاثًا آیا ہے، اس کی مراد تین مرتبہ چاٹنا نہیں ہے؛ بلکہ تین انگلیاں چاٹنا ہے، جیسا کی یہی روایت آگے دوبارہ آئے گی، وہاں اس کی صراحت ہے۔ اور خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ آگے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ روایت ہم نے اپنے استاذ محمد بن بشار کے حوالے سے پیش کی ہے، لیکن عبد الرحمن بن مہدی کے دوسرے جتنے شاگرد ہیں، وہ اس روایت کو (یعنی کَانَ یَلْعَقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگلیوں کو تین مرتبہ چاٹا کرتے تھے) اس طرح نقل کرتے ہیں: کَانَ یَلْعَقُ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تینوں انگلیاں چاٹتے تھے۔ چوں کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے، پانچوں انگلیاں آپ کھانے میں استعمال نہیں فرماتے تھے۔ یہ تین انگلیاں: انگوٹھا، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی ہوتی تھی، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تینوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

کس انگلی سے چاٹنے کی ابتدا کرے؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: تینوں انگلیوں کو چاٹنا؛ یہ بھی مستحب ہے اور تین مرتبہ چاٹنا یہ بھی ایک مستقل مستحب اور ادب ہے۔ یعنی دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں مستحب ہیں۔ جیسا کہ روایتوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیانی انگلی سے شروعات کرتے تھے، پہلے درمیانی انگلی کو چاٹتے تھے، پھر انگشتِ شہادت کو پھر انگوٹھے کو۔

درمیانی انگلی پہلے چاٹنے کی حکمت

درمیانی انگلی کو پہلے چاٹنے کی وجہ بھی بتلائی گئی ہے کہ اس طرح چاٹنے میں وہ دائیں طرف

جائیں گے۔ پہلے یہ یعنی درمیانی انگلی، اس کے بعد دائیں طرف انگشتِ شہادت آئے گی، اس کی دائیں طرف انگوٹھا آئے گا، تو اس میں تیامن کا لحاظ ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیچ کی انگلی جب کھانے میں استعمال ہوگی تو بڑی ہونے کی وجہ سے زیادہ ملوث ہوگی، اس پر کھانا زیادہ لگے گا؛ اس لیے اس کو پہلے چاٹ کر صاف کیا جاتا ہے۔

١٤٣ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، أَخْبَرَنَا عَفَّانُ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے۔

افادات:

احمق انگلیاں چاٹنے کو قبیح سمجھتے ہیں

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بعض احمق اور بے وقوف لوگ اس طرح انگلیاں چاٹنے کو قبیح اور برا سمجھتے ہیں، حالاں کہ یہ وہی تو کھانا ہے جو تھوڑی دیر پہلے اپنے ہاتھ سے کھایا جارہا تھا، اس کا کچھ حصہ انگلیوں پر لگا رہ گیا تو اگر اس کو چاٹ کر صاف کر لیا جائے اور کھا لیا جائے تو اس میں کون سی قباحت اور برائی ہے؟! اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر اپنے فعل کو کوئی قبیح سمجھتا ہے تو بات دوسری ہے؛ لیکن حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ہونے کی حیثیت سے خدانخواستہ اگر وہ برا سمجھتا ہے، تو کفر تک پہنچانے والی بات ہے؛ اس لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ انگلیوں کے چاٹنے کی ایک حکمت یہ بتلائی گئی کہ: انگلیوں کو چاٹ لینے کی وجہ سے کھانا جلدی ہضم ہوتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ تو عادت کے اوپر موقوف ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال دی کہ ہمارے یہاں جو چوسنے والا آم کھایا جاتا ہے، تو اس کے اوپر کا سرا توڑ کر اس کو چوستے ہیں، منہ میں لیا، پھر لیا، پھر لیا۔ جب تک اس کا رس ختم نہیں ہوتا، بار بار اس کو منہ میں لے کر چوستا رہتا ہے،

تو ایک عرب اس طریقے پر تبصرہ کر رہے تھے کہ: یہ ہندوستان والے کتنے گندے لوگ ہیں کہ وہ اس طرح کھاتے ہیں۔ اب وہ ان کو برا معلوم ہو رہا ہے اور یہاں جو کھا رہے ہیں ان سے پوچھو! اس میں کیا مزہ آرہا ہے۔

١٤٤ – حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ الصُّدَائِيُّ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ يَعْنِي الْحَضْرَمِيَّ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا.

١٤٤/ ١ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو! میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

افادات: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹیک لگانے کے بیان میں آچکی ہے۔ دراصل ایک مرتبہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھک کر کھانا کھا رہے تھے، ایک دیہاتی نے یہ منظر دیکھ کر کے کہا: دیکھو، وہ کس طرح کھاتے ہیں! اس پر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا، میں اللہ کا بندہ ہوں، غلاموں کی طرح کھاتا ہوں۔

١٤٥ – حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَيَلْعَقُهُنَّ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے، اور (کھانے سے فارغ ہو کر) ان کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

افادات: یہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی وہی روایت ہے جو پہلے نمبر پر آچکی، وہاں اس کا حوالہ دیا تھا کہ اس میں صراحت ہے۔ یعنی یہاں تین مرتبہ نہیں ہے؛ بلکہ تین انگلیوں کو چاٹتے تھے۔

١٤٦ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، أَخْبَرَنَا مُصْعَبُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِتَمْرٍ فَرَأَيْتُهُ يَأْكُلُ وَهُوَ

مُقْعٍ مِنَ الْجُوعِ .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھجوریں لائی گئیں، میں نے دیکھا کہ آپ اس طرح نوش فرما رہے تھے کہ بھوک کی وجہ سے (اپنے سہارے سے تشریف فرما نہیں تھے بلکہ) اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔

افادات: إقعاء کا ایک مطلب اکڑوں بیٹھنا ہے یعنی دونوں پاؤں کھڑے کر کے، سرین نیچے زمین کے اوپر اور پاؤں دونوں کھڑے کیے ہوئے بیٹھنا۔ صاحبِ قاموس نے کہا ہے کہ أقعى في الجلوس کا مطلب ہے ذرا پیچھے کی طرف ٹیک لگا کر کے بیٹھنا۔ یہاں اگر ٹیک لگانے والا معنیٰ مراد لیے جائیں تو اس کی وجہ حدیث کی شرح کرنے والے حضراتِ محدثین نے یہ بتلائی ہے کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھوک کی وجہ سے نہایت ضعف لاحق تھا، اس لیے پیچھے کی طرف آپ نے تھوڑا اسہارا لگا رکھا تھا۔ بہر حال! اس میں اکڑوں بیٹھ کر کھانا بتلایا جا رہا ہے۔

کھانا تناول کرتے وقت بیٹھنے کی تین مسنون ہیئتیں

کھانے کی ایک بیٹھک تو اوپر ذکر کی گئی۔ دوسری یہ کہ آدمی بائیں پاؤں کو بچھا دے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور تیسرا دو زانو بیٹھنا ہے؛ لیکن اس طرح کہ پیچھے دونوں پاؤں کے تلووں کو سرین کے ساتھ ملا کر، جھک کر بیٹھے، یہ تین شکلیں بتلائی گئی ہیں۔

۲۵ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خُبْزِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روٹی کا بیان

افادات: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قسم کی روٹی تناول فرماتے تھے، اس کا تذکرہ ہے۔

۱۴۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ، يُحَدِّثُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ،

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک لگاتار دو دن پیٹ بھر کر جَو کی روٹی نہیں کھائی۔

افادات: یعنی کبھی کھجوروں سے پیٹ بھرنے کی نوبت آتی تھی، لیکن روٹی سے مسلسل دو دن نہیں، آج اگر ایک دن جَو کی روٹی پیٹ بھر کر ملی ہو تو دوسرے دن نہیں ملتی تھی۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اس موقع پر حدیث کی شرح کرنے والے علمانے ایک اشکال کیا ہے کہ یہاں تذکرہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل وعیال کا ہے: آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ فرمایا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی- جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں بھی ہے- کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات کے سال بھر کا نفقہ ان کو دے دیا کرتے تھے، اگر سال بھر کا نفقہ دے دیا ہے، تو پھر درمیان میں خالی دن جانا سمجھ میں نہیں آتا، یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سال بھر کا نفقہ اس حساب سے دے دیا جاتا تھا کہ روزانہ ان کو برابر کھانا ملتا رہے، پھر دو دن جو کی روٹی میسر نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں:

(۱) بعضوں نے تو یوں کہا ہے کہ: یہاں اگر چہ ''آلِ محمد'' کہا گیا ہے؛ لیکن آپ کے گھر والے مراد نہیں ہیں؛ بلکہ خود حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت مراد ہے، چناں چہ یہ روایت اس باب کے آخر میں آنے والی ہے، وہاں اس طرح بیان ہے: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ: خود حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا حال بتلایا گیا ہے کہ آپ نے کبھی بھی دو دن مسلسل جو کی روٹی سیر ہو کر یعنی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

(۲) دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے سال بھر کا نفقہ اور خرچہ، اَناج وغیرہ دے دیتے تھے؛ لیکن خود حضراتِ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی صدقے کا ثواب حاصل کرنے کے شوق میں ان کو جو ملا ہوا ہوتا تھا، وہ خرچ کر دیتی تھیں، جس کی وجہ سے خود ان کے

لیے بھی مسلسل دو دن پیٹ بھر کر روٹی کھانے کی نوبت نہیں آتی تھی؛ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

(۳) تیسرا جواب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ: سال بھر کا نفقہ اسی حساب سے دیا جاتا تھا کہ ایک دن روٹی، ایک دن کھجور اور ایک دن بھوک۔ اس حساب سے سال بھر کا نفقہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیتے تھے۔ اگر یہ حساب رکھا جائے تو پھر کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

۱۴۸ - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ، أَخْبَرَنَا حَرِيزُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنِ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ خُبْزُ الشَّعِيرِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں جَو کی روٹی بچی نہ رہتی۔

افادات: یعنی عام طور پر جَو کی روٹی جو پکتی تھی، وہ اتنی مقدار میں ہوتی ہی نہیں تھی کہ جس سے پیٹ بھر کر کھانے کی نوبت آئے، تو بچنے کا کہاں سوال پیدا ہوتا ہے! بچنے کی نوبت تو وہاں آتی ہے جہاں آدمی پیٹ بھر کر کھاوے اور اس کے بعد بچ جاوے۔ یا پھر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں مہمانوں کی آمد ورفت بھی ہوتی تھی، اس لیے روٹی بچنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔

۱۴۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ، أَخْبَرَنَا ثَابِتُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُونَ عَشَاءً وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی کئی راتیں مسلسل خالی پیٹ گذار دیتے، آپ اور آپ کے گھر والے رات کا کھانا نہ پاتے، اور زیادہ تر اُن کی روٹی جَو کی ہوا کرتی تھی۔

افادات: ویسے تو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت سے اہلِ ثروت بھی تھے، اُن کو پتہ چل جاتا تو ضرور کھانے کا انتظام کرتے؛ لیکن حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں اخفائے حال کا بڑا اہتمام تھا، اس لیے ان کو پتہ چلنے نہیں دیتے تھے۔ بعد کے جو اکابر اور اسلاف گذرے ہیں، ان کا بھی یہی معمول رہا کہ ان کے یہاں فاقہ ہوتا تھا؛ لیکن کبھی قریب والوں کو بھی پتہ نہیں چلتا تھا، تو پھر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے پتہ چلنے دیتے!!!۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تنگ دستی کا عالَم

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: حضرت کے ایک عزیز سہارنپور مدرسے میں پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ مدرسے کا کھانا اچھا نہیں لگا تو ان کے دل میں خیال آیا کہ حضرت کے یہاں سے سالن لے آؤں۔ پیالہ لے کر گئے۔ حضرت کے گھر کا انتظام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سالے حاجی مقبول صاحب کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ: دروازہ کھٹکھٹایا اور حاجی مقبول صاحب سے کہا کہ: ذرا سالن دے دو، مدرسہ کا سالن اچھا نہیں! تو حاجی مقبول صاحب نے کہا کہ: آج سالن نہیں پکا ہے۔ انھوں نے کہا کہ: حضرت کے سالن ہی میں سے دے دو! تو انھوں نے جواب دیا کہ: حضرت کے لیے بھی نہیں پکا۔ اس پر اس عزیز نے کہا کہ: میں بازار سے حضرت کے لیے لے آؤں! وہ کہتے ہیں کہ: حاجی مقبول صاحب نے میرے پیر پکڑ لیے اور کہا کہ: تم تو مجھے گھر سے نکلوا دوگے؟ یہ تو تم نے مانگا؛ اس لیے مجھے کہنا پڑا۔ فرماتے ہیں کہ: اس کے باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ جب نکلتے تھے تو شاندار لباس پہن کر اور اس طرح ہشاش بشاش کہ کسی کو یہ خیال بھی نہ آوے کہ ان کے گھر میں فاقہ ہے۔ جب حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کا یہ حال ہے، تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں کتنا اہتمام ہوگا!

وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ: اور ان کی روٹی زیادہ تر جو کی ہوتی تھی۔ یہی بتلانے کے لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کونسی روٹی استعمال کرتے تھے؟ یہ روایت یہاں لائے ہیں۔

۱۵۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ الْحَنَفِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قِيلَ لَهُ: أَكَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّقِيَّ؟ - يَعْنِي الْحُوَّارَى - فَقَالَ سَهْلٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّقِيَّ حَتَّى لَقِيَ اللهَ تَعَالَى، فَقِيلَ لَهُ: هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ. قِيلَ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِالشَّعِيرِ؟ قَالَ: كُنَّا نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْجِنُهُ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بے چوکر آٹے یعنی سفید میدہ کی روٹی کھائی ہے؟ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک میدہ دیکھا تک نہیں تھا۔ پھر سائل نے پوچھا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تم لوگوں کے یہاں چھلنیاں تھیں؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں۔ سائل نے پوچھا کہ: تم لوگ (آٹے سے بھوسا/ چوکرا الگ کرنے کے لیے) جَو کے (آٹے کے) ساتھ کیا طریقہ اختیار کرتے تھے؟ (سہل رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ: ہم اس میں پھونک مارلیا کرتے تھے، اس سے جو اُڑنے کو ہوتا اڑ جاتا، اس کے بعد اس کو گوندھ لیتے تھے۔

افادات: حُوّارَی: حَوَّرَ یُحَوِّرُ تَحْوِیْرًا سے مشتق ہے، اس کا معنیٰ ہے: سفید بنانا۔ میدہ: گیہوں کے آٹے کو بار بار چھاننے کے نتیجے میں جب چھلکوں کا اثر مکمل طور پر اندر سے نکل جاتا ہے تو وہ آٹا خالص سفید معلوم ہوتا ہے، اسی کو میدہ کہتے ہیں۔

دورِ نبوت میں چھلنیاں نہیں ہوتی تھیں

چوں کہ جو کے آٹے میں چھلکے زیادہ ہوتے ہیں؛ اس لیے اگر کوئی بغیر چھانے گوندھے تو اچھی طرح گندھے گا نہیں اور اس سے روٹی نہیں بنے گی؛ اس لیے اس کو چھاننا ضروری ہے۔ اسی لیے پوچھنے والے نے یہ پوچھا کہ: جب چھلنی نہیں تھی تو پھر جو کے آٹے کا کیا کرتے تھے؟ تو جواب میں فرمایا: كُنَّا نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْجِنُهُ کہ ہم پھونک مار دیتے تھے، پھونک کی وجہ سے جو بڑے بڑے چھلکے ہوتے تھے، وہ اڑ جاتے تھے، اس کے بعد گوندھ لیا کرتے تھے۔ یعنی اس کے بعد گوندھنا ممکن ہوجاتا تھا، پھر اس سے روٹی بنالیا کرتے تھے۔

۱۵۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ يُونُسَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا أَكَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ، وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ، قَالَ: فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: فَعَلَامَ كَانُوا يَأْكُلُونَ؟ قَالَ: عَلَى هَذِهِ السُّفَرِ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: يُونُسُ هَذَا الَّذِي رَوَى عَنْ قَتَادَةَ هُوَ يُونُسُ الْإِسْكَافُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی میز پر کھانا کھایا اور نہ چھوٹی طشتری میں،

اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ یونس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ: پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: بس یہی دسترخوان پر۔ محمد بن بشار نے فرمایا: قتادہ سے روایت کرنے والے یونس وہی یونس ہیں جو کفش دوز (موچی) تھے۔

افادات: خوان: اس زمانے میں یہ لمبوترہ خوانچہ بنابنایا ہوتا تھا، جس کے نیچے پائے لگے ہوئے ہوتے تھے اور اسی خوانچے کے اندر کھانا سجا کر کھانے والوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اس کو خوان کہتے ہیں۔ اس زمانے میں جو خوش حال لوگ ہوا کرتے تھے، ان کا طریقہ اور شیوہ یہی تھا؛ تا کہ ان کو کھانے کے لیے جھکنا نہ پڑے۔ یہ اتنا اونچا ہوتا تھا کہ آسانی سے جھکے بغیر ہاتھ اندر ڈال کر کے آدمی کھانا کھا سکے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اس طریقے سے خوان میں رکھا ہوا کھانا تناول نہیں فرمایا۔

اونچائی پر کھانا رکھ کر کھانا مناسب نہیں

اس کی وجہ جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ''تقریرِ ترمذی'' میں فرماتے ہیں یہ ہے کہ: ہوسکتا ہے اُس وقت تک ابھی اس خوانچے میں کھانے کا رواج ہی نہ ہوا ہو۔ ویسے بھی عربوں کی تہذیب اور ان کا تمدن تو بہت سادہ رہا ہے۔ خاص طور پر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حجاز کی جو تہذیب تھی، وہ بڑی سادہ تھی اور کھانے پینے کے معاملے میں تکلّفات نہیں ہوا کرتے تھے؛ اس لیے ان کے یہاں یہ چیز نہیں تھی۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور حضراتِ خلفائے راشدین کے آخری زمانے میں جب فتوحات کا دور آیا، تو عجمیوں کے یہاں اس طرح کھانے پینے کی چیزیں بڑی وسعت کے ساتھ استعمال کی جاتی تھیں، اور ویسے بھی جب خوش حالی کا دور آتا ہے تو ایسی چیزوں میں توسع برتا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جس زمانے میں یہ روایت بیان کر رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اُس کا استعمال شروع ہو چکا تھا؛ اسی لیے اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرنے والے حضرت یونس اسکاف رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھنا پڑا کہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوان استعمال نہیں کرتے تھے، تو کھانا کس میں کھاتے تھے؟ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ:

ان چمڑوں کے دسترخوان پر جو نیچے بچھائے جاتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں خوان کا رواج زیادہ تھا؛ اسی لیے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس روایت کو سننے اور نقل کرنے والے جو راوی ہیں، ان کو پوچھنا پڑا، اُن کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیسے کھانا کھایا جاتا تھا؟ اس لیے اس کے استعمال کی اجازت اور گنجائش ہے؛ لیکن حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ کھانا میز پر نہ ہو؛ بلکہ زمین پر دسترخوان بچھایا گیا ہو اور اس پر کھانا رکھا جائے۔اونچائی کے اوپر کھانا رکھنا مناسب نہیں۔ پھر بھی اس طرح کھانے کی شرعاً اجازت ہے، اس کو گناہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی طشتریوں میں نہیں کھایا

وَلَا فِي سُكُرَّجَةٍ: سُكُرَّجَةٌ کا ترجمہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے شکوریوں سے کیا ہے؛ یعنی چھوٹی چھوٹی پلیٹیں جس میں چٹنی اچار اور اس قسم کی ساری چیزیں- جو آدمی کو بھوک لگانے والی اور ہضم کرنے والی ہوتی ہیں- ایسی چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں دسترخوان پر رکھی جاتی ہیں، ان طشتریوں کو سُكُرَّجَةٌ کہا جاتا ہے۔حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی شکوریوں میں یعنی چھوٹی طشتریوں میں نہیں کھایا۔

طشتریوں میں نہ کھانے کی وجوہات

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے حوالے سے- جو انھوں نے اپنی ''شرح ترمذی'' کے اندر لکھا ہے- اس کی وجہیں یہ بتلائی ہیں کہ:

(۱) اس زمانے میں ابھی ان کا رواج ہی نہیں ہوا تھا یعنی ابھی ان کی ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی؛ اس لیے اس میں کھانے کی نوبت نہیں آئی۔

(۲) عربوں کے یہاں چوں کہ کئی لوگ ایک ساتھ مل کر ایک بڑے برتن میں کھایا کرتے تھے، تو ان کے لیے یہ چھوٹی طشتریاں کافی نہیں تھیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اُس زمانے میں چوں کہ کھانے پینے کے اندر بڑی تنگی تھی، پیٹ بھر کر کھانا ہی آدمی کو بڑی مشکل سے نصیب ہوتا تھا، چہ جائے کہ ان چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں چٹنی

اچار رکھا جاتا۔ یہ چٹنی اور اچار اس وقت رکھا جاتا ہے جب کہ کھا پی کے پیٹ بھرے ہوئے ہوں اور بھوک نہ لگی ہو تو بھوک کو بھڑکانے اور بھوک پیدا کرنے کے واسطے، یہ مختلف تدبیریں پیٹ بھرے لوگ اختیار کرتے ہیں، جو بے چارے بھوک کے اندر اپنی زندگی گذارتے ہیں، ان کے یہاں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت نبئ کریم ﷺ کے زمانے میں جو مسلمانوں کا گذر بسر اور معیشت تھی، وہ اسی نوع کی تھی؛ اس لیے ان طشتریوں کے استعمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ تین وجوہات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے حوالے سے لکھی ہیں۔

حضور ﷺ کے لیے کبھی چپاتی نہیں بنائی گئی

وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ: بس یہاں یہ روایت یہی بتلانے کے لیے لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی چپاتی نہیں کھائی ہے۔ جو پتلی روٹی ہمارے یہاں بنائی جاتی ہے اسی کو چپاتی کہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں اور آئندہ بھی آئے گا کہ وہاں جَو کی روٹی ہی بڑی مشکل سے میسر ہوتی تھی، چہ جائے کہ چپاتی!۔

۱۵۲ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ الْمُهَلَّبِيُّ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ: مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بَكَيْتُ. قَالَ: قُلْتُ لِمَ؟ قَالَتْ: أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِي فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ الدُّنْيَا، وَاللهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ.

ترجمہ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، انھوں نے میرے لیے کھانا منگایا اور یہ فرمانے لگیں کہ: میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں، پھر رونے کو جی چاہتا ہے تو رونے لگتی ہوں۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ: کیوں (رونے کو دل چاہتا ہے)؟ فرمایا کہ: مجھے حضور اقدس ﷺ کی وہ حالت یاد آجاتی ہے جس حالت میں رسول اللہ ﷺ دنیا سے جدا ہوئے۔ اللہ کی قسم! ایک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

افادات: مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ إلخ: یعنی میرا حال یہ ہے کہ مجھے جب کبھی پیٹ بھر کر کھانا

نصیب ہوتا ہے تو میرا رونے کو جی چاہتا ہے اور میں رونا شروع کر دیتی ہوں۔

وَاللهِ مَا شَبِعَ إلخ: یعنی ایک دن میں آپ ﷺ کو دو مرتبہ گوشت روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا کھانے کی نوبت نہیں آئی۔ مجھے حضور ﷺ کی وہ حالت یاد آ جاتی ہے، اس پر رو پڑتی ہوں۔

بہر حال! آپ ﷺ کو دو وقت بھی روٹی میسر نہیں تھی، یہاں یہی بتلانا چاہتے ہیں۔

۱۵۳ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: أَنبأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ، يُحَدِّثُ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے عمر بھر پیہم دو دن جو کی روٹی (بھی) پیٹ بھر نہ کھائی۔

افادات: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی روایت ہے جو اس باب کے شروع میں آئی تھی؛ لیکن وہاں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے گھر والوں کا تذکرہ تھا: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ. اور یہاں مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ ہے کہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے کبھی دو دن مسلسل جو کی روٹی پیٹ بھر کر نوش نہیں فرمائی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ گویا موت تک دو دن مسلسل جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھانے کی نوبت نہیں آئی۔

۱۵٤ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو: أَبُو مَعْمَرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا أَكَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى خِوَانٍ وَلَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتَّى مَاتَ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے وفات تک نہ میز پر کھایا اور نہ چپاتی کھائی۔

افادات: جیسا کہ پہلے بھی آ چکا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی جو فقر و فاقے اور عام بھوک والی حالت تھی وہ اختیاری تھی یعنی آپ نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا تھا؛ ورنہ اللہ کی طرف سے آپ کو اختیار دیا گیا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے خود ہی عرض کیا کہ باری تعالیٰ! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں؛ تاکہ صبر کروں اور دوسرے دن پیٹ بھرے؛ تاکہ شکر ادا کروں۔

٢٦ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِدَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے سالن کا بیان

افادات: إِدَام: روٹی کو آسانی کے ساتھ حلق سے نیچے اتارنے اور مرغوب بنانے کے لیے جو چیز اس کے ساتھ ملا کر کھائی جاتی ہے، اس کو سالن کہتے ہیں۔ آج تو ہمارے دسترخوان سے روٹی ہی غائب ہوگئی، سالن ہی سالن رہ گیا۔ روٹی تو دعوت میں ہوتی ہی نہیں۔ بہر حال! اکیلی روکھی روٹی کھانے کے بجائے کچھ ملا کر کھاتے ہیں، اس کو اصل سالن کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا سالن کیا تھا؟ سنیے!

١٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَا: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي حَدِيثِهِ: نِعْمَ الْأُدْمُ أَوِ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سرکہ (بھی) اچھا سالن ہے۔ عبداللہ بن عبدالرحمن نے اپنی حدیث میں الادم یا الادام فرمایا۔

افادات:

سرکہ بہترین سالن کیوں؟

سرکے کو حضرت نبیِ کریم ﷺ بہترین سالن فرماتے ہیں، اس کو بہتر اس لیے کہا کہ:

(۱) اس کے حصول میں کوئی دقت اور محنت نہیں ہوتی۔

(۲) بنا بنایا موجود ہوتا ہے اور اس میں کوئی وقت ضائع نہیں ہوتا، ہر وقت موجود رہتا ہے، اس کے لیے آدمی کو ذرا بھی انتظار نہیں کرنا پڑتا۔

(۳) اس کے ساتھ روٹی بھی بے تکلف کھائی جاسکتی ہے۔

(۴)اس میں کچھ ایسے خواص ہیں جس کی وجہ سے پیٹ کا زہریلا مادّہ بھی دور ہوجاتا ہے۔

(۵)ہاضمے میں بھی مددگار ہے۔

(۶)پیٹ کے کیڑے بھی اس سے مرجاتے ہیں۔

(۷)بھوک بھی اچھی لگتی ہے۔

ان ہی وجوہات کی بنا پر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بہترین سالن قرار دیا۔

چناں چہ روایتوں میں آتا ہے کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے روٹی کے ساتھ سرکہ پیش کیا گیا تو آپ کھاتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے تھے: کیا ہی اچھا سالن ہے! کیا ہی اچھا سالن ہے! اور سرکے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت کی دعا بھی فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ: اگلے نبیوں کا بھی سالن یہی رہا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ: جس گھر میں سرکہ ہے، وہ گھر محتاج نہیں، یعنی اس کو اب سالن کی ضرورت نہیں، اس کے گھر میں سالن موجود ہے۔ اس موقع پر اس کے اَور بھی بڑے فوائد شراحِ حدیث نے لکھے ہیں۔

۱۵۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ .

ترجمہ: حضرت سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: کیا تم لوگوں کو تمھاری دلی خواہش کے مطابق کھانا پینا میسر نہیں ہے؟ جب کہ میں نے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھٹیا قسم کی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر میسر نہیں ہوتی تھیں۔

افادات:

دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب

الدَّقَلُ: آپ نے دیکھا ہوگا کہ کھجوروں میں کوئی چھوٹی سی، سوکھی سی بہت چھوٹی نکل آتی ہے، اس گھٹیا کھجور کو دَقَل کہتے ہیں۔ ایسی کھجوریں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوئی اور تم کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی نعمتیں دے رکھی ہیں، گویا یہ کہہ کر حضرت نعمان رضی اللہ عنہ اپنے مخاطبین کو دنیا کی

چیزیں مختصر حاصل کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں، کہ جتنے سے آدمی کی ضرورتیں پوری ہو جائیں، اس سے زیادہ بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہیے۔

باب کے ساتھ مناسبت

یہ حدیث یہاں اس لیے لائے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ گھٹیا قسم کی کھجوریں پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوتی تھیں تو پھر سالن کا تو کہاں تذکرہ ہوسکتا ہے! اس لیے کہ اُن لوگوں کے یہاں گھروں میں کھجور تو وافر مقدار میں ہوا کرتی تھیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بھی میسر نہ تھیں۔

۱۵۷ – حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سرکہ اچھا سالن ہے۔

افادات: یہ وہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت ہے جو ماقبل میں گزری۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ مختلف مواقع پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے موقع پر سنا اور نقل کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا؛ اس لیے کہ جب بھی اس طرح سرکے سے روٹی کھانے کی نوبت آتی تھی تو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات ارشاد فرماتے تھے، جس دن، جس نے جو سنی اس کے مطابق نقل کی ہے۔

۱۵۸ – حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَأُتِيَ بِلَحْمِ دُجَاجٍ فَتَنَحَّى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ: مَا لَكَ؟ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهَا تَأْكُلُ نَتْناً فَحَلَفْتُ أَنْ لَا آكُلَهَا قَالَ: ادْنُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ دُجَاجٍ.

ترجمہ: حضرت زہدم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس (بیٹھے ہوئے) تھے کہ مرغی کا گوشت لایا گیا، مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا تو (ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے) پوچھا: تجھے کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ: میں نے اس (کی جنس) کو گندگی کھاتے دیکھا ہے؛ اس لیے میں نے مرغی نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: قریب آجا (اور بے تکلف کھا)، مَیں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغی کا گوشت نوش فرماتے دیکھا ہے۔

افادات: جس زمانے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، اس زمانے میں ان کے حضرت زہدم جرمی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔

فَتَنَحّٰى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ خود حضرت زہدم جرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یعنی وہ شریک نہیں ہوئے، الگ ہوگئے۔

إِنِّي رَأَيْتُهَا تَأْكُلُ شَيْئًا: رَأَيْتُهَا کا مطلب یہ نہیں کہ یہی مرغی جو یہاں لائی گئی تھی اس کو نجاست کھاتے دیکھا، بلکہ اس کی جنس یعنی مطلق مرغی کو نجاست کھاتے ہوئے دیکھا ہے؛ اس لیے اس دن سے مجھے نفرت ہوگئی اور میں نے قسم کھالی کہ آئندہ کبھی مرغی نہیں کھاؤں گا۔

فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ: یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا، تو پھر اس سے پرہیز کرنے والا تو کون ہوتا ہے؟ اس لیے یہاں آجا۔

قسم کا کفارہ

جہاں تک تعلق ہے حضرت زہدم رحمۃ اللہ علیہ کی قسم کا، تو دوسری روایت میں موجود ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک اور قصہ قسم کے کفارے کا ان کو سنادیا کہ: ایک مرتبہ ہمارے خاندان کے لوگوں کو سواری کی ضرورت تھی، تو مجھے بھیجا کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری مانگ کر لے آؤ، میں حاضرِ خدمت ہوا۔ اس وقت حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سواری کا جانور نہیں تھا، اور کسی نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات پر ناراض بھی کردیا تھا، یعنی کوئی ایسی حرکت کی تھی جس سے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوگئے تھے، اور ان باتوں کا مجھے پتہ نہیں تھا۔ میں نے جاکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری کا مطالبہ کیا کہ میری قوم نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ سواری کا جانور دیں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: جاؤ! نہیں دوں گا، اور قسم بھی کھالی! اب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ اونٹ آگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں بلوایا،

بلانے کے بعد فرمایا کہ: یہ اونٹ لے جاؤ۔ یہ اونٹ لے کر جانے لگے، راستے میں یاد آیا کہ حضور ﷺ نے قسم کھالی تھی کہ میں سواری نہیں دوں گا، کہیں آپ ﷺ اپنی قسم بھول تو نہیں گئے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کو بھلاوے میں رکھ کر ہم لے آویں، تب تو بے برکتی ہو جائے گی؛ اس لیے آپ ﷺ کو بتلا دینا چاہیے۔ چناں چہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راستے سے لوٹ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ اگلے مطالبے کے وقت ان کے ساتھ جو آدمی تھا، اس کو بھی ساتھ لائے؛ تاکہ وہ گواہی دے کہ اللہ کے رسول! آپ نے تو نہ دینے کی قسم کھائی تھی، پھر بھی دے دیا؟ چناں چہ انھوں نے آکر پوری بات بتلائی کہ: حضور! ابھی کچھ دیر پہلے میں نے آکر سواری مانگی تھی تو آپ نے منع فرما دیا تھا اور قسم کھالی تھی کہ نہیں دوں گا اور پھر آپ نے دے دیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اپنی قسم بھول گئے ہوں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں، بھولا نہیں ہوں؛ بلکہ بات یہ ہے کہ میں اگر کسی بات پر قسم کھالیتا ہوں اور اس کے خلاف میں خیر ہے تو وہ کر لیتا ہوں اور قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔

یہاں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے زہدم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ قصہ بھی سنایا اور فرمایا کہ: تم مرغی کھالو، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دینا۔ حضور ﷺ کے مرغی کھانے کے بعد تم اس سے بچنے والے کون ہوتے ہو؟۔

۱۵۹ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجُ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَحْمَ حُبَارَى.

ترجمہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا ہے۔

افادات: عَنْ جَدِّهِ: حضرت سفینہ حضور اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، سفینہ ان کا لقب تھا، سفر میں بہت زیادہ سامان اٹھا لیا کرتے تھے؛ اس لیے حضور ﷺ نے ان کا نام سفینہ یعنی کشتی رکھ دیا تھا۔

حباری سے کیا مراد ہے؟

حُبَارَیٰ ایک پرندہ ہے جس کے متعلق لغات میں لکھا ہے کہ اس کی گردن لمبی ہوتی ہے، پیر بھی

لمبے اور چونچ بھی لمبی ہوتی ہے، خاکستری یعنی مٹیالے رنگ کا ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کہ اس کو ہندی میں کیا کہتے ہیں؟ چناں چہ اس کے متعلق علما نے مختلف باتیں کہی ہیں: (۱) کوئی کہتا ہے تغدری ہے۔ (۲) کوئی بٹیر بتلاتا ہے۔ (۳) کوئی سرخاب کہتا ہے۔ (۴) کوئی چکوا چکوی کہتا ہے۔ (۵) محیطِ اعظم میں لکھا ہے کہ ترکی میں اس کو ''تغدری'' اور ہندی میں ''چرز'' کہتے ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: تغدری ہی مراد ہے، یہ پرندہ لمبے پاؤں، لمبی گردن اور لمبی چونچ والا خاکی رنگ کا ہوتا ہے۔

١٦٠- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقُدِّمَ طَعَامُهُ وَقُدِّمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلًى قَالَ: فَلَمْ يَدْنُ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: ادْنُ، فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَكَلَ مِنْهُ، قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ أَبَدًا .

ترجمہ: حضرت زہدم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس (بیٹھے) تھے کہ ان کے پاس کھانا لایا گیا اور کھانے میں مرغی کا گوشت لایا گیا، مجمع میں قبیلۂ بنو تیم اللہ کا ایک سرخ رنگ کا آدمی تھا، وہ آزاد کردہ غلام/قوم کا پیشوا معلوم ہو رہا تھا۔ زہدم کہتے ہیں: وہ قریب نہ آیا تو ابوموسیٰ نے اس سے کہا: نزدیک آجاؤ، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے (یعنی مرغی کو) کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس نے کہا کہ: میں نے اس (کی جنس) کو ایسی چیز کھاتے دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے؛ اس لیے میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اس کو کبھی نہ کھاؤں گا۔

افادات: یہ روایت پہلے بھی آچکی ہے۔

فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَكَلَ مِنْهُ: چوں کہ اس روایت سے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرغی کے گوشت کو بطور سالن استعمال فرمانا ثابت ہو رہا ہے؛ اس لیے اس کو یہاں لائے ہیں۔

١٦١- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، وَأَبُو نُعَيْمٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ يُقَالُ: لَهُ عَطَاءٌ، عَنْ أَبِي أَسِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ؛ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ .

ترجمہ: حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو بدن پر لگاؤ؛ اس لیے کہ وہ (تیل) بابرکت درخت سے نکلا ہے۔

افادات: قرآن پاک میں ہے:﴿مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ﴾ [النور] قرآن میں زیتون کے درخت کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت درخت بتلایا ہے۔ اسی کی طرف حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ ہے۔

زیتون کے تیل کے فوائد

بابرکت کیوں کہا گیا؟ اس کے جواب میں حضراتِ مفسرین نے اس کی مختلف وجوہات لکھی ہیں: (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ: عام طور پر یہ درخت ملکِ شام میں پیدا ہوتا ہے اور ملک شام انبیاء کی سرزمین ہے؛ اس لیے انبیاء کی سرزمین ہونے کی وجہ سے وہ بابرکت ہے۔ (۲) اس کی دوسری وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس میں بہت سارے فوائد ہیں، چناں چہ ابونعیم کی روایت میں ہے کہ زیتون میں ستر (۷۰) بیماریوں سے شفا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: زیتون کے درخت کی ہر چیز کام میں آتی ہے: اس کا تیل کھانے میں، چراغ کے اندر جلانے میں اور کسی بھی طریقے سے جسم میں لگانے میں، اور اس کا پھل بھی کھانے کے کام آتا ہے۔ زیتون کے درخت کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چالیس سال کے بعد تو پھل لاتا ہے اور ایک ہزار سے بھی زیادہ اس کی عمر ہوتی ہے۔ الغرض! اس کے فوائد بہت زیادہ ہے۔

١٦٢ – حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ؛ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ .

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ كَانَ يَضْطَرِبُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَرُبَّمَا أَسْنَدَهُ، وَرُبَّمَا أَرْسَلَهُ .

١٦٣ – حَدَّثَنَا السِّنْجِيُّ وَهُوَ أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ مَعْبَدٍ الْمَرْوَزِيُّ السِّنْجِيُّ، حَدَّثَنَا

عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عُمَرَ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو بدن پر لگاؤ؛ اس لیے کہ وہ (تیل) بابرکت درخت سے نکلا ہے۔

ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ: عبدالرزاق کو اس حدیث میں اضطراب تھا، گاہے اس کو مسند بیان فرماتے اور کبھی مرسل۔

ترجمہ: ابوداود سلیمان بن معبد سنجی نے مذکورہ روایت کی سند اس طرح بیان کی ہے: حدثنا عبد الرزاق إلخ اس میں عن عمر (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واسطہ) مذکور نہیں۔

افادات: اوپر کی روایت حضرت ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ کی تھی اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اس میں بھی وہی مضمون ہے۔ دوسری روایت میں بھی اسی حدیث کی ایک اَور سند انھوں نے بیان کی ہے، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اس روایت کو مرسل کر دیا گیا ہے۔

١٦٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَا: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ الدُّبَّاءُ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ، أَوْ دُعِيَ لَهُ فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُهُ وَأَضَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا أَعْلَمُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدّو مرغوب تھا۔ (ایک مرتبہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھانا لایا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی گئی، چوں کہ مجھے معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مرغوب ہے اس لیے اس (کے قتلوں) کو ڈھونڈ کر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کر دیتا تھا۔

افادات: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ الدُّبَّاءُ: دباء: گجراتی زبان میں اس کو "دُودِھی" اور اردو میں "کدو" اور "لوکی" بولتے ہیں۔ یہ دو طرح کی ہوتی ہے: لمبی بھی ہوتی ہے اور گول بھی ہوتی ہے۔ مدینہ والے عام طور پر گول کدو کو دباء سے تعبیر کرتے ہیں۔ آج بھی وہاں گول کدو کو دباء کہتے ہیں۔

شوربے والے سالن میں پانی زیادہ ڈالنے کی تاکید

چوں کہ ان حضرات کے یہاں شوربے والے سالن میں شوربا زیادہ بنانے کا معمول تھا، خود

حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے تاکید بھی فرمائی ہے۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے،وہ فرماتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ: اے ابوذر! جب تم شوربے والا سالن پکاؤ تو پانی زیادہ ڈالو؛ تاکہ زیادہ سالن ہوتو اپنے پڑوسیوں تک بھی وہ سالن پہنچا سکو۔ بھلے پانی زیادہ ڈالنے اورشوربا زیادہ ہونے کی وجہ سے لذت میں کمی آجائے؛ لیکن اپنی لذت کی کمی کو گوارا کرلو اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا اہتمام کرو۔

اس روایت سے معلوم ہونے والا ایک ادب

اب دیکھیے! حضرت انس رضی اللہ عنہ برتن کے اندر سے وہ ٹکڑے نکال رہے ہیں۔اِس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ایک برتن میں کئی آدمی مل کر کھارہے ہیں اور کوئی چیز ایسی ہے جو دوسری طرف ہے،تو لینے والا اس کو اُدھر سے بھی لے سکتا ہے، جیسے بوٹی یا یہ کدو ہے، البتہ اتنا خیال رہے کہ کھانے والے ساتھیوں کو اس طرزِ عمل سے کوئی ناگواری نہیں ہونی چاہیے؛ورنہ یہ مناسب نہیں ہے۔اگر کئی لوگ بیٹھے ہوں اور بڑے پیالے میں سالن لایا جائے تو بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر ان کے ہاتھ میں چمچہ آجائے تو ساری بوٹیاں وہی نکال کر اپنی پلیٹ میں ڈال لیتے ہیں یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ایسی مشترک چیز میں طریقہ یہ بتلایا گیا کہ جتنے لوگ دسترخوان پر بیٹھے ہیں آپ ان سب کو دیکھ لیں اور پیالے میں جتنی بوٹیاں ہیں وہ بھی دیکھ لیں اور اندازہ لگائیں کہ اگر یہ بوٹیاں سب میں برابر تقسیم کی جائیں تو میرے حصے میں کتنی آسکتی ہے۔بس آپ اسی حساب سے لیں۔اس سے زیادہ لینا انصاف اور امانت کے تقاضے کے خلاف ہے۔مشترکہ کھانوں کا یہی طریقہ بتلایا گیا ہے۔

کدو کے بعض فوائد

علما نے کدو کے بڑے فوائد بتلائے ہیں: (۱) عقل کو تیز کرتا ہے (۲) دماغ کو قوت پہنچاتا ہے۔ نیز حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے باہر نکلے تھے تو پورا جسم متأثر ہو چکا تھا۔چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سایہ ڈالنے کے لیے اسی کدو کے درخت کو پیدا فرمایا تھا اور اسی کے سائے سے

ان کے جسم میں دوبارہ تازگی آئی۔

١٦٥ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرَأَيْتُ عِنْدَهُ دُبَّاءً يُقَطَّعُ فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالَ: نُكَثِّرُ بِهِ طَعَامَنَا .

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَجَابِرٌ هَذَا هُوَ جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ وَيُقَالُ: ابْنُ أَبِي طَارِقٍ، وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ، وَأَبُو خَالِدٍ اسْمُهُ: سَعْدٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن طارق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جا رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ: یہ کیا ہے؟ فرمایا: اس سے ہم اپنا کھانا بڑھاتے ہیں۔

ابوعیسیٰ نے کہا: یہ جابر وہی ہیں جو جابر بن طارق ہیں، ان کو ابن ابی طارق بھی کہتے ہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں، اور ہم کو ان کی صرف یہی ایک حدیث معلوم ہے۔ اور ابوخالد کا نام سعد ہے۔

افادات:

راویٔ حدیث کے متعلق ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ

جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ: ایک حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ عام طور سے وہ مشہور ہیں۔ یہ جابر دوسرے صحابی ہیں جو اُن ہی کے ہم نام ہیں، لیکن ان کے والد کا نام طارق ہے۔ چناں چہ آگے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان سے یہی ایک حدیث کتبِ حدیث میں منقول ہے۔

نُكَثِّرُ بِهِ طَعَامَنَا: مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی نے گوشت بنایا اور گوشت تھوڑا ہے، لوگ زیادہ ہیں تو پھر اس کے اندر آلو یا دوسری کوئی چیز ڈال دیتے ہیں، تاکہ کھانا بڑھ جائے۔ یہاں بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کو زیادہ کرنے کے لیے کدو ڈال رہے ہیں۔

١٦٦ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنِ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسٌ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ، وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ، قَالَ أَنَسٌ: فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ. فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کے لیے بلایا جو اس نے تیار کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس کھانے میں مَیں بھی شریک ہوا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جَو کی روٹی اور شوربا جس میں کدو اور خشک نمکین گوشت تھا پیش کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ پلیٹ کی چاروں جانب سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما رہے تھے، اُس دن سے میں بھی ہمیشہ کدو پسند کرتا ہوں۔

افادات: إِنَّ خَيَّاطًا: بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ درزی حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا، اس کا پیشہ کپڑے سینے کا تھا۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں اور بخاری شریف میں اس کی تصریح موجود ہے۔

فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ: یا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی مستقل دعوت دی گئی ہوگی یا یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے، ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، اور عام طور پر جب بڑے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے تو ساتھ میں خدام کو بھی بلایا جاتا ہے۔ یہاں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یا تو مستقل دعوت دی ہو یا تو خادمیت کی مد میں گئے ہوں۔ جو بھی وجہ ہو اگر داعی کو گرانی نہ ہو تو جا سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ: قَدِید کی حقیقت یہ ہے کہ گوشت کے لمبے ٹکڑے کر کے نمک ڈال کر اس کو سکھا دیا جائے۔ اس سوکھے گوشت کو قَدِید کہا جاتا ہے۔ تو کدو اور سوکھے گوشت کا شوربا پیش کیا۔

تیرے بوسے کو ہم دیتے ہیں بوسہ حجرِ اسود پر

فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ: یہ محبت کی بات ہے۔ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت تھی، اس کا یہی تقاضا تھا۔ پہلے تو پسند نہیں تھا؛ لیکن جب یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہے، تو جو چیز محبوب کو پسند ہے، وہ محب کو بھی پسند آنے لگی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا عشقِ نبوی

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ یہ روایت ان کے سامنے پڑھی گئی کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کدو پسند تھا۔ مجلس میں موجود ایک شخص نے کہا کہ: مجھے تو پسند نہیں۔ یہ سن کر حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ گھر میں تشریف لے گئے، تلوار لے کر باہر نکلے اور فرمایا کہ: توبہ کر، ورنہ تیرا سر قلم کردوں گا۔

١٦٧ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، وَسَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالُوا: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میٹھی چیز اور شہد پسند تھا۔

افادات: يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ: حلوے سے اگر اصطلاحی معنی مراد لیا جائے یعنی جس کو ہم بھی حلوہ کہتے ہیں تو اس طرح کا حلوہ سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بنا کر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا، جو شہد، گھی اور آٹا ملا کر بنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بڑا اچھا لگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔

یا حلواء بول کر میٹھا مراد لیا گیا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میٹھی چیز پسند تھی۔ یہ طبائع کی بات ہے، طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں؛ بعض طبیعتیں وہ ہوتی ہیں جن کو نمکین پسند ہوتا ہے اور بعض طبیعتیں وہ ہوتی ہیں جن کو میٹھا مرغوب ہوتا ہے۔ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میٹھا مرغوب تھا۔

سنتوں کے باب میں امّت کا عام مزاج

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی آدمی یہ کہہ کر حلوہ کھاتا رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ مرغوب تھا۔ ہمیں ایسی میٹھی سنتیں بہت یاد رہتی ہیں، کبھی حلوہ سامنے آئے گا تو کہتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حلوہ بہت پسند تھا اور پھر پلیٹ اپنے سامنے کھینچ کر سب نمٹا دیتے ہیں، پسندیدگی کا یہ مطلب نہیں ہے؛ بلکہ پسندیدگی کا مفہوم آپ کو بتلا دیا کہ آپ کی طبیعت میں اس کی طرف رغبت تھی۔ گویا نمکین کے مقابلے میں

میٹھے کی طرف رغبت زیادہ تھی۔ جیسے بعض لوگوں کی طبیعت میں میٹھے کے مقابلے میں نمکین کی طرف رغبت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

١٦٨- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بکری کے پہلو کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے گئے اور (از سرِ نو) وضو نہیں فرمایا۔

افادات: جَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ: یہاں تو بس بکری کے پہلو کا گوشت بطور سالن کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال فرمایا ہے، یہ بتلانے کے لیے یہ روایت پیش کی ہے۔

وضوء مما مسته النار

ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ: پہلے سے آپ کا وضو تھا اور بکری کے پہلو کا بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ وضو نہیں فرمایا۔

یہاں دراصل ایک خاص مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ شروع اسلام میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر کوئی آدمی آگ پر پکی ہوئی چیز استعمال کر لے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا تھا، دوبارہ وضو کرنا پڑتا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، یہاں اس روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ بڑھائے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کے پہلو کا بھنا ہوا گوشت تناول فرمانے کے بعد نماز کے لیے تشریف لے گئے اور آپ نے وضو نہیں کیا۔ اس سے یہی بتلانا چاہتی ہیں کہ پہلے جو آگ پر پکی ہوئی چیز کو کھانے کی وجہ سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم تھا، وہ اب باقی نہیں رہا۔

١٦٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَكَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ شِوَاءً فِي الْمَسْجِدِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر بھنا ہوا گوشت کھایا۔

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھنا ہوا گوشت بطور سالن استعمال فرمایا ہے، یہی بتلانے کے لیے یہ روایت یہاں پیش کی ہے۔

مسجد میں کھانا تناول کرنے کا حکم

اس روایت سے مسجد میں کھانے کا جائز ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔فقہاء نے اس سلسلے میں یہ شرط لگائی ہے کہ کھانے کے ذرّات اور ریزے گرنے سے مسجد خراب نہ ہو، ورنہ مکروہ ہے۔ ویسے یہ ہوسکتا ہے کہ جس وقت حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ نے گوشت تناول فرمایا تھا اس وقت وہ سب معتکف ہوں؛ کیوں کہ اعتکاف کی حالت میں مسجد میں کھایا جاسکتا ہے۔

۱۷۰ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ أَبِي صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ضِفْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأُتِيَ بِجَنْبٍ مَشْوِيٍّ، ثُمَّ أَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ، فَحَزَّ لِي بِهَا مِنْهُ، قَالَ: فَجَاءَ بِلَالٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَأَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ: مَا لَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ؟. قَالَ: وَكَانَ شَارِبُهُ قَدْ وَفَى، فَقَالَ لِيْ: أَقُصُّهُ لَكَ عَلَى سِوَاكٍ أَوْ قُصَّهُ عَلَى سِوَاكٍ .

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مَیں ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مہمان ہوا، بھنا ہوا پہلو لایا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاقو لے کر اس میں سے کاٹنے لگے، اور اُس میں سے کاٹ کر مجھے بھی مرحمت فرمایا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِسی دوران حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً چھری رکھ دی اور فرمایا کہ: خاک آلود ہو اُس کے دونوں ہاتھ، کیا ہوا اس کو (کہ ایسے موقع پر خبر کی)!۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ: (دوسری بات یہ پیش آئی کہ) ان (مغیرہ یا بلال رضی اللہ عنہما) کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: لاؤ! مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دوں، یا یہ فرمایا کہ: مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دو۔

افادات:

ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللہ کے مطالب

(۱) مَعَ یہاں زائد مان لیا جائے، ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللہ ﷺ: یعنی ضِفْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ: میں حضورِ اکرم ﷺ کے یہاں مہمان ہوا۔ چناں چہ ترمذی شریف میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت پیش کی ہے، وہ اس مطلب کے مناسب ہے؛ بلکہ ابوداؤد کی روایت میں تو بالکل صراحت ہے کہ میں نبیٔ کریم ﷺ کا مہمان ہوا؛ اس لیے یہاں لفظ مَعَ کو زائد مانیں گے۔

(۲) اس جملے کا دوسرا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ میں نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ کسی تیسرے آدمی کے یہاں مہمان ہوا، گویا حضور ﷺ بھی مہمان تھے، اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی مہمان تھے، میزبان کوئی تیسرا شخص تھا۔ چنانچہ یہاں جو لفظ مَعَ آیا ہے اگر اس کو زائد نہ مانا جائے تو یہ دوسرا مطلب بالکل واضح ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں تطبیق دی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے مہمان تھے اور حضور ﷺ کی مع مہمانوں کے کسی اور جگہ دعوت تھی؛ اس لیے کہ بڑے لوگوں کی جب کسی کے یہاں دعوت ہوتی ہے تو ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ اپنے مہمانوں کو بھی دعوت میں ساتھ لے کر آویں، تو اصل میں یہ حضور ﷺ کے یہاں مہمان تھے اور اُس روز نبیٔ کریم ﷺ کی بھی کسی کے یہاں دعوت تھی۔

چناں چہ ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ: حضرت ضُبَّاعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی چچازاد بہن تھیں، جو آپ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی دعوت کی تھی، اس دعوت میں نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس لیے شریک ہوئے کہ یہ آپ ﷺ کے مہمان تھے تو حضور ﷺ ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

اس طرح دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہو جاتی ہیں کہ یہ بھی حضور ﷺ کے مہمان تھے، اور یہ اور حضور ﷺ بھی کسی تیسرے کے مہمان تھے۔

فَأُتِيَ بِجَنْبٍ مَشْوِيٍّ: یہاں تو نبیٔ کریم ﷺ نے بکری کے بھنے ہوئے پہلو کے گوشت کو بطور سالن کے استعمال فرمایا ہے، یہی بتلانا چاہتے ہیں۔

اس حدیث پر اشکال اور اس کا جواب

ثُمَّ أَخَذَ الشَّفْرَةَ: اِس موقع پر شراح نے لکھا ہے کہ: ابوداؤد اور بیہقی کی ایک روایت میں کھاتے وقت گوشت کو چاقو سے کاٹنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاقو سے کاٹنے کا ذکر ہے؟

(۱) اس کا ایک جواب دیتے ہوئے علما نے دونوں حدیثوں میں تطبیق دی ہے کہ: ممانعت چاقو سے کاٹ کر چاقو ہی سے کھانے کی ہے جیسے چھری اور کانٹوں سے کھانے والے ہاتھ کے بہ جائے چھری اور کانٹوں کو استعمال کرتے ہیں، ممانعت کو اس پر محمول کیا گیا ہے اور اس واقعہ کا محمل چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا ہے؛ اس لیے کہ اگر کوئی گوشت گلا نہ ہو یا بڑی بوٹی ہو جس کی وجہ سے دانت یا ہاتھ سے اچھی طرح توڑا نہیں جا سکتا تو اس کو چاقو کے ذریعہ کاٹ لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھائے۔

ویسے اگر دانتوں سے آسانی سے توڑا جا سکتا ہے تو دانتوں سے توڑ کر ہی کھانا بہتر ہے، جیسا کہ ایک روایت میں آ رہا ہے کہ یہی زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۲) بعض حضراتِ علماء یوں بھی فرماتے ہیں کہ: جس حدیث میں چاقو سے کھانے کی ممانعت آئی ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو چاقو سے مت کاٹو کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص انداز کے اختیار کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جو اس زمانے میں اہلِ عجم کا تھا، لہٰذا اگر اپنی ضرورت کے خاطر اس انداز کو چھوڑ کر دوسرے طریقہ سے کاٹا جاتا ہے، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

فَجَاءَ بِلَالٌ: ان کی ڈیوٹی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے وقت کی اطلاع کی تھی۔ چناں چہ آ کر انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلاع دی کہ نماز کا وقت ہو گیا، نماز کے لیے تشریف لائیے۔

نماز کی اطلاع دینے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناگواری اور اس کی وجوہات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے میں مشغول تھے اور مہمان بھی تھے، مہمان کو کھلا رہے تھے اور مہمان کا اکرام

کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے، آپ اکرامِ ضیف میں مشغول تھے اور وقت میں بھی کوئی تنگی نہیں تھی، وقت میں بڑی وسعت تھی، اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مہمان کے کھلانے میں مشغول دیکھ کر ٹھہر جاتے اور آپ کی فراغت کے بعد آپ کو اطلاع کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی اطلاع کی جاوے اور آپ کھانے میں مشغول رہیں، یہ ناممکن ہے؛ اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ گھر میں بھی کسی کام میں مشغول ہوتے اور نماز کی اطلاع دی جاتی تو فوراً کام چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہوتے۔

چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ جب گھر میں ہوتے تو گھر کے کام کاج میں گھر والوں کی مدد کرتے؛ لیکن اذان کی آواز سنتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے آپ کسی کو نہیں پہچانتے، فوراً نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ لہٰذا آپ کی عادتِ شریفہ کے پیشِ نظر چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مہمان کے اکرام میں مشغول دیکھ کر ٹھہر جاتے؛ لیکن ان کو اندھیرے کی وجہ سے اندازہ نہیں ہوا ہوگا یا کوئی اَور وجہ رہی ہوگی۔

مَا لَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ کا مطلب

یہ جملہ بہ ظاہر تو بد دعا کا معلوم ہوتا ہے؛ لیکن یہ بد دعا کے طور پر نہیں، تنبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔ اہلِ عرب میں دستور یہی ہے کہ ایسے موقع پر کہتے ہیں: مَا لَهُ: کیا ہو گیا ان کو۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی کیا جلدی تھی؟ میں مشغول تھا، مجھے مشغول دیکھ کر چاہیے تھا کہ وہ فراغت کا انتظار کرتے اور بعد میں اطلاع کرتے۔ آپ نے چاقو پھینکا اور یہ بولتے ہوئے آپ اٹھ گئے۔

ڈاڑھی کو بڑھانے اور مونچھوں کو تراشنے کا حکم

أَقُصُّهُ لَكَ إلخ: روایتوں میں آتا ہے کہ بعض مرتبہ بعض لوگوں کی مونچھیں بڑی بڑی ہو جاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسواک منگوا کر مونچھ کے نیچے مسواک رکھتے اور چاقو سے مونچھیں کاٹ دیتے تھے۔

حدیثِ پاک میں مونچھوں کو کترنے اور کاٹنے اور ڈاڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے، پہلے بھی

آ چکا ہے کہ جب کسری کی طرف سے یمن کے حاکم باذان نے -نعوذ باللہ- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی ڈاڑھی مونڈی ہوئی ہے اور مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ کیسی صورت بنائی ہوئی ہے اور یہ فرما کر آپ نے اپنا رخ مبارک ناگواری کے ساتھ پھیر لیا۔ اس پر انھوں نے کہا کہ: ہمارے رب نے - وہ کسری کو اپنا رب کہتے تھے- ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنی ڈاڑھی مونڈوائیں اور مونچھیں بڑھائیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ مونچھیں کتر واؤں اور ڈاڑھی کو بڑھاؤں۔

مونچھوں کو کتروانا سنت قرار دیا گیا ہے۔ ویسے مونچھ صاف بھی کی جاسکتی ہیں، اس طرح کہ کترنے میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ مونڈنے کی طرح ہوجائے؛ لیکن استرے کے بجائے قینچی سے ایسا کیا جائے، اگر مکمل صاف کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن بجائے استرے کے قینچی وغیرہ سے ہو تو زیادہ مناسب ہے۔ بعض حضرات تو استرے سے مونڈنے کو مکروہ اور ناپسند قرار دیتے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو "مثلہ" قرار دیا ہے، ویسے ہمارے یہاں جائز ہے؛ لیکن بہتر طریقہ یہی مبالغہ کے ساتھ کترنا ہے۔

مسواک پر رکھ کر مونچھیں تراشنے کا مطلب

اُس زمانے میں ہمارے زمانے کی طرح اس نوع کے آلات مہیا نہیں تھے، اب تو ہر ایک کے پاس اس طرح کے آلات آسانی کے ساتھ مہیا ہوا کرتے ہیں۔ اس زمانے میں قینچی کم ہوتی تھی، صرف استرا اور چاقو ہے، اب اس سے کاٹنا ہے تو کیسے کاٹیں گے، تو اس کا طریقہ یہ بتلایا گیا کہ نیچے مسواک رکھ کر مونچھوں کا جو زائد حصہ ہوا سے کاٹ دیا جائے۔

۱۷۱- حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کہیں سے گوشت آیا، اس میں

سے دست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دست کا گوشت پسند تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دانتوں سے نوچ کر تناول فرمایا۔

افادات: فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ: دست یعنی چاروں پاؤں میں سے اگلے دو پاؤں کی رانوں کے حصے کو ذراع اور دست کہا جاتا ہے۔

فَنَهَسَ مِنْهَا: ہڈی کے اوپر لگے ہوئے گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھانے کو عربی میں نَهَسَ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہڈیوں سے گوشت نوچ کر کھانا بہتر ہے

حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: گوشت کو دانتوں سے توڑ کر کھاؤ یعنی ہڈی کے اوپر لگے ہوئے گوشت کو دانتوں سے توڑ کر کھاؤ فَإِنَّهُ أَهْنَأُ، وَأَمْرَأُ کہ: وہ ذائقہ میں بھی طبیعت کے زیادہ موافق ہے اور ہضم بھی جلدی ہوتا ہے أَهْنَأُ، وَأَمْرَأُ یعنی رچتا پچتا ہے۔ رچتا یعنی اچھا، یہ ''روچی'' سے ہے، رچتا یعنی وہ کھانا جو طبیعت کو اچھا لگتا ہے اور پچتا یعنی ہضم ہونے والا ہے۔ بہر حال! دانتوں سے توڑ کر گوشت کھایا جائے تو جلدی ہضم ہوتا ہے؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح تناول فرماتے تھے۔

۱۷۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ زُهَيْرٍ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنِ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عِيَاضٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ قَالَ: وَسُمَّ فِي الذِّرَاعِ، وَكَانَ يُرَى أَنَّ الْيَهُودَ سَمُّوهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دست کا گوشت پسند تھا۔ فرمایا: دست میں زہر دیا گیا تھا، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ یہود نے زہر ملایا تھا۔

افادات: یہاں تو یہ روایت اسی لیے لائے ہیں کہ آپ سالن کے طور پر دست کے گوشت کو رغبت کے ساتھ استعمال فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دینے کی یہودی سازش

وَسُمَّ فِي الذِّرَاعِ: واقعہ یہ ہے کہ خیبر مدینۂ منورہ کی جانبِ شمال میں ایک بڑی آبادی تھی، یہاں

یہود آباد تھے، جب خیبر فتح ہوا تو نبیٔ کریم ﷺ وہاں قیام پذیر تھے، اس زمانے میں وہاں ایک عورت نے آپ کی دعوت کی جس کا نام زینب بنتِ حارث تھا، جو مشہور یہودی سردار سلاّم بن مشکم کی بیوی تھی۔

اس نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور ایک بھنی ہوئی بکری نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے پیش کی۔

آپ ﷺ کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے، اس بھنی ہوئی پوری بکری میں زہر ملا دیا تھا، خاص طور پر دست والے حصہ میں زہر کی مقدار زیادہ ملائی؛ کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ آپ کو یہ مرغوب ہے۔ چناں چہ حضور ﷺ نے اس کو اٹھایا، منہ میں رکھا، ابھی حلق سے نیچے نہیں اترا تھا کہ آپ نے فوراً اس کو نکال دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ہاتھ روکنے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ: اس گوشت نے مجھے بتلایا ہے کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے، مجھے مت کھاؤ، ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی وحی لے کر آ گئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آپ کو بتلایا۔ اس درمیان ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کچھ کھا لیا تھا۔

مجرمہ عورت کے ساتھ آپ ﷺ کا سلوک

بعد میں نبیٔ کریم ﷺ نے اس عورت کو بلایا، اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے تو ایسا اس لیے کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بچا لے گا اور اگر جھوٹے نبی ہیں تو ایسے جھوٹوں کا تو دنیا سے جانا ہی اچھا۔

جب اس نے یہ بات کہی تو نبیٔ کریم ﷺ چوں کہ اپنی ذاتِ بابرکت کے لیے کسی سے انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے؛ اس لیے آپ نے اس کو چھوڑ دیا؛ لیکن جس صحابی نے کچھ کھا لیا تھا، بعد میں ان کی موت واقع ہوئی؛ اس لیے اس عورت کو ان کے اولیا کے حوالے کر دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے اس کو قصاص میں قتل کر دیا۔ آپ نے تو اپنے معاملہ میں اس کو معاف کر دیا تھا۔

وَكَانَ يُرَى أَنَّ الْيَهُودَ سَمُّوهُ: یہ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛ ورنہ دوسری روایتوں میں صراحتاً موجود ہے کہ اس عورت نے اپنے اس جرم کا اقرار کیا تھا۔

الغرض! حضور ﷺ نے سالن کے طور پر جو مختلف چیزیں استعمال فرمائی ہیں یہاں ان چیزوں کو پیش کیا ہے۔

١٧٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ قِدْرًا وَقَدْ كَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ: نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ، فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ: نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ .

ترجمہ: حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہانڈی پکائی، چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا؛ اس لیے میں نے ایک بونگ پیش کی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طلب فرمائی، میں نے دوسری پیش کی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَور طلب فرمائی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بکری کے دست کتنے ہوتے ہیں!(صرف دو ہی ہوتے ہیں)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تُو چپ رہتا تو مَیں جب تک مانگتا رہتا تُو مجھے (دیگچی سے نکال کر) دیا کرتا۔

افادات: عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مسندِ احمد میں اسی طرح کا قصہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ - وہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں- سے منقول ہے۔

معجزے کے عدمِ ظہور کے اسباب

لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ: یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ظاہر ہوتا؛ لیکن ان کے اس بولنے کی وجہ سے، اعتراض کی وجہ سے وہ معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ اس کی وجہ پر حضرات شرّاح حدیث نے کلام کیا ہے، ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دراصل خوارق عادت یعنی عادت کے خلاف جو چیز ظاہر ہوتی ہے، وہ اگر غیر نبی یعنی کسی امتی سے ہو تو وہ ''کرامت'' کہلاتی ہے اور نبی سے ہو تو وہ معجزہ کہلاتی ہے۔ اور یہ معجزات، کرامات، خوارقِ عادات کا ظہور فنائے تام کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی جس ولی یا نبی کے ہاتھ پر یہ عادت کے خلاف چیز ظاہر ہورہی ہے، اس کی طبیعت میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اتنی زیادہ ہوجائے کہ وہ اپنی ذات کی طرف سے بالکل فانی ہوجائے تو اس وقت یہ چیز

ظاہر ہوتی ہے۔ اب حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالبے پر جب جواب میں یوں کہا کہ: اے اللہ کے رسول! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ تو ان کے اس بولنے کی وجہ سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو توجہِ تام تھی، وہ ختم ہوگئی؛ اس لیے معجزہ کا ظہور نہیں ہوا۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دراصل بات یہ ہے کہ اگر یہ مانگنے پر ملتی رہتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انعام اور اکرام کا معاملہ ان کے ذریعہ سے، ان کے واسطہ سے ہوتا، یعنی اگر یہ پورے انقیاد اور اطاعت اور فرماں برداری کے ساتھ چپ چاپ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالبہ کو پورا کرتے رہتے تو یہ چیز ظاہر ہوتی؛ لیکن انھوں نے اعتراض کر دیا، انقیادِ تام نہیں رہا؛ اس لیے اس کا ظہور نہیں ہونے پایا۔

بہر حال! یہ روایت یہاں اس لیے لائے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے دست کا گوشت بطور سالن استعمال فرمایا ہے۔

١٧٤ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبَّادٍ يُقَالُ لَهُ: عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا كَانَ الذِّرَاعُ أَحَبَّ اللَّحْمِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَكِنَّهُ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غِبًّا، فَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا لِأَنَّهَا أَعْجَلُهَا نُضْجًا .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: دست کا گوشت (لذت کی وجہ سے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ پسند نہ تھا؛ بلکہ (اس لیے پسند تھا کہ) گوشت گاہے گاہے پکتا تھا، اور آپ کی رغبت اُس کی طرف اس لیے بھی تھی کہ یہ جلدی سے گل جاتا ہے۔

افادات:

دست کا گوشت پسندیدہ ہونے کا سبب

یہ روایت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، وہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: دست کا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لذّت کی وجہ سے زیادہ پسند نہیں تھا؛ بلکہ

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہمیشہ گوشت ہوتا نہیں تھا، کبھی کبھار گوشت پکنے کی نوبت آتی تھی اور یہ دست والا گوشت چوں کہ جلدی گل جاتا ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعتِ مبارکہ اس بات کی متقاضی ہوتی تھی کہ کھانے میں زیادہ وقت صرف نہ ہو، جلدی گل جائے اور جلدی سے کھا کر فارغ ہو کر اپنے کام میں لگ جائیں؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پسند فرماتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدگی اور ہماری پسندیدگی کے درمیان فرق

ابھی جو ابو عبید والی روایت آئی اسی میں تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دست کا گوشت پسند تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک خاص انداز سے اس کی پسندیدگی کا انکار فرما کر دوسرے انداز سے اس کو ثابت کر رہی ہیں۔ دیکھیے! ایک تو پسندیدگی ہم جیسوں کی ہوتی ہے کہ اگر ہم کو کوئی اچھی چیز لگتی ہے تو میلانِ خاطر اور اشتہائے نفس کے طور پر اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں؛ لیکن اس طرح کی پسندیدگی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ نبوت اور منصبِ نبوت کے بہ ظاہر مناسب نہیں تھی؛ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا انکار فرمایا، ورنہ صرف پسندیدہ ہونا اگر اس حد تک ہو تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

ویسے چوں کہ مختلف روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دست کا گوشت پسند تھا تو اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں: ایک وجہ تو اس کی یہی تھی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلائی کہ چوں کہ آپ کے گھر میں گوشت ہمیشہ نہیں آتا تھا، کبھی کبھار آ گیا تو آپ کی تمنا اور خواہش یہ ہوتی تھی کہ جلدی سے کھا کر فارغ ہو جائیں اور چوں کہ دست کا گوشت جلدی پک جاتا ہے؛ اس لیے آپ اس کو پسند فرماتے تھے۔

۱۷۵ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا مِسْعَرٌ قَالَ: سَمِعْتُ شَيْخًا مِنْ فَهْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ أَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پشت کا گوشت بہترین گوشت ہے۔

افادات: عَبْد اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ: حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی اور حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد بھی ہوتے ہیں۔

پشت کے گوشت کے بہترین ہونے کی وجہ

بہترین کا مطلب یہ ہے کہ: پشت کا گوشت لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے، اس کی پسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں دوسرے گوشت کے مقابلہ میں قوت زیادہ ہوتی ہے، اس میں ریشے نہیں ہوتے بلکہ چربی کی ملاوٹ کی وجہ سے آدمی بہت آسانی کے ساتھ اس کو کھالیتا ہے، اس کو زیادہ چبانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، بہت نرم ہوتا ہے۔

۱۷۶ – حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، أَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُؤَمَّلِ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

افادات: پہلے بھی اس باب کے شروع میں یہ روایت آچکی ہے اور اس کو جو آپ نے بہترین فرمایا، اس کی وجوہات وہاں بتلادی گئی تھیں۔

۱۷۷ – حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ ثَابِتٍ أَبِي حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: أَعِنْدَكِ شَيْءٌ؟ فَقُلْتُ: لَا إِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ، فَقَالَ: هَاتِي، مَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيهِ خَلٌّ.

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: صرف سوکھی روٹی اور سرکہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: لے آؤ! وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہوتا جس میں سرکہ ہو۔

افادات:

تفصیلی واقعہ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، انھوں نے ہجرت نہیں فرمائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے تو داخل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ان کے گھر پر تشریف لے گئے، وہاں جا کر آپ نے غسل فرمایا، اس کے بعد مسجدِ حرام میں تشریف لائے۔ یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی میں تفصیل کے ساتھ منقول ہے، اس میں یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب وہ سوکھی روٹی دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ٹکڑے کر کے پانی میں بھگوئے اور تھوڑا سا نمک لگایا، پھر فرمایا کہ: سالن بھی ہے؟ جواب ملا کہ: سرکہ ہے، تو سرکہ جب پیش کیا گیا تو سرکہ ڈال کر کے بھی اس روٹی کو نوش فرمایا؛ کیوں کہ یہ ایک ضرورت ہے جس سے بھی پوری ہو جائے۔

عبرت کا سامان

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں کھانے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، کھانا، لباس اسی طرح جو اپنی طبعی ضروریات ہیں، ان طبعی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی خاص اہتمام، تیاریاں اور اس کے انتظامات نہیں کیا کرتے تھے۔ وقت پر جو میسر آ گیا، وہ استعمال کر لیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور تربیت امت کو یہی ہے کہ کھانا زندگی کی ایک ضرورت ہے، جس طرح بھی پوری ہو جائے، یعنی زندگی کھانے کے لیے نہیں ہے، کھانا زندہ رہنے کے لیے ہے۔ اور آج ہم نے زندگی کو کھانے کے لیے سمجھ لیا ہے، اس لیے اس کے پیچھے تیاریوں میں لگے رہتے ہیں لیکن ان حضرات کے یہاں اس کا اہتمام، اس کے لیے تیاری کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

بہرحال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بڑی سادگی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عمل سے امت کو یہی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔

۱۷۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فَضْلُ

عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ .

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فوقیت تمام کھانوں پر ہے۔

افادات:

ثرید کی حقیقت اور اس کے بعض فوائد وخواص

عرب میں ثرید بڑا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور تمام کھانوں میں اس کو بہتر شمار کرتے ہیں۔ گوشت کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیے جاتے ہیں، وہ جب نرم ہوجاتے ہیں پھر ان کو کھایا جایا ہے۔ یہ لذیذ بھی ہوتا ہے اور ہضم بھی جلدی ہوجاتا ہے اور گوشت کا شوربا ہونے کی وجہ سے اس سے جسم میں قوت بھی آتی ہے اور جلدی تیار بھی ہوجاتا ہے۔ بہرحال! بہت ساری خصوصیات کی وجہ سے اہلِ عرب اس کو دوسرے کھانوں کے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

افضل النساء کے سلسلے میں مختلف روایتیں اور ان میں تطبیق

یہاں اصل تو اسی لیے لائے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثرید کو پسند فرماتے تھے؛ لیکن چوں کہ ثرید کی فضیلت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو دوسرے کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اس لیے یہاں علماء میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت جو اس حدیث میں بتلائی گئی ہے، وہ علی الاطلاق یعنی تمام عورتوں پر ہے یا ان میں سے بعض عورتوں کا استثناء ہے؟ چنانچہ بعض روایتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دیگر عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دیگر عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، بعض حضرات نے ان تینوں میں سے کسی کو بھی علی الاطلاق یعنی سب عورتوں پر فضیلت نہیں دی۔ لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

دراصل ان میں سے ہر ایک کی فضیلت مختلف حیثیتوں سے ہے: ایک حیثیت سے ایک کو تمام پر فضیلت حاصل ہے، دوسری حیثیت سے دوسری کو، چناں چہ فقاہت، دینی مسائل کی سوجھ بوجھ، محبوبیت اور اس معنی کر کہ جب آپ ﷺ ان کے بستر میں ہوتے تھے تو حضور ﷺ پر وحی آتی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور سب سے پہلی ایمان لانے والی ہونے، حضور ﷺ کی اولاد ان ہی سے ہونے اور حضور ﷺ کو مال سے زیادہ سے زیادہ تعاون فرمانے کے اعتبار سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دوسروں پر فضیلت ہے اور حضور ﷺ کی جگر گوشہ اور جنت کی عورتوں کی سردار ہونے کی حیثیت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، گویا ہر ایک کی فضیلت کی بنیاد الگ الگ ہے، اس حیثیت سے وہ دوسروں سے افضل قرار دی گئی۔

۱۷۹ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْأَنْصَارِيُّ أَبُو طُوَالَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فوقیت تمام کھانوں پر ہے۔

افادات: یہ اوپر والی ہی روایت ہے؛ البتہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لا رہے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ مختلف طریقوں سے یہ روایت لا کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ثرید بہت پسند تھا۔ یہاں آپ کا قول، آپ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے؛ لیکن دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ ثرید کو بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے۔

۱۸۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ ﷺ تَوَضَّأَ مِنْ ثَوْرِ أَقِطٍ، ثُمَّ رَآهُ أَكَلَ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے پنیر کا ٹکڑا نوش فرمانے کے بعد وضو فرمایا تھا، اور پھر (ایک دفعہ) دیکھا کہ بکری کا شانہ نوش فرمایا، پھر نماز پڑھی اور (اُس کے لیے) وضو نہیں فرمایا۔

افادات:

پنیر اور دست کا گوشت

یہاں تو اس روایت کو حضور ﷺ کا پنیر کھانا ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ پنیر بنانے کے لیے بھی آگ کی مدد لینی پڑتی ہے اور جیسا کہ ماقبل میں آچکا ہے کہ شروع اسلام میں آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے استعمال کے بعد وضو کو ضروری قرار دیا گیا تھا، اس سے وضو ٹوٹ جاتا تھا، چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے شروع میں یہ دیکھا کہ حضور ﷺ نے پنیر استعمال فرمانے کے بعد وضو فرمایا۔ اس کے بعد کسی دوسرے وقت میں دیکھا کہ حضور ﷺ نے بکری کے دست کا گوشت استعمال فرمایا اور پہلے سے جو وضو تھا اسی وضو سے آپ نے نماز ادا فرمائی۔ گویا آپ کا یہ بعد والا عمل یہ بتلاتا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز استعمال کرنے کی وجہ سے وضو ٹوٹتا نہیں ہے۔

پہلے جو آپ نے وضو فرمایا تھا وہ یا تو اس لیے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا آپ نے وضو ہونے کے باوجود دوبارہ وضو فرمایا ہو یا پہلے ہی سے آپ کا وضو نہ ہو سب احتمالات ہیں؛ لیکن بعد میں جو دوسرا عمل بتلایا، اس سے ان کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۱۸۱ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ، عَنِ ابْنِهِ: بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْلَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى صَفِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِتَمْرٍ وَسَوِيقٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کھجور اور ستو سے کیا۔

افادات:

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد کا تعارف

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودیوں کے قبیلۂ بنو نضیر کے سردار: حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں۔ حیی بن اخطب نبیٔ کریم ﷺ کا بڑا پکا دشمن تھا، غزوۂ احزاب کے موقع پر مختلف گروہوں: مشرکینِ مکہ، غطفان کے قبائل

اور بنو قریظہ وغیرہ سب کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اکسا کر، ورغلا کر، ایک متحدہ محاذ بنا کر میدان میں لانے والا یہی تھا، حالاں کہ اگلی آسمانی کتابوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو علامتیں بتلائی گئی تھیں، ان سے واقفیت کی بنا پر اس کو یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں اور آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ جن کو نبی بنا کر بھیجنے والا ہے، وہ یہی ہیں، اس کے باوجود چوں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہیں تھی، اس لیے ایمان نصیب نہیں ہوا۔

قبا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا واقعہ

روایتوں میں آتا ہے کہ جب ہجرت فرما کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ تشریف لائے تو آپ کا پہلا قیام قبا میں رہا، اسی وقت حیی بن اخطب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تھا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی قیام گاہ میں آپ کے حالات دیکھنے کے لیے اس نے رات بھی گذاری اور اس کے بعد جب وہ واپس آیا تو اپنے بھائی کے ساتھ اس کی گفتگو ہوئی، بھائی نے اس سے پوچھا کہ: یہ وہی ہیں؟ تو کہا کہ: ہاں! وہی ہیں، یعنی وہ آخری نبی ہیں، بھائی نے پوچھا: تو پھر ہمیں کیا کرنا ہے؟ تو کہا کہ: ہمیں تو ان کی مخالفت کرنی ہے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے والی یہی اس کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ چوں کہ گھر میں اور کون سننے جائے گا، اس خیال سے دونوں نے یہ گفتگو کی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک سچا خواب

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا غزوۂ خیبر کے موقع پر قیدیوں میں آئی تھیں، ان کا پہلا شوہر سلاّم بن مُشکَم تھا، اس کے بعد یہ کِنانہ بن حُقَیق کے نکاح میں آئیں اور یہ کنانہ غزوۂ خیبر کے موقع پر قتل کیا گیا تھا۔ جب اس کے نکاح میں تھیں، اس زمانے میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ چاند آکر ان کی گود میں پڑا، انھوں نے خواب کا تذکرہ اپنے شوہر سے کیا تو اس نے ایک طمانچہ زور سے مار کر کہہ دیا: تو یثرب کے بادشاہ کی حرص اور طمع کر رہی ہے۔ اس طمانچے کی وجہ سے آنکھ کے قریب نشان پڑ گیا تھا، چناں چہ نکاح کے بعد ان کی آنکھ کے پاس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشان دیکھا تو پوچھا: یہ نشان کاہے کا ہے؟ تو اُس وقت

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے کا واقعہ

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام جن کی شکل وصورت میں آیا کرتے تھے، بڑے حسین وجمیل تھے، انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک باندی کا سوال کیا تو بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اختیار دیا اور اس دیے ہوئے اختیار سے انھوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو چنا۔ اور بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کے حوالے کیا۔ جب یہ ان کے پاس پہنچیں تو لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ تو قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہیں، یہ تو اس لائق ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں، چنانچہ لوگوں نے جاکر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ تو بنونظیر کے سردار کی بیٹی ہے؛ اس لیے مناسب یہ ہے کہ آپ ان کو اپنے نکاح میں لیں۔ چناں چہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب معاوضہ دے کر ان کو حاصل کیا، پھر آپ نے ان کو آزاد کیا اور آزاد کرنے کے بعد آپ نے اپنے نکاح میں ان کو لے لیا۔

دورِ نبوت کی شادیاں ایسی ہوتی تھیں

خیبر سے واپسی پر مدینہ کی طرف سفر جاری تھا، راستے میں ایک جگہ پر قیام فرمایا اور وہیں ان کی رخصتی ہوئی، تین رات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی راستے میں سفر کے دوران پڑاؤ ڈالا تھا، اسی سفر کے دوران ایک مجلس میں نکاح بھی ہوا تھا اور پھر رخصتی بھی وہیں ہوئی، حالاں کہ لشکر جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتا ہے تو وہ بڑا میدان ہوتا ہے، اس پورے میدان میں پڑاؤ ڈالنے والے پھیلے ہوئے ہوتے ہیں؛ لیکن جب نکاح ہوا تو جو لوگ آس پاس میں موجود تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کا ان ہی کو پتہ چلا۔

وہاں کوئی آبادی نہیں تھی، سفر کے دوران پورا لشکر ایک میدان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو اعلان کر کے سب لشکر والوں کو جمع کر سکتے تھے، پھر بھی نکاح کے وقت آپ نے اس کا اہتمام نہیں کیا، جو موجود ہیں، ان کو بھی نکاح کے موقع پر بلانے کا اہتمام نہیں کیا۔ یہ تو ایسا ہی ہے،

جیسے ایک بڑی مسجد آدمیوں سے بھری ہوئی ہے اور کسی کونے میں نکاح ہو تو کونے میں جو چند آدمی موجود ہوں، ان ہی کو پتہ چلے گا کہ یہاں کیا ہوا ہے، اسی طرح نبیٔ کریم ﷺ کا یہ نکاح ہوا اور رخصتی بھی وہیں سفر کے اندر ہوئی۔

اس نکاح کا ولیمہ

چوں کہ سفر کی حالت تھی تو ظاہر ہے سفر کی حالت میں ولیمہ کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جا سکتا، ویسے نبیٔ کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ بھی یہی تھی کہ کوئی خاص اہتمام نہیں کرتے تھے، جو میسر آتا تھا وہی آپ پیش کر دیتے تھے۔ چناں چہ اس سفر میں ولیمہ میں کیا چیز کھلائی گئی؟ تو اس روایت میں تو کھجور اور ستو کا تذکرہ ہے؛ لیکن بخاری اور مسلم کی ایک اَور روایت میں ہے کہ کھجور، پنیر اور گھی یہ تین چیزیں تھیں اور مسلم کی روایت کے اندر ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ چوں کہ سفر کی حالت میں تھے، واپسی کا سفر تھا؛ اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے اعلان فرمایا: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَأْتِنَا بِهِ کہ جس کے پاس توشہ دان میں جو کچھ بچا کھچا ہے، وہ لاؤ!۔

چناں چہ چمڑے کا دسترخوان پھیلا کر بچھا دیا گیا، کسی کے توشہ دان میں کھجوریں تھیں، اس نے وہ ڈال دیں، کسی کے پاس پنیر تھا، وہ ڈال دیا، کسی نے گھی ڈالا، کسی نے ستو ڈال دیا اور وہ سب ملا کر اس کا مالیدہ تیار کیا گیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: قریب والوں کو بلا لو۔ حضور ﷺ نے مخصوص افراد کا نام بھی نہیں لیا، آپ کے جو خادم تھے، ان کو اختیار دیا کہ بلا لو۔ قریب میں جو لوگ تھے ان کو بلا لیا، یہی ولیمہ تھا۔

لشکر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیوی اور باندی ہونے کا چرچا

جب روانگی کا وقت آیا تو چوں کہ آپ تین دن سے وہاں اسی رخصتی کے مقصد سے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے لیکن خلوت جو ہو رہی تھی، وہ نکاح کی وجہ سے یا پھر باندی ہونے کی حیثیت سے تھی؟ تو جو لوگ نکاح کی مجلس میں شریک ہوئے تھے اور جنہوں نے ولیمہ میں بھی شرکت کی تھی، وہ تو جانتے تھے کہ

نکاح ہوا ہے، اور جو لوگ دور تھے اور نکاح کی مجلس میں شریک نہیں ہوئے تھے اور ولیمے میں بھی شرکت کا موقع نہیں ملا تھا، ان کو پتہ نہیں چلا تو آپس میں بحث کرنے لگے کہ ان کے ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تنہائی اختیار کی تھی، وہ بحیثیت بیوی کے یا باندی کے؟ آپس میں بحث کے دوران اس نتیجے پر پہنچے کہ جب روانگی ہوگی تو ذرا دیکھنا! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ان کو پردہ کرائیں- چوں کہ پردے کا حکم آزاد عورتوں کے لیے ہے، باندیوں کے لیے نہیں؛ اس لیے اگر بہ وقت روانگی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ کرائیں- تو یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ یہ آپ کی زوجۂ مطہرہ ہیں، بیوی ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو باندی ہیں۔ چناں چہ روانگی کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کجاوے کے اوپر چادر تان لی، یعنی پردہ کرایا۔ اس پورے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں نکاح کے اندر کتنی سادگی اختیار کی جاتی تھی۔

مختلف روایتوں میں تطبیق

اس روایت کے اندر کھجور اور ستو کا ذکر ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: سفر کا موقع تھا؛ اس لیے جس کے پاس جو کچھ تھا، لا کے ڈال دیا گیا تھا، جس نے جو دیکھا، وہ اپنے بیان میں نقل کر دیا۔

یہاں کھجور اور ستو بطور ولیمہ کے کھلایا گیا جسے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نوش فرمایا؛ اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا گیا۔

۱۸۲ – حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، أَخْبَرَنَا فَائِدٌ، مَوْلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ جَدَّتِهِ سَلْمَى، أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَابْنَ عَبَّاسٍ، وَابْنَ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَتَوْهَا فَقَالُوا لَهَا: اصْنَعِي لَنَا طَعَامًا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَيُحَسِّنُ أَكْلَهُ. فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ! لَا تَشْتَهِيهِ الْيَوْمَ قَالَ: بَلَى اصْنَعِيهِ لَنَا. قَالَ: فَقَامَتْ فَأَخَذَتْ شَيْئًا مِّنْ شَعِيرٍ فَطَحَنَتْهُ، ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِي قِدْرٍ، وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْهِمْ، فَقَالَتْ: هَذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِيَّ ﷺ وَيُحَسِّنُ أَكْلَهُ.

ترجمہ: حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: حضرت حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم

ان کے پاس تشریف لے گئے، اور یہ فرمایا کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو آپ رغبت سے نوش فرماتے تھے وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ، سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں آئے گا، انھوں نے فرمایا کہ: کیوں پسند نہیں آئے گا! آپ ہمارے لیے تیار کیجیے۔ راوی نے کہا: وہ اٹھیں اور تھوڑے جَو لے کر پیسے، پھر اُسے ہانڈی میں ڈالا اور اس پر تھوڑا سا زیتون کا تیل ڈالا، اور کچھ مرچ اور دوسرے مسالے پیس کر ڈالے، اور پھر (پکا کر) ان کے سامنے رکھا، اور فرمایا کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قسم کا کھانا پسند تھا اور اس کو آپ رغبت سے نوش فرماتے۔

راوی کا مختصر تعارف

افادات: مَوْلَى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ: عبید اللہ بن علی رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے پوتے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دادی سلمیٰ یعنی حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سلمیٰ دراصل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت گار تھیں اور ان کی آزاد کردہ باندی تھیں، اس طرح شوہر بھی اور بیوی بھی دونوں گھرانۂ نبوی کے خدام میں سے تھے۔

فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ لَا تَشْتَهِيهِ الْيَوْمَ: حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بچو! وہ آج اچھا نہیں لگے گا، یہ تو اُس زمانے کی بات ہے، جب فقر و فاقہ تھا اور فقر و فاقہ کے زمانے میں معمولی چیز بھی آدمی کو میسر آتی ہے تو وہ بڑی رغبت کے ساتھ مزے لے لے کر کھاتا ہے اور بعد میں جب خوش حالی کا دور آتا ہے، پیسے آجاتے ہیں اور اس وقت آدمی جب دوسری چیز کا عادی بن جاتا ہے تو پھر وہ پرانا کھانا اچھا نہیں لگتا؛ اسی لیے انھوں نے صاحب زادوں سے یوں کہا کہ: تم مجھ سے کہہ تو رہے ہو لیکن وہ تم کو آج اچھا نہیں لگے گا۔

قَالَ: بَلَى اصْنَعِيهِ لَنَا: انھوں نے کہا: کیوں نہیں، بنا کے بتاؤ، ہم تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کونسا کھانا پسند تھا، وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

۱۸۳ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ نُبَيْحٍ الْعَنَزِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَانَا النَّبِيُّ ﷺ فِي مَنْزِلِنَا فَذَبَحْنَا لَهُ شَاةً، فَقَالَ: كَأَنَّهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بکری ذبح کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایسا لگتا ہے کہ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمیں گوشت مرغوب ہے۔ اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

افادات:

میزبانوں کی دل جوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی

كَأَنَّهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ: میزبانوں کی دل جوئی کرنا، ذرا ان کا دل خوش کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی، اور ہونا بھی چاہیے، بعض ایسے جملے کہے جائیں کہ میزبان کا جی خوش ہو جائے۔ چنانچہ جب بکری ذبح کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! ان کو معلوم ہے کہ ہمیں گوشت اچھا لگتا ہے۔ یہ آپ نے اس لیے فرمایا تا کہ ان کو خوشی ہو۔

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ: راوی کہتے ہیں کہ اس میں ایک بڑا قصہ ہے، یہ واقعہ غزوۂ خندق کے موقع پر پیش آیا تھا اور بخاری شریف کے درس میں آ چکا ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودی جا رہی تھی، کھدائی کا کام چل رہا تھا، چوں کہ اُس زمانے میں غلام نہیں تھے جو یہ کھدائی کا کام کرتے، مسلمانوں کو خود ہی کرنا پڑتا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے پانچ یا ساڑھے پانچ میل لمبی خندق کھودی جا رہی تھی جس کی چوڑائی پانچ گز یعنی پندرہ فٹ اور گہرائی بھی پانچ گز بتلائی جاتی ہے اور لمبائی ساڑھے پانچ میل کی۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم تین ہزار کی تعداد میں تھے، ان میں دس دس آدمیوں میں چالیس چالیس گز کی خندق کھودنے کا کام آپ نے سونپا تھا اور چھ دن میں یہ کام ہو گیا تھا، صرف چھ دن میں، اتنی جلدی اور وہ بھی پتھریلی زمین میں!۔

ایک سخت چٹانی پتھر کا کھودنے والوں کو عاجز کر دینا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس آدمیوں کی جو ٹولی تھی، وہ بھی خندق کھود رہی تھی، کھدائی کے دوران ایک ایسا بڑا سخت پتھر آ گیا کہ ان کے سارے اوزار وہاں پر بیکار ہو گئے، اس موقع پر یہ لوگ

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ: اے اللہ کے رسول! ہماری کھدائی کے درمیان اس طرح کا سخت پتھر آیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے سارے اوزار، کلہاڑے اور پھاوڑے وغیرہ بے کار ہو گئے۔ حضور ﷺ نے کہا کہ: میں آتا ہوں۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور آپ نے اپنے اوپر کی چادر نیچے اتار کے ڈال دی، خالی لنگی پہنے ہوئے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تین دن سے ہم نے کچھ کھایا نہیں تھا، ہمارے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے، اس موقع پر ہم نے دیکھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کے پیٹ پر بھی دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے اتر کر چٹان کو توڑا، وہ تین ضربوں میں ٹوٹ گئی۔ اس موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا جو حال دیکھا تو ان سے رہا نہیں گیا، حضور ﷺ سے اجازت لے کر گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا: کچھ ہے؟ تو بیوی نے جواب دیا کہ: بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے اور کچھ جو ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں حضور ﷺ کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بلانا چاہتا ہوں، یہ اسی موقع کا قصہ ہے۔

۱۸٤ – حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، أَنَّهُ سمعَ جَابِرًا، قَالَ سُفْيَانُ: وَأَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً فَأَكَلَ مِنْهَا، وَأَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَصَلَّى ﷺ، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ، فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ ایک مرتبہ گھر سے نکلے اور میں آپ کے ساتھ تھا، پھر آپ ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے، انھوں نے حضور ﷺ کے لیے بکری ذبح کی، حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا۔ اس کے بعد کھجور کے پتوں کی رکابی میں کچھ تازہ کھجوریں لائیں، حضور ﷺ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا۔ پھر ظہر کی نماز کے لیے وضو کیا اور نماز ادا کی، پھر واپس تشریف لائے تو انھوں نے بکری کا بچا ہوا گوشت سامنے رکھا، حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا، اور عصر کی نماز ادا کی، اور (نیا) وضو نہیں کیا۔

افادات: فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ: یہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، ان کی بیوی عمرہ بنتِ حزم رضی اللہ عنہا تھیں، غالباً ان کی طرف سے دعوت تھی۔

فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً فَأَكَلَ مِنْهَا: یہاں تو بکری کا گوشت تناول فرمایا، اس کو بتلانے کے لیے یہ روایت لائے ہیں۔

وَأَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ: قناع ''کھجور کے پتوں سے بنائی ہوئی تھالی'' کو کہتے ہیں۔

ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ: بتلانا چاہتے ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کرنے کا حکم جو تھا، وہ منسوخ ہو چکا ہے، اور ظہر کے وقت جو وضو فرمایا تھا یا تو اس لیے کہ اُس وقت آپ کا وضو نہیں ہوگا یا آپ نے وضو علی الوضو کیا ہو۔

١٨٥ – حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ، عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ، قَالَتْ: فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ: مَهْ يَا عَلِيُّ! فَإِنَّكَ نَاقِهٌ، قَالَتْ: فَجَلَسَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَأْكُلُ، قَالَتْ: فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا عَلِيُّ! مِنْ هَذَا فَأَصِبْ فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ.

ترجمہ: حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ راویہ کہتی ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے تناول فرمانے لگے، اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھانے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! تم مت کھاؤ! اس لیے کہ تم کمزور ہو (کہ ابھی ابھی بیماری سے صحت یاب ہوئے ہو)۔ راویہ کہتی ہیں: وہ رک گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تناول فرماتے رہے۔ راویہ کہتی ہیں کہ: پھر میں نے ان کے واسطے چقندر اور جَو/ جَو کی روٹی پکائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! اس میں سے کھاؤ! یہ تمھارے لیے بہت موافق ہے۔

افادات: أُمِّ الْمُنْذِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا کا نام سلمہ ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ -جو شمائل کے شارح ہیں- فرماتے ہیں کہ: یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ تھیں۔ ہوسکتا ہے آپ کی رضاعی خالہ ہوں، ان کے یہاں تشریف لے گئے۔

وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ: دَوَالٍ: دَالِيَةٌ کی جمع ہے، کھجور کے خوشوں کو کہتے ہیں، مدینہ والوں میں یہ

دستور تھا کہ جب کھجوروں کا موسم آتا تھا اور کھجوروں کے درختوں کے پکنے کا زمانہ آتا تھا تو وہ لوگ اپنے مختلف کھجوروں کے ایک یا دو یا تین خوشے لا کر اپنے گھروں میں لٹکا دیتے تھے، ان خوشوں میں ساری پکی ہوئی کھجوریں نہیں ہوتی تھیں، ایک دو پکی ہوتی تھیں، باقی ادھ پکی، پکی اور اسی لیے لٹکا دیتے تھے کہ جوں جوں پکتی جاتی تھی، توڑ توڑ کر کھالیا کرتے تھے، اس طرح گویا ان خوشوں کو حفاظت کے لیے کسی فریج وغیرہ میں رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی، وہیں لٹکے ہوئے ہیں اور گھر والے چلتے پھرتے پکی ہوئی کھجوریں توڑ توڑ کر کھالیا کرتے۔ حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: اس طرح کھجوروں کے خوشے ہمارے گھروں میں بھی لٹکے ہوئے تھے، چوں کہ مختلف قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں؛ اس لیے جتنی قسم کی کھجوریں ہوتیں، اس کے خوشے لا کر لٹکا دیا کرتے تھے جس کو جس کا شوق اور رغبت ہوتی اس میں سے توڑ کر کھالیتا۔

بیماری وغیرہ میں پرہیزی نہ خلافِ شرع ہے، نہ خلافِ تقدیر

بیماری سے اٹھنے کی وجہ سے جسم میں کمزوری تھی، جو آدمی بیماری سے تازہ تازہ اٹھتا ہے تو ابھی بیماری والی کمزوری گئی نہیں ہوتی ہے، اس کا معدہ ثقیل چیزوں کو ہضم کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؛ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی کھجور توڑ کر کھانے کا ارادہ کیا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: علی! رک جاؤ، ٹھہر جاؤ، تم مت کھاؤ، تم ابھی ابھی بیماری سے اٹھے ہوئے ہو، کمزور ہو۔ اس سے پرہیزی کا ثبوت ملتا ہے کہ بیمار آدمی کو پرہیز کا اہتمام کرنا چاہیے، یہ کوئی شریعت کے خلاف نہیں ہے۔

فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيرًا: چقندر، مولی کی طرح ایک سبزی ہوتی ہے، اس کے پتے بھی مولی کی طرح ہوتے ہیں۔

فَإِنَّ هَذَا أَوْفَقُ لَكَ: اس جملے میں بیمار کو ان کے مناسب غذا دینے کی تعلیم ہے۔

بہر حال! اس حدیث سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چقندر اور جَو ملے ہوئے سالن کا استعمال کرنا ثابت ہوتا ہے، اس مناسبت سے اس روایت کو پیش کیا ہے۔

١٨٦ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَمَّتِهِ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِينِي فَيَقُولُ: أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ؟ قَالَتْ: فَأَقُولُ: لَا، فَيَقُولُ: إِنِّي صَائِمٌ. قَالَتْ: فَأَتَانِي يَوْمًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ أُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ: وَمَا هِيَ؟ قُلْتُ: حَيْسٌ قَالَ: أَمَا إِنِّي أَصْبَحْتُ صَائِمًا، قَالَتْ: ثُمَّ أَكَلَ .

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور فرماتے: تمھارے پاس صبح کا کچھ کھانا رکھا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر میں کہتی: نہیں ہے، تو آپ فرماتے کہ: میں نے روزے کا ارادہ کرلیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! کسی نے ہمارے لیے ہدیہ بھیجا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: مالیدہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: دیکھو! مَیں نے تو صبح ہی سے روزے کا ارادہ کررکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا۔

افادات: أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ؟: غَدَاءٌ دوپہر کے کھانے کو بولتے ہیں اور شام کے کھانے کو عَشَاء بولتے ہیں۔

نفل روزہ کی نیت کب تک کی جاسکتی ہے؟

فَيَقُولُ: إِنِّي صَائِمٌ: یہاں ایک مسئلہ ہے کہ چوں کہ آپ فجر کے بعد تشریف لاکر یہ سوال پوچھتے تھے اور پھر جب یہ جواب ملتا تھا کہ کچھ نہیں ہے تو آپ روزہ کی نیت فرمادیتے تھے تو نفل روزے کی نیت کب تک کی جاسکتی ہے؟ یہ مسئلہ حضرات ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رات سے ہی یعنی صبح صادق ہونے سے پہلے نیت کرنی ہوگی، کیوں کہ روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے تو صبح صادق سے پہلے کوئی آدمی نفل روزہ کی نیت کرلے، تب تو ٹھیک ہے اور جب صبح صادق ہوگئی، اب اس کے بعد نیت نہیں کرسکتا ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نفل روزے کی نیت صبحِ صادق کے بعد بھی آدھے دن سے پہلے پہلے کرسکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: دیکھو! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح صادق کے بعد گھر پر تشریف لاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ کھانے کو کچھ ہے؟ جب جواب ملتا تھا کہ نہیں ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میرا روزہ ہے۔ ظاہر ہے، صبح صادق تو ہوچکی ہے بلکہ فجر بھی ہوچکی ہے، کافی وقت گذر چکا ہے، پھر بھی آپ روزہ کی نیت فرماتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد بھی نیت کی جاسکتی ہے۔

اختلاف سے بچتے ہوئے عمل کرنا عمدہ طریقہ ہے

ویسے چوں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے؛ اس لیے حنفیہ کے یہاں یہی بہتر ہے کہ کوئی آدمی نفل روزہ کی نیت کرنا چاہے تو صبح صادق سے پہلے کرلے؛ تاکہ سب کے نزدیک اس کا روزہ درست ہوجائے، باقی اس کے بعد بھی اگر کوئی نیت کرے گا اور وہ نیت شرعی دن کے آدھا ہونے سے پہلے پہلے ہے تو روزہ اس کا درست ہوجائے گا۔

نصفِ نہار شرعی اور نصفِ نہارِ عرفی کی تفہیم

آدھے دن سے مراد شرعی آدھا دن ہے۔ ایک تو عرفی دن ہوتا ہے، چنانچہ ہمارے عرف میں سورج نکلنے سے لےکر سورج غروب ہونے تک کا جو وقت ہوتا ہے اس کو دن بولتے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں دن کی شروعات سورج نکلنے سے نہیں؛ بلکہ صبحِ صادق سے ہوجاتی ہے تو صبحِ صادق سے لےکر غروب آفتاب تک کا جو وقت ہے، وہ شرعی اعتبار سے دن کہلاتا ہے تو گویا عرفی اعتبار سے جس کو دن کہا جاتا ہے، اس میں یہ سوا گھنٹہ ملائیں گے، وہ پورا شرعی دن کہلائے گا۔

جب اس عرفی دن کا آدھا نکالیں گے تو وہ زوال کے وقت یعنی سورج جب سر پر آتا ہے تو نصف ہوجاتا ہے جس کو ''نصف النہار'' بولتے ہیں؛ لیکن شرعی دن کا آدھا اس سے پہلے ہوجائے گا یعنی چوں کہ اس میں سوا، ڈیڑھ گھنٹہ مزید آیا، اس کا آدھا یعنی پونا گھنٹہ تو زوال سے پون گھنٹہ پہلے یہ شرعی دن کا آدھا ہوتا ہے، اس سے پہلے نفل کی نیت کرنی ضروری ہے، گویا صبحِ صادق کے بعد بھی نیت کی جاسکتی ہے

اور گنجائش ہے۔اور کب تک کر سکتے ہیں؟ تو شرعی اعتبار سے جو آدھا دن ہے، اس کو فقہاء کے یہاں ''ضحوۂ کبریٰ'' بھی کہتے ہیں اور وہ زوال سے تقریباً پون گھنٹہ پہلے ہوا کرتا ہے، اس سے پہلے پہلے نیت کر لے تو نفل کی نیت درست ہو جائے گی اور روزہ صحیح ہو جائے گا۔

حَيْسٌ: ایک مخصوص قسم کا حلوہ ہوتا ہے، جس کو مالیدہ کہتے ہیں، عرب لوگ کھجور، پنیر اور گھی؛ تین چیزوں کو ملا کر جو تیار کرتے تھے اس کو حَیْس کہتے ہیں اور کبھی کبھی پنیر کی جگہ آٹا ہوتا تھا گویا کھجور گھی اور آٹا ان تینوں چیزوں کو ملا کر یہ تیار کیا جاتا تھا، اس کو حَيْسٌ کہتے ہیں، یعنی حلوہ، مالیدہ۔

نفل روزہ توڑنا کیسا ہے؟

إِنِّي أَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ: ثُمَّ أَكَلَ: یہاں ایک دوسرا مسئلہ آ گیا کہ کوئی آدمی نفل روزہ کی نیت کرے تو اس کو توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو کوئی وجہ ہو یا نہ ہو، اس کو توڑ سکتا ہے؛ اس لیے کہ نفل روزہ ہے، رکھنا چاہے تو رکھے، جب اس کے رکھنے کے معاملے میں اس کو اختیار ہے تو توڑنے کے معاملے میں بھی اس کو اختیار ہوگا، توڑ بھی سکتا ہے۔ پھر اگر توڑ بھی دیا ہو تو ان کے یہاں اس کی قضا بھی واجب نہیں ہے۔

جب کہ احناف کے یہاں یہ ہے کہ نفل روزہ اگر کسی وجہ سے توڑنا ہے تو کسی ضرورت سے توڑ سکتے ہیں اور ضرورتیں مختلف ہیں: کوئی مہمان آیا ہے، آپ کے بغیر کھانے کے لیے تیار نہیں تو آپ اس کے لیے روزہ توڑ سکتے ہیں، آپ کہیں مہمان بن کر گئے اور آپ کا روزہ تھا، میزبان کو کہہ دیا کہ: میرا تو روزہ ہے، تو میزبان نے کہا کہ: میں نے تو آپ کے لیے کھانا بنایا ہے، اس کے لیے اتنی محنت کی اور آپ کہتے ہیں کہ میرا روزہ ہے! تو اس کی وجہ سے آپ توڑنا چاہیں تو توڑ سکتے ہیں، اس طرح کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر توڑیں گے تو ہمارے نزدیک اس کی قضا کرنی ہے۔ اور اس روایت کے جواب میں ہم کہیں گے کہ: ضرورت کی وجہ سے آپ نے توڑا ہوگا اور اس کی ہمارے نزدیک بھی گنجائش ہے؛ البتہ بعد میں اس کی قضا کر لینی چاہیے۔

یہاں تو حلوہ کا تذکرہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا، بس اِسی مناسبت سے لائے۔

۱۸۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَحْيَى الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ الْأَعْوَرِ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَخَذَ كِسْرَةً مِنْ خُبْزِ شَعِيرٍ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً وَقَالَ: هَذِهِ إِدَامُ هَذِهِ وَأَكَلَ .

ترجمہ: حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا: یہ اس کا سالن ہے، اور پھر آپ نے تناول فرمایا۔

افادات: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں، جلیل القدر صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، ان کے صاحبزادے یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، وہ صغارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

سالن کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کو عملی تعلیم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ بعض مرتبہ آدمی کے پاس روٹی ہوتی ہے اور روٹی کے ساتھ مناسب سالن نہیں ہوتا ہے تو کبھی کبھی دل ہی میں کڑھتا ہے کہ خالی روٹی ہے، سالن نہیں ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امت کو اس عمل کے ذریعہ سے مختصر گیری یعنی دنیا کے معاملے میں آدمی کو بہت کم چیزوں پر اکتفا کرنا چاہیے، اس کی تعلیم دے رہے ہیں کہ سالن کے طور پر عرف میں اور عام رواج میں جس کو سالن کہتے ہیں، اسی کا ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے یہاں کھجور ہے، عام طور پر کھجور کو کوئی سالن کہتا نہیں ہے اور نہ سالن کے طور پر استعمال کرتا ہے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اس عمل کے ذریعہ امّت کی تربیت فرما رہے ہیں کہ بھائی! سالن نہیں ہے، کھجور ہے تو کھجور ہی کو روٹی کے ساتھ کھالو اور سمجھ لو کہ یہ سالن ہے، جیسے سالن نہیں ہے اور کیلا ہے تو روٹی کے ساتھ کیلے ہی کو کھالو، سمجھو کہ یہی سالن ہے۔

اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے

حاصلِ کلام یہ ہے کہ وہ سالن نہ ہونے کا ایک تصور اپنے دل ودماغ پر مسلط کر کے کڑھنا،

غمگین ہونا کہ سالن نہیں ہے، بعضوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے، یہاں نبیٔ کریم ﷺ تربیت فرمارہے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وقت پر اللہ تعالیٰ نے جو دے دیا، اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھالے۔ بس! چند دنوں کی زندگی ہے، کسی بھی طرح پوری کرلو، مؤمن کے لیے آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔

اس روایت میں غور فرمائیے! آپ اپنے اس عمل اور اس ارشاد سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کھجور سے بھی سالن کا کام لیا جاسکتا ہے تو اب یہ کھجور ہی کی خصوصیت نہیں، ہمارے یہاں کے اعتبار سے اس طرح کی جو چیزیں ہوں، اس کو آپ سالن کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہیں۔ آدمی جس طرح کرے گا اس طرح تسلی ہوجائے گی۔

۱۸۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ الْعَوَّامِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ. قَالَ عَبْدُ اللهِ: يَعْنِي مَا بَقِيَ مِنَ الطَّعَامِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ کو ہانڈی اور پیالے کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔ راویٔ حدیث حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: ثُفل یعنی بچا ہوا کھانا۔

افادات:

حضور ﷺ کو برتن کے ساتھ لگی ہوئی کھانے کی چیز مرغوب تھی

ہانڈی میں جو بھی سالن پکایا گیا ہو، اخیر میں جو چیز نیچے کے حصے میں اس کے ساتھ لگی ہوئی رہتی ہے وہ، یا جس برتن کے اندر سالن نکالا گیا ہے، اخیر میں جو بچا رہتا ہے۔ عام طور پر لوگ اس کو پسند نہیں کرتے۔

آج کل کا ایک فیشن

دوسری بات یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جو کبر اور نخوت والے ہوتے ہیں، وہ برتن کے اندر اخیر میں بچی ہوئی چیز کے استعمال کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آج کل تو گویا فیشن یہ بھی بن گیا ہے کہ کسی کے سامنے شربت وغیرہ رکھتے ہیں تو دو انگل جتنا شربت تو ایسے ہی باقی چھوڑ دے گا۔

گویا یوں سمجھتے ہیں کہ یہ اپنا اسٹیٹس قائم کرنے کے لیے آداب میں سے ہے۔ ہمیں تو نبیٔ کریم ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے کہ بھائی! اس کو پورا کرو، اس کو ضائع مت ہونے دو، ایک قطرہ اور ٹکڑا بھی اگر ضائع ہو رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے۔

برتن میں بچا ہوا کھانا تناول کرنا حضور ﷺ کی اعلیٰ درجہ کی تواضع ہے

یہ نبیٔ کریم ﷺ کی اعلیٰ درجہ کی تواضع ہے کہ اوپر کا حصہ دوسروں کو کھلاتے تھے اور نیچے کا، اخیر کا حصہ خود تناول فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو متکبر آدمی ہوگا، جو کبر و غرور اور نخوت والا ہوگا، وہ تو اپنے لیے ایسا گوارا نہیں کرے گا۔ یہاں نبیٔ کریم ﷺ اس کو اپنے لیے پسند فرماتے تھے، لوگوں کو اچھا اچھا دیتے تھے، اوپر والا اچھا مال لوگوں کو کھلا رہے ہیں اور جو کم درجہ کا ہے، وہ خود کھا رہے ہیں یہ آپ کی کمالِ تواضع ہے اور ایثار بھی۔

تہ دیگی کے مرغوب کے ہونے کی ایک اور وجہ

اس میں علماء نے ایک دوسری وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ جو نیچے کا ہوتا ہے، اس میں روغن کم ہوتا ہے، تیل، تری کم ہوتی ہے، تری کم ہونے کی وجہ سے جلد ہضم ہوتا ہے۔ آج کل تو آپ کو بھی یہ معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر ہارٹ (دل) کی بیماری والوں کو تاکید کرتے ہیں کہ گھی والا اور تیل والا مت کھاؤ۔ ہم ڈاکٹر کے کہنے سے مانیں گے؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ کی سنت ہے اور آپ اس چیز کو پسند فرماتے ہیں، اس کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا۔ اگر اس کا لحاظ کیا جائے تو گویا ''ہم خرما و ہم ثواب'' فائدہ بھی ہے اور نیکی بھی مل جائے گی؛ اس لیے ایسی چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

۲۷ – بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ وُضُوءِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عِنْدَ الطَّعَامِ

نبیٔ کریم ﷺ کا کھاتے وقت ہاتھوں کے دھونے کا بیان

افادات: لفظ وضوء عربی زبان کا لفظ ہے، چوں کہ اسلام کی بھی جو اصلی زبان ہے وہ عربی ہے،

کسی بھی زبان کے جو الفاظ ہوتے ہیں، اس زبان میں کسی لفظ کا جو مفہوم مراد لیا جاتا ہے تو ان کے یہاں اس کو ''لغوی معنیٰ'' کہتے ہیں یعنی ڈکشنری والا معنیٰ اور پھر کوئی خاص جماعت اس لفظ کو کسی دوسرے مفہوم میں لے جاتی ہے تو اس کو ''اصطلاحی معنیٰ'' کہتے ہیں، جیسے یہ وضو کا لفظ عربی زبان کا لفظ ہے، اہلِ عرب اس سے ایک معنی مراد لیتے ہیں، اس کو ''لغوی معنیٰ'' کہتے ہیں اور پھر اسلام نے اسی لفظ کو اپنے خاص مفہوم کے لیے، خاص چیز کے لیے استعمال کیا، اس کو ''اصطلاحی معنیٰ'' کہتے ہیں۔

جیسے صلاۃ، یہ لفظ عربی میں اصل تو دعا کے لیے بولا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٞ لَّهُمۡۗ﴾ [التوبة ۱۰۳] یہاں قرآن میں بھی عربی زبان کی ڈکشنری کے اعتبار سے صلاۃ سے مراد دعا لی ہے لیکن قرآن اور حدیث میں بہت سی جگہوں پر شریعتِ مطہرہ نے صلوۃ بول کر ایک مخصوص عبادت مراد لی ہے جس کو ہم ''نماز'' کہتے ہیں، جو چند کاموں کا مجموعہ ہے: قیام، رکوع، سجود اور اس کے اندر پڑھے جانے والے چند اوراد، تو چند اقوال اور افعال کے مجموعے کو عبادت کی شکل دی گئی اور اس پورے مجموعہ کا نام ''صلاۃ'' رکھا گیا۔ اب دیکھو! صلاۃ کا ایک لغوی معنیٰ ہے یعنی لغوی اعتبار سے، ڈکشنری کے اعتبار سے صلاۃ کا معنیٰ دعا ہے اور شریعت نے اس لفظِ صلاۃ کو ایک خاص معنیٰ کے لیے استعمال کیا یعنی ایک مخصوص عبادت۔

یا جیسے زکوۃ۔ زکوۃ کا لفظ عربی زبان میں بولا جاتا ہے ''چیز کی بڑھوتری کے لیے'' اور ''پاکی کے لیے'' کہ یہ چیز پاک ہے، یہ چیز بڑھنے والی ہے، یہ لغوی معنی ہوا؛ لیکن اسلام نے زکوۃ کو ایک خاص عبادت کے لیے استعمال کیا کہ آپ کے پاس مال کی ایک مخصوص مقدار ہے اور اس مخصوص مقدار پر سال گذر جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ اللہ کے راستے میں نکالو اور وہ ان لوگوں کو دو جن کی تعیین قرآن میں اللہ نے کر دی، جن کو زکوۃ کا حق دار کہا جاتا ہے تو مال کا جو حصہ اس مال میں سے نکالا جاتا ہے، اس کو شریعت میں زکوۃ کہا جاتا ہے تو زکوۃ کا یہ مطلب اصطلاحی ہوا، جب کہ اس کا لغوی معنی اور ڈکشنری والا معنی بڑھوتری تھا۔ ویسے اس طرح زکوۃ کا نکالنا مال کے اندر زیادتی کا اور مال کی پاکی کا ذریعہ بھی بنتا ہے؛ اس لیے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔

وضو کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

یہاں لفظ وضو چوں کہ عربی زبان کا لفظ ہے اور عربی زبان میں ''وَضُوٴ'' خالی منہ ہاتھ دھونے کو کہتے ہیں، منہ ہاتھ دھونے کا نام وضو ہے؛ لیکن جب شریعت والے لفظ وضو بولیں گے تو اس سے خالی منہ ہاتھ دھونا نہیں ؛ بلکہ خاص انداز سے چار اعضا کا دھونا مراد ہوگا۔ اس میں چہرہ بھی آتا ہے، ہاتھ بھی آتے ہیں اور پاؤں بھی آتے ہیں اور ان کی حدیں بھی مقرر کردی گئی ہیں کہ چہرہ پیشانی سے لے کر ٹھوڑی تک اور ہاتھ انگلیوں کے سروں سے کہنی سمیت اور پاؤں بھی ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں اور سر کا مسح کیا جائے یہ تین اعضا کے دھونا اور ایک عضو کے مسح کرنے کا نام وضو ہے۔ یہ وضو بول کر جب ہم اس کا یہ شرعی معنیٰ مراد لیں گے تو ''اصطلاحی معنیٰ'' کہلائے گا اور جب وضو بول کر ہاتھ منہ دھونا مراد لیا جائے تو یہ ''لغوی معنیٰ'' کہلائے گا۔

ترجمۃ الباب میں معنیٔ مرادی

اب یہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب کا جو عنوان قائم کیا ہے، اس میں بتلاتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھاتے وقت وضو کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہاتھ دھوتے تھے، شریعت کی مخصوص زبان والا وضو مراد نہیں ؛ بلکہ لغوی معنیٰ مراد ہے، آگے یہاں جو روایت آرہی ہے، اس میں دونوں چیزوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔

۱۸۹ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ الطَّعَامُ فَقَالُوا: أَلَا نَأْتِيكَ بِوَضُوءٍ؟ قَالَ: إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کہ بیت الخلاء سے فراغت پر باہر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں کھانا حاضر کیا گیا، صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم آپ کے واسطے وضو کا پانی لے آئیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے وضو کا حکم اُس وقت ہے جب نماز کا ارادہ کروں۔

افادات: فَقَالُوا: أَلَا نَأْتِيكَ بِوَضُوءٍ؟: وَضوو او کے زبر کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جس سے نماز والا وُضو کیا جائے۔ چوں کہ کھانا رکھا جارہا تھا تو وہ یوں سمجھے کہ ابھی نبیٔ کریم ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوکر بیت الخلاء سے نکلے ہیں تو شاید آپ وضو فرمائیں گے؛ اس لیے عرض کیا کہ وضو کا پانی لاویں۔

اس حدیث میں وضو سے اصطلاحی وضو مراد ہے

یہاں وضو سے وہ وضو مراد لیا گیا جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی وضو کے متعلق پوچھا تھا، اسی کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: مجھے تو نماز تھوڑی پڑھنی ہے، جو اس کے لیے وضو کروں! رہا ہاتھ دھونا تو وہ الگ مسئلہ ہے، وہ آگے آئے گا۔ یہاں دونوں چیزیں ہیں، کھانا کھانے کے لیے وضو ثابت بھی کیا ہے اور وضو کا انکار بھی کیا ہے۔ لغوی معنی والا وضو یعنی ہاتھ دھونا ثابت کیا ہے اور نماز والے وضو کی نفی کی ہے۔

۱۹۰ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْغَائِطِ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ، فَقِيلَ لَهُ: أَلَا تَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ: أَأُصَلِّي فَأَتَوَضَّأُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: حضور ﷺ ایک مرتبہ استنجے سے فارغ ہوکر تشریف لائے، حضور ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا وضو نہیں فرمائیے گا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: کیا اِس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟۔

۱۹۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ، (ح) وَأَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ الْجُرْجَانِيُّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ زَاذَانَ، عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ أَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ.

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) کھانے کی برکت کا سبب ہے، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا اور جو مضمون تورات میں پڑھا تھا اس سے باخبر کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو (ہاتھ دھونا) کھانے کی برکت کا سبب ہے۔

افادات: یہ حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے؛ چوں کہ پہلے یہ عیسائی، نصرانی مذہب میں تھے اور عیسائی مذہب کے جو احکامات ہیں، وہ توریت کے بھی ہیں اور ان میں کچھ تبدیلی انجیل کے ذریعہ سے بھی ہوئی تو وہ توریت بھی پڑھے ہوئے تھے۔

کیا تورات میں صرف کھانے کے بعد ہی ہاتھ دھونے کا حکم تھا؟

قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا توریت میں واقعتاً صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے ہی کا تذکرہ تھا؟ تو اس حدیث کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ: ہوسکتا ہے کہ توریت میں اتنا ہی حکم دیا گیا ہو کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے جائیں، اور اب جب اس کا تذکرہ انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا یہ حکم بتلایا کہ: کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھوؤ اور کھانے سے پہلے بھی؛ کیوں کہ اسلام نے آ کر اگلے مذہب کو مکمل بیان کیا، ان میں جو کمی رہ گئی تھی، اس کو پورا کیا؛ اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے والا حکم اگلی شریعتوں میں نہیں تھا، وہاں تو کھانے کے بعد ہی ہاتھ دھونے کا حکم تھا، اسلام نے آ کر کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے حکم کو برقرار رکھا اور کھانے سے پہلے بھی ہاتھ دھونے کے حکم کا مزید اضافہ کیا۔

اور دوسری بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ توریت میں دونوں چیزیں ہوں یعنی کھانے کے بعد ہاتھ دھونے والا حکم بھی ہو اور کھانے سے پہلے والا بھی؛ لیکن چوں کہ اہل کتاب نے، اگلے مذہب والوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں بہت تحریف کر دی تھی، بہت سے احکام بدل دیے تھے، تو ہوسکتا ہے کہ بعد میں ہاتھ دھونے والا حکم تو اندر رہنے دیا ہو اور پہلے دھونے والے حکم کو اڑا دیا ہو، وہ حکم تحریف کی نذر ہو گیا ہو، دونوں باتیں ممکن ہیں۔ بہرحال! کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا بھی کھانے کی برکت ہے

اور کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھونا کھانے کی برکت ہے۔

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے برکت ہونے کے مطالب

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے میں کھانے کی برکت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کھانے میں زیادتی ہوتی ہے، کھانا بڑھے گا، جیسے ''بسم اللہ'' پڑھتے ہیں نا تو ''بسم اللہ'' پڑھنے کی وجہ سے برکت ہوتی ہے، زیادتی ہوتی ہے، اسی طرح اس میں بھی زیادتی ہوتی ہے۔

دوسرا: اگر آدمی ہاتھ دھو کر کھائے گا تو اس کو شکم سیری حاصل ہوگی یعنی اس کا پیٹ بھرے گا۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کھارہے ہیں؛ لیکن پیٹ بھرنے کا نام ہی نہیں، غیر مسلموں کا یہی حال ہے، اللہ کا نام لیے بغیر کھاتے ہیں تو کھاتے ہی چلے جارہے ہیں، بیس پچیس روٹیاں کھالیں تو بھی ان کا پیٹ نہیں بھرتا، اور ایک مؤمن ہے کہ دو تین روٹی کھائی نہیں کہ اس کا پیٹ بھر گیا۔ بہرحال اس کھانے کے ذریعہ سے پیٹ کا بھر جانا اور شکم سیری حاصل ہونا یہ اس کی برکت ہے، یہ برکت کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے حاصل ہوگی۔

کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی برکتیں

کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھونا بابرکت ہے۔ وہ کون سی برکت ہے؟ تو علماء فرماتے ہیں کہ:

(۱) آدمی کھانا اس لیے کھاتا ہے تاکہ اس کھانے کے ذریعہ سے آدمی کو قوت حاصل ہو، کھانا اس کے بدن کا جزو بنے، اس سے خون پیدا ہو، تو اگر کھانے کے بعد ہاتھ دھوؤگے تو یہ برکت جو آپ کو کھانے کے بعد ملنی چاہیے، ظاہر ہے کہ بغیر کھائے تو حاصل نہیں ہوگی، اسی طرح صرف بسم اللہ پڑھنے سے نہیں ہوگی، کھانا تو پڑے گا تو کھانے کے یہ فوائد کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے حاصل ہوں گے۔

(۲) دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے، کھانا طبیعت کے لیے بوجھل نہیں بنتا بلکہ نشاط کا سبب بنتا ہے۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کھانا کھاتا ہے، اس کی وجہ سے طبیعت بوجھل ہوجاتی ہے، موڈ خراب ہوجاتا ہے تو اگر کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی عادت رکھوگے تو طبیعت آپ کی

فریش رہے گی، نشاط باقی رہے گا۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کھانا کھاتا ہے؛ تاکہ عبادت میں قوت حاصل ہو یعنی اس کھانے کے نتیجے میں آدمی کو اللہ کے سامنے عبادت کرنے کی توفیق ہو اور اس عبادت کے لیے ہمت اور قوت حاصل ہو تو عبادت میں قوت حاصل ہونا اور اس کھانے کے نتیجے میں اچھے اخلاق کا پیدا ہونا یہ برکت بھی کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے حاصل ہوگی۔

بہر حال! دونوں برکتیں اپنی جگہ پر ہیں: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے والی برکت کی حیثیت الگ ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے والی برکت کی حیثیت الگ ہے۔

الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ: اب یہاں لفظ وضو فرمایا، کھانے سے پہلے بھی وضو کرنا اور کھانے کے بعد بھی وضو کرنا؛ لیکن یہ وضو نماز والا نہیں؛ بلکہ ہاتھ منہ دھونے والا مراد ہے۔

۲۸ - بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَ مَا يَفْرُغُ مِنْهُ

رسول اللہ ﷺ کا کھانے سے پہلے اور بعد میں دعاؤں کے پڑھنے کا بیان

۱۹۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ جَنْدَلٍ الْيَافِعِيِّ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ، فَلَمْ أَرَ طَعَامًا كَانَ أَعْظَمَ بَرَكَةً مِنْهُ، أَوَّلَ مَا أَكَلْنَا، وَلَا أَقَلَّ بَرَكَةً فِي آخِرِهِ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ هَذَا؟ قَالَ: إِنَّا ذَكَرْنَا اسْمَ اللهِ حِينَ أَكَلْنَا، ثُمَّ قَعَدَ مَنْ أَكَلَ وَلَمْ يُسَمِّ اللهَ تَعَالَى فَأَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطَانُ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا، میں نے آج جیسا کھانا کہ جو ابتداءً نہایت بابرکت معلوم ہوتا ہو اور کھانے کے ختم کے وقت

بالکل بے برکت ہو گیا ہو، کبھی نہیں دیکھا تھا، ہم نے (حیرت سے) دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہوا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب ہم لوگوں نے کھانا شروع کیا تھا تو اللہ کا ذکر کیا تھا، پھر ایسا شخص بیٹھا جس نے کھانا کھایا اور اللہ کا نام نہیں لیا؛ اس لیے شیطان بھی اُس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔

افادات:

ترکِ بسم اللہ پر شیطان کھانے میں شریک ہوجاتا ہے

فَأَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطَانُ: بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنی چاہیے۔ یہ جو شیطان شریک ہو گیا، اس کا کیا مطلب ہے؟ تو جمہور علماء فرماتے ہیں کہ واقعتاً شیطان شریک ہو گیا تھا؛ کیوں کہ شیطان جن ہی کی ایک قسم ہے، جیسے انسان کھاتے ہیں، جنات بھی کھاتے ہیں تو اگر آدمی بسم اللہ نہیں پڑھتا تو حقیقتاً اس کے ساتھ شیطان کھانے میں شریک ہوجاتا ہے۔

ابتدائے طعام میں بسم اللہ کے آداب

(۱) بسم اللہ جو پڑھی جائے گی تو بہتر یہی ہے کہ پوری (بسم اللہ الرحمن الرحیم) پڑھی جائے، اور اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ: صرف بسم اللہ پڑھا تو بھی کافی ہوجائے گا۔

بسم اللہ پڑھنا تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق سنت ہے۔ اور بسم اللہ کے الفاظ یہی ہیں: بسم الله الرحمن الرحيم، مستدرکِ حاکم کی ایک روایت اور کنز العمال میں بسم الله وبركة الله کے الفاظ بھی آئے ہیں، عَلَیٰ نہیں ہے، بسم الله وبركة الله یہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) بسم اللہ زور سے پڑھنی چاہیے؛ تاکہ کھانے میں شریک ہونے والوں میں کوئی بھول گیا ہو تو اس کو بھی یاد آجائے۔

١٩٣ – حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوائِيُّ، عَنْ بُدَيْلٍ الْعُقَيْلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَنَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اللهَ تَعَالَى عَلَى طَعَامِهِ فَلْيَقُلْ:

بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: تم میں سے کوئی آدمی کھانا شروع کرے اور کھاتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے (اور یاد آجائے) تو (درمیان میں) کہے: بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ۔

افادات: اس کے پڑھنے کی وجہ سے شروع میں "بسم اللہ" پڑھنے سے جو برکت حاصل ہوتی ہے، اب اِن شاء اللہ وہ برکت حاصل ہوجائے گی۔

١٩٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ فَقَالَ: ادْنُ يَا بُنَيَّ! فَسَمِّ اللهَ تَعَالَى وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ .

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹا! قریب آجاؤ، بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔

افادات:

راوی کا مختصر تعارف

حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں، ان کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ ہوا تو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی جو اولاد تھی: ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیٹی حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا؛ یہ سب اپنی والدہ کے ساتھ نبیٔ کریم ﷺ کے یہاں آئے اور حضور ﷺ کی پرورش میں رہے؛ اس لیے یہ حضور ﷺ کے ربیب ہیں، اس روایت کے نقل کرنے والے یہی عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

فَسَمِّ اللهَ تَعَالَى: اس سے کھاتے وقت "بسم اللہ" پڑھنے کا مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ اوپر بتلایا جاچکا ہے کہ سب کے نزدیک "بسم اللہ" پڑھنا سنت ہے۔

دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم

وَكُلْ بِيَمِينِكَ: دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے۔ لیکن بعض حضرات دائیں ہاتھ سے کھانے کو واجب کہتے ہیں؛ اس لیے کہ روایتوں میں بعض واقعات ایسے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے کھانے پر نبئ کریم ﷺ نے بددعا فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، نبئ کریم ﷺ نے اس کو تنبیہ کی کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ تو وہ کہتا ہے کہ میرا دایاں ہاتھ اٹھتا نہیں۔ یہ غلط بات تھی، اس کا دایاں ہاتھ بھی کام کرتا تھا؛ لیکن بعض لوگ ایسے مغرور قسم کے ہوتے ہیں کہ جب ان کو ایسی بات کہی جاتی ہے تو غرور کی وجہ سے اس پر عمل کرنا ان کو بھاری معلوم ہوتا ہے، تو بہانے کے طور پر اس نے ایسا کہا تھا کہ میرا دایاں ہاتھ اٹھتا نہیں ہے، تو نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: نہ اٹھے، چنانچہ اس کے بعد اس کا ہاتھ بے کار ہو گیا۔ گویا بائیں ہاتھ سے کھانے والے کے لیے آپ نے یہ بددعا فرمائی۔

اسی طرح ایک عورت بائیں ہاتھ سے کھا رہی تھی، نبئ کریم ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی تو وہ طاعون کے اندر مر گئی۔

ابنِ ماجہ کی روایت میں ہے کہ نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ؛ اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔

ان ساری روایتوں کی وجہ سے بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے، اگر بائیں ہاتھ سے کھائے گا تو گویا واجب کو چھوڑنے والا قرار دیا جائے گا۔

اپنے سامنے سے کھانا یا دوسروں کے سامنے سے

وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ: جہاں ایک تھالی میں ایک برتن میں کئی آدمی مل کر کھا رہے ہوں تو اپنے سامنے سے کھانا یہ بھی جمہور کے نزدیک سنت ہے۔ بعض حضرات یہاں بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اپنے سامنے سے کھانا واجب ہے، دوسرے کے سامنے سے کھانا جائز نہیں۔ البتہ اگر کوئی آدمی اپنے گھر کے

لوگوں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ کھا رہا ہے، یا پلیٹ میں مختلف چیزیں ہیں تو دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھا کرلے سکتا ہے، نیز اگر دوسروں کو اس کی وجہ سے ناگواری نہ ہو تو بھی ایسا کرسکتا ہے۔

١٩٥ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ رِيَاحٍ، عَنْ رِيَاحِ بْنِ عَبِيدَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: الْحَمْدُ لله الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا، پلایا اور ہم کو مسلمان بنایا۔

افادات:

ایک لغزش جو عام ہے

وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ: اس میں مِنْ نہیں ہے، عام طور پر لوگوں کی زبانوں پر وَجَعَلَنَامِنَ المُسْلِمِينَ چڑھا ہوا ہے، صحیح روایت میں مِنْ نہیں ہے۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور کھانا کھانے کے بعد اللہ کی حمد اور تعریف کرنا یہ کھانے کی نعمت کا ایک طریقۂ شکر ہے، قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [إبراهيم ۷] کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے تو ہم اضافہ کریں گے۔

کھانے پینے کے ساتھ اسلام کا تذکرہ کیوں؟

یہاں کھانے اور پینے پر حمد بیان کی، یہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے؛ لیکن اس موقع پر وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ (ہم کو مسلمان بنایا) پڑھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: کھانا اور پینا اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتیں ہیں اور اسلام ایک باطنی اور معنوی نعمت ہے تو گویا ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ اس باطنی نعمت کا بھی شکریہ ادا کرا دیا۔ اور ویسے بھی

کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنا، شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا، یہ اسی اسلام کی برکت ہے؛ اس لیے بھی اس کا شکر یہ ادا کر دیا جائے کہ اسلام ہی کے نتیجہ میں یہ توفیق عطا ہوئی۔

۱۹۶ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ، أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے: الحمد للہ إلخ شکر وتعریف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے، ایسا شکر کہ بہت پاکیزہ اور بابرکت ہے، نہ چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ اس سے بے پروائی کی جاسکتی ہے، اے ہمارے رب!۔

افادات:

عَنْهُ کی ضمیر میں احتمالات اور اس کے معانیٔ مختلفہ

وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا: اس میں عَنْهُ کی ضمیر کے سلسلے میں کچھ احتمال بتلائے گئے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ یہ ضمیر حمد کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کررہے ہیں، یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو چھوڑا نہیں جاسکتا اور جس سے بے پرواہی اختیار نہیں کی جاسکتی۔

(۲) یا پھر یہ عنہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی جائے، تو مطلب یہ ہوگا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، وہ اللہ جس کو چھوڑا نہیں جاسکتا اور جس کی ذات سے استغنا اور بے پرواہی اختیار نہیں کی جاسکتی۔

(۳) بعضوں نے کھانے کی طرف بھی لوٹائی ہے، اگرچہ دعا میں کھانے کا تذکرہ نہیں ہے؛ لیکن کھانے کے بعد یہ دعا پڑھی جارہی ہے تو کھانا تقدیرًا موجود ہے۔ مطلب یہ ہوجائے گا کہ: یہ کھانا نہ تو چھوڑا جاسکتا ہے، نہ اس سے بے پروائی اختیار کی جاسکتی ہے، یعنی اِس وقت ہم نے پیٹ بھرنے کی وجہ سے ہاتھ کھینچ لیا؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آئندہ ہم کو اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، چار پانچ گھنٹے کے بعد پھر سے ہم اس کی طرف بڑھیں گے اور اس کے محتاج بننے والے ہیں اور یہ ہاتھ

جو کھینچا گیا ہے، وہ کوئی استغنا اور بے پرواہی کی وجہ سے نہیں۔

۱۹۷ – حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوائِيُّ، عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْكُلُ الطَّعَامَ فِي سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهُ بِلُقْمَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ سَمَّى لَكَفَاكُمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے، کہ ایک بدوی آیا اور اس نے دو لقموں میں سب نمٹا دیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا۔

۱۹۸ – حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ کو بندہ کا یہ عمل پسند ہے کہ، ایک لقمہ کھانا کھائے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے، یا ایک گھونٹ پانی پیے تو حق تعالیٰ شانہ کا اس پر شکر ادا کرے۔

افادات: الْأَكْلَةَ: جو کھانا ایک مرتبہ میں یا ایک بیٹھک میں کھایا جائے، اس کو أكلة کہتے ہیں، گویا کھانے کے لیے بیٹھا، کھانے سے فارغ ہونے پر، پورے کھانے کے اخیر میں اللہ کی تعریف کی، اس سے مراد وہی دعائیں ہیں جو مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہیں۔

بعضوں نے ہمزہ پر پیش کے ساتھ الْأُكْلَةَ پڑھا ہے، اگر الْأُكْلَةُ پڑھیں گے تو یہ لفظ لقمہ کے لیے بولا جاتا ہے یعنی کھانے کے دوران ہر لقمہ پر الحمد للہ تو اس میں مبالغہ زیادہ ہے؛ لیکن ویسے روایت کے الفاظ میں بجائے پیش کے زبر ہی کو راجح قرار دیا گیا ہے، یعنی پورے کھانے کے اخیر میں پڑھے۔

أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ: دیکھو! اس نے کھایا، پیا اور اللہ کا شکریہ ادا کیا تو اللہ تعالیٰ اس پر خوش ہوئے، گویا "ہم خرما و ہم ثواب" جیسا معاملہ ہو گیا، بہت اچھا ہے کہ آدمی اس کا اہتمام کرے۔

۲۹ - بَابُ مَا جَاءَ فِي قَدَحِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیالے کا بیان

افادات: اس باب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیالے کا تذکرہ کررہے ہیں جس کے ذریعہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی پیتے تھے اوراس میں ڈال کر کے پینے کی مختلف چیزیں نوش فرمایا کرتے تھے۔

۱۹۹ - حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ ثَابِتٍ قَالَ: أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَدَحَ خَشَبٍ غَلِيظٍ مُضَبَّبٍ بِحَدِيدٍ فَقَالَ: يَا ثَابِتُ! هَذَا قَدَحُ رَسُولِ اللهِ ﷺ .

ترجمہ: حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو ایک لکڑی کا موٹا پیالہ جس میں لوہے کی پتری لگی ہوئی تھی نکال کر دکھلایا، اور فرمایا کہ: اے ثابت! یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ ہے۔

افادات: قَدَحَ خَشَبٍ غَلِيظٍ: وہ پیالہ موٹی لکڑی کا بنا ہوا تھا اوراس کے اوپر لوہے کی پتری چڑھی ہوئی تھی۔ جس جگہ سے کچھ شگاف پڑے تھے، ان شگافوں کو بند کرنے کے لیے لوہے کی تین پتریاں وہاں الگ الگ جگہ لگائی گئی تھیں۔

يَا ثَابِتُ: ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خادم اور خاص شاگرد ہیں، کئی سال ان کی صحبت میں رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین پیالے اور ان کے نام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تین پیالے تھے: ایک کا نام "مُضَبَّبْ"، دوسرے کا نام "رَیَّان" اور تیسرے کا نام "مُخَضَب" تھا۔ یہاں مضبَّب کا تذکرہ ہے۔ مضبب اس لیے کہتے ہیں کہ ضَبَّةٌ عربی زبان میں لوہے کی پتری کو کہتے ہیں؛ چوں کہ اس میں لوہے کی پتری چڑھی ہوئی تھی؛ اس لیے اس کو مُضبب کہا گیا۔

۴۰۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: أَنْبَأَنَا حُمَيْدٌ، وَثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِهٰذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ كُلَّهُ: الْمَاءَ وَالنَّبِيذَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پیالے سے پینے کی سب انواع: پانی، نبیذ، شہد، دودھ؛ پلائی ہیں۔

افادات: یہ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے، اس میں بھی اسی پیالہ کا ذکر ہے جو ان کے پاس تھا جس پر لوہے کی پتری چڑھی ہوئی تھی۔ پینے کی تمام چیزیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی پیالہ سے نوش فرماتے تھے۔

نبیذ کی حقیقت

نبیذ یہ ہے کہ رات کو پانی کے اندر کچھ کھجوریں ڈال دی جائیں اور صبح تک رہنے دیا جائے، پھر صبح کو کھجوریں جو اندر نرم ہوگئی ہوں، ان کو دبا کر نچوڑ کر نکال دیا جائے، پھر جو میٹھا پانی ہوتا ہے اس کو ''نبیذ'' کہتے ہیں۔ یہ مقوی ہوتا ہے۔

۳۰ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ فَاكِهَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھلوں کا بیان

افادات: یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں، اپنی حیاتِ طیبہ میں کون کون سے پھل کھائے ہیں، اس کو بتلاتے ہیں، کبھی آپ نے ایک مرتبہ بھی کھایا ہو، اس کا بھی تذکرہ اس میں آئے گا۔

۴۰۱ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ککڑی کھجور کے ساتھ نوش فرماتے۔

افادات: یعنی ککڑی اور تازہ کھجور جس کو ’’رطب‘‘ کہتے ہیں، ان دونوں کو ملا کر کھاتے تھے۔
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ:

(۱) دونوں کو ملا کر کھانے کی وجہ سے اعتدال آجائے گا؛ اس لیے کہ خاصیت کے اعتبار سے ککڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم، تو گویا ٹھنڈی اور گرم دونوں کو ملا کر کے اعتدال پیدا ہو گیا۔

(۲) نیز مزہ اور ذائقہ کے اعتبار سے ککڑی پھیکی ہوتی ہے اور رطب میٹھی ہوتی ہے، تو اس طرح ذائقہ میں بھی دونوں کے اندر اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ کھانے کی اس قسم کی دو چیزوں میں، ان کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے اس نوع کی رعایت کرنی چاہیے۔

٢٠٢ – حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

٢٠٣ – حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ، أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ حُمَيْدًا يَقُولُ، -أَوْ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ- قَالَ وَهْبٌ: -وَكَانَ صَدِيقًا لَهُ- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخِرْبِزِ وَالرُّطَبِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خربوزہ اور تازہ کھجور کو ملا کر کے کھا رہے ہیں۔

٢٠٤ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الرَّمْلِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ الصَّلْتِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَكَلَ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ تناول فرمایا۔

٢٠٥ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، (ح) وَأَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ

النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرِ جَاءُوا بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثِمَارِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا، اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ. قَالَ: ثُمَّ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيدٍ يَرَاهُ فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الثَّمَرَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: لوگ جب کسی نئے پھل کو دیکھتے تو اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کرتے، چناں چہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو لیتے تو یہ دعا پڑھتے: اللّٰهُمَّ بارك لنا الخ: اے اللہ! ہم کو ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، اور ہم کو ہمارے شہر میں برکت عطا فرما، اور ہمارے صاع میں (ناپی جانے والی چیز میں) اور ہمارے مد میں (ناپی جانے والی چیز میں) برکت عطا فرما۔ اے اللہ! واقعی حضرت ابراہیم تیرے بندے اور تیرے دوست اور تیرے نبی ہیں، اور بے شک مَیں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے تجھ سے مکہ کے واسطے دعا کی تھی، اُنھوں نے جو دعا مکۂ مکرمہ کے لیے کی ہے ویسی ہی دعا اُس سے دو چند مقدار میں مَیں مدینۂ منورہ کے لیے کرتا ہوں۔ راوی فرماتے ہیں: اِس دعا کے بعد سب سے چھوٹا جو بچہ نظر آتا اُسے بلا کر وہ پھل مرحمت فرما دیتے۔

افادات: پہلا پھل جو آتا تھا، خاص کر کے کھجوریں، چوں کہ ان کے یہاں کھجوروں کے باغات بہ کثرت ہوتے تھے، چناں چہ مدینہ میں کسی بھی آدمی کے یہاں موسم کا پہلا پھل ہوتا تھا تو وہ لا کر پیش کرتا تھا۔

صاع اور مُد کی حقیقت

صاع ناپنے کا ایک بڑا پیمانہ تھا، یہ ساڑھے تین کلو کا ہوتا ہے اور مد صاع کا چوتھائی ہوتا ہے یعنی چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے۔ الغرض! یہ دو پیمانے ہیں جن کے ذریعہ سے کھجور اور اس جیسی دوسری چیزیں اس زمانے میں ناپی جاتی تھیں۔

وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا: اس میں برکت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان پیمانوں سے جو چیزیں پھل وغیرہ ناپی جائیں گے، اس میں تو برکت ڈال دے۔

وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ: یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تواضع کے پیشِ نظر اپنے حبیب ہونے کا تذکرہ نہیں کیا۔

چھوٹے بچے کو پھل دینے کی دو حکمتیں

(۱) چوں کہ پھل بھی نیا ہے اور یہ بچہ بھی گویا انسان کا نیا پھل ہے، اس معنیٰ کر کے دونوں میں مناسبت ہے۔

(۲) اس کی ایک وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ بچوں کے مزاج میں بے صبری ہوتی ہے، وہ اگر دیکھیں گے تو تھوڑی دیر انتظار کریں گے کہ مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ نہیں ملے گا تو وہ مانگیں گے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ہی اس کو بلا کر دیتے تھے؛ تاکہ مانگنے کی نوبت ہی نہ آوے۔

۲۰۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُخْتَارِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: بَعَثَنِي مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَعَلَيْهِ أَجْرٌ مِنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْقِثَّاءَ، فَأَتَيْتُهُ بِهَا وَعِنْدَهُ حِلْيَةٌ قَدْ قَدِمَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَمَلَأَ يَدَهُ مِنْهَا فَأَعْطَانِيهِ .

ترجمہ: حضرت رُبیع بنت معوِّذ بن عفراء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: مجھے میرے چچا حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق -جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں- لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ککڑی مرغوب تھی، مَیں جس وقت ککڑیاں لے کر حاضرِ خدمت ہوئی اُس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بحرین سے آئے ہوئے زیورات رکھے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر مجھے مرحمت فرمایا۔

افادات: عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ: حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں، ان کے والد معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے۔

قِنَاعٌ: پلیٹ، ایسی رکابی جو کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی تھی، اس کو قناع کہتے تھے۔

أَجْرٌ مِنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ: ککڑی جب چھوٹی ہوتی ہے تو اس پر چھوٹے چھوٹے روئیں جیسے نرم بال

ہوتے ہیں، اس لیے اس کا ترجمہ ''روئیں دار چھوٹی چھوٹی ککڑیوں'' سے کیا جاتا ہے۔

فَأَعْطَانِيهِ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی طرف سے اس سے بہتر چیز اور اس سے زیادہ اچھی چیز عطا فرماتے تھے۔

۲۰۷ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَتيتُ النَّبِيَّ ﷺ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَأَجْرٍ زُغْبٍ، فَأَعْطَانِي مِلْءَ كَفِّهِ حُلِيًّا أَوْ قَالَتْ: ذَهَبًا .

ترجمہ: حضرت رُبیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: مَیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تازہ کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کا ایک طباق لے کر گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک ہاتھ بھر زیور مرحمت فرمایا، یا راویہ نے کہا: سونا (عطا فرمایا)۔

افادات: یہ وہی حضرت رُبیع بنتِ معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا والی روایت ہے، البتہ اس میں چچا کا تذکرہ نہیں ہے، اس سے پہلی روایت میں چچا کے بھیجنے کا تذکرہ آیا تھا۔

٣١ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشروبات کا بیان

افادات: یعنی آپ کے پینے کی چیزوں کا حال بیان کررہے ہیں کہ آپ نے کیا کیا چیزیں نوش فرمائیں، پینے کی ان چیزوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کونسی چیزیں مرغوب تھیں۔

۲۰۸ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْحُلْوَ الْبَارِدَ .

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَكَذَا رَوَى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هَذَا الْحَدِيثَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَرَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارِكِ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ: عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ؛

وَهَكَذَا رَوَى يُونُسُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُرْسَلًا. قَالَ أَبُو عِيسَى: إِنَّمَا أَسْنَدَهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پینے کی چیزوں میں میٹھی ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ روایت حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے معمر سے، انھوں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے، انھوں نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح متصلاً نقل کی ہے۔اس روایت کو عبداللہ بن مبارک اور عبدالرزاق اور دیگر کئی راویوں نے معمر سے، انھوں نے زہری سے، انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے۔اوران تمام نے حضرت عروہ اور حضرت عائشہ کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے، اوراسی طرح یونس نے اور بہت سے لوگوں نے زہری سے اور انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً نقل کیا ہے۔ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: اس روایت کو مسند ومتصل تمام راویوں میں سے صرف سفیان بن عیینہؒ نے نقل کیا ہے۔

افادات:

میٹھا اور ٹھنڈا

الْحُلْوَ الْبَارِدَ: یہاں شراح فرماتے ہیں کہ: بہ ظاہر میٹھا اور ٹھنڈا پانی مراد ہے، عام طور پر مدینۂ منورہ کے کنوؤں میں پانی کچھ کھاراپن لیے ہوئے تھا، بعض کنویں ایسے تھے جہاں پانی میٹھا نکلتا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیر سُقْیَا سے- جو مدینہ سے کچھ دوری پر واقع ہے- میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ یہاں گویا یہ بتلانا چاہتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا پانی مرغوب تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی ٹھنڈا ہی پسند فرماتے تھے۔

شراح یہ بھی فرماتے ہیں کہ: شہد ملا ہوا بھی اور نبیذِ تمر والا بھی مراد ہوسکتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان چیزوں کا نوش فرمانا بھی روایتوں سے ثابت ہے۔ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ شہد تھا، وہ پانی میں ملا کر پیش کرتی تھیں۔الغرض! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد ملا ہوا پانی، اسی طرح کھجور کی نبیذ مرغوب تھی، جیسا کہ پہلے بتلادیا گیا تھا کہ رات کو برتن کے اندر پانی میں کھجور ڈال دی جاتی تھی، صبح کو اس کھجور کو نکال کر کے اس میٹھے پانی کو پی لیا جاتا تھا اور یہ مقوی بھی ہوتا ہے، اس کو نبیذ کہتے ہیں؛

یہ بھی نبیٔ کریم ﷺ کو پسند تھی؛ لیکن ابوداؤد کی روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں میٹھا اور ٹھنڈا پانی مراد ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُرْسَلًا: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کو اپنی کتاب سننِ ترمذی میں جہاں نقل کیا ہے، وہاں اس مرسل روایت کو مرفوع کے مقابلے میں زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

٢٠٩- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عُمَرَ هُوَ ابْنُ أَبِي حَرْمَلَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَلَى مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَجَاءَتْنَا بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ، فَشَرِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنَا عَلَى يَمِينِهِ وَخَالِدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ شِمَالِهِ، فَقَالَ لِي: الشَّرْبَةُ لَكَ، فَإِنْ شِئْتَ آثَرْتَ بِهَا خَالِدًا، فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ عَلَى سُؤْرِكَ أَحَدًا، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ أَطْعَمَهُ اللهُ طَعَامًا، فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ، وَمَنْ سَقَاهُ اللهُ لَبَنًا، فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ. وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرَ اللَّبَنِ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَمَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ هِيَ خَالَةُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَخَالَةُ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ، فَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي حَرْمَلَةَ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ: عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ حَرْمَلَةَ، وَرَوَى شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: عَنْ عُمَرَ بْنِ حَرْمَلَةَ، وَالصَّحِيحُ عُمَرُ بْنُ أَبِي حَرْمَلَةَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ میں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (ہماری خالہ) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہمارے پاس ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں، نبیٔ کریم ﷺ نے اس میں سے کچھ دودھ نوش فرمایا۔ میں دائیں جانب تھا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بائیں جانب، مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ: اب پینے کا حق تیرا ہے، اگر تو چاہے تو خالد کو ترجیح دے، میں نے عرض کیا کہ: آپ کے جھوٹے پر میں کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ ارشاد

فرمایا کہ: جب کسی شخص کو حق تعالیٰ شانہ کوئی چیز کھلائے تو یہ دعا پڑھنی چاہیے: اللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ اے اللہ! اِس میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر ہم کو کھلا۔ اور جب کسی شخص کو حق تعالیٰ شانہ دودھ پلائے تو یہ دعا پڑھنی چاہیے: اللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں اَور بھی دودھ پلا۔ اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دودھ کے علاوہ اَور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کھانے پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم ﷺ کی زوجہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبد اللہ بن عباس اور یزید بن اصم رضی اللہ عنہم کی خالہ ہیں۔

علی بن زید بن جدعان کے حوالے سے اس حدیث کی روایت میں راویوں کا اختلاف ہے: چناں چہ بعض راویوں نے علی بن زید کے حوالے سے اور انھوں نے عمر بن ابی حرملہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اور بعضوں نے علی بن زید کے حوالے سے اور انھوں نے عَمرو بن حرملہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اور شعبہ نے علی بن زید کے حوالے سے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ: انھوں نے عمر بن حرملہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اِن (تینوں: عمر بن ابی حرملہ، عمر بن حرملہ، عَمرو بن حرملہ) میں عمر بن ابی حرملہ صحیح ہے۔

افادات: یہ دوسری روایت پیش کرتے ہیں جس کو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں، ان سے اس حدیث کو لینے والے عمر بن ابی حرملہ ہیں، آگے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا تفصیلی گفتگو کی ہے کہ یہ عمرو ہیں یا عمر ہیں؟ لیکن صحیح یہ ہے کہ عمر ہے یعنی عمر بن ابی حرملہ۔

اصحابِ واقعہ کا مختصر تعارف

حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی خالہ تھیں، اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بھی خالہ ہوتی ہیں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔ نیز ایک اور راوی آتے ہیں: یزید بن اصم رضی اللہ عنہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان کی بھی خالہ ہوتی ہیں، یہاں ان کا تذکرہ نہیں ہے، دوسرے مواقع پر آتا ہے۔

الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ کا اصول

فَقَالَ لِي: الشَّرْبَةُ لَكَ: اس لیے کہ اس سلسلے میں نبیٔ کریم ﷺ نے ایک اصول بتلایا ہے،

چنانچہ یہ روایت تمام کتبِ صحاح اور مؤطا امام مالک میں موجود ہے: الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ، یعنی جب آدمی کوئی چیز کھا کر یا پی کر کسی دوسرے کو دینا چاہے تو یہ دینے کی شروعات دائیں طرف سے ہونی چاہیے، نبیٔ کریم ﷺ نے امت کو یہی تعلیم اور یہی ہدایت فرمائی ہے۔

یہ اصول وجوبی ہے یا استحبابی؟

دائیں طرف سے شروعات کرنے کا حکم وجوبی اور ضروری ہے یا مستحب کا درجہ رکھتا ہے؟ تو ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ - جو ظاہری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں - فرماتے ہیں کہ: یہ حکم وجوبی ہے یعنی دائیں طرف والے کو دینا ضروری ہے، بائیں طرف والے کو دائیں والے کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا؛ لیکن جمہور یعنی دیگر تمام حضراتِ علماء یہ فرماتے ہیں کہ: یہ حکم وجوبی نہیں ہے، استحبابی ہے، بہتر ہے کہ دائیں طرف سے دے، نبیٔ کریم ﷺ نے اس کی تلقین وتعلیم دی ہے، یہی ادب سکھلایا ہے، باقی چوں کہ دینے والا خود مالک ہے، مختار ہے؛ اس لیے وہ بائیں والے کو بھی دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

دو اصولوں میں ٹکراؤ اور تطبیق

یہاں ایک دوسرا اصول بھی ہے، چناں چہ مسندِ ابو یعلی میں ایک روایت آتی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ جب کوئی چیز نوش فرماتے تھے اور نوش فرمانے کے بعد کسی کو دینا چاہتے تھے تو یہ ارشاد فرماتے تھے ابْدَءُوا بِالْأَكَابِرِ أَوْ قَالَ: بِالْأَكْبَرِ: بڑوں سے شروعات کرو! - اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے کو دینا چاہیے۔

اس کے متعلق شراح فرماتے ہیں کہ: پینے والا جب پی رہا ہے تو اس کی اس مجلس میں بیٹھنے کا جو انداز ہے، اگر دائیں بائیں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تو شروعات دائیں طرف سے ہونی چاہیے، اور اگر بیٹھنے والے دائیں بائیں نہیں ہیں، سامنے ہیں یا پیچھے ہیں تو اس صورت میں پھر بڑے سے شروعات کرنی چاہیے۔ گویا دونوں روایتیں اپنی جگہ درست ہیں، بڑے سے شروع کرنے والی روایت کا تعلق اس صورت میں ہے جب کہ بیٹھنے والوں کی ہیئت اور ان کا انداز دائیں بائیں والا نہ ہو، اور اگر

دائیں بائیں بیٹھے ہوں تو دائیں طرف سے شروعات کی جائے گی، اور اسی کو مستحب قرار دیا گیا ہے، یہی بہتر طریقہ ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم

فَإِنْ شِئْتَ آثَرْتَ بِهَا خَالِدًا: دراصل نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو تعلیم فرمارہے تھے کہ بھائی! اگر چہ حق تو تمھارا ہے لیکن خالد بڑے ہیں؛ اس لیے تم کو چاہیے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو تم اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوئے پہلے ان کو دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اصل حکم تھا، وہ بھی بتلادیا اور اس موقع پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے، وہ بھی ان کو بتلادیا۔

فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ عَلَى سُؤْرِكَ أَحَدًا: یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد "الشَّرْبَةُ لَكَ" یعنی "پینے کا حق تمھارا ہے" سے بھر پور فائدہ اٹھالیا، چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے وہ لے لیا۔

وَزِدْنَا مِنْهُ: یہاں وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ کے بجائے یہ جملہ وَزِدْنَا مِنْهُ آپ نے سکھلایا یعنی ہم کو اور زیادہ عطا فرما۔

۳۲ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شُرْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پینے کے طریقے کا بیان

افادات: یعنی آپ جب کوئی چیز پانی یا پینے کی کوئی اور چیز نوش فرماتے تھے تو پینے کا طریقہ کیا ہوتا تھا، کھڑے ہو کر، بیٹھ کر یا پھر ایک سانس سے یا متعدد سانسوں سے، کس طرح پیتے تھے؟ یہ سب اس میں بیان کریں گے۔

۲۱۰ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ، وَمُغِيرَةُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر زم زم کا پانی نوش فرمایا۔

افادات:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہوکر پیا ہے

آگے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اسی طرح کی دوسری روایت بھی آرہی ہے۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف سے فارغ ہونے کے بعد جب پانی پینے کے لیے زم زم کے کنویں پر پہنچے تو چوں کہ حاجیوں کو پانی پلانے کا فریضہ اور خدمت بنو ہاشم انجام دیتے تھے، اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہما جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں، وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ اس خدمت میں لگے ہوئے تھے، تو وہاں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو اس روایت کے راوی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، وہ بھی موجود تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے اور پانی پینے کے لیے زم زم کے کنویں کے پاس آئے تو میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زم زم کا پانی پیش کیا، ڈول دیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے اس کو نوش فرمایا۔ یہاں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے نوش فرمایا ہے، یہ بتلانا چاہتے ہیں۔

ایک قولی حدیث سے تعارض

اب یہاں ایک مسئلہ آیا کہ پانی بیٹھ کر پینا چاہیے یا کھڑے کھڑے؟ تو اس سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں: مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی کھڑے ہوکر پانی نہ پیے اور اگر بھول سے پی لیا تو اس کو قے کردے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینا جائز نہیں ہے اور یہاں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زم زم کا پانی کھڑے ہوکر نوش فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پی سکتے ہیں، تو ان دونوں چیزوں میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

اس تعارض کی توجیہات

اس سلسلے میں حضراتِ علماء نے دونوں روایتوں میں جوڑ لگانے کی کوشش کی ہے اور مختلف شکلیں اختیار کی ہیں چناں چہ:

(۱) ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلے کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت تھی، اس کے بعد ممانعت والا حکم آیا ہے۔

(۲) بعض حضراتِ علماء اس کے برعکس کی طرف گئے ہیں کہ پہلے ممانعت تھی، پھر کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت ہوگئی۔

(۳) اس سلسلے میں مشہور قول جس کی طرف جمہور گئے ہیں، یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی کی جو ممانعت ہے، وہ تحریمی نہیں ہے، ناجائز، حرام اور ممنوع ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے، بہتر طریقہ یہ ہے کہ آدمی بیٹھ کر پیے، کھڑے ہو کر نہ پیے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ احکام بھی امت کو دیا کرتے تھے جن کا تعلق ارشادی یعنی امت کے ساتھ شفقت اور رحمت کے قبیل سے تھا، بعض ایسی چیزوں کا حکم دیتے تھے جو وجوبی اور ضروری درجہ کی نہیں ہوتی تھیں؛ بلکہ اس طرح کہ اس کو کرنا بہتر ہے، تو آپ جو یہ حکم دے رہے ہیں، وہ بہ طریق شفقت اور رحمت کے دے رہے ہیں۔ یہاں پر بھی جو بیٹھ کر پینے کا حکم دیا اور کھڑے ہونے سے ممانعت فرمائی، وہ شفقت اور رحمت کے قبیل سے ہے، حرمت اور ناجائز ہونے کے قبیل سے نہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہونے کی حالت میں پی کر امت کو یہ بتلادیا کہ کھڑے ہو کر بھی پانی پی سکتے ہیں۔

(۴) بعض حضرات نے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے ہو کر پانی پینے کی وجہ یہ بھی بتلائی ہیں کہ وہاں زم زم کے کنویں کے پاس پانی گرا ہوا تھا، کیچڑ تھا، بیٹھنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں تھی؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا۔

دو قسم کے پانی کھڑے ہو کر پی سکتے ہیں

دوسری ایک اور بات یہاں یہ ہے کہ کھڑے کھڑے پانی پینے کی ممانعت میں زم زم کا پانی داخل

نہیں ہے، یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ چناں چہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ کھڑے کھڑے پانی پینے کی جو ممانعت آئی ہے، اس میں سے دو پانی مستثنیٰ ہے یعنی ان کو کھڑے ہو کر پی سکتے ہیں: ایک تو زمزم کا اور دوسرا وضو کا بچا ہوا پانی۔ وضو کے بچے ہوئے پانی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت آگے آرہی ہے۔ تو یہ دو پانی ایسے ہیں جن کو کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کا حکم شامل نہیں ہے۔

زمزم کے پانی کا حکم

زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا بہتر ہے یا جائز ہے؟ یہ بھی ایک الگ بحث ہے، چنانچہ ہمارے یہاں احناف میں حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ (کہ عام طور پر ان کی کتاب سے اہلِ فتویٰ فتویٰ دیا کرتے ہیں) نے اس سلسلے میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے، بحث کرنے کے بعد وہ تو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زم زم کے پانی کو ممانعت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے؛ اس لیے اس کو کھڑے ہو کر پینا جائز ہے، بہتر نہیں۔

البتہ مشائخ کی ایک جماعت اس کے بہتر ہونے کی طرف گئی ہے یعنی زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پینا بہتر اور افضل ہے، وہ بھی کوئی ضروری اور واجب نہیں ہے؛ اس لیے عام طور پر زمزم کے پانی کے متعلق جو یہ رویہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی نے بیٹھ کر پی لیا تو ایسی تیز نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہیں، جیسے اس نے بہت بڑا جرم کر لیا ہو، ایسے موقع پر تو لوگوں کو مسئلہ بتانے کی غرض سے اہلِ علم اگر ایسا کریں تو بہ ایں معنیٰ پسندیدہ قرار دیا جائے گا کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو مسئلہ معلوم ہوگا۔

بہر حال زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا بعض حضرات کے نزدیک بہتر ہے اور دوسری ایک جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ صرف جائز ہے، مباح ہے، ممنوع نہیں ہے۔

۲۱۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہو کر بھی اور بیٹھ کر بھی پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔

افادات: اوپر یہ مسئلہ تفصیل سے آگیا ہے۔

۲۱۲ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارِكِ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَقَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم پینے کے لیے پیش کیا، چناں چہ آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

افادات: یہ وہی روایت ہے جو اوپر گذری ہے، اس میں ذرا سا اضافہ ہے، اوپر جو روایت گذری اس میں صرف کھڑے ہو کر نوش فرمانے کا تذکرہ ہے، ”میں نے پلایا“ کا اس میں اضافہ نہیں تھا۔

۲۱۳ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ، قَالَا: أَخْبَرَنَا ابْنُ الْفُضَيْلِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ قَالَ: أُتِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِكُوزٍ مِنْ مَاءٍ وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ فَأَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ، ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا وُضُوءُ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ، هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَعَلَ.

ترجمہ: حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس - جب کہ وہ مسجد کوفہ کے وسیع میدان میں تشریف فرما تھے - ایک کوزہ پانی لایا گیا، انھوں نے ایک چلو پانی لے کر دونوں ہاتھ دھوئے، کلی کی اور ناک میں پانی دیا، اور پھر اپنے منہ، کلائیوں اور سر پر مسح کیا، پھر کھڑے ہو کر اس میں سے پانی پیا اور فرمایا کہ: یہ اس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے باوضو ہو، مَیں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا۔

افادات: وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ: کوفہ کی جامع مسجد کے سامنے ایک کھلا میدان تھا، وہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ روزانہ بیٹھتے تھے، فیصلہ وغیرہ بھی وہیں بیٹھ کر کرتے تھے اس کو ”رحبہ“ کہتے ہیں، رحبہ چوک کو بولتے ہیں یعنی کھلا میدان۔

چہرہ اور ہاتھوں پر مسح

وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ: یہاں مسح کا لفظ آیا کہ چہرے پر بھی مسح کیا اور کلائیوں پر بھی۔ اصل میں ”مسح“ کہتے ہیں تر ہاتھ کو لے کر کسی عضو کے اوپر یا کسی چیز کے اوپر پھیرنا، جیسے وضو

کرتے وقت تر ہاتھ کو ہم سر کے اوپر پھراتے ہیں۔اور ''غَسل'' کہتے ہیں: پانی اس طرح ڈالنا کہ دو چار قطرے عضو سے الگ ہو کر نیچے بھی گریں یعنی دھونا۔اب یہاں چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے متعلق مسح کا لفظ استعمال کیا ہے، حالاں کہ چہرے اور ہاتھ کو دھونا ہے، اس میں مسح نہیں ہے۔

تو اس حدیث کی شرح میں علماء نے دو طرح کی باتیں کہی ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ چوں کہ اس روایت میں پاؤں کے دھونے کا تذکرہ نہیں ہے اور چہرہ اور ہاتھ کے متعلق مسح کا تذکرہ ہے، تو یہاں مسح ہی مراد لیا جائے، یعنی دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھوئے، کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ پر بھی اور ہاتھ پر بھی با قاعدہ مسح ہی کیا اور پاؤں نہیں دھوئے یعنی یہ با قاعدہ وضو تھا ہی نہیں کہ یہ اشکال وارد ہو۔

(۲) اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں مسح بول کر تر ہاتھ کا پھرانا مراد نہیں بلکہ ہلکا دھونا مراد ہے۔ اگر زیادہ پانی نہیں؛ بلکہ کم پانی استعمال کریں تو اس کو بھی اسی سے تعبیر کرتے ہیں تو گویا چہرہ بھی دھویا اور دونوں ہاتھ بھی دھوئے اور سر کا مسح بھی کیا یعنی با قاعدہ وضو کیا۔

پھر رہا یہ کہ پاؤں کے دھونے کا تذکرہ نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہی روایت بعض اور طرق سے آئی ہے تو اس میں پاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینے کا حکم اور فائدہ

ثُمَّ شَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ: اب یہاں یہ حدیث اس لیے لائے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا، اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا ثابت ہوتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض بزرگوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا بیماریوں کے لیے شفا ہے، اس سے بیماری ٹھیک ہوتی ہے، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل کی شرح میں اس کے کھڑے ہو کر پینے کے استحباب کا قول نقل کیا ہے۔

بہر حال! کھڑے ہوکر جائز تو ہے، بعض حضرات مستحب ہونے کے بھی قائل ہیں اور اس کا فائدہ یہ بتلایا کہ اس سے بیماریاں ٹھیک ہوتی ہیں۔

۲۱٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي عِصَامٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا إِذَا شَرِبَ، وَيَقُولُ: هُوَ أَمْرَأُ وَأَرْوَى.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پانی پیتے تو برتن (سے خارج) میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ: (اس طرح پینے سے) وہ خوب پچتا ہے، اور خوب سیرابی حاصل ہوتی ہے۔

افادات:

پانی پینے کا طریقہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سانس میں پانی نوش فرماتے تھے۔ ایک سانس میں پینے کی ممانعت بھی آئی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سانس میں پینے سے منع فرمایا ہے، اور طبی اعتبار سے اس کے مضرات اور نقصانات بھی بتلائے گئے ہیں کہ: ایک سانس میں سارا پانی پی جانے کی وجہ سے اعصاب کے اندر ضعف اور کمزوری آجاتی ہے، معدہ کا عمل بھی ضعیف ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ اچانک جب اتنا سارا پانی پہنچے گا تو معدہ کی قوت ہاضمہ میں بھی فرق پڑتا ہے، اور جگر کے لیے بھی مضر ہے؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سانس میں سارا پانی پینے سے منع فرمایا۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول اور عادت شریفہ یہی تھی کہ آپ تین سانس میں پانی نوش فرماتے تھے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ: اس طرح تین سانس میں پینے کی وجہ سے پانی بھی خوش گوار معلوم ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے سیرابی بھی زیادہ ہوتی ہے، یعنی آدمی تھوڑے پانی میں سیراب ہوجاتا ہے، اس کی پیاس مٹ جاتی ہے۔ اگر اس طرح نہیں پیا تو زیادہ پانی کے باوجود اس کو تشفی نہیں ہوتی۔

بہر حال! خلاصہ یہ ہوا کہ تین سانس میں پانی پینے سے روحانی وجسمانی دونوں اعتبار سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۲۱۵ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ رِشْدِينِ بْنِ كُرَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پانی نوش فرماتے تو دو دفعہ سانس لیتے تھے۔

افادات:

دو سانس سے پانی پینے کا مطلب

دو سانس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیچ میں لیا اور دوسری مرتبہ اخیر میں، جیسا کہ روایت کے ظاہر کا مفہوم یہی ہے، چناں چہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پانی دو یا تین سانس میں پیا کرو۔ تو یہاں پر اگر دو سانس سے مراد بھی یہی لیا جائے تو یہ بعض اوقات پر محمول ہوگا، یعنی کبھی کبھار نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سانس میں بھی پانی نوش فرماتے تھے؛ ورنہ آپ کی عام عادت شریفہ اور عام معمول تین سانس کے اندر پینے کی تھی۔ اور اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ: پینے کے دوران دو مرتبہ سانس لیتے تھے اور اخیر میں الگ، تو اس صورت میں تو اس روایت میں اور ان روایتوں میں جن میں تین سانس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پانی پینا نقل کیا گیا ہے، کوئی تضاد اور تعارض نہیں رہے گا۔

۲۱۶ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ جَدَّتِهِ كَبْشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِي قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ .

۲۱۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا عُزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا. قال: وَزَعَمَ أَنَسٌ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا .

ترجمہ: حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، اور لٹکے ہوئے

مشکیزہ کے منہ سے کھڑے ہوکر پانی نوش فرمایا، میں نے اٹھ کر مشکیزے کے منھ کو کاٹ لیا۔

ترجمہ: حضرت ثمامہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ (پانی پیتے وقت) تین مرتبہ برتن (کے قریب) میں سانس لیا کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی (پیتے وقت) تین مرتبہ برتن (کے قریب) میں سانس لیا کرتے تھے۔

افادات: یہاں دو چیزیں قابلِ غور ہیں:

(۱) کھڑے کھڑے پانی نوش فرمانے کی مکمل تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کھڑے کھڑے پینا ضرورت کی وجہ سے تھا، کیوں کہ وہ مشکیزہ بندھا ہوا تھا اور کوئی دوسرا برتن نہیں تھا کہ جس میں نکال کر بیٹھ کر پیا جائے؛ اس لیے نفسِ جواز کے لیے کھڑے ہوکر پانی نوش فرمایا؛ ورنہ اصل تو یہ ہے کہ پانی بیٹھ کر پینا چاہیے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا حالاں کہ بعض روایتوں میں براہِ راست مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت آئی ہے، اور اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ: ایک صحابی نے اس طرح مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پیا، اندر کوئی چھوٹا سانپ (سپولیا) ہوگا جوان کے پیٹ میں چلا گیا۔ تو دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: پہلے اجازت تھی، مگر جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے براہِ راست مشکیزہ سے منہ لگا کر پینے سے ممانعت فرمادی۔ یہ ممانعت، ممانعت شرعی نہیں تھی بلکہ شفقت اور محبت کی وجہ سے خیر خواہی کے پیشِ نظر تھی جس کو اصطلاح میں ''نہیٔ ارشادی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض حضرات ممانعت کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ: مشکیزہ سے جب منہ لگا کر پانی پیا جائے گا تو بہت سی مرتبہ پانی پینے والے کے منہ میں کچھ بدبوسی ہوتی ہے، مثلاً وہ تمباکو یا بیڑی وغیرہ کا عادی ہے، اور اس کی وجہ سے منہ میں بدبو ہے، اب ایسا شخص منہ لگا کر کے پیے گا تو اس کا اثر مشکیزہ کے منہ پر آئے گا، اور یہ چیز دوسروں کے لیے کراہت اور گھن کا باعث ہوگی، اسی وجہ سے پینے کے دوران برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا، کہ پانی بڑی صاف شفاف اور لطیف چیز ہے، وہ معمولی چیز کا اثر بھی قبول کر لیتی ہے، سانس اندر لیں گے تو سانس اندر آجائے گا، اور یہ چیز دوسروں کے لیے گھن کا باعث ہوتی ہے؛ اس لیے

بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا۔

حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کے مشکیزہ کا منہ کاٹنے کی وجوہات

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ کہ تبرک کے طور پر کاٹا تھا، یعنی مشکیزہ کے منہ سے جہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہونٹ لگے ہوں وہ حصہ انھوں نے برکت کے طور پر کاٹ کر اپنے پاس رکھ دیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ: آئندہ کوئی دوسرا بھی وہاں منہ لگا کر پی سکتا تھا، اور جہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ مبارک لگے ہوں وہاں دوسرا منہ لگا دے تو یہ چیز خلافِ ادب تھی؛ اس لیے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے انھوں نے کاٹ لیا۔ چناں چہ اس کے بعد والی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ: ام سلیم اپنا اسی طرح کا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، اور وہاں مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، تو مشکیزہ سے منہ لگا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پانی نوش فرمایا تو حضرت ام سلیم نے بعد میں اس کا منہ کاٹ دیا، اور اس کی وجہ صحیح ابن حبان میں ان ہی کے حوالہ سے یہ نقل کی گئی ہے کہ: میں نے اس لیے کاٹا؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوش فرمانے کے بعد اس سے اب کوئی دوسرا آدمی منہ لگا کر پانی نہ پی سکے۔

یہ دونوں وجوہات ہوسکتی ہیں۔

> ٢١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ زَيْدٍ ابْنِ ابْنَةِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ وَقِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ، فَقَامَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى فَمِ الْقِرْبَةِ فَقَطَعَتْهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (میری والدہ) ام سلیم کے گھر تشریف لائے، وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے کھڑے مشک کے منہ سے پانی نوش فرمایا، ام سلیم رضی اللہ عنہا اٹھیں اور مشکیزے کے منھ کو کاٹ دیا۔

افادات: یہ روایت ابھی گزر چکی ہے، اور اس سلسلہ کی تفصیلات بھی پیش کی جاچکی ہیں۔

٢١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ نَصْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ، أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ، حَدَّثَتْنَا عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَائِلٍ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا. قَالَ أَبُوعِيسَى: وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَابِلٍ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر پانی نوش فرماتے تھے۔ ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: اور بعضوں نے (بہ جائے عبیدہ بنت نائل کے) عبیدہ بنت نابل کہا ہے۔

افادات: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں اور عشرۂ مبشرہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے قبیلہ: بنوزہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔

پہلے بتلادیا گیا ہے کہ یہاں شراح نے لکھا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی نہیں تھی؛ مگر کبھی کبھی آپ نے کسی ضرورت کی وجہ سے یا نفسِ جواز بتلانے کے لیے کھڑے ہو کر پیا ہے۔

۳۳ - بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعَطُّرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوشبو لگانے کا بیان

افادات: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے ہمیشہ خوشبو مہکتی رہتی تھی، یعنی آپ عطر اور خوشبو نہ لگائیں تب بھی آپ کے بدن مبارک سے خوشبو آتی تھی، اور اس سلسلے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ کوئی خوشبودار چیز میں نے نہیں سونگھی۔ ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے، دوپہر کا وقت تھا، وہاں آپ نے قیلولہ فرمایا، ان کی والدہ نے چمڑا بچھادیا، گرمی کی وجہ سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے پسینہ نکل رہا تھا، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا چپکے چپکے سے اس پسینہ کو شیشہ میں بھر رہی تھیں، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، آپ نے پوچھا: کیا کر رہی ہو؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا مبارک پسینہ شیشی میں بھر رہی ہوں، یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے، اس کو ہم اپنی خوشبو کے ساتھ ملاتے ہیں، اس کو ملانے کی وجہ سے ہماری وہ

خوشبوئیں بہت اعلی اور عمدہ ہوجاتی ہیں۔اسی طرح کا ایک اَور واقعہ بھی ہے کہ ایک صحابی تھے،جن کا نام حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ تھا، ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے واسطے دعا کی، ان کی کمر اور پیٹ کے اوپر ہاتھ پھیرا، اس کی وجہ سے ان کے جسم سے ہمیشہ خوشبو آتی تھی۔ان کی چار بیویاں تھیں، وہ عمدہ سے عمدہ خوشبو مقابلہ کے لیے استعمال کرتی تھیں، پھر بھی کوئی خوشبو دستِ بابرکت کے جسم پر مس ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والی خوشبو کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔روایتوں میں ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستے سے گذرتے تھے، بعد میں آنے والا خوشبو سونگھ کر سمجھ جاتا تھا کہ یہاں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے ہیں۔ یہ سب کچھ تھا، اس کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ خوشبو استعمال کرنے کی تھی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ کتابوں میں نقل کیا گیا ہے: من طاب ریحه زاد عقله کہ جس کی خوشبو عمدہ ہوگی اس کی عقل بھی زیادہ ہوگی۔ بہرحال! خوشبو کا استعمال کرنا بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

۲۲۰ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، أَخْبَرَنَا شَيْبَانُ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الْمُخْتَارِ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سُکہ تھا، اُس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

افادات:

سُکہ کا مطلب

سکہ کی تشریح میں علماء کے دو قول ہیں: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: سکہ عطردان کا ایک ڈبہ تھا، یعنی وہ ڈبہ جس میں خوشبو رکھی جاتی ہے، اس میں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ اور صاحبِ قاموس نے کہا ہے کہ: سکہ ایک مخصوص قسم کی خوشبو ہے، جو چند چیزیں ملا کر تیار کی جاتی ہے، صاحبِ قاموس نے اس کا طریقہ بھی بتلایا ہے؛ ان کے بہ قول وہ چند چیزوں سے مخلوط تیار کردہ خوشبو تھی، اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استعمال فرماتے تھے۔اس روایت سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوشبو استعمال فرمانا اور اس کا

سنت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۲۲۱ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ، عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ، وَقَالَ أَنَسٌ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ .

ترجمہ: حضرت ثمامہ بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خوشبو کو رد نہ فرماتے تھے۔

افادات: یعنی کوئی آدمی لگانے اور استعمال کرنے کے لیے یا ہدیہ کے طور پر خوشبو پیش کرتا، تو آپ اس کو رد نہیں فرماتے تھے۔ آگے اس کی وجہ آ رہی ہے۔

۲۲۲ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ: الْوَسَائِدُ، وَالدُّهْنُ، وَاللَّبَنُ .

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہیے: تکیہ، تیل خوشبو اور دودھ۔

افادات:

اشیائے ثلاثہ کو رد نہ کرنے کی وجوہات

اس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ: یہ ایسی چیزیں ہیں کہ دینے والے کے اوپر کوئی بار نہیں پڑتا، مختصر ایک پھاہا عطر کا کوئی آدمی دے دے، یا آپ کو تھوڑا سا عطر لگا دے تو دینے والے پر اس میں کوئی بار نہیں ہے۔ دودھ پلانے میں بھی کوئی بار نہیں، اگر انکار کریں گے تو اس کی دل شکنی ہوگی، اس کو رنج ہوگا، اس کے برخلاف آپ قبول کر لیں گے تو ایک تو اس پر بوجھ نہیں، اور دوسرا ایک مؤمن کا دل خوش ہو جائے گا۔ فقہاء اور شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ: وہ تمام چیزیں جن میں دینے والے پر کوئی بار نہ ہو، کم قیمت کی چیز ہو تو ان سب کا یہی حکم ہے کہ اس کو رد نہ کیا جائے۔

تکیہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو قیمت والا ہوتا ہے، تو اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں: (۱) یا تو پورا تکیہ ہی کوئی ہدیہ کر دے (۲) یا یہ کہ آپ بیٹھے ہیں اور آپ کو ٹیک لگانے کے لیے کوئی آدمی تکیہ پیش کر رہا ہے، ہدیہ کے طور پر نہیں، تو وہ جو ٹیک لگانے کے لیے پیش کر رہا ہے اس کا انکار نہ کیا جائے، اس میں اس پر کوئی بار تو ہے نہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو لا کر آپ کے عمل کی طرف بھی اشارہ کیا، جیسا کہ اوپر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں گذر چکا، کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اگر کوئی خوشبو پیش کرتا تو آپ انکار نہیں فرماتے تھے۔ اب اگر کوئی زیادہ مقدار میں پیش کرتا ہے اور زیادہ مقدار لینا طبیعت گوارا نہیں کرتی، تو تھوڑا سا لے کر باقی اس کو واپس کیا جائے، گویا جتنا لگالیا اتنا قبول کر لیا باقی واپس کر دیا۔

۲۲۳ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ رَجُلٍ هُوَ الطُّفَاوِيُّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: طِيبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ.

۲۲۳/۱ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنِ الطُّفَاوِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو، اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب اور خوشبو مغلوب ہو۔

افادات:

عورتوں کو خوشبو لگانے کا حکم

مطلب یہ ہے کہ اگر عورت گھر میں رہ کر اپنے شوہر کے لیے خوشبو استعمال کرتی ہے، اور اس کی خوشبو اجنبی تک نہیں پہنچتی ہے، تب تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور اگر خوشبو پھیلتی بھی ہے؛ لیکن گھر تک ہی محدود رہتی ہے تو اس کی اجازت دی گئی ہے؛ البتہ خوشبو لگا کر نکلنا اور پھر اس خوشبو کا پرائے مرد تک پہنچنا ممنوع ہے، چوں کہ یہ عمل مَردوں کی شہوت کو ابھارنے والا ہے؛ اس لیے شریعت نے اس کو منع کیا ہے۔

چناں چہ ترمذی کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے نکلے اور خوشبو اُن تک پہنچے، زانیہ قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پھیلتی ہوئی خوشبو استعمال کرنے کے معاملہ میں عورت پر جو پابندی لگائی ہے یہ باہر نکلتے وقت یا اجنبی تک پہنچنے کی صورت میں ہے، اگر ایسا نہیں ہے؛ بلکہ گھر تک محدود رہتی ہے، اور شوہر کے لیے استعمال کرتی ہے، تو اس صورت میں پھیلتی ہوئی خوشبو کی بھی گنجائش اور اجازت ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردانہ خوشبو اور زنانہ خوشبو کا فرق بیان کیا، کہ مردانہ خوشبو سے مہک پھیلتی ہے اور رنگ اس کا مخفی اور چھپا ہوا رہتا ہے، اور عورتوں کی خوشبو مغلوب ہوتی ہے اور رنگ غالب ہوتا ہے۔

شارح بخاری علامہ ابن بطال کے حوالہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ: عام طور پر عورتیں جو خوشبو استعمال کرتی ہیں وہ چہرہ وغیرہ پر لگاتی ہیں؛ تاکہ اس کی وجہ سے ان کے چہرہ پر ذرا رونق آجائے، تو مردوں کو چاہیے کہ خوشبو کا استعمال اس انداز سے نہ کریں، چوں کہ اس میں عورتوں کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت بھی ہوتی ہے، اور اس خوشبو کا رنگ بھی ظاہر ہوتا ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔

حدثنا علي الخ: اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی روایت جو ابھی پیش کی گئی، دوسری سند سے لائی گئی ہے۔

٢٢٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلِيفَةَ، وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ، عَنْ حَنَانٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدُّهُ، فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَلَا نَعْرِفُ لِحَنَانٍ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثَ.

ترجمہ: حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو ریحان (خوشبودار پھول/ پودا) دیا جائے وہ نہ لوٹائے؛ اس لیے کہ وہ جنت سے نکلا ہے۔

ابو عیسیٰ فرماتے ہیں: ہمیں حنان کی اس کے علاوہ کوئی حدیث معلوم نہیں۔

افادات:

ریحان کا مطلب

ریحان عربی لفظ ہے، یہ ایک مخصوص قسم کا خوشبودار پودا ہوتا ہے، اور ہر خوشبودار پھول اور پودے کو بھی ریحان کہتے ہیں۔ یہاں دونوں مطلب بیان کیے ہیں، یعنی اگر کوئی آدمی کوئی بھی خوشبودار پھول پیش کرے تو اس کا انکار نہ کیا جائے، اور خاص طور پر وہ مخصوص پودا بھی مراد لیا گیا ہے، اور دونوں معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس کی وجہ ابھی بتلائی گئی، کہ دینے والے پر کوئی بار نہیں ہوتا۔ ایک دوسری وجہ بھی اس روایت میں بتلائی گئی ہے: فإنه خرج من الجنة کہ یہ خوشبودار پودا جنت سے آیا ہے، یوں تو دنیا کی تمام نعمتیں جنت کی نعمتوں کے نمونے ہیں، تو اس معنیٰ کر کے یہ بھی اسی طرح ہے۔

۲۲۵ – حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ الْبَغْدَادِيُّ، حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ بَيَانَ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَأَلْقَى جَرِيرٌ رِدَاءَهُ وَمَشَى فِي إِزَارٍ، فَقَالَ لَهُ: خُذْ رِدَاءَكَ. فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ: مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ صُورَةً مِنْ جَرِيرٍ إِلَّا مَا بَلَغَنَا مِنْ صُورَةِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

ترجمہ: حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ: مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (معائنے کے لیے) پیش کیا گیا، حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر اتار لی اور صرف لنگی میں چلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: چادر لے لو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: میں نے جریر سے زیادہ کوئی خوب صورت مرد نہیں دیکھا سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے، جس کا حال ہم تک پہنچا ہے۔

افادات:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا تعارف

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے ہیں، ''بنوبجیلہ'' ایک قبیلہ ہے، اسی سے ان کا تعلق ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع میں تشریف لے جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اور ایمان قبول کیا تھا۔ یہ بڑے حسین وجمیل تھے۔

لشکر میں بھرتی کا طریقۂ کار

پہلے زمانے میں جب لشکر دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار کیا جاتا تھا، جیسے آج کل ممالک میں ہر حکومت کا ایک مستقل نظام ہے، کہ اس کا ایک مستقل لشکر ہوتا ہے، اس زمانے میں جب کبھی ضرورت پیش آتی تھی تو اعلان کر دیا جاتا تھا، گویا ہر مسلمان لشکری تعلیم حاصل کرتا۔ جن ممالک کے اندر لشکری تعلیم کو ضروری قرار دیا گیا وہ اسی بنیاد پر قرار دیا گیا؛ تاکہ ہر شہری میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنا دفاع کر سکے۔ بہر حال! اُس زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ ضرورت پیش آتی تھی تو اعلان ہوتا تھا، کہ فلاں جگہ یہ ضرورت ہے، تو لوگ اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ نبیٔ کریم ﷺ کے زمانہ میں غزوۂ بدر، احد، خندق اور دیگر غزوات کے موقع پر جب اعلان ہوتا تھا، تو اعلان کی بنیاد پر لوگ آجاتے تھے، اور ان آنے والوں کو باقاعدہ ایک ایک کر کے ترتیب سے لائن سے پیش کیا جاتا تھا، حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے اور ہر ایک کا جائزہ اور معائنہ لیا جاتا تھا، اس طرح کہ وہ آپ کے سامنے سے گذارا جاتا، آپ اس کو دیکھ کر اجازت مرحمت فرماتے کہ ٹھیک ہے، تو اس کو اجازت دی جاتی تھی، اگر کوئی کم عمر ہوتا تو آپ ﷺ ان کو قبول نہ فرماتے، جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر بہت سے نوجوان صحابہ جن کی عمر ابھی پندرہ سال نہیں ہوئی تھی، اپنے آپ کو پیش کیا تھا؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو قبول نہیں کیا۔ بہر حال! میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ: اس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ جب لشکر تیار کیا جاتا تھا تو جو اپنے آپ کو لشکر میں شرکت کے لیے پیش کرتا تھا، وہ حاکم کے سامنے سے گذارا جاتا تھا، اور وہ ان کو دیکھ کر منظوری دے دیتے تو وہ لشکر میں شریک کیا جاتا تھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کسی موقع پر کسی جنگ کے لیے لشکر تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی، تو اس وقت لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گذارا گیا۔ گزارے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی جسمانی ساخت اور طاقت کا بھی اندازہ لگایا جائے، کہ یہ کام کے قابل آدمی ہے یا نہیں؟ حضرت جریر ابن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لشکر میں شریک ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا، اَور لوگوں کی طرح اِن کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گذارا گیا۔ اس زمانے میں عام طور پر سلے ہوئے

کپڑے پہننے کا دستور نہیں تھا، دو چادریں استعمال ہوتی تھیں: ایک بدن کے نچلے حصہ کو چھپانے کے لیے، جس کو ''ازار'' اور لنگی کہتے ہیں اور دوسری چادر بدن کے اوپر والے حصہ کو چھپانے کے لیے ہوتی تھی، اس کو عربی میں رداء کہتے ہیں۔ استعمال کے فرق کی وجہ سے نام میں فرق ہوگیا، ورنہ چیز ایک ہی ہے۔ رداء یعنی اوپر والے کپڑے کے متعلق عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ جب گھر وغیرہ میں جاتے تھے، تو اوپر والی چادر نکال دیتے تھے، جیسے ہم بھی گھروں پر جاتے ہیں تو کرتہ اتار دیتے ہیں، لنگی پہن لیتے ہیں، اس طرح یہ عام دستور تھا۔ تو جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گذارا گیا، تو انھوں نے اپنی چادر اتار کر کے نیچے ڈال دی اور صرف لنگی پہن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گذرے۔ جب وہ گذر گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھاری چادر اٹھالو، یعنی تمھارا معائنہ اور وزٹ ہوگئی، تم کو دیکھ لیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: حضرت جریر سے زیادہ حسین کوئی آدمی آج تک میں نے نہیں دیکھا- جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ وہ بڑے حسین وجمیل تھے-؛ البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جو باتیں ہم تک قرآن اور حدیث کی روشنی میں پہنچی ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے حسین تھے، باقی ہمارے دیکھے ہوئے لوگوں میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ جیسا حسین میں نے نہیں دیکھا۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

شمائل کی شرح کرنے والے حضرات نے یہاں مستقل بحث کی ہے کہ: کسی عنوان کے ماتحت جب کوئی روایت پیش کی جاتی ہے، تو یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس عنوان کے ماتحت پیش کی گئی ہے اس سے اس کا کیا تعلق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کا تذکرہ ہورہا تھا، اب روایت کو باب سے کیا تعلق؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمائل کے نسخے میں اس کا اضافہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ: اصل میں جس آدمی کو اللہ تعالیٰ حسن دیتا ہے تو خوشبو بھی وہ اس کے مناسب استعمال کرتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چوں کہ حسن صورت عطا فرمائی تھی، تو آپ کی خوشبو بھی

اسی مناسبت سے اعلیٰ قسم کی ہوا کرتی تھی۔

٣٤- بَابُ كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللهِ ﷺ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا بیان

افادات: اس باب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا انداز کیا تھا؟ آپ کس طرح بات فرماتے تھے؟ اس کو بتلانا چاہتے ہیں۔

٢٢٦ - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هَذَا، وَلَكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ فَصْلٍ، يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگوں کی طرح جلدی جلدی بات نہیں کرتے تھے؛ بلکہ اس طرح صاف صاف، ہر مضمون کو دوسرے سے ممتاز کر کے گفتگو فرماتے کہ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشیں کر لیتے۔

افادات: گفتگو کے دوران ایک تو الفاظ بھی صاف ہوتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ جہاں ایک بات پوری ہوئی دوسری بات اس سے الگ اور ممتاز ہوا کرتی تھی۔ اور آپ اس طرح اطمینان کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے کہ، سننے والے آپ کی باتوں کو بڑے اطمینان سے ذہن نشین کر لیتے تھے، یاد کرنے میں اور اس کو محفوظ رکھنے میں سننے والوں کو کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔

٢٢٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُثَنَّى، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعِيدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بعض مرتبہ) کلام کو (حسبِ ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے؛ تاکہ آپ کی گفتگو اچھی طرح سمجھ لی جائے۔

افادات:

کلام کو تین مرتبہ دہرانے کی وجوہات

آپ ﷺ ہر بات کو تین مرتبہ نہیں دہراتے تھے؛ بلکہ:

(۱) یا تو آپ ﷺ جو مضمون ارشاد فرما رہے ہیں وہ اگر ذرا مشکل ہوتا تو حضور ﷺ اپنی بات کو تین مرتبہ اس لیے دہراتے تھے؛ تاکہ سننے والے اس مشکل مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیں، ان کو سننے کے دوران غور و تدبر کا موقع ملے۔

(۲) یا مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے کبھی تین مرتبہ اپنی بات دہراتے تھے، بڑا مجمع ہے تو سامنے فرمایا، دائیں طرف فرمایا، بائیں طرف فرمایا؛ تاکہ تمام تک آواز پہنچ جائے۔

(۳) اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ بات کوئی مشکل نہیں، جس کے سوچنے کے لیے بہت زیادہ عقل لڑانے کی ضرورت پیش آئے، اور مجمع بھی زیادہ نہیں ہوتا تھا؛ لیکن بات کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے تین مرتبہ ارشاد فرماتے تھے۔ یعنی وہ بات اپنی جگہ اتنی اہم ہوتی تھی کہ اس کی اہمیت سامنے والوں پر ظاہر کرنے کے لیے دو یا تین مرتبہ دہراتے تھے، جیسا کہ ایک روایت پہلے آچکی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سہارا لگائے ہوئے بڑے بڑے گناہ بتلا رہے تھے، ان گناہوں کو بتلانے میں وشھادۃ الزور وقول الزور کہتے وقت ٹیک چھوڑ دیا اور سیدھے بیٹھ گئے، اور بار بار مذکورہ فرمان دہرانے لگے؛ حالاں کہ یہ جملہ ایسا نہیں ہے کہ سننے والے کو سمجھ میں نہ آوے، سنتے ہی سمجھ میں آجاتا ہے؛ لیکن یہ جھوٹی گواہی کی برائی اور اس کی قباحت کو اور اس کی اہمیت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لیے نبی کریم ﷺ نے اس جملہ کو کئی مرتبہ دہرایا۔

حاصل یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں تین مرتبہ دہرانے کی جو بات آئی اس کی مختلف وجوہات ہیں: پہلی وجہ تو یہ کہ وہ بات ایسی ہے جو غور و تدبر کی محتاج ہے؛ اس لیے نبی کریم ﷺ اس کو تین مرتبہ دہراتے تھے؛ تاکہ سننے والوں کو غور و تدبر کا اور سمجھ کر سننے کا موقع ملے۔ کبھی بڑا مجمع ہوتا تھا تو سامنے والوں تک پہنچانے کے لیے پھر دائیں طرف، پھر بائیں طرف؛ تینوں طرف اپنا رخ پھیر کر

اس کو تین مرتبہ دہراتے تھے۔ اور کبھی خود اس بات کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے۔

تنبیہ

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ جو تین مرتبہ کا آیا یہ غایتِ اکثر یہ ہے، یعنی زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ دہراتے تھے، کبھی دو مرتبہ دہرانے پر بھی اکتفا فرمایا؛ مگر زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دہرانے کی نوبت آتی تھی۔

۲۲۸- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، أَخْبَرَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعِجْلِيُّ، أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا يُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنٍ لِأَبِي هَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَانَ وَصَّافًا، قُلْتُ: صِفْ لِي مَنْطِقَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ دَائِمَ الْفِكْرَةِ لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ، طَوِيلَ السَّكْتِ، لَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ، يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهُ بِأَشْدَاقِهِ، وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، كَلَامُهُ فَصْلٌ، لَا فُضُولَ وَلَا تَقْصِيرَ، لَيْسَ بِالْجَافِي وَلَا الْمُهِينِ، يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَإِنْ دَقَّتْ، لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا يَمْدَحُهُ، وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا، وَلَا مَا كَانَ لَهَا، فَإِذَا تُعُدِّيَ الْحَقُّ لَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهِ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَصِرَ لَهُ؛ لَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهِ، وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا، إِذَا أَشَارَ أَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا، وَإِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا، وَإِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا، وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنَى بَطْنَ إِبْهَامِهِ الْيُسْرَى، وَإِذَا غَضِبَ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ، وَإِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ، جُلُّ ضَحِكِهِ التَّبَسُّمُ، يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ.

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے – جو حضور ﷺ کے اوصاف بہت عمدہ طریقے سے بیان فرماتے تھے – عرض کیا کہ: حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمایئے! انھوں نے فرمایا کہ: حضور ﷺ ہمیشہ (آخرت کے) غم میں رہتے، ہر وقت (اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا امت کی بہبودی کی) سوچ میں رہتے، (ان امور کی وجہ سے) کسی وقت آپ کو راحت میسر نہ تھی۔ زیادہ تر خاموش رہتے، بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی گفتگو شروع سے لے کر اخیر تک منہ بھر کر ہوتی تھی،

جامع الفاظ سے کلام فرماتے، کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا/آپ کی گفتگو (حق و باطل کو) جدا کرنے والی تھی، نہ اس میں زیادتی ہوتی نہ کمی کوتاہی۔ آپ ﷺ نہ سخت مزاج تھے نہ کسی کی توہین فرماتے تھے۔ نعمت کو بڑی سمجھتے اگر چہ تھوڑی ہوتی، اور کسی نعمت کی مذمت نہ فرماتے؛ البتہ کھانے کی نہ مذمت فرماتے نہ تعریف۔ دنیا اور دنیا سے متعلق چیزیں آپ ﷺ کو کبھی غصہ نہ دلاتی؛ البتہ اگر کوئی شخص حق بات سے تجاوز کرتا تو اُس وقت کوئی شخص آپ ﷺ کے غصے کی تاب نہ لاسکتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں، اپنی ذات کے لیے نہ کسی پر غصہ ہوتے اور نہ ہی انتقام لیتے۔ جب کسی جانب اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے۔ جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹتے تھے، اور جب بات کرتے تو (کبھی) گفتگو کے ساتھ ہاتھ کو بھی حرکت دیتے اور داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے۔ جب کسی پر غصہ ہوتے تو اس سے منھ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے، اور جب خوش ہوتے تو (حیا کی وجہ سے) نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ ﷺ کی اکثر ہنسی تبسم و مسکراہٹ ہوتی تھی، (اُس وقت) آپ ﷺ کے دندانِ مبارک اولوں کی طرح (چمک دار سفید) ظاہر ہوتے تھے۔

افادات: حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے اور نبیٔ کریم ﷺ کے نواسے ہیں، ان کی اس روایت کا ایک حصہ اس کتاب کے شروع میں نبیٔ کریم ﷺ کا حلیۂ شریفہ بیان کرنے کے سلسلے میں آ گیا، اسی کا ایک ٹکڑا یہاں بیان کر رہے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ماموں ہند ابن ابو ہالہ سے پوچھا۔ یہ ہند ابنِ ابی ہالہ حضرت خدیجہ کے بیٹے ہیں، ان کے پہلے شوہر سے؛ اس اعتبار سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہوئے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ماموں ہوئے۔

كان رسول الله ﷺ متواصل الأحزان: یعنی آپ پر ہر وقت غم طاری رہتا تھا، آخرت کی فکر اور آخرت کے غموں کو ہر وقت نبیٔ کریم ﷺ لیے رہتے تھے۔

دائم الفكر: آپ ﷺ کیا سوچتے تھے؟ یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق، یا امت کی بہبودی کے متعلق۔ ایک آدمی کسی کا ذمہ دار ہوتا ہے تو اس کا دماغ ہر وقت اپنی ذمہ داری کے متعلق سوچتا رہتا ہے، کہ میں اس کو کس طرح بہتر طریقہ سے ادا کروں! چناں چہ آپ ﷺ بھی امت کی فکر، امت کی بھلائی کے متعلق ہر وقت سوچتے رہتے تھے۔

لا يتكلم في غير حاجة: دیکھو! یہ ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ، ایک مؤمن کو اس معاملہ میں کیا عادت اختیار کرنا چاہیے یہ اس سے سیکھنے کی ضرورت ہے، کہ بلا ضرورت کبھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو نہیں فرماتے تھے۔

يفتتح الكلام ويختمه بأشداقه: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو شروع سے لے کر اخیر تک منہ بھر کر ہوتی تھی۔ منہ بھر کر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: جو بھی لفظ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے ادا فرماتے تھے، وہ پورا ہوتا تھا، ادھورا نہیں۔ بعض مغرور اور متکبر قسم کے لوگ ادھوری بات کرتے ہیں، کبر کی وجہ سے آدھا لفظ بولتے اور آدھا چھوڑ دیتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی بات ارشاد فرماتے تھے آپ کے تمام کلمات مکمل ہوتے تھے۔

ويتكلم بجوامع الكلم: ''جامع کلمات'' کا مطلب یہ ہے کہ: جس میں الفاظ کم ہوں اور اس کا مفہوم اور معانی بہت ہوں، بہت بڑے مضمون کو مختصر الفاظ میں ادا کرتے تھے، وہی جسے اردو میں ''دریا بہ کوزہ'' کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مِن جملہ دیگر خصوصیات کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ جوامع الکلم کی خصوصیت عطا فرمائی تھی، جو اَور انبیا کو نہیں دی گئی تھی۔

كلامه فصل: آپ کا کلام اور آپ کی گفتگو ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی تھی، آپ جب بولتے تھے تو الفاظ ایک دوسرے میں گھس نہیں جاتے تھے، جیسا کہ ابھی پچھلی روایت میں گذرا کہ ہر ہر لفظ صاف اور دوسرے لفظ سے جدا اور الگ ہوتا تھا، تاکہ سننے والا اچھی طرح سے اس کو سمجھ کر محفوظ کر سکے۔

لا فضول ولا تقصير: ''فضول'' کا مطلب یہ ہے کہ: بعض مرتبہ آدمی جو بات کہنا چاہتا ہے اس کے لیے بہت سارے الفاظ بول دیتا ہے، یعنی مفہوم تھوڑا ہے اور الفاظ زیادہ؛ گویا یہ الفاظ بے کار ہو گئے۔ نیز وہ بات تو آ گئی ہے، پھر بھی وہ بولتا چلا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں میں ''فضول'' نہیں تھا؛ بلکہ جچا تلا ضرورت کے مطابق کلام فرماتے، پس جو لفظ ارشاد فرمایا اس کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ: اس جملے میں یہ لفظ آپ نے زائد اور بیکار کہا۔

اور آپ کی گفتگو میں کمی کوتاہی نہیں ہوتی تھی، کمی کوتاہی کا مطلب یہ ہے کہ: بہت سی مرتبہ جب

آدمی کوئی بات کرتا ہے اور مافی الضمیر یعنی اپنے دل کی جو بات سامنے والے کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے، تو اس کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس الفاظ نہیں ہوتے، گویا اس کے الفاظ اس کے دل کی بات کو ادا کرنے کے لیے کم پڑ جاتے ہیں، اس کو "تقصیر" کہتے ہیں؛ یہاں ایسا بھی نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ آپ اپنے مافی الضمیر کو بہت عمدہ اور اچھے طریقے سے پورے طور پر ایسے انداز سے ادا کرتے تھے کہ نہ تو کمی رہ جائے اور نہ زیادتی ہو جائے؛ گویا آپ کا کلام بھی جچا تلا ہوتا تھا۔

لَيْسَ بِالْجَافِي وَلَا الْمُهِينِ: نبیٔ کریم ﷺ نہ تو سخت مزاج تھے یعنی جیسے دیہاتی لوگ اکھڑ مزاج ہوتے ہیں ایسے سخت مزاج بھی نہیں تھے۔ اور نہ کسی کی تذلیل اور توہین کرنے والے تھے، یعنی آپ اپنے ملنے والوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہیں کرتے تھے جس سے اس کی بے عزتی ہو، اور جس سے وہ یوں سمجھے کہ میرے ساتھ توہین اور اِنسلٹ (بے عزتی) کا معاملہ کیا گیا۔

اللہ کی نعمت کتنی ہی چھوٹی اور تھوڑی کیوں نہ ہو آپ اس کو بڑا سمجھتے تھے، اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تھے کہ بہت بڑی چیز ہے۔ یہ سوچ کر کہ کس کی دی ہوئی ہے؟ اللہ کی، جیسے ہمیں کوئی بڑا آدمی کوئی چھوٹی ہی چیز دے تو خوش ہو جاتے ہیں، اس کو اپنی بہت بڑی عزت سمجھتے ہیں، اسی طرح اللہ کی دی ہوئی نعمت کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے کہ اللہ نے دی ہے، دینے والے کی ذات کو دیکھنا ہے، نعمت کو نہیں دیکھنا ہے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ ہر نعمت کو چاہے معمولی ہو یا چھوٹی ہو بہت بڑا سمجھتے تھے۔

لا يذم منها شيئا: اللہ کی نعمت اور اللہ کی دی ہوئی چیز کی کبھی کوئی برائی کی ہو یا اس میں کوئی عیب نکالا ہو، کہ یہ ایسی ہے، یہ ویسی ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا۔

البتہ کھانے کی اگر کوئی چیز ہوتی تو اس کو بھی بڑا تو سمجھتے تھے؛ لیکن زبان سے- ویسے تو کسی نعمت کی کوئی برائی کبھی کرتے ہی نہیں تھے؛ لیکن- کھانے کی چیز کی نہ تو مذمت کرتے تھے اور نہ تعریف۔ کیوں کہ کھانے کی چیز کی تعریف کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی کھانے کا حریص ہے؛ اس لیے عام طور پر اس کی تعریف نہیں کرتے تھے، اور برائی تو کبھی بھی نہیں کرتے تھے۔

ولا تغضبه الدنيا ولا ما كان لها: یعنی دنیوی امور کی وجہ سے (مثلاً کوئی دنیوی نقصان ہو گیا،

کوئی چیز ٹوٹ گئی) کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی چیز بچے نے توڑ دی، یا گھر میں کوئی چیز ٹوٹ گئی تو بپھر پڑتے ہیں جیسے کہ بہت بڑا نقصان کر دیا، جب کہ نبیٔ کریم ﷺ کو دنیوی امور کی وجہ سے کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔

فاذا تعدی الحق لم یقم لغضبه شيء: یعنی جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس میں اگر کوئی آدمی حد سے تجاوز کرتا تو اس وقت آپ کے غصہ کو کوئی روک بھی نہیں سکتا تھا، اس وقت آپ بڑے غضبناک ہوجاتے تھے، حق کی خاطر آپ غضبناک ہوتے، یہاں تک کہ آپ اس کا انتقام لے لے، یعنی حق معاملہ میں اگر کوئی آگے بڑھا تو آپ اتنا غصہ ہوتے کہ اس کو درست وٹھیک کر لیتے۔

لا یغضب لنفسه ولا ینتصر لها: اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہیں ہوتے تھے۔ آپ کی ذات کے ساتھ ذاتی طور پر کسی نے کیسا بھی برا سلوک کیا ہو، آپ کو تکلیف پہنچائی ہو، آپ کی شان میں توہین کر دی ہو، کبھی اس پر غصہ نہیں ہوتے تھے۔ اور نہ کبھی اپنی ذات کے لیے اس سے بدلہ لیتے تھے۔ ہاں! دین کے معاملے میں کسی نے کوئی بات کہی تو پھر آپ غصہ کر کے اس سے بدلہ لیتے تھے۔

اذا اشار اشار بکفه کلها: کسی چیز کی طرف جب اشارہ کرتے تھے تو پوری ہتھیلی سے کرتے، صرف انگلی نہیں؛ بلکہ پوری ہتھیلی سے اشارہ کرتے تھے۔

وضرب براحته الیمنی بطن ابهامه الیسری: اور کبھی کسی بات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے اور کسی بات کے اندر قوت پیدا کرنے کے لیے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے والے اندرونی حصے پر مارتے تھے۔

فاذا غضب اعرض واشاح: آپ جس کسی سے ناراض ہوتے تو اپنا رخ پھیر لیتے، بے توجہی سے چہرہ پھیر لیتے، یعنی ادھر دھیان نہیں دیتے تھے جیسے گویا اس کو جانتے ہی نہیں۔

جل ضحکه التبسم: نبیٔ کریم ﷺ کی ہنسی زیادہ تر مسکراہٹ کی شکل میں ہوتی تھی، یعنی جب کبھی ہنستے تھے تو کھلکھلا کر قہقہے مار کر نہیں؛ بلکہ ایسا ہنستے کہ صرف دندان مبارک نظر آجاتے تھے، آواز نہیں نکلتی تھی۔

يفتر عن مثل حب الغمام: یعنی آپ جب ہنستے تھے تو آپ کے دانت مبارک بالکل سفید اولے کی طرح نظر آتے تھے، بارش کے اندر جب برف گرتا ہے تو وہ کیسا شفاف ہوتا ہے، ویسے آپ کے دندان مبارک صاف اور شفاف تھے۔

٣٥ - بَابُ مَا جَاءَ فِي ضَحِكِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے کا بیان

٢٢٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ، أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ وَهُوَ ابْنُ أَرْطَاةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمُوشَةٌ، وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا، فَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ: أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی صرف مسکراہٹ ہوتی تھی۔ میں جب آپ کو دیکھتا تو دل میں سوچتا کہ آپ آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے ہیں، حالاں کہ اُس وقت آپ سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

افادات: كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمُوشَةٌ: پنڈلیوں کا باریک ہونا یہ قابلِ تعریف سمجھا جاتا ہے، اہلِ قیافہ کے یہاں پنڈلیوں کے باریک ہونے کی بڑی خوبی بیان کی گئی ہے۔

ہنسنے کی تین کیفیتیں

وكان لا يضحك الا تبسما: یعنی آپ کا ہنسنا صرف مسکراہٹ کی شکل میں ہوتا تھا۔ اہلِ عرب کے یہاں ہنسنے کی کیفیت کے تین درجے بتائے گئے ہیں:

(۱) تبسم، جس کو مسکرانا کہتے ہیں، کہ صرف آدمی کے دانت نظر آئے اور کوئی آواز پیدا نہ ہو۔

(۲) ضحک: اس میں آواز پیدا ہو؛ لیکن اتنی کہ ہنسنے والا خود سن سکے، دوسرے کے کانوں تک

نہ پہنچ سکے، تو اس کو ان کے یہاں ''ضحک'' کہتے ہیں۔

(۳) کھلکھلا کر ہنسنا، یعنی اتنی زور سے ہنسنا کہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں، اس کو ''قہقہہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے کی کیفیت یہ تھی کہ صرف آپ کے دندان مبارک نظر آتے تھے، کوئی آواز پیدا نہیں ہوتی تھی۔

اكحل العينين وليس بأكحل: بعض حضرات کی آنکھیں فطری طور پر ایسی ہوتی ہیں جیسے سرمہ لگا ہوا ہو، یعنی سرمہ لگانے کے بعد آنکھوں کے اندر پلکوں وغیرہ میں سیاہی آتی ہے، اس وقت آنکھ جیسی نظر آتی ہے بعض حضرات کی آنکھیں بغیر سرمہ لگائے ہوئے اسی طرح نظر آتی ہیں، یہ ''سرمگیں آنکھیں'' کہلاتی ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بھی سرمگیں تھی، یعنی بغیر سرمہ لگائے ہوئے بھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ سرمہ لگا ہوا ہو۔

۲۳۰ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔

افادات:

دو روایتوں میں تعارض اور اس کا جواب

اس روایت پر بعض حضرات نے اشکال پیش کیا ہے کہ: پچھلی روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال بیان کیا گیا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل غموں میں رہتے تھے اور ہر وقت سوچ میں رہتے تھے، ایک طرف تو یہ حال بیان کیا گیا ہے، اور دوسری طرف یہ ہے کہ آپ سے زیادہ مسکرانے والا کسی کو نہیں دیکھا، ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) ایک جواب تو یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسکراہٹ ہنسنے کے مقابلے میں زیادہ تھی، یعنی عام

طور پر جب آپ ہنستے تھے تو آپ کے ہنسنے میں مسکراہٹ کی کیفیت ہوتی تھی، آواز پیدا نہ ہوتی تھی، جیسا کہ ابھی تین درجے بتلائے تھے: پہلا درجہ: خالص دانت نظر آئے، آواز پیدا نہ ہو، دوسرا درجہ: آواز ہو؛ لیکن اتنی جس کو خود ہنسنے والا سنے اور دوسروں تک نہ پہنچے، تیسرا درجہ: کھلکھلا کر ہنسنا۔ نبیٔ کریم ﷺ کھلکھلا کر تو ہنستے ہی نہیں تھے؛ لیکن کبھی اس طرح سے ہنستے کہ آپ خود اپنی آواز سن لے جس کو ''ضحک'' کہتے ہیں؛ البتہ عام طور پر نبیٔ کریم ﷺ کے ہنسنے کی کیفیت مسکراہٹ تک محدود رہتی تھی، آپ جتنا کچھ ہنستے تھے اس میں زیادہ حصہ مسکراہٹ والا ہوتا تھا اس معنیٰ کر کے اکثر تبسما کہا گیا۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ: نبیٔ کریم ﷺ غموں کی کثرت کے باوجود حضراتِ صحابہ- جو آپ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے- کی دل داری اور ان کی خوشی و مسرت کے خیال سے ان کے سامنے مسکراتے تھے۔ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنے حالات کے پیشِ نظر خود غم میں مبتلا ہوتا ہے؛ لیکن اپنے پاس جو لوگ ملاقات کے لیے آتے ہیں ان ملنے آنے والوں کے خیال سے وہ اپنے غم کو ظاہر ہونے نہیں دیتا؛ بلکہ ان کے ساتھ ہنس کر پیش آتا ہے، جس سے ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر غم کی کیفیت طاری ہے۔ گویا نبیٔ کریم ﷺ غایتِ تواضع اور اعلیٰ اخلاق کے پیشِ نظر اپنے غموں میں مبتلا ہونے کے باوجود دوسروں کے سامنے مسکرا کر پیش آتے تھے۔ اپنے غم کو چھپا کر دوسروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا غایتِ تواضع کی علامت ہے۔ آپ ﷺ کا مسکرانا اسی نوعیت کا ہوتا تھا۔

۲۳۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ الْخَلَّالُ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ السَّيْلَحَانِيُّ، حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا كَانَ ضِحْكُ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَّا تَبَسُّمًا.

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا مسکرانے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ ابو عیسیٰ فرماتے ہیں: یہ حدیث لیث بن سعد کی حدیث کے حوالے سے حدیثِ غریب ہے۔

افادات: یعنی آپ جب ہنستے تھے تو صرف مسکراتے تھے، آواز پیدا نہیں ہوتی تھی۔ پچھلی روایت پر وارد ہونے والے اشکال کے جو دو جواب دیے گئے، ان میں پہلا جواب اسی روایت کے

پیش نظر تھا، گویا آپ کے ہنسنے میں مسکراہٹ ہی کی کیفیت زیادہ تر ہوتی تھی۔

۲۳۲ - حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَوَّلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَآخِرَ رَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ، يُؤْتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ: اعْرِضُوا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوبِهِ وَيُخَبَّأُ عَنْهُ كِبَارُهَا، فَيُقَالُ لَهُ: عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا، وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ، وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيُقَالُ: أَعْطُوهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا حَسَنَةً، فَيَقُولُ: إِنَّ لِي ذُنُوبًا مَا أَرَاهَا هٰهُنَا، قَالَ أَبُو ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَیں اُس شخص کو خوب جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، اور اس سے بھی واقف ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ قیامت کے دن ایک آدمی حاضر کیا جائے گا، اس کے لیے یہ حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ مخفی رکھے جائیں، پھر اس سے پوچھا جائے گا: کہ تو نے فلانے دن یہ یہ گناہ کئے تھے، اور وہ اقرار کرتا جائے گا، انکار نہیں کر سکے گا، اور بڑے گناہوں سے نہایت خوف زدہ ہوگا، کہ اس دوران یہ حکم ہوگا کہ: اس شخص کو ہر ہر گناہ کے بدلے جو اس نے کیے ہیں ایک ایک نیکی دی جائے، یہ سنتے ہی وہ بول اٹھے گا کہ: میرے اَور گناہ بھی ہیں جو یہاں نظر نہیں آتے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ (اس کا مقولہ نقل فرما کر) اتنے ہنسے کہ آپ کے نوک دار دانت ظاہر ہو گئے۔

افادات: لَأَعْلَمُ أَوَّلَ رَجُلٍ: سب سے پہلے جنت میں جانے والے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

وآخر رجل یخرج من النار: آگے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے، اس میں جہنم سے سب سے آخر میں جو آدمی نکالا جائے گا اس کی تفصیل بیان کئی گئی ہے۔

یؤتی بالرجل یوم القیامۃ: علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ- جو شمائل کے شارح ہیں- فرماتے ہیں کہ: شمائل کے بعض نسخوں میں یہاں واو بھی ہے، یعنی ویؤتی اور ''واو'' استیناف کے لیے ہے گویا یہ ایک نیا جملہ ہے۔ کوئی آدمی جیسے جیسے اپنی بات کہتا جاتا ہے تو بات کہتے کہتے اگلے والے جملہ کو پچھلے والے جملہ سے

جوڑنے کے لیے اور صرف نئی بات شروع کرنے کے لیے لفظ ''اور'' لاتا ہے، یہاں یہی مطلب ہے، کہ جس آدمی کا تذکرہ کیا جارہا ہے وہ وہ نہیں ہے جو جہنم سے سب سے اخیر میں نکالا جائے گا، وہ دوسرا ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں کسی تیسرے آدمی کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔

وھو مقر: فرشتوں کی طرف سے اس کو کہا جائے گا کہ: تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیے تھے، ظاہر ہے اس کو تو معلوم ہے کہ میں نے یہ سب کیا تھا، اقرار کیے بغیر چارۂ کار نہیں، انکار تو کر نہیں سکتا، مان لے گا کہ ہاں! کیا تھا۔ جس وقت یہ اقرار کررہا ہے اسی وقت دل ہی دل میں وہ ڈر رہا ہے کہ ابھی تو چھوٹے گناہوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، آگے بڑوں کا نمبر آئے گا، گویا یہ ڈر رہا ہے کہ بڑوں کا نمبر نہ آئے تو اچھا، پتہ نہیں، اُس وقت کیا حال ہوگا! جب چھوٹے چھوٹے گناہوں کو بتلانے کے بعد باری تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو کہا جائے گا کہ: ہر گناہ کے بدلہ میں اس کو ایک نیکی دے دو، تو یہ آدمی بول پڑے گا: میرے کچھ اَور بھی گناہ ہیں جو یہاں نظر نہیں آرہے ہیں، یعنی جو بڑے بڑے گناہ ظاہر نہیں کیے گئے تھے جن کے ظاہر ہونے سے وہ ڈر رہا تھا، ان کے متعلق وہ ایسا کہے گا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اِس آدمی کا حال بیان کرنے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے؛ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے چار دانتوں کے برابر والے نوک دار دانت نظر آئے جس کو کُچلی کہتے ہیں۔ آپ اس لیے ہنسے کہ ابھی تو وہ خود دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ بڑوں کا تذکرہ نہ ہو تو اچھا؛ لیکن جب یہ فیصلہ ہوا کہ ہر گناہ کے بدلہ میں نیکی دی جاوے تو اب وہ خود ہی بول پڑا کہ دوسرے گناہ نظر نہیں آرہے ہیں، کہاں گئے؟۔

۲۳۳ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، أَخْبَرَنَا زَائِدَةُ، عَنْ بَيَانَ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا ضَحِكَ .

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے تو ہنستے تھے۔

افادات: ماحجبني: یعنی مسلمان ہونے کے بعد جب بھی میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حاضری کے لیے اجازت مانگی، تو کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے منع نہیں فرمایا، ہمیشہ اجازت دی۔

بہر حال! حضرت جابر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ایک خصوصی معاملہ تھا، آپ اظہارِ مسرت کے لیے اور ان کے سامنے اپنی خوشی کا اظہار کرنے کے لیے مسکراتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خصوصی برتاؤ

بعض شراح نے لکھا ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعض حضراتِ صحابہ کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا، جیسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ ہوتا تھا کہ جب بھی وہ آتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے مصافحہ کرتے، کہیں بھی ہو، کتنی ہی مرتبہ ملاقات ہو؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان سے مصافحہ کرتے، یہ ان کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا۔ اسی طرح حضرت جریر ابنِ عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خصوصی معاملہ یہ تھا کہ، جب بھی وہ آتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھ کر مسکراتے تھے۔

۲۳٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے مسکراتے۔

افادات: یہ وہ ہی روایت ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اگلی روایت میں الا ضحك تھا یہاں الا تبسم ہے۔ اس روایت کو لاکر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ: اگلی روایت میں جس ہنسی کا تذکرہ ہے، وہ مسکراہٹ کی شکل میں ہی ہوا کرتی تھی۔

۲۳٥ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ السَّلْمَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنِّي

لَأَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا، فَيُقَالُ لَهُ: انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ. قَالَ: فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا الْمَنَازِلَ، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، فَيُقَالُ لَهُ: أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ قَالَ: فَيُقَالُ لَهُ: تَمَنَّ قَالَ: فَيَتَمَنَّى، فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ الَّذِي تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ أَضْعَافِ الدُّنْيَا. قَالَ: فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ بِي وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟ قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر میں آگ سے نکلے گا، وہ ایک آدمی ہوگا کہ گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا، اس کو حکم ہوگا کہ: جا! جنت میں داخل ہوجا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جنت میں داخل ہونے کے لیے جائے گا تو دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے، لوٹ کر کہے گا: اے پروردگار! لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے، ارشاد ہوگا: کیا تجھے وہ (دنیوی) دَور بھی یاد ہے جہاں تُو تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ: جی ہاں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس پر ارشاد ہوگا کہ: اچھا! تمنا کر۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ تمنائیں ظاہر کرے گا، وہاں سے ارشاد ہوگا کہ: تیرے لیے تیری آرزو کے مطابق اور دنیا سے دس گنا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ عرض کرے گا کہ: آپ بادشاہ ہوکر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں! ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ: (اس شخص کا یہ مقولہ نقل فرماکر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر ہنسے کہ آپ کے نوک دار دانت بھی نظر آنے لگے۔

افادات: اني لأعرف الخ: یعنی جہنم میں اہل ایمان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے بھیجا گیا تھا، ان میں سب سے اخیر میں جو جہنم سے نکالا جائے گا، میں اس کو جانتا ہوں۔

رجل یخرج منها زحفا: یعنی جہنم کے عذاب کی وجہ سے اس کی حالت اتنی خراب ہوگی کہ کھڑے ہوکر چلنے کی بھی طاقت نہیں ہوگی، گھسٹتا ہوا اندر سے نکلے گا۔

فیجدوا الناس اخذوا المنازل: یعنی اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ اندر کوئی جگہ نہیں ہے، سب سیٹیں پُر ہوچکی ہیں۔ اس کو یوں محسوس ہوگا کہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر قابض ہوچکے ہیں۔

فیقال له اتذکر الزمان الذی کنت فیه: یعنی یہاں آخرت میں آنے سے پہلے جب تو

دنیامیں تھاتو تجھے یاد ہے؟۔اس لفظ کی شرح کرتے ہوئے عام طور پر شراح یہی فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے دستور کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں، کہ دنیا میں تم نے دیکھا ہوگا کہ ایسی جگہیں جو لوگوں کے لیے تیار کی جاتی ہیں، جو لوگ وہاں پہلے پہنچ جاتے ہیں تو قابض ہوجاتے ہیں، اور بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ نہیں چھوڑتے ،تو دنیا میں یہی دستور دیکھتا چلا آیا ہے، یہاں بھی تجھے یہی نظر آرہا ہے۔ لیکن حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجھے اپناوہ زمانہ اور مقام یاد ہے جس میں تو تھا یعنی دنیا، چوں کہ آگے اللہ تعالیٰ اس کو جو دینے جارہے ہیں وہ دنیا کا دس گنا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو آگے دی جانے والی نعمت کی وسعت اور کثرت کا اندازہ ہو؛ اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو پہلے یاد دلائیں گے کہ: پہلے تو کہاں تھا یاد ہے؟ یعنی دنیا میں، پھر جب وہ دنیا کا تصور کرے گا تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ: تجھے دنیا کا دس گنا دیا جائے گا؛ تاکہ اس کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی نوازش ہے۔

اتسخر بی وانت الملك: یعنی میں تو جنت میں دیکھ کر آیا کہ وہاں تو جگہ ہی نہیں ہے،اور آپ یوں فرماتے ہیں کہ تو نے جو تمنا کی ہے وہ بھی اور دنیا کا دس گنا بھی!!۔

فلقد رأیت رسول الله ﷺ ضحك: آپ کا یہ ہنسا کس بنیاد پر تھا؟

(۱) یا تو اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر اور اس اکرام پر جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا، ظاہر ہے کہ یہ وہ آدمی ہے جو جہنم میں سب سے اخیر میں نکالا گیا ہے، اہلِ ایمان میں سے دنیا کا سب سے بڑا گنہ گار یہی تھا، جب اس کو اتنا زیادہ اللہ کی طرف سے نوازا جارہا ہے، اس کا اتنا اکرام ہورہا ہے، تو جو دوسرے لوگ متقی اور نیک لوگ ہوں گے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوازش اور انعام کا معاملہ کیسا ہوگا!!!! ایک وجہ تو ہنسنے کی یہ بتائی۔

(۲) یا ہنسنے کی وجہ یہ ہو کہ: اس آدمی کی جرأت پر حضور ﷺ ہنس رہے ہوں، کہ ابھی تو چلنے کے بھی ٹھکانے نہیں تھے، اور یوں کہتا ہے کہ: وہاں جگہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جب یہ دیا تو اب خوشی سے بے قابو ہو کر غیر اختیاری طور پر یوں بول پڑا کہ: باری تعالیٰ آپ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، اور

میرے ساتھ مذاق کررہے ہیں۔اس کے اس جواب کی جرأت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔

٢٣٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: شَهِدْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ: بِسْمِ اللهِ، فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى ظَهْرِهَا قَالَ: الْحَمْدُ للهِ، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ [الزخرف:١٣، ١٤]. ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ للهِ ثَلَاثًا، وَاللهُ أَكْبَرُ ثَلَاثًا، سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي، فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، ثُمَّ ضَحِكَ. فَقُلْتُ لَهُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ؟ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ؟ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: إِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ: رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ أَحَدٌ غَيْرِيْ .

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس سواری کے لیے ایک جانور لایا گیا، (سوار ہوتے ہوئے) جب آپ نے رکاب میں پاؤں رکھا تو بسم اللہ کہا، جب اس کی پشت پر اچھی طرح سوار ہو چکے تو الحمدللہ کہا، پھر یہ دعا پڑھی: سبحن الذي إلخ: پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لیے مسخر فرمادیا؛ ورنہ ہم میں اس کے مطیع بنانے کی طاقت نہ تھی، اور واقعی ہم سب لوگ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الحمدللہ تین مرتبہ کہا، اللہ اکبر تین مرتبہ کہا، اور یہ دعا پڑھی: سبحانك إني إلخ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے، میں نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے، پس یا اللہ! تو میری مغفرت فرما، کیوں کہ مغفرت تو تیرے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اس دعا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسے۔ ابن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: مَیں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ کیوں ہنسے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا تھا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے تھے، تو میں نے بھی دریافت کیا تھا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنسے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: تمھارا رب بندہ کے اِس کہنے پر کہ: ''اے رب! میرے گناہ بخش دیجیے'' خوش ہوتا ہے، (اور کہتا ہے کہ: میرا بندہ) جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی شخص گناہ معاف نہیں کرسکتا۔

افادات: فلما وضع رجله في الركاب: رکاب گھوڑے کے اوپر جو زین ہوتی ہے،

اس زین کے دونوں طرف لوہے کے دو حلقے لٹکے ہوتے ہیں، جس میں سوار ہونے والا اپنے پاؤں ڈالتا ہے، سوار ہونے والا پہلے اپنی طرف کی رکاب میں پاؤں ڈالتا ہے، پھر دوسرا پاؤں اٹھا کر دوسری رکاب میں ڈالتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب پہلی رکاب میں اپنا پاؤں ڈالا تو بسم اللہ پڑھا۔

فلما استوى على ظهرها قال الحمد لله: اس سے معلوم ہوا کہ موٹر میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھا جائے، اور اچھی طرح بیٹھ جائے تو الحمد للہ پڑھا جائے۔

ثم قال سبحان الذي إلخ: آج انسان جتنی بھی سواریوں پر سواری کرتا ہے: ہاتھی، گھوڑا، گدھا؛ یہ سب جانور ایسے ہیں کہ ذرا سی حرکت کریں تو آدمی مارے ڈر کے بھاگ جائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے جانوروں کو ایسا تابع بنادیا کہ انسان جس طرح چاہتا ہے فائدہ اٹھاتا ہے، یہ اللہ کا احسان ہے، اور اسی کو یاد کرتے ہوئے یہ دعا پڑھتے ہیں: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ: پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کے جانور کو مسخر اور تابع کردیا؛ ورنہ ہم اس کو قابو میں نہیں لا سکتے، اور ہم لوگ لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں۔ دنیا کے اس سفر کی مناسبت سے آخرت کا سفر یاد دلایا جارہا ہے، کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ ہم یہاں سے آخرت کی طرف سدھار جائیں گے۔ یا سواری کبھی آدمی کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے؛ اس لیے موت کو یاد دلا رہے ہیں۔

۲۳۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ سَعْدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ ضَحِكَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ. قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ كَانَ؟ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مَعَهُ تُرْسٌ، وَكَانَ سَعْدٌ رَامِيًا، وَكَانَ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ يُغَطِّي جَبْهَتَهُ، فَنَزَعَ لَهُ سَعْدٌ بِسَهْمٍ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ رَمَاهُ فَلَمْ يُخْطِئْ هَذِهِ مِنْهُ - يَعْنِي جَبْهَتَهُ - وَانْقَلَبَ، وَشَالَ بِرِجْلِهِ: فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ. قُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكَ؟ قَالَ: مِنْ فِعْلِهِ بِالرَّجُلِ .

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میرے والد سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ غزوۂ خندق کے دن آپ اتنے ہنسے کہ آپ کے نوک دار دانت ظاہر ہو گئے۔ حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے؟ فرمایا: ایک (کافر) شخص ڈھال لیے ہوئے تھا، سعد (یعنی وہ خود۔ یہ التفات من التکلم الی الغیبۃ ہے) بڑے تیر انداز تھے، وہ شخص اپنی ڈھال ادھر ادھر کر کے اپنی پیشانی کا بچاؤ کر رہا تھا، سعد نے اس کے واسطے ایک تیر نکال تیار رکھا، جیسے ہی اس نے سر اٹھایا فوراً اس پر تیر چلایا اور وہ اس سے یعنی پیشانی سے نہیں چوکا، اور وہ فوراً الٹ پڑا اور اس کی ٹانگ اوپر کو اٹھ گئی۔ تو اس پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے ہنسے کہ آپ کے نوک دار دانت ظاہر ہو گئے، (حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:) میں نے پوچھا کہ: کس بات پر ہنسے؟ انھوں نے فرمایا کہ: مشرک کے ساتھ سعد کے اس فعل پر۔

افادات: یوم الخندق: ایک جنگ ''جنگِ خندق'' ہوئی تھی جس میں مشرکین مکہ لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے آئے تھے، اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفاظت کی غرض سے خندق کھدوائی تھی، یہ واقعہ اس موقع کا ہے۔

کان رجل معه ترس: ڈھال دشمن کے وار کو روکتی ہے، تلوار کا ہو یا تیر کا ہو۔

وکان سعد رامیا: یعنی ان کی تیر اندازی کا نشانہ بڑا زبردست تھا۔

وکان یقول کذا کذا بالترس یغطی جبهته: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو تیر پھینکا جا رہا تھا اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اپنی ڈھال یوں یوں کرتا رہتا تھا، یعنی اپنے آپ کو بچانے کے لیے ڈھال کو حرکت دے رہا تھا۔

من فعله بالرجل: حضرت سعد نے اس آدمی کی ہوشیاری کا جواب دینے کے لیے جو تیاری کی اور تیر چلایا، اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے تھے۔

٣٦ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش طبعی اور دل لگی کا بیان

افادات: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز اور طور و طریق مزاح اور دل لگی کے سلسلے میں کیا تھا؟ وہ

بتلانا چاہتے ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عملی طور پر مزاح ثابت ہے اور قولی طور پر ممانعت بھی، چناں چہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: لا تمار أخاك ولا تمازحه الخ کہ اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا مت کرو اور اس کے ساتھ مزاح مت کرو، مذاق مت کرو، اور اس کے ساتھ ایسا وعدہ مت کرو کہ جو بعد میں تم پورا نہ کرسکو۔ اس سے مذاق کرنے اور مزاح کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، اور عملی طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مزاح اور دل لگی کرنا ثابت ہے -جیسا کہ اِس باب میں آرہا ہے-تو دونوں میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہورہا ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں مختلف طریقوں سے تطبیق اور جوڑ پیدا کیا ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ جس مزاح کی ممانعت آئی ہے اس کا تعلق کثرتِ مزاح سے ہے، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کثرت سے مذاق ہی کرتے رہتے ہیں، یہ چیز دل کی قساوت اور سختی کا سبب بنتی ہے؛ اس لیے اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

(۲) مزاح کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ اتنا مذاق کیا جائے جو آدمی کے لیے ذکر وفکر سے رکاوٹ کا سبب بنتا ہو، تو ایسی کثرت اور زیادتی سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

(۳) بعض لوگ ایسا مزاح کرتے ہیں جس کی وجہ سے سامنے والے کو تکلیف ہوتی ہے، تو ایسا مذاق جو ایذائے مسلم یعنی کسی مسلمان کو تکلیف پہنچنے کا سبب اور باعث ہو گویا تکلیف پہنچانے ہی کو مذاق سمجھتے ہوں، اس کو منع فرمایا۔

(۴) مزاح اور مذاق کی اتنی زیادتی جو آدمی کے وقار اور ہیبت کو گرادے، کیوں کہ جو آدمی کثرت سے ایسا کرتا ہے تو لوگوں کی نگاہوں میں اس کا وقار باقی نہیں رہتا، بچے بھی پھر اس کو چھیڑتے رہتے ہیں، اس کی جو ہیبت رہنی چاہیے وہ ختم ہوجاتی ہے۔ ایسے مذاق سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، باقی جس مزاح اور مذاق میں ایسی باتیں نہ ہو؛ بلکہ اس کے ذریعہ سے دوسرے کی دل داری مقصود ہو، یا اس کی وجہ سے دوسرا خوش ہوتا ہو۔

بڑوں کی طرف سے بعض مزاح ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ چھوٹے کے ساتھ کیا جائے تو چھوٹا

خوش ہوتا ہے، اوراس کے انبساط کا باعث بنتا ہے، ایسے مزاح اور مذاق کو مستحب قرار دیا ہے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ خوش طبعی کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ویسے عُلَما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی ضرورت تھی، آپ کے لیے یہ ضروری تھا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر جو ہیبت اور رعب عطا فرمایا تھا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: نصرت بالرعب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیبت اور رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے، جو ایک مہینہ کی مسافت کی دوری پر جاتا ہے؛ یعنی ایسا رعب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اب اگر آپ لوگوں کے ساتھ دل لگی اور مزاح کا معاملہ نہ فرماتے اور تبسم نہ فرماتے، تو لوگوں کے لیے آپ کے پاس بیٹھنا مشکل ہوجاتا، مارے ہیبت کے بیٹھ نہیں سکتے تھے؛ اس لیے بھی ضروری تھا۔ دوسرا یہ کہ اگر آپ اس طرح دل لگی اور مزاح کا معاملہ نہ فرماتے؛ بلکہ ہمیشہ وقار کے ساتھ رہتے، تو آپ کی اتباع اور پیروی میں قیامت تک آنے والے علما اور مشائخ بھی اس کا اہتمام کرتے، کہ وہ بھی اپنے آپ کو مزاح اور دل لگی سے بچاتے، نتیجہ یہ ہوتا کہ پھر ان سے ان کے شاگردوں اور ان سے تعلق رکھنے والوں کا استفادہ اور فائدہ اٹھانا مشکل ہوجاتا؛ اس لیے آپ کے اس طرزِ عمل سے قیامت تک آنے والی ان جماعتوں کے لیے راہ کھل گئی، کہ اس کے ذریعے اپنے بڑوں سے استفادے کی راہ ہموار ہوتی ہے، اور دل لگی کے نتیجے میں ایک مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مزاح فرما کر قیامت تک کی ان مشکلات کو حل فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں اور درود آپ پر نازل ہوں کہ آپ نے امت کے لیے سہولت کا دروازہ کھول دیا۔

اسی سلسلے میں آگے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ چند روایتیں پیش کرتے ہیں:

۲۳۸ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ.
قَالَ أَبُو عِيسَى: قَالَ مَحْمُودٌ: قَالَ أَبُو أُسَامَةَ: يَعْنِي يُمَازِحُهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو ''اے دو کان والے!'' فرمایا۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: محمود نے کہا کہ: ابواسامہ نے کہا: اس سے مقصود آپ کا خوش طبعی کرنا تھا۔

افادات:

یاذا الأذنین کہنے کی وجوہات

اس فرمان کی وجہ کوئی مقامی یا شخصی خصوصیت ہوگی:

(۱) ہوسکتا ہے ان کے کان بڑے ہوں؛ اس لیے دو کان والا کہا۔

(۲) یا سننے کے معاملے میں بہت تیز ہوں، دور کی بات سن لیتے ہوں؛ اس لیے حضور ﷺ نے ان کو دو کان والا فرمایا۔

(۳) یا اپنی بات دھیان سے سنانا چاہتے تھے؛ اس لیے متوجہ کرنے کے لیے نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: اے دو کان والے۔

بہر حال! ایک مقامی خصوصیت بھی ہوسکتی ہے، پھر بھی آپ کا یہ جملہ خطاب یا بطور دل لگی اور مذاق کے تھا، یہاں تو بس اتنا ہی بتلانا چاہتے ہیں۔

۲۳۹- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟.

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَفِقْهُ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُمَازِحُ وَفِيهِ أَنَّهُ كَنَّى غُلَامًا صَغِيرًا فَقَالَ لَهُ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ. وَفِيهِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطَى الصَّبِيُّ الطَّيْرَ لِيَلْعَبَ بِهِ. وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ لِأَنَّهُ كَانَ لَهُ نُغَيْرٌ يَلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ، فَحَزِنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَازَحَهُ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ ملے جلے رہتے تھے/ مزاح فرماتے تھے، چناں چہ میرے چھوٹے بھائی سے فرمانے لگے: یا أباعمیر! مافعل النغیر اے ابوعمیر! تیرے لال کا کیا ہوا؟۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث سے یہ مسائل سمجھ میں آتے ہیں: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزاح فرماتے تھے، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹے بچے کی کنیت رکھی، چناں چہ فرمایا: یا أباعمیر۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ چھوٹے بچے کو پرندہ کھیلنے کے لیے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو جملہ فرمایا تھا کہ: اے ابوعمیر! تمھارے لال کا کیا ہوا؟ یہ اس لیے فرمایا تھا کہ: ان کے پاس ایک چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتے تھے، وہ مرگئی، اس کی وجہ سے بچہ غمگین تھا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (غم دور کرنے کے لیے) خوش طبعی کے طور پر ارشاد فرمایا: اے ابوعمیر! تمھارے لال کا کیا ہوا؟۔

افادات: لیخالطنا: ای لیمازحنا ہمارے ساتھ ملاطفت اور مزاح اور دل لگی سے پیش آتے تھے۔

یا أبا عمیر ما فعل النغیر: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے، جنہوں نے ایک چڑیا پال رکھی تھی، اس سے کھیلتے رہتے تھے، وہ چڑیا مرگئی جس کی وجہ سے وہ غمگین بیٹھے ہوئے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھیڑنے کے لیے اور ان کا غم دور کرنے کے لیے ان سے فرمایا: یا أبا عمیر! اے عمیر کے باپ! حالاں کہ ابھی تو وہ بچے تھے، بچے کے باپ کہاں بن سکتے تھے؛ لیکن یہاں ان کے لیے آپ نے یہ کلمہ بہ طور کنیت استعمال فرمایا۔ اور آپ کا یہ کنیت استعمال فرمانا اس وجہ سے تھا کہ آپ اس طرح ان کو تسلی دینا چاہتے تھے اور ان کا غم دور کرنا چاہتے تھے۔ چناں چہ آپ کا یہ جملہ خود ہی دل لگی کا جملہ ہے۔

قال أبو عیسی الخ: اس حدیث سے حضرات علمائے کرام نے باقاعدہ کیسے کیسے مسائل مستنبط کیے ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس کی تفصیلی بحث کی ہے۔ ایک رسالہ ایک عالم کا موجود ہے جس میں اس حدیث سے ساٹھ مسائل نکال کر کے بتلائے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اَور چند فوائد کا اضافہ کیا ہے، اور اس حدیث سے سو کے قریب فوائد ثابت کر کے بتلائے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں: قربان جایئے اس ذات پر کہ جس کے تفریحی جملہ سے سو مسائل حل ہوتے ہوں، اور اُن عُلما کی محنتوں پر بھی- اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے- جنھوں نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مزاحی جملہ سے اتنے مسائل نکال کر بتلائے۔

اس حدیث سے مستنبط مسائل

(۱)ان النبی ﷺ کان یمازح: اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ بچوں سے بھی مزاح اور دل لگی فرماتے تھے، حالاں کہ جو آدمی مغرور ہوتا ہے وہ بچوں کو منہ بھی نہیں لگاتا۔ یہاں دیکھیے! نبیٔ کریم ﷺ دل لگی کے طور پر ان سے خطاب کر رہے ہیں۔

(۱/۲)وفیہ انہ کنی غلاما صغیرا: ایک چھوٹے بچے کو نبیٔ کریم ﷺ نے کنیت سے پکارا۔ کنیت کا مطلب یہ ہے کہ، عرب میں دستور یہ تھا کہ جب کسی کو بلایا جاتا تھا تو نام لے کر نہیں؛ بلکہ کنیت کے ساتھ، یعنی مثلاً اس کے بچہ کا نام ہو تو اس کی طرف نسبت کرتے تھے، یعنی اس کے بچہ کا نام یعقوب ہے تو اے ابو یعقوب کہہ کر پکارتے تھے، خود اس کا نام نہیں لیتے تھے، کنیت سے بلانا ان کے یہاں ایک اعزاز تھا، اب یہاں تو یہ بچے تھے، اور ان کے بھائی بھی ابھی بڑے نہیں ہوئے تھے، نہ ان کی کوئی اولاد تھی، اس کے باوجود آپ نے ان کے لیے کنیت استعمال کی، اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچے کے لیے بھی کنیت استعمال کی جاسکتی ہے، اس کو جھوٹ پر محمول نہیں کریں گے۔

(۲/۲)اسی میں ایک دوسرا مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ: مدینۂ منورہ میں شکار کا کیا حکم ہے؟ مکۂ مکرمہ اور حرم میں تو کوئی آدمی شکار نہیں کرسکتا، اور نہ شکار کے جانور کو رکھ سکتا ہے؛ لیکن مدینۂ منورہ میں بھی شکار کا یہی حکم ہے یا الگ؟ یہ مسئلہ حضرات فقہا میں اختلافی ہے، چناں چہ حنفیہ کے نزدیک مدینۂ منورہ کے شکار کا وہ حکم نہیں جو مکۂ مکرمہ کا ہے، اور حنفیہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ دیکھو! ان کے پاس چڑیا تھی، انھوں نے اس کو بند کر کے رکھا تھا، اگر مدینہ میں شکار کا وہی حکم ہوتا جو مکۂ مکرمہ کا ہے تو یہ چیز درست نہ ہوتی۔

(۳)وفیہ انہ لا بأس ان یعطی للصبی: اس سے ایک مسئلہ اَور بھی نکلا کہ: کسی چھوٹے بچہ کو کوئی پرندہ کھیلنے کے لیے دے دیا جائے، تو بظاہر کسی کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح بچوں کے ہاتھ میں کھیلنے کے لیے پرندہ دینا ممکن ہے کہ ناجائز ہو؛ اس لیے بتلا رہے ہیں کہ: بچوں کو کھیلنے کے لیے پرندہ دینا جائز ہے؛ البتہ ایک شرط لگائی ہے کہ: وہ بچہ ظالم نہ ہو، اس پرندہ کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو، اگر ایسا ہے

تو اس کے ہاتھ میں دینا درست نہیں ہے۔ ہاں! بچہ خود صرف کھیلتا ہے، اس کو کچھ کھلاتا ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

۲۴۰ – حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ شَقِيقٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارِكِ، عَنِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا؟ قَالَ: إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ہاں!) مگر میں سچ ہی بات کہتا ہوں۔

افادات:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاح پر صحابہ کا اشکال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب

إنك تداعبنا: پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے مذاق سے منع فرمایا تھا – جیسا کہ پہلے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں گزرا – اور چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مقام اور مرتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اس کے پیشِ نظر حضرات صحابہ یوں سمجھے کہ یہ آپ کی بڑائی اور آپ کی شان کے خلاف ہے؛ اس لیے انھوں نے یہ پوچھا کہ آپ ہمارے ساتھ مذاق فرماتے ہیں؟

مذاق میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں

انی لا اقول الا حقا: یعنی مذاق میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ یہ مذاق کرنے کی ایک شرط ہے کہ مذاق میں کوئی جھوٹ بات بولنی نہیں چاہیے، سچی ہی بات ہو، اور اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔ مذاق کا بھی طریقہ ہوتا ہے۔

مزاح سنت ہے نہ کہ مصیبت

کسی نے حضرت سفیان بن عیینہ – ایک بہت بڑے محدث ہیں – سے کہا کہ: مذاق بھی بڑی عجیب مصیبت ہے، انھوں نے کہا: نہیں، مصیبت نہیں ہے؛ بلکہ سنت ہے، بہ شرطے کہ لوگ اس کا طریقہ

جانتے ہوں؛ اس لیے کہ یہ ہر ایک کے بس کی چیز نہیں ہے، اس کے لیے بڑی سوجھ بوجھ اور حالات کا لحاظ ضروری ہے، ہر ایک یہ کام نہیں کر سکتا ہے، اس کے لیے آدمی کے مزاج میں خوش طبعی اور اس کے ساتھ ساتھ ہوشیاری اور سمجھ بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

۲۴۱ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ ﷺ: وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَا النُّوقُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کسی شخص نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری مانگی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اونٹنی کے بچہ پر تم کو سوار کروں گا (عطا کروں گا)، اس شخص نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر ایک اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔

افادات:

کسی کی بات خوب غور سے سننی چاہیے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذاق بھی فرمایا، دل لگی بھی فرمائی، اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ: آدمی کوئی بات سنے تو اس میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، اولِ وہلہ میں اس بات کو غلط نہ کہے، سمجھے، سوچ لے، اس کے بعد کچھ بولے۔

۲۴۲ – حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرًا وَكَانَ يَهْدِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ الْهَدِيَّةَ مِنَ الْبَادِيَةِ، فَيُجَهِّزُهُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ وَكَانَ ﷺ يُحِبُّهُ وَكَانَ رَجُلًا دَمِيمًا فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيعُ مَتَاعَهُ فَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لَا يُبْصِرُهُ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ أَرْسِلْنِي. فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ ﷺ فَجَعَلَ لَا يَأْلُو مَا أَلْصَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ عَرَفَهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْعَبْدَ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِذًا وَاللهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا،

فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: وَلَكِنْ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ، أَوْ قَالَ: أَنتَ عِنْدَ اللهِ غَالٍ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک زاہر نامی دیہات کے باشندہ تھے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دیہات کی چیزیں ہدیۃً پیش کیا کرتے تھے، اور جب وہ واپس جاتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو (شہری) ضروری سامان عطا فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کے متعلق) ارشاد فرمایا کہ: زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے محبت تھی، اور زاہر بدشکل تھے۔ ایک دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اس وقت وہ اپنا سامان فروخت کررہے تھے، پیچھے سے ان کی کولی ایسی طرح بھری کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ نہ سکیں، انھوں نے کہا: کون ہے یہ؟ مجھے چھوڑ دو، پھر کن انکھیوں سے دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے سے اپنی پشت کو ملانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ارشاد فرمانے لگے: اس غلام کو کون خریدے گا؟ زاہر نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! تب تو آپ مجھے کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: لیکن اللہ کے نزدیک تو تم ناکارہ نہیں ہو؛ یا فرمایا: تم اللہ کے یہاں بیش قیمت ہو۔

افادات: وكان يهدى الى النبي ﷺ: دیہات میں جو چیزیں ہوتی ہیں: دودھ، گھی، سبزی ترکاری؛ ایسی چیزیں جب وہ اپنے گاؤں سے مدینۂ منورہ آتے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہدیہ کے طور پر لاتے تھے۔

زاهرا باديتنا ونحن حاضروه: یعنی ایک شہر کے آدمی کو دیہات کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ہماری ان ضرورتوں کو وہ پورا کرتے ہیں، اور دیہات کے آدمی کو شہر کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ہم ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں؛ اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ: وہ ہمارا دیہات ہیں اور ہم ان کے شہر ہیں۔

وكان رجلا دميما: یعنی سیاہ فام، پستہ قد؛ کوئی حسین نہیں تھے۔

وهو يبيع متاعه: ایک دن وہ بازار میں بیٹھ کر اپنے گاؤں سے جو دودھ اور گھی کا مشکیزہ بھر کر لائے تھے، اُسے بیچ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس پہنچ گئے، وہ اپنے سامان بیچنے میں ایسے مست تھے کہ ایک غفلت سی طاری ہوگئی، ان کو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔

فاحتضنه من خلفه: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے سے ان کی کولی بھری جیسے بچے ایک دوسرے کو پیچھے سے جا کر دبا دیتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس طرح پیچھے سے جا کر بغل میں ہاتھ ڈال کر کے کولی بھری۔

فجعل ما یألو: ظاہر ہے اس سے بڑی سعادت اَور کیا ہو سکتی ہے! چناں چہ جب پہچان لیا تو پھر تو اپنی پیٹھ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک سے لگانے کے لیے کوئی کمی نہیں چھوڑی، اَور زیادہ لگانے لگے۔
اب جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دیکھا کہ پہچان لیا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من یشتری ھذا العبد کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خریدے؟۔

آزاد کو غلام فرمانے کی وجہ

اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ: یہ تو آزاد تھے، ان کے متعلّق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یہ غلام کون خریدے گا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے شراح فرماتے ہیں کہ: اس سامان بیچنے کے تعلق سے ان پر ایسی فکر سوار تھی کہ اس درمیان میں ان کا قلب اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا، اور اسی غفلت کو دور کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کولی بھری تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ لگ کر کے وہ غفلت دور ہو گئی، تو جب غفلت تھی اس وقت ایک دنیا کے بندے اور غلام بن گئے تھے، اس معنی کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس غلام کو کون خریدے گا۔

إذا واللہ تجدنی کاسداً: یعنی میری قیمت زیادہ نہیں آئے گی، چوں کہ وہ بدصورت تھے۔
جو سلوک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ فرمایا وہ مزاح اور دل لگی کا سلوک تھا؛ اس لیے اس واقعہ کو یہاں ذکر فرمایا ہے۔

۲۴۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنَا مُصْعَبُ بْنُ الْمِقْدَامِ، أَخْبَرَنَا الْمُبَارِكُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَتْ عَجُوزٌ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يُدْخِلَنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ: يَا أُمَّ فُلَانٍ! إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ قَالَ: فَوَلَّتْ تَبْكِي فَقَالَ: أَخْبِرُوهَا أَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوزٌ إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿٣٥﴾

﴿فَجَعَلۡنَٰهُنَّ أَبۡكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتۡرَابًا ﴿٣٧﴾﴾[الواقعة].

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی، اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے فلانے کی ماں! جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوسکتی۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بڑھیا روتی ہوئی لوٹنے لگی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے بتلادو کہ: وہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں نہیں جائے گی؛ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّآ أَنشَأۡنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿٣٥﴾﴾ إلخ: یقین جانو! ہم نے اُن عورتوں کو نئی اٹھان دی ہے، چناں چہ انھیں کنواریاں بنایا ہے، محبت سے بھری ہوئی، عمر میں برابر۔

افادات: عَنِ الْحَسَنِ: یہ روایت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ- جو کہ تابعی ہیں- سے منقول ہے، ایسی روایات کو اصطلاح میں ''مرسل'' کہا جاتا ہے۔

اتت عجوز: یہاں بوڑھی عورت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ: حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا ہے۔

انها لا تدخلها وهی عجوز: یعنی بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہیں جائیں گی؛ بلکہ جوان کنواری بن کر جائیں گی۔ بوڑھی عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ جوان اور کنواری بنا کر بھیجیں گے۔

عربا اترابا: وہ ہمیشہ کنواری رہیں گی۔ اللہ نے جنت کی عورتوں کو ایسا بنایا ہے کہ ان کے شوہر ان کے ساتھ صحبت کریں گے، اور پھر اس کے بعد جیسی کنواری تھی ویسی بن جائے گی، جب بھی شوہر ان کے ساتھ صحبت کرے گا وہ کنواری ہی ہوں گی۔ کنواری عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے ہر وقت اس کے شوہر کو ایسی لذت حاصل ہوگی۔

بہر حال! انا انشأنهن انشاءا کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ: کوئی بھی عورت بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی؛ بلکہ جوان اور کنواری ہو کر جنت میں جائے گی؛ اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ: بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی۔

یہ مزاح کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا؛ اس لیے باب سے مناسبت ظاہر ہے۔

٣٧- بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ كَلَامِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الشِّعْرِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعر کے سلسلے میں ارشادات کا بیان

افادات: یعنی جن روایتوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی شعر کو پڑھنا یا سننا آیا ہوا ہے ان روایتوں کو یہاں پیش کریں گے۔ ویسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر نہیں تھے، قرآن میں صاف نفی کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو افترا اور تہمتیں لگائی گئی ہیں ان میں ایک یہ بھی تھی، یعنی -نعوذ باللہ- آپ کو شاعر اور کاہن وغیرہ کہہ کر بدنام کرنا چاہا تھا، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی؛ بلکہ یہاں تک فرمایا: ﴿وَمَا عَلَّمۡنَٰهُ ٱلشِّعۡرَ وَمَا يَنۢبَغِي لَهُۥٓ﴾[یس ۶۹] کہ ہم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تو شعر سکھایا اور نہ یہ شعر آپ کے شایانِ شان ہے؛ گویا اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ: شعر و شاعری آپ کے مقامِ بلند کے مناسب نہیں ہے۔

شعر کی تعریف

اصطلاح میں شعر اس کلام کو کہتے ہیں جس کو بالقصد قافیہ بندی اور وزن کے ساتھ بنایا گیا ہو، یعنی کسی آدمی نے بالارادہ کوئی ایسا کلام تیار کیا جس میں قافیہ اور شعر کے اوزان کی رعایت اور لحاظ کیا گیا ہو، اس کو ''شعر'' کہتے ہیں۔ شعر کی اصطلاحی تعریف کا یہ جز ہے کہ: کہنے والے نے بالارادہ اور بالقصد ایسا کلام کہا ہو جس میں قافیہ اور وزن کی رعایت کی گئی ہو، تو اس کو ''شعر'' کہتے ہیں؛ اگر کسی کی زبان سے بلاقصد اور بلاارادہ ایسا کلام اگر صادر ہوا ہو تو اصطلاحی اعتبار سے وہ شعر نہیں کہلائے گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کلمات صادر ہوئے -جیسا کہ آگے آئے گا- وہ اسی نوع کے ہیں۔

بہرحال! یہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسی قسم کے روایتوں کو لائے ہیں جن میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی شاعر کے شعر کو اپنی زبان سے پڑھنا، ادا کرنا یا سننا وارد ہوا ہو۔

٢٤٤- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ

عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قِيلَ لَهَا: هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشِّعْرِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ، وَيَتَمَثَّلُ بِقَوْلِهِ: وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا: کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثال کے طور پر کوئی شعر پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ: ہاں! مثال کے طور پر کبھی عبداللہ بن رواحہ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے، اور کبھی بہ طورِ تمثیل کے (طرفہ کا) یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے: ویأتیك بالأخبار من لم تزود یعنی تیرے پاس خبریں کبھی وہ شخص بھی لے آتا ہے جس کو تو نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔

افادات:

شعر وشاعری کی شرعی حیثیت

شرعی اعتبار سے شعر وشاعری کی کیا حیثیت ہے؟ اس سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف ارشادات منقول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض ارشادات میں تو اس کی مذمت آئی ہے، گویا اس کو پسند نہیں کیا گیا، اور بعض ارشادات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اس سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الشعر کلام حسنه حسن وقبیحه قبیح انسان اپنی زبان سے جو کلام ادا کرتا ہے شعر بھی اس کی ایک قسم ہے، اب جو کلام اچھا ہے، اچھے اشعار، اچھے کلمے جن میں اللہ کی حمد وثنا بیان کی گئی ہو، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت، یا وعظ ونصیحت کی کوئی بات، یا عبرت کی کوئی بات کہی گئی ہو تو وہ اچھا ہے۔ اور جو خراب ہے تو جیسے دوسرے خراب کلام کا حکم ہے مثلاً شعر میں نفسانی خواہشات کو بھڑکانے والی کوئی بات، یا عورتوں کی خوبیاں اور تعریف بیان کر کے لوگوں کے جذبات کو اور خواہشات کو ابھارنے کی کوشش کی جائے، تو ایسے اشعار کو برا کہا جائے گا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہ طورِ مثال اشعار پیش کرنا

هل کان رسول الله ﷺ یتمثل إلخ: بہت سی مرتبہ جب آدمی گفتگو یا کوئی بیان اور تقریر کرتا ہے، تو دورانِ گفتگو، دورانِ بیان اور دوران تقریر اپنے کلام میں کسی بات کو پیش کرنے کے لیے وہ شعر کا سہارا لیتا ہے، اسی بات کو اچھے انداز میں بیان کرنے کے لیے شعر کو استعمال کرتا ہے، بعض

اشعار ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہی چیز عام کلام میں یا عام گفتگو میں بیان کی جائے تو اس میں وہ تاثیر اور خوبی معلوم نہیں ہوتی ہے جو شعر کے ذریعہ پیش کرنے میں معلوم ہوتی ہے۔ الغرض! اپنی گفتگو اور کلام میں کسی چیز کو تعبیر کرنے کے لیے شعر کو استعمال کرنا اس کو عربی زبان میں تمثل کہتے ہیں، یعنی بطور مثال کے اپنی گفتگو اور کلام میں شعر کو پیش کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ: کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی گفتگو کے دوران کبھی کوئی ایسی بات کو شعر کے ذریعہ سے بطور مثال کے پیش کرتے تھے؟ یا اس میں شعر کا سہارا لیتے تھے؟

کان يتمثل بشعر ابن رواحة: حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، انصار میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں، بڑے شاعر تھے، غزوۂ موتہ کے موقع پر شہید ہوئے۔ ان کے اشعار بڑے عمدہ ہوا کرتے تھے۔ چناں چہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک موقع پر خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تین اشعار۔ جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اور مشرکین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ کو پڑھا۔ وہ تین اشعار حسبِ ذیل ہیں:

وَفِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتْلُوْ كِتَابَه	*	إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِع
أَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمٰى فَقُلُوْبُنَا	*	بِه مُوْقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
يَبِيْتُ يُجَافِيْ جَنْبَه عَنْ فِرَاشِه	*	إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْكَافِرِيْنَ الْمَضَاجِعُ

[صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۱۵۱، ۱۱۵۵]

سبعہ معلقہ کا تعارف

ويتمثل بقوله: طرفہ ابن عبد عرب کا ایک مشہور شاعر گذرا ہے، سبعہ معلقہ ایک کتاب ہے جو مدرسوں میں عربی ادب میں پڑھائی جاتی ہے، جس میں ان سات قصیدوں کو جمع کیا گیا ہے جو اسلام سے پہلے عرب میں بھی مشہور تھے، عربوں میں فصاحت اور بلاغت کا بڑا زور اور رواج تھا، جب ان کی مجلسیں ہوتی تھیں تو ہر قبیلہ کا شاعر اور خطیب اپنی باتیں اور اپنے اشعار خطبہ میں پیش کرتا تھا، اور اسی کے ذریعہ سے تفاخر (یعنی اپنی خوبیوں کو دوسرے کے مقابلے میں بیان کرنا) کیا جاتا تھا، ایسے فصاحت و بلاغت سے

بھر پور سات قصیدے مشہور شعراء کے ہیں جو کعبۃ اللہ کے اوپر لٹکائے گئے تھے، معلقة کے معنیٰ ہوتے ہیں: لٹکایا گیا، چوں کہ ان سات قصیدوں کو ایک کتاب میں جمع کیا گیا ہے اس لیے اس کا نام ''سبعہ معلقہ'' ہے۔ اہلِ علم اور علماء جانتے ہیں، بعض مدرسوں میں یہ کتاب پڑھائی بھی جاتی ہے۔ اس میں دوسرا معلقہ طرفہ ابن عبد نامی شاعر کا ہے، جو شعرائے زمانۂ جاہلیت میں سے ہے، اسلام کا زمانہ اس نے نہیں پایا، یہ اس کے شعر کا ایک مصرعہ ہے۔ شعر دو مصرعوں سے بنتا ہے، مصرعہ کے لغوی معنیٰ تو عربی میں کواڑ ہے، جیسا ایک دروازہ دو کواڑ سے بنتا ہے اسی طرح ایک شعر دو مصرعوں سے بنتا ہے۔ اس کا ایک مصرعہ ہے: يأتيك بالاخبارمن لم تزود، اس کا پہلا مصرعہ ہے: ستبدى لك الايام ما كنت جاهلا کہ زمانہ تیرے سامنے ان چیزوں کو کھول دے گا، ظاہر کردے گا جس سے تو ناواقف ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو آدمی نہیں جانتا؛ لیکن آئندہ آنے والا زمانہ ان باتوں کو آدمی کے سامنے کھول دیتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مصرعہ ہے: يأتيك بالاخبار من لم تزود اور تمھارے پاس ایسا آدمی خبر لے کر آئے گا جس کو تم نے توشہ دے کر بھیجا نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جگہ کی خبریں حاصل کرنا چاہتا ہے، تو عام دستور- خاص کر کے اُس زمانے میں جب کہ نقلِ رسائل و وسائل کی وہ کیفیت نہیں تھی جو ہمارے زمانے میں ہے- یہ تھا کہ مستقل پیسے، کرایہ اور اس کا سارا انتظام کر کے کسی کو بھیجا جاتا تھا، کہ فلاں جگہ جاؤ، وہاں کے حالات معلوم کر کے آؤ، تو دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ: کسی جگہ کے متعلق اگر آپ کو حالات معلوم کرنے ہیں تو اس کو توشہ دے کر پیسے خرچ کر کے بھیجنا پڑتا تھا؛ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے گھر بیٹھا ہوا ہے، کوئی آ گیا اور آ کر کے وہ خبریں سنا گیا، اس کو آپ نے کوئی پیسے نہیں دیے، اور توشہ دے کر کہیں خبریں لینے کے لیے بھیجا بھی نہیں تھا، وہ خود آیا اور آپ کو اطلاع دے گیا، اس میں شاعر یہی کہنا چاہتا ہے۔

طرفہ بن عبد کے شعر کو بار بار پڑھنے کی وجہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بہت سی مرتبہ اپنی زبان مبارک سے ادا کرتے تھے۔ اس کی وجہ شراح نے یہ لکھی ہے کہ: اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا حال اور اپنی حیثیت

اس شعر کے ذریعہ سے واضح کررہے ہیں؛ اس لیے کہ آپ ان کو بتلانا چاہتے ہیں کہ دیکھو! میں تم کو آخرت کے متعلق، جنت اور دوزخ کے متعلق، قیامت کے متعلق اور اگلے نبیوں کے متعلق وہ خبریں دے رہا ہوں جو تمھارے علم میں نہیں ہے، تم پیسے دے کر کسی آدمی کو بھیجتے تو بھی یہ خبریں تم کو معلوم نہیں ہوسکتی تھی، اللہ تعالیٰ نے بیٹھے بٹھائے مفت میں میرے ذریعہ سے یہ خبریں تم تک پہنچادی؛ اس لیے اس کی قدر کرلو، اس کو مان لو اور ایمان لے آؤ۔ یہ شعر ایک ایسا شعر ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال کے مناسب اور موافق ہے؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پڑھتے تھے۔

٢٤٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ أَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ، وَكَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے: ألا كل شيء ما خلا الله باطل آگاہ ہوجاؤ! اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت اسلام لے آئے۔

افادات: لبید ابن ربیعہ عامری عرب کا مشہور شاعر تھا، ''سبعہ معلقہ'' میں ان کا بھی معلقہ ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور ایمان لے آئے تھے، اور ایمان لانے کے بعد فقط ایک شعر کہا:

أحب الصالحين ولست منهم	*	لعل الله يرزقني صلاحا

پھر شعر کہنا چھوڑ دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ: تم نے اشعار کہنا کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز یعنی قرآن پاک مجھے عطا فرمایا ہے، اس کی موجودگی میں مجھے اب شعر کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بڑے سخی اور بڑے بہادر تھے۔ بڑی طویل عمر یعنی ۱۵۷ یا ۱۴۰ سال کی عمر پائی۔ ان کا ایک شعر ہے:

ولقد سئمت من الحياة وطولها	*	وسؤال هذا الناس كيف لبيد؟

لمبی عمر اور لوگوں کے اِس سوال سے میں تنگ آ گیا ہوں کہ: لبید! کیا حال ہے؟ لبید! کیا حال ہے؟۔ طویل عمر پائی تھی، اس پران کا یہ شعر ہے۔ ان کی فصاحت و بلاغت بڑی مشہور ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے:

ولو لا الشعر بالعلماء يزري	*	لكنت اليوم أشعر من لبيد

کہ اگر اہلِ علم کے لیے شعر کوئی عیب کی چیز نہ ہوتی، تو میں لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا۔

ألا كل شئ ما خلا الله باطل: کہ اللہ کے علاوہ سب چیزیں ختم ہونے والی ہیں بیکار ہیں، یعنی اللہ کی ذات باقی ہے، باقی سب کچھ نہیں ہیں۔ اس کا دوسرا مصرعہ ہے: وكل نعيم لا محالة زائلُ کہ دنیا کی ہر نعمت ختم ہونے والی ہے، باقی رہنے والی نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس سے سچی بات اَور کیا ہو سکتی ہے؟

وكاد أمية بن أبي الصلت أن يسلم: امیہ ابن ابوالصلت قبیلۂ ثقیف کا آدمی تھا، بڑا شاعر تھا، اسلام کا زمانہ پایا؛ لیکن اسلام کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ ویسے اپنے کلام میں آخرت کے مضامین، قیامت وغیرہ کے متعلق اشعار کہتا تھا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پانے کے باوجود اسلام کی دولت سے محروم رہا، چوں کہ اس کے اشعار میں آخرت کی بھی چیزیں اور اچھی نصیحتیں آتی تھیں؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔ ان اشعار کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آمن لسانه ولم يؤمن قلبه کہ اس کی زبان ایمان لے آئی تھی؛ لیکن دل نے ایمان قبول نہیں کیا تھا۔ بدر کے موقع پر مشرکین کے جو لوگ مارے گئے تھے، ان کا مرثیہ بھی اس نے کہا تھا۔

بہر حال! حالتِ کفر میں مرا؛ لیکن اس کے اشعار میں بڑے اچھے مضامین ہوتے تھے؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قریب تھا کہ وہ اسلام لے آئے۔

٢٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَصَابَ حَجَرٌ إِصْبَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَمِيَتْ، فَقَالَ:

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَالَقِيْتِ.

١/٢٤٦ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ

جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ نَحْوَهُ .

ترجمہ: حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک پتھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی میں لگ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ خون آلود ہوگئی تھی، تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے: تیری حقیقت ایک زخمی انگلی کے سوا کیا ہے، جو کچھ صدمہ پہنچا ہے وہ اللہ کے راستے میں پہنچا ہے۔

افادات: أَصَابَ حَجَرٌ: یہ واقعہ کب پیش آیا؟ تو اکثر شراح حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ غزوۂ احد کا واقعہ ہے، اور بعضوں نے کہا کہ: یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو کسی سفر میں پیش آیا تھا؛ لیکن راجح یہی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلی پر پتھر لگا، اور اس کی وجہ سے خون نکلا۔

وفی سبیل اللہ ما لقیت: یعنی تیرا یہ خون کا نکلنا ضائع نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ کے راستہ میں یہ تکلیف اٹھائی ہے؛ اسی لیے اس خون کے نکلنے پر اللہ کے یہاں اجر وثواب بہت ملے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعر کہنے کی وجوہات

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوا کہ: قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاعر ہونے کی نفی کی ہے، پھر آپ نے یہ شعر کیسے کہا؟ تو حدیث کی شرح کرنے والے عُلما نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں:

(۱) بعضوں نے تو یوں کہا کہ: یہ آپ نے قصداً نہیں کہا، اور اوپر بتلایا جاچکا کہ اصطلاح میں شعر اس کو کہتے ہیں کہ: کہنے والا بالقصد اور بالارادہ قافیہ اور وزن کی رعایت کرتے ہوئے کہے، بلا ارادہ اگر ایسی چیز زبان سے نکلے تو چاہے قافیہ اور وزن کے لحاظ سے شعر پر منطبق ہوتی ہو، تب بھی اس کو شعر نہیں کہیں گے۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ: یہ شعر نہیں ہے، رزم ہے۔ محنت ومشقت کا کام انجام دیتے ہوئے آدمی کو قوت اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے، خاص طور پر ایسا کام جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہو، آپ نے مزدوروں کو دیکھا ہوگا کہ بہت بھاری چیز اٹھانی ہوتی ہے تو اٹھاتے جاتے ہیں اور ایک ساتھ بولتے جاتے ہیں، اس کو اصطلاح میں ''رزم'' کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جملہ شعر نہیں؛ بلکہ رزم ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ: کسی کو ایسے ایک دو شعر کہنے کی وجہ سے تھوڑی شاعر کہہ دیں گے، کسی نے ایک دو نسخے بتلا دیے اور اس کی وجہ سے بیماری اچھی ہو جائے تو اس کو تھوڑی ڈاکٹر اور حکیم کہیں گے۔ اسی طرح ایک دو شعر کہنے کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا۔

(۴) بعضوں نے کہا کہ: یہ دَمیتِ تاء کے نیچے کسرہ پڑھنے کی صورت میں واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے، اگر اس کو دَمیتِ کے بجائے دَمِیَتْ یعنی واحد مؤنث غائب کا صیغہ بنا دیا جائے، تو اس صورت میں وزن بھی باقی نہیں رہے گا، اور کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

توارُد اور چوری میں فرق

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بات دراصل یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا کہا ہوا ہے ہی نہیں، وہ دوسرے شاعر کا کہا ہوا شعر ہے، جسے آپ نے نقل کیا ہے، چناں چہ علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ: ولید ابن ولید نامی ایک شاعر گذرا ہے، اس کا یہ شعر ہے۔ اور محاسبۃ النفس ابن ابی الدنیا کی ایک کتاب ہے، اس میں انھوں نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا شعر بتایا ہے، ہوسکتا ہے ان کا بھی ہو۔ شعراء کے یہاں ایک ہی طرح کا شعر ایک شاعر نے کہا، اور بعد میں آنے والے شاعر نے اس کو جانے بغیر اسی طرح کا شعر بنایا، تو شاعروں کی اصطلاح میں اس کو ''توارُد'' کہتے ہیں، پہلے سے معلوم ہے اور بنایا تو اس کو ''چوری'' کہتے ہیں؛ لیکن پہلے والے شاعر نے جو شعر کہا ہے اس کو معلوم نہیں ہے، اور اس نے بھی ایسا ہی شعر بنایا تو اس کو ''توارد'' کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ولید ابن ولید کا بھی ہو اور حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہو۔

۲٤۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ يَا أَبَا عُمَارَةَ! فَقَالَ: لَا وَاللهِ! مَا وَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَلَكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ وَتَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى بَغْلَتِهِ، وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا، وَرَسُولُ اللهِ يَقُولُ:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: اے ابو عمارہ! کیا تم لوگ (جنگِ حنین میں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ: نہیں، اللہ کی قسم! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پشت نہیں پھیری؛ بلکہ جلد باز لوگوں نے قبیلۂ ہوازن کی طرف سے آنے والے تیروں کی وجہ سے پشت پھیر لی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے، اور ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت یہ فرما رہے تھے: أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، اور میں عبد المطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔

افادات: یا أبا عمارہ: ابو عمارہ ان کی کنیت ہے۔

غزوۂ حنین کا تذکرہ

أفررتم إلخ: مکۂ مکرمہ جب فتح ہوا تو اس وقت مکۂ مکرمہ کے آس پاس کے علاقے میں ہوازن قبیلہ کی مختلف شاخیں آباد تھیں، اور یہ قبیلہ تیر اندازی اور شجاعت و بہادری میں بڑا مشہور تھا، بنوسعد اس کی ایک شاخ ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا - جنھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا - اسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں، اور ثقیف بھی ہوازن ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ مکہ کے آس پاس قبیلۂ ہوازن کے جو قبائل اور شاخیں تھیں ان کو یہ خیال ہوا کہ: اب مکہ فتح ہو چکا ہے؛ اس لیے لامحالہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ ہماری طرف بڑھیں گے اور ہم پر حملہ آور ہوں گے؛ لہٰذا انھوں نے سوچا کہ: وہ ہم پر حملہ آور ہوں اس سے پہلے ہم ہی تیاری کر کے مکہ پر حملہ آور ہو جائیں، چناں چہ انھوں نے باقاعدہ تیاریاں کیں، بہت بڑا لشکر تیار ہوا، ان کے امیرِ لشکر نے خاص تاکید بھی کی کہ اپنے بال بچوں اور اپنے مویشیوں اور جانوروں کو بھی ساتھ لاوے۔ یہ تاکید اس لیے کی تھی کہ: بال بچے ساتھ میں ہوں گے تو میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے گا۔ اس مسئلہ میں بھی ان میں مشورہ ہوا، اختلاف بھی ہوا؛ لیکن ان کا بڑا سپہ سالار اپنی بات پر اَڑا رہا، چناں چہ سب کو اسی طرح آنا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ھوازن کے قبائل مکۂ مکرمہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ

نامی ایک صحابی کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا، وہ گئے، ان کے لشکر میں ٹھہرے، سارا حال معلوم کرکے آئے اور نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاع دی، پھر حضور ﷺ حضرات صحابہ کا دس یا بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ چوں کہ مکہ فتح کرنے کے لیے دس ہزار کا لشکر مدینۂ منورہ سے لے کر آئے تھے، اور یہاں مکہ فتح ہونے کے بعد جو نئے مسلمان ہوئے تھے وہ اور بعض اہل مکہ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے وہ بھی تماشہ دیکھنے کی غرض سے لشکر میں شریک ہوئے، اس طرح بارہ پندرہ ہزار کی نفری تھی۔

روایتوں میں ہے کہ: جب یہ لشکر روانہ ہوا تو کسی کی زبان سے یہ نکلا: لن نغلب اليوم عن قلة کہ تعداد کی کمی کی وجہ سے آج ہم مغلوب نہیں ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ: لشکر میں کم سپاہی ہوں تو اس کی وجہ سے کبھی شکست خوردہ ہونا پڑتا ہے؛ لیکن آج تو ہمارا لشکر بڑا ہے۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا، اور پھر اِسی عُجب کی مذمت کرتے ہوئے قرآن میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْـًٔا﴾[التوبة۲۵]۔ اسی لیے ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: یہ عجب اور خود پسندی (یعنی اپنی کسی خوبی پر اِترانا) اللہ کو پسند نہیں ہے، جو آدمی اس میں مبتلا ہوتا ہے اللہ اس کو رسوا کرتے ہیں۔ یہاں کسی کی زبان سے یہ جملہ نکلا، اُدھر حضور ﷺ کو بھی پتہ چلا، تو آپ کو بڑا گراں گذرا۔

وادیٔ حنین ایک وادی ہے، نبیٔ کریم ﷺ صبح صادق کے بعد لشکر لے کر اس وادی میں داخل ہوئے، اُن لوگوں نے پہلے سے اپنے تیر اندازوں کو پہاڑ کے اندر چھپا دیا تھا، اور دوسرے سپاہی تلوار لے کر میدان میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے، انھوں نے خود پسپائی اختیار کی، جس سے مسلمان یہ سمجھے کہ اللہ نے ہمیں غلبہ عطا فرمایا، وہ پیچھے ہٹے تو یہ آگے بڑھے، اور یہ سمجھ کر کہ ہم بھاری جمعیت میں ہیں؛ لہٰذا مال غنیمت کو لینے میں مشغول ہوگئے، تب ہی اچانک دَرّوں میں چھپائے گئے سپاہیوں نے تیراندازی شروع کردی اور تیروں کی بوچھار ہوئی۔ مسلمانوں کے لشکر کے اگلے حصہ میں قبیلۂ بنوسلیم کے لوگ تھے، حضور ﷺ بیچ میں تھے۔ اب ایک دم انھوں نے جو اچانک حملہ کیا تو چوں کہ مسلمان مطمئن تھے کہ ہم تو جیت گئے؛ اس لیے افراتفری پیدا ہوگئی، بہت سوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اس کا

اثر پورے لشکر پر پڑا؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جدھر جا رہے تھے آپ نے اس کا بایاں رخ لیا اور آگے بڑھے اور ثابت قدم رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیجی، اور بالآخر مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوا۔ تو اس واقعہ کے متعلق حضرت براء رضی اللہ عنہ - جو ایک صحابی ہیں - سے کسی نے پوچھا کہ: اے ابو عمارہ! تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر میدان سے بھاگ گئے تھے؟۔

انا النبی لا کذب: یہ ایک شعر کی طرح ہے؛ اس لیے اس کو یہاں پیش کیا ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے آپ کو دادا کی طرف منسوب کرنے کی وجوہات

یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نسبت اپنے والد حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب کی طرف کرنے کے بجائے اپنے دادا عبد المطلب کی طرف کیوں کی؟

(۱) اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے، لوگ ان سے زیادہ واقف نہیں تھے، جب کہ آپ کے دادا عبد المطلب مشہور شخص تھے؛ اس لیے آپ نے ان کی طرف اپنی نسبت کی۔

(۲) یا اس لیے بھی کہ عبد المطلب نے قریش کو اور عربوں کو خبر دی تھی کہ: میری اولاد میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا جو سب پر غالب آئے گا، تو اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آپ نے اپنے اشعار کے اندر یہ بات فرمائی۔

٢٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ، وَابْنُ رَوَاحَةَ يَمْشِي بَيْنَ يَدَيْهِ، وَهُوَ يَقُولُ:

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهْ ... الْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهْ

ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهْ ... وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهْ

فَقَالَ لَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: يَا ابْنَ رَوَاحَةَ! بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَفِي حَرَمِ اللهِ تَقُولُ شِعْراً؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ! فَلَهِيَ أَسْرَعُ فِيهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے، تو عبداللہ بن رواحہ آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے: خلّوا بني الكفار الخ اے کافرزادو! آپ کے راستے سے ہٹ جاؤ، آج کے دن آپ کے اترنے کے بعد/آپ پر نازل شدہ حکم کے مطابق ہم تمھیں ایسی مار ماریں گے جو کھوپڑیوں کو گردنوں سے جدا کردے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کردے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ٹوکتے ہوئے) کہا: اے ابنِ رواحہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھتے جارہے ہو! اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عمر! روکو مت، یہ اشعار اُن پر تیر برسانے سے زیادہ اثر انداز ہیں۔

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشعار کی بات چل رہی تھی، آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اپنی زبان سے جو اشعار کسی موقع پر بطور مثال پیش فرمائے، یا حضراتِ صحابہ نے جو اشعار سنائے، پڑھے اور ان کو آپ نے سماعت فرمایا اسی کو بیان کر رہے ہیں۔

صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضاء

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے، عمرۃ القضاء ۷ھ میں پیش آیا، ۶ھ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، حضرات صحابہ نے بھی باندھا، اور ان کو ساتھ لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ مکرمہ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لے گئے، بیت اللہ کا طواف کیا، صفا اور مروہ کی سعی کی، اور سر منڈوا کر احرام کھول دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بیان کرتے تھے؛ بلکہ فجر کی نماز کے بعد آپ کا معمول یہی تھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کوئی خواب دیکھا ہوتا تو آپ خواب کو بیان فرماتے، اور پھر اس کے بعد اس کی تعبیر بھی خود ہی ارشاد فرماتے، کبھی تعبیر کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی فرماتے؛ اور اگر آپ نے خواب دیکھا نہ ہوتا تو حضراتِ صحابہ- جو فجر کی نماز میں آپ کے ساتھ شریک ہوا کرتے- سے دریافت فرماتے کہ: کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی اپنا خواب بیان کرتا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تعبیر ارشاد فرماتے، چناں چہ یہ خواب- جو ابھی میں نے بیان کیا- نبیٔ کریم

ﷺ نے دیکھا اور آپ نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اس کو بیان کیا۔ چوں کہ نبی کا خواب بھی وحی کا حکم رکھتا ہے؛ اس لیے جب آپ نے یہ خواب حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان فرمایا تو گویا یہ ایک وحی تھی؛ اس لیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات پر یقین ہو گیا کہ آپ کا خواب سچا ہے اور اب یہ چیز ہو کر رہے گی، اور چوں کہ وہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم جو مکۂ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینۂ منورہ آئے تھے، ان کو وطن چھوڑے ہوئے کافی مدت یعنی چھ سال ہو گئے تھے، چند مہینے ہوتے ہیں تو اس کو دیکھنے کے لیے آدمی بے چین ہو جاتا ہے، یہاں تو ہجرت کو چھ چھ سال گزر چکے تھے۔ اب جب حضور ﷺ نے یہ خواب بیان فرمایا تو مکہ کی محبت بھی جوش مارنے لگی، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم عمرہ کے لیے جائیں گے۔ س خواب میں ایک منظر یہ بھی دیکھا تھا کہ آپ نے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا، بیت اللہ کا طواف کیا، صفا مروہ کی سعی کی، اور بال صاف کروا کے احرام کھولا۔ یہ خواب اپنی جگہ پر سچا تھا؛ لیکن خواب میں کوئی تاریخ اور کوئی وقت نہیں بتایا گیا تھا۔

بہر حال! نبیٔ کریم ﷺ کا یہ خواب سن کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں مکہ کی یاد امنڈ آئی، اور عرض کیا کہ: ہم عمرہ کے لیے جائیں گے، حضور ﷺ نے بھی موافقت فرمائی، اور یکم ذی القعدہ ۶ھ کو نبیٔ کریم ﷺ پندرہ سو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے کر عمرہ کے ارادہ سے مکۂ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مدینہ سے نکل کر مقام ذوالحلیفہ- جہاں آج کل مسجدِ میقات ہے، پہلے وہ مدینہ سے ذرا دوری پر تھی، اُس وقت مدینہ کی آبادی اِتنی زیادہ نہیں تھی- میں قیام فرمایا، اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکۂ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اِدھر آپ روانہ ہوئے اور اُدھر مکہ والوں میں اطلاع پہنچ گئی کہ نبیٔ کریم ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر عمرہ کے لیے آ رہے ہیں۔ اطلاع یہی پہنچی تھی؛ لیکن آپ اس طرح عمرہ کے لیے تشریف لے جائیں، اور آپ کو عمرہ کرنے کا موقع دے دیا جائے تو مکہ والوں کی ناک کٹتی تھی، کیوں کہ لوگ یوں کہیں گے کہ دیکھو! یہ آئے اور بڑے اطمینان کے ساتھ عمرہ کر کے واپس چلے گئے، یہ چیز مکہ والوں کو گوارا نہیں تھی۔ جب یہ حضرات یہاں سے روانہ ہوئے تو وہاں انھوں نے غلط پروپیگنڈہ یہ کیا کہ مکۂ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں، عمرہ کے لیے نہیں۔ مکہ میں قریش

آباد تھے، اور مکہ کے آس پاس موجود دیگر قبائل کا بھی ذہن یہی بنایا گیا اور یہ چیز ان کے ذہن میں ڈالی گئی کہ یہ حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ ظاہر ہے مکہ پر اور اللہ کے گھر پر حملہ کرنے کے لیے آنا بڑی بات تھی؛ لہٰذا ان سب کو اپنا ہم نوا کرلیا کہ ہم ان کو آنے نہیں دیں گے۔

حضور ﷺ نے اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق مدینہ سے روانگی کے وقت ایک صحابی کو مکۂ مکرمہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے جاسوس کے طور پر بھیج دیا تھا، اس نے آکر اطلاع دی کہ: اللہ کے رسول! وہاں تو معاملہ بڑا سنگین ہے، ان لوگوں نے تو آپ کے مقابلہ کے لیے تیاریاں کرلی ہیں، اور آس پاس کے تمام قبائل کو اپنا موافق بنا کر مقابلہ کے لیے جمع کرلیا ہے، اور یہ طے کرلیا ہے کہ آپ کو کسی بھی حالت میں مکۂ مکرمہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ: کیا کیا جائے؟ مشورہ میں یہ بات طے ہوئی کہ: ہم جس ارادہ سے چلے ہیں اپنے ارادہ کو ہمیں بدلنا نہیں ہے، ہم تو عمرہ کے لیے جارہے ہیں؛ لیکن اگر کوئی ہمارا راستہ روکے گا اور مقابلہ کرے گا تو دیکھا جائے گا، ہم بھی جواب دیں گے؛ ورنہ ہم اپنی طرف سے کوئی اقدام نہیں کریں گے۔ یہ طے کیا اور آگے بڑھے۔ وہاں مکہ والوں نے مقدمۃ الجیش (لشکر کا ہراول دستہ) کے طور پر حضرت خالد ابن ولید کو ایک گھوڑسوار دستہ کے ساتھ آگے بھیج دیا۔ حضور ﷺ نے یہ سوچ کر کہ ان کے ساتھ ٹکراؤ کی نوبت نہ آنے پائے راستہ بدل دیا، اور دوسرے راستہ سے مکۂ مکرمہ کی طرف آگے بڑھے، اور مقام حدیبیہ- جسے آج کل ''شمسیہ'' کہا جاتا ہے، جدہ سے مکۂ مکرمہ جاتے ہوئے بیچ میں پڑتا ہے- میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ٹھہر گئے۔

مکہ والوں نے تو مقابلہ کی تیاریاں کر ہی لی تھی، وہاں ٹھہر کر آپ نے آدمی بھیج کر کہلوایا کہ: ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، ہم تو بیت اللہ کی زیارت کو آئے ہیں، اللہ کا گھر ہے، تمھاری اس پر اجارہ داری نہیں ہے، یہاں ہر کوئی آسکتا ہے، دوست ہو یا دشمن؛ اس لیے ہم کو موقع دیا جائے۔ آپ ﷺ نے اس طرح کا پیغام لوگوں کو بھیج کر کہلوایا؛ لیکن ان کی طرف سے پھر آدمی آئے؛ کیوں کہ انھوں نے طے کرلیا تھا کہ کسی حال میں بھی ان کو آنے نہیں دینا ہے۔ بہر حال! آخر میں اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو وحی کے ذریعہ سے آگاہ کردیا کہ، اگر یہ لوگ صلح کرنے کے لیے تیار ہوں تو آپ صلح کرلیجیے، جیسی بھی

شرطیں یہ لوگ طے کریں آپ مان لیں؛ چناں چہ صلح کی بات چیت ہوئی، اور صلح میں جو شرطیں تھیں ان شرطوں میں پہلی شرط یہ تھی کہ: اس سال تو واپس جانا ہے، عمرہ نہیں کرنا ہے، آئندہ سال ان ہی دنوں میں دوبارہ آئیں گے۔ اب حضرات صحابہ تو بڑی امیدوں، بڑی تمناؤں، بڑی تیاریوں اور پورے یقین کے ساتھ آئے تھے کہ: ہم کو عمرہ کرنا ہے؛ لہٰذا یہ پہلی شرط ان کو بڑی بھاری معلوم ہوئی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ جیسی بھی شرطیں لگائیں آپ مان لینا اور صلح کر لینا، ان سے یہاں لڑائی نہیں ہونی چاہیے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دب کر ان کی ساری شرطیں مان لی اور دس سال کے لیے صلح کر لی۔ اُس موقع پر حضرت عمر نے سوال بھی کیا تھا کہ: اللہ کے رسول! آپ نے خواب دیکھا تھا تو اس کا کیا؟ اس کے جواب میں اللہ کے رسول نے فرمایا: خواب میں یہ تو تھا کہ یہ ہوگا؛ لیکن تاریخ کون سی ہوگی یہ نہیں بتلایا گیا تھا، خواب تو مطلق تھا، یہ تو ہم نے اپنے طور پر سمجھ لیا کہ اسی سال ہوگا۔ اب پہلی شرط کے مطابق اس سال تو واپس لوٹے اور دوسرے سال واپس آئے تو یہ دوسرے سال کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

دوسرے سال ۷ھ میں ذوالقعدہ ہی کے مہینہ میں نبیٔ کریم ﷺ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اب کی بار تو ان کو داخل ہونے دینا ہی تھا، طے ہو گیا تھا، اور حضور ﷺ نے اعلان کیا: گذشتہ سال جو لوگ ہمارے ساتھ تھے ان میں سے کوئی بچنا نہیں چاہیے، سب کو آنا ہے؛ کیوں کہ ان کا عمرہ چھوٹا تھا؛ اس لیے اس کو "عمرۃ القضاء" کہتے ہیں، یعنی اگلے سال والا عمرہ جو چھوٹا ہوا تھا اس کی قضا کرنا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ نئے لوگ اَور بھی شامل ہو گئے، چناں چہ گذشتہ سال ڈیڑھ ہزار تھے، اب کے سوا دو ہزار کی تعداد تھی۔ صلح کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب عمرہ کے لیے آئیں گے تو اپنے ساتھ سوائے تلوار کے دوسرا کوئی ہتھیار نہیں لائیں گے اور وہ تلوار بھی میان میں ہوگی؛ کیوں کہ اس زمانہ میں ہر آدمی اتنا ہتھیار تو اپنے ساتھ لے کر ہی چلتا تھا؛ لہٰذا تلوار کے علاوہ مزید ہتھیار -جو عام طور پر لڑائی میں استعمال کیے جاتے ہیں- لانے کی اجازت نہیں تھی۔ نبیٔ کریم ﷺ نے وہ بھی منظور کر لیا، مکہ میں اس کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے؛ لیکن مدینہ سے چلتے وقت آپ نے احتیاطاً

ہتھیار ساتھ میں لے لیے تھے، کہیں ان کی طرف سے غداری کی صورت پیش آئے، تو عین وقت میں ہتھیار کہاں تلاش کرنے جائیں گے؟ اس لیے آپ نے ہتھیار ساتھ لیے، اور مکۂ مکرمہ سے چھ میل یا دس میل پہلے ''بطن یاجوج'' نامی ایک مقام پر دوسو آدمیوں کو روک دیا، کہ تم یہاں ٹھہر جاؤ، یہ ہتھیار یہاں رہیں گے اور صلح کے مطابق مکہ میں داخل نہیں کریں گے، باقی لوگوں کو لے کر حضور ﷺ مکہ میں عمرہ کے لیے داخل ہوئے؛ کیوں کہ وہ لوگ یہ بات منظور کر چکے تھے؛ اس لیے ان کو آنے ہی دینا تھا؛ لیکن اس طرح حضور ﷺ اور صحابہ کو مکۂ مکرمہ میں آزاد اور بڑے اطمینان کے ساتھ گھومتا ہوا دیکھنا ان کے لیے بڑا مشکل تھا؛ اس لیے مارے غیظ کے وہ لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے؛ تاکہ یہ منظر دیکھ کر ان کو تکلیف نہ ہو، ان کو اتنی عداوت تھی۔ بہر حال! یہ واقعہ اس موقع کا ہے، کہ آپ ﷺ جس وقت مکہ میں داخل ہوئے تھے، تو حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ - ایک انصاری صحابی ہیں جو بڑے شاعر تھے - حضور ﷺ کی سواری کے آگے آگے اپنے گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے احرام کی حالت میں حضور ﷺ کی سواری کی باگ پکڑے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے: خلوا بني الكفار إلخ.

یہاں تو یہ روایت اس لیے لائے کہ حضور ﷺ کے سامنے یہ اشعار حضرت عبد اللہ ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہ نے پڑھے، حضور ﷺ نے سنے اور اس پر اپنے تأثرات بھی ارشاد فرمائے۔

٢٤٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَالَسْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سو سے زیادہ ایسی مجلسوں میں شریک ہوا ہوں جن میں صحابہ اشعار پڑھتے تھے اور زمانۂ جاہلیت کے قصے قصائص نقل فرماتے تھے، اور حضور اقدس ﷺ خاموشی سے سنتے تھے؛ بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ مسکراتے۔

افادات: أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ: یعنی حضور ﷺ کی مجلس میں بہت زیادہ بیٹھنے کا اور شرکت کرنے کا موقع اللہ نے دیا۔

وکان أصحابه یتناشدون الشعر: حضور ﷺ انھیں اس طرح ایک دوسرے کو اشعار سنانے سے روکتے نہیں تھے۔

وهو ساکت: یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ: حضور ﷺ کی یہ خاموشی ناراضگی کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے، کیوں کہ کبھی آدمی بولتا نہیں ہے لیکن غصہ سے بھرا ہوا خاموش بیٹھا رہتا ہے، تو اس اعتراض کا جواب وربما تبسم معهم سے دے دیا کہ کبھی کبھار ان کی باتیں سن کر حضور ﷺ مسکرا بھی دیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی یہ خاموشی ناراضگی کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ اپنی مشغولی کی وجہ سے تھی۔

بہر حال! حضور ﷺ کے سامنے حضراتِ صحابہ کا اشعار پڑھنا، ایک دوسرے کو سنانا، اور حضور ﷺ کا وہاں موجود ہوتے ہوئے ان کو منع نہ کرنا؛ یہ سب باتیں بتلانے کے لیے یہ روایت یہاں پیش کی گئی ہے۔

۲۵۰ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ: شعرائے عرب کے کلام میں بہترین مصرعہ لبید کا یہ مقولہ ہے: الا! کل شيء ما خلا الله باطل. سنو! اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

افادات: پہلے بھی یہ روایت آ گئی ہے۔

أشعر كلمة: شعر سے مراد یہاں مصرعہ ہے، یعنی شعر کا ایک ٹکڑا، پورا شعر تو دو مصرعوں سے ہوتا ہے۔

الا کل شيء إلخ: سنو! اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، ناپائیدار ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ہے۔ ظاہر ہے اس جملہ سے سچا اور بہتر جملہ اَور کیا ہوسکتا ہے!۔

۲۵۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الطَّائِفِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَأَنْشَدْتُهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ مِنْ قَوْلِ أُمَيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ، كُلَّمَا أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: هِيهِ حَتَّى أَنْشَدْتُهُ مِائَةً - يَعْنِي بَيْتًا - فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنْ كَادَ لَيُسْلِمُ .

ترجمہ: حضرت شرید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، اس وقت میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیہ بن ابی الصلت کے سو اشعار سنائے، ہر شعر پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ: اَور سناؤ، یہاں تک کہ میں نے سو اشعار پڑھے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا۔

افادات: كنت ردف النبي ﷺ: ردیف کا مطلب: وہ شخص جو سواری (جیسے موٹر سائیکل) پر پیچھے بیٹھا ہو۔ گویا آپ کے اونٹ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے میں سفر میں تھا۔

مِنْ قَوْلِ أُمَيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ: امیہ ابن ابو الصلت کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے، یہ بھی عرب کا ایک شاعر ہے، قبیلۂ ثقیف کا تھا، وہاں گزر چکا ہے کہ وہ اپنے اشعار میں آخرت کے مضامین بھی بیان کرتا تھا؛ لیکن ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

فقال النبی ﷺ ان كاد ليسلم: ان اشعار کو اور ان اشعار میں بیان کردہ آخرت کے مضامین وغیرہ کو سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب تھا کہ وہ ایمان لے آئے؛ لیکن جیسا کہ پہلے بھی بتلا دیا گیا ایمان کی توفیق نہیں ہوئی، کفر پر ہی مرا۔

۲۵۲ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَضَعُ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ - أَوْ قَالَتْ: يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ - وَيَقُولُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يُنَافِحُ أَوْ يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

۲۵۲/ ۱ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے، حضرت حسان اس پر اچھی طرح کھڑے ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مفاخرہ کرتے، یا حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ: حق تعالیٰ

روح القدس سے حسان کی امداد فرماتے ہیں جب تک کہ وہ رسول اللہ کی طرف سے مدافعت یا مفاخرہ کرتے ہیں۔

افادات: یفاخر عن رسول اللہ ﷺ: مفاخرہ کا مطلب یہ ہے کہ: زمانۂ جاہلیت میں جب مختلف قبائل کے لوگ موسمِ حج میں منیٰ میں جمع ہوتے تھے، تو ان میں آپس میں مقابلے ہوتے تھے، ہر قبیلہ کا شاعر یا ان کا خطیب اپنے قبیلہ کی خوبیاں بیان کرتا تھا، کہ ہمارا قبیلہ ایسا ہمارا قبیلہ ایسا، اپنی بڑائیاں ہانکتا تھا، اس کے جواب میں دوسرے قبیلے کا شاعر اٹھتا تھا۔ غرض یہ کہ اِس طرح مقابلے ہوتے تھے، پھر آخر میں فیصلہ ہوتا تھا کہ کون جیتا؟ اس کو مفاخرہ کہتے تھے، مشرکین اپنی بڑائیاں بیان کرتے تھے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کو اور آپ کی خوبیوں کو اپنے اشعار میں بیان کرتے تھے، اسی کو مفاخرہ کہا۔

قالت ینافح عن رسول اللہ ﷺ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں فرماتی ہیں کہ: حضرت حسان رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مشرکین کی طرف سے لگائے گئے عیوب، الزامات اور مذمت کا جواب دیتے تھے۔ ''منافحہ'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ: کسی شاعر نے اپنے اشعار میں کسی کی مذمت اور برائی بیان کی تو دوسرا شاعر اپنے اشعار میں اس کی مذمت اور برائی کا جواب دے۔ شعرائے مشرکین با قاعدہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برائی، مذمت اور ہجو میں اشعار کہتے تھے، اور وہ اشعار مکہ سے مدینہ تک پہنچتے تھے، اور بہت جلدی پہنچ جاتے تھے، کہ فلاں نے یہ کہا ہے، تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں اشعار کہتے تھے، یہ اشعار بھی وہاں پہنچ جاتے تھے، اور ایسے جوابات دیتے تھے کہ مشرکین سے اس کا جواب نہیں بن پاتا تھا۔ چناں چہ روایت میں آتا ہے کہ: غزوۂ بدر میں جب رؤسائے کفار مارے گئے اور مسلمانوں کی جیت ہوگئی تو ان سے رہا نہ گیا، چناں چہ غزوۂ بدر کے بعد کعب ابن اشرف (یہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا سردار اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا، مدینہ میں ہی رہتا تھا) با قاعدہ مدینہ سے مکہ گیا، اور وہاں جن کے رشتے دار مارے گئے تھے ان کے گھروں پر جاتا، ان کو تسلی دیتا، اور ان مرنے والوں کی خوبیاں اور کمالات بیان کر کے ان کے متعلق اشعار کہتا، اور مسلمانوں کی برائی کرتا، اور اپنے اشعار کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف مقابلہ کرنے کے لیے سب کو بھڑکاتا، مدینۂ منورہ میں جب اطلاع ہوئی کہ

وہاں وہ یہ حرکت کر رہا ہے، تو جس کے گھر پر یہ کعب ابن اشرف مکۂ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا تھا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی میں اشعار کہے، جب وہ اشعار مکۂ مکرمہ پہنچے تو جس کے گھر پر ٹھہرا ہوا تھا اس کی بیوی نے کعب ابن اشرف کا سامان لے کر باہر پھینکا، اور کہا کہ: تیری وجہ سے ہم کو سننا پڑتا ہے۔

جہاد کے اقسام اور ہماری ذمہ داریاں

اس طرح جو لوگ برائی بیان کرتے ہیں ان کا جواب دیا جائے گا، جیسے اخبارات کے اندر اسلام کے خلاف مضامین آتے ہیں تو اہل اسلام کی ذمہ داری ہے کہ اس کا جواب دے، اور اس کا توڑ کرے۔ اسی لیے جہاد کی دو قسمیں بیان کی گئی: ایک جہاد بالسیف، کہ دشمن کا مقابلہ میدان جنگ میں کیا جائے گا، اور دوسرا جہاد باللسان یا بالقلم، زبان سے یا قلم سے، دو میں سے کسی ایک سے جہاد کرے، وہ زبان سے کہتے ہیں تو اس کے جواب میں ہماری طرف سے مقررین کہیں، وہ قلم سے کوئی مضمون لکھیں، ہماری طرف سے اس کا تحریراً جواب دیا جانا چاہیے۔ حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ – یہ انصاری صحابی ہیں، یہ بھی شاعر تھے – نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشعار کے متعلق ایک مرتبہ سوال کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ: مؤمن اپنی تلوار سے جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے، یعنی مشرکین کے ان حملوں کا زبان سے بھی جواب دیتا ہے اور تلوار سے بھی جواب دیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: – جیسا کہ ابھی ابھی اوپر گذرا –: یہ اشعار ان کے حق میں تیر برسانے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے تھے، اور ان اشعار کا اثر اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔

بہر حال! حضرت حسان مشرکین کے حملوں کا نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اشعار میں جواب دیتے تھے، تو اس پر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے دعا فرماتے تھے کہ: حسان جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مشرکین کی باتوں کا جواب دیں گے، وہاں تک اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرمائے گا، یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کی مدد میں لگے ہوئے ہیں، جب یہ اشعار کہتے ہیں تو مضامین حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے دل و دماغ میں ڈالتے ہیں۔

۳۸ - بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي السَّمَرِ

رات کی گفتگو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز کا بیان

افادات: زمانۂ جاہلیت میں چوں کہ وہ بجلی کی روشنی کا زمانہ نہیں تھا عربوں میں دستور تھا کہ جس وقت چاند کی روشنی ہوتی تھی تو وہ لوگ راتوں کو بیٹھ کر دیر تک قصہ کہانیاں بیان کرتے تھے، اسی کو ''سمر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کی فضول اور لایعنی قصہ کہانی کی مشغولی سے اور خاص طور پر رات کو عشاء کے بعد سونے کے بجائے اس میں لگنے سے منع فرمایا، چناں چہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سونے سے اور عشاء کے بعد قصہ کہانیوں میں لگنے سے منع فرماتے تھے؛ جیسے مجلس بازیاں ہمارے یہاں عام طور پر چوراہوں پر ہوا کرتی ہیں، دیر تک لوگ بیٹھ کر فضول باتوں میں مشغول رہتے ہیں، اور دیر سے سوتے ہیں، تو تہجد تو نصیب ہوتی ہی نہیں ہے؛ لیکن بڑی تعداد وہ ہوتی ہے جن کی فجر کی نماز بھی چھوٹ جاتی ہے، جماعت چھوٹ جاتی ہے، نماز قضا ہو جاتی ہے، اور اگر کوئی بہت زیادہ پابند ہو اور ہمت کر کے آ بھی جاتا ہو تو دیر تک جاگنے اور صبح جلدی اٹھنے کی وجہ سے طبیعت میں جو نشاط اور چستی ہونی چاہیے وہ ہوتی نہیں ہے، اور اسی سستی، کاہلی اور بے رغبتی کی حالت میں نماز پڑھتا ہے، اور اس کا ذریعہ یہ چیز بنتی ہے؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کی قصہ، کہانیوں اور ایسی لغویات میں مشغول ہونے سے منع فرمایا؛ البتہ اگر کوئی دینی ضرورت ہو، یا کوئی معاشرتی ضرورت ہو، اور اس کے پیشِ نظر کبھی گفتگو کی نوبت آجائے، جیسے عشاء کی نماز کے بعد دینی مجالس ہوتی ہیں، اور اس میں دین کی باتیں، قرآن وحدیث کی اور اللہ تعالیٰ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں پیش کی جائیں، تو اس کی اجازت ہے؛ لیکن وہاں بھی یہ شرط ضرور رہے گی کہ اس کی وجہ سے صبح کی نماز پر کوئی غلط اثر پڑنا نہیں چاہیے۔ حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا ہے کہ: وہ جلسے جو راتوں کو دیر تک: دو-دو ایک-ایک بجے تک ہوتے ہیں، اور ان

جلسوں کے نتیجہ میں لوگوں کی نماز فوت ہوتی ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کو ناجائز، ممنوع اور حرام بتلاتے تھے؛ بلکہ وہ تو فرماتے تھے کہ: اتنی دیر تک کی مجلس جس کے نتیجہ میں فجر کی نماز میں آدمی کا نشاط اور طبیعت کے اندر کی چستی اور شگفتگی باقی نہیں رہتی تو وہ بھی جائز نہیں، البتہ دینی اعتبار سے اتنی دیر تک کے لیے اجازت دی گئی جس کا کوئی غلط اثر تہجد یا فجر کی نماز پر نہ پڑتا ہو۔

اسی طرح معاشرتی بنیاد پر مثلاً آپ کے یہاں کوئی مہمان آ گیا، اور آپ تو اپنے کاروبار میں گئے تھے، عشاء کے وقت گھر پہنچے، مہمان آیا ہے، تو اب عشاء کے بعد مہمان کے ساتھ میز بانی کی نیت سے اور مہمان کے اکرام کی نیت سے تھوڑی دیر بیٹھے؛ تاکہ یہ معاشرتی ضرورت پوری ہو۔ یا کبھی رات کا سفر ہوتا ہے اور سفر میں بیدار رہنے کے لیے آدمی کو کسی مشغولی کی ضرورت پیش آتی ہو، تو اس میں شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے جاگنا جائز ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جب رات کو گھر میں تشریف لاتے تھے، تو ازواجِ مطہرات کے ساتھ ان کا حق ادا کرنے کی نیت سے تھوڑی دیر کے لیے گفتگو میں مشغول ہوتے تھے، یہ معاشرتی ضرورت ہے۔ چوں کہ بیوی دن بھر گھر میں تنہا رہتی ہے، شوہر اپنے دوسرے کاموں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے، اب وہ رات کو آئے اور تھوڑی دیر بھی اس کے ساتھ بات چیت نہ کرے تو پھر اس کا حق کیسے ادا ہوگا؟ اس کی دل جوئی کے لیے اس کی ضرورت رہتی ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی عام تاکید فرمائی ہے، کسی مؤمن کے بہتر ہونے کی علامت اور سند یہ ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي کہ تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے گھر والوں، اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہوں، اور میں اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل یہ تھا کہ آپ ہمیشہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، ان کی طرف سے جو خلافِ مزاج باتیں پیش آتی تھیں ان کو آپ برداشت کرتے تھے، اور ان کی

دل جوئی کا اہتمام کرتے تھے۔ قرآن میں بھی باری تعالیٰ نے گھر والوں اور بیویوں کے ساتھ ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾[النساء۱۹](ان کے ساتھ بھلائی سے زندگی گذارو) کہہ کر اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: آپ کے ضلع کا کلکٹر اگر آپ کو یوں کہے کہ: دیکھو! آپ کی بیوی میری بیٹی کی سہیلی ہے، ذرا اس سے اچھا سلوک کیجیے، اور کلکٹر نہیں؛ بلکہ آپ کے ضلع کا ڈی آئی جی (پولیس کا بڑا افسر) اگر یوں کہہ دے کہ: بھائی! اس کے ساتھ اچھا سلوک کیجیے، تو کس کی ہمت ہے کہ اس کے ساتھ برا سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو کہہ رہے ہیں، اللہ کی سفارش ہے، اس کے باوجود لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔

آپ نے اسی کتاب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کے بیان میں پڑھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کی پٹائی نہیں کی، کسی کو مارا نہیں، نہ کسی غلام کو نہ کسی باندی کو، نہ کسی بیوی کو نہ کسی جانور کو؛ اپنی زندگی میں کبھی نہیں مارا؛ بلکہ آپ کے پاس ایک مرتبہ بعض لوگوں کی طرف سے ان لوگوں کی جنہوں نے اپنی بیویوں کی پٹائی کی تھی شکایت آئی، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:﴿وَالَّـتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ﴾[النساء۳۴]: اپنی بیویوں کے متعلق تم کو نافرمانی اور حکم عدولی کا اندیشہ ہو تو ان کے لیے قرآن نے تین طریقے بالترتیب بتلائے ہیں: پہلا تو ان کو نصیحت کرو، محبت سے سمجھاؤ، اس کے بعد بھی اگر ان کے رویہ میں تبدیلی نہ ہو تو پھر دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستر الگ کردو، یہ تو ہوتا نہیں، اس میں خود بھی برداشت کرنا پڑتا ہے، سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ ایک مرتبہ بستر الگ کردیں گے تو خود ہی اس کا اثر ہوگا؛ لیکن چوں کہ اس میں خود شوہر کو بھی مجاہدہ کرنا پڑتا ہے؛ اس لیے یہ بات عمل میں نہیں لائی جاتی۔ پھر اس کے بعد مارنے کا حکم دیا۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھیجا کہ آپ قرآن کی تشریح کریں: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ [النحل۴۴] اے نبی! ہم نے قرآن آپ پر اتارا؛ تا کہ ان کی ہدایت کے لیے جو قرآن اتارا گیا ہے آپ اس کی

تبیین اور تشریح کریں۔ چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل سے بیویوں کی طرف سے پیش آنے والی خلاف ورزیوں کے علاج کے طور پر نصیحت والا طریقہ اختیار فرمایا۔

دوسرے نمبر پر بستر الگ کرنے والا طریقہ بھی اختیار فرمایا، چناں چہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ سے ازواجِ مطہرات نے نفقہ کی زیادتی کا سوال کیا، اَور بھی کئی چیزیں جمع ہوگئی تھیں، تو ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کو تمام امہات المؤمنین نے گھیر لیا اور اپنے ڈیمانڈ اور اپنے مطالبے حضور ﷺ کے سامنے پیش کیے، اور ان مطالبوں کے پیش کرنے کے دوران ان کی آوازیں نبیٔ کریم ﷺ کی آواز پر بلند ہوگئی، گھر کے کمرہ میں یہ سلسلہ جاری تھا، اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت نبیٔ کریم ﷺ کی ملاقات کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کو معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ انھوں نے باہر سے اندر حاضری کی اجازت مانگی، تو ان کی آواز سن کر حضرات امہات المؤمنین بھاگ کر پردہ کے پیچھے چلی گئیں، حالاں کہ ان کو ابھی حضور ﷺ نے گھر میں آنے کی اجازت نہیں دی تھی، اور ظاہر ہے کہ جب تک اجازت نہ ملے وہاں تک وہ نہیں آسکتے تھے؛ لیکن ان کا رعب اور ہیبت ایسی تھی کہ جب انھوں نے اجازت مانگی تو ان کی آواز سن کر سب اندر چلی گئیں۔ حضور ﷺ نے اجازت دی، وہ اندر آئے، جب اندر آئے تو نبیٔ کریم ﷺ مسکرا رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ سے دریافت کیا: اضحك الله سنك! ما يضحكك؟ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو اَور ہنسائے۔ دیکھیے! کتنا بہترین ادب اسلام نے سکھلایا، کہ کوئی آدمی ہنس رہا ہو اور آپ اس سے ہنسنے کی وجہ دریافت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے آپ اس کو دعا دیجیے، کہ اللہ آپ کو اَور ہنستا رکھے، ذرا یہ تو بتلائیں کہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ ـ تو یہاں پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو دعائیہ کلمات عرض کیے، پھر نبیٔ کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ: اللہ کے رسول! بتلائیں، کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے پردہ کے پیچھے جہاں ازواجِ مطہرات تھیں اُدھر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مجھے اِن پر تعجب ہوتا ہے کہ ابھی وہ تمھارے آنے سے پہلے مجھ سے اپنے مطالبات پیش کر رہی تھیں، اور ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، آپ کی آواز سن کر وہ بھاگ کر پیچھے چلی گئیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول!

میرے مقابلے میں آپ اس لائق تھے کہ وہ آپ سے ڈرتیں۔ یہ تو حضور ﷺ سے عرض کیا، اس کے بعد اُدھر پردہ کے پیچھے جہاں حضرات امہات المؤمنین تھیں ان کی طرف خطاب کر کے کہا: یا عدوات انفسھن یہ جملہ کہا۔ ویسے میں تو اس کا ترجمہ نہیں کروں گا، اہل علم جانتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ جملہ حضرات امہات المؤمنین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کہہ سکتے ہیں، دوسرا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ پھر آگے فرمایا: اتھبنني ولا تھبن رسول الله ﷺ کہ تم عجیب ہو! مجھ سے ڈرتی ہو، اللہ کے رسول ﷺ سے نہیں ڈرتی! ڈرنا تو ان سے چاہیے، تو اندر سے امہات المؤمنین نے جواب میں فرمایا: انت افظ واغلظ آپ تو بڑے سخت مزاج اور سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔ ظاہر ہے یہ ایک سخت جملہ تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو انھوں نے کہا تھا، تو نبیٔ کریم ﷺ نے ضروری سمجھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کی جائے، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اَور کہو؟ تمھارا حال تو یہ ہے کہ: تم جس راستے پر جاتے ہو شیطان اگر آتا ہے تو وہ بھی اپنا راستہ بدل لیتا ہے، یعنی شیطان جیسا شیطان جو بڑے بڑے سورماؤں سے بھی ڈرتا نہیں ہے، وہ بھی تم سے ڈرتا ہے، تو یہ کیوں نہ ڈریں گی۔ خیر! حضرات امہات المؤمنین نے حضرت عمر سے تو کہا؛ البتہ حضور ﷺ کی طبیعت میں نرمی کی وجہ سے ان کو اطمینان تھا کہ: نبیٔ کریم ﷺ کی طرف سے ہمیں ایسی کوئی بات پیش نہیں آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا واقعہ ہے کہ: ایک مرتبہ مجھے کوئی معاملہ پیش آیا، اور میں اس سلسلہ میں سوچ رہا تھا کہ کیا تدبیر اختیار کروں؟ ان کی بیوی کو معلوم تھا کہ کیا معاملہ پیش آیا ہے اور کس سلسلہ میں یہ فکرمند ہیں؟ اور کیا سوچ رہے ہیں؟ تو ان کی بیوی نے اپنی طرف سے مشورہ دیتے ہوئے یوں کہا کہ: اگر آپ اس معاملہ میں ایسا کر لیں تو!۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم مہاجرین یعنی مکہ کے رہنے والے عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے، وہ تو جب ہم وہاں سے مدینہ آئے تو یہاں عورتوں کا چلن زیادہ تھا، تو ہماری عورتوں نے بھی ان سے سیکھنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے میرے معاملہ میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس وقت ان کی بیوی نے جواب میں عرض کیا کہ: اے عمر! تمھارا معاملہ عجیب ہے! ایک بات تمھاری بھلائی کی میں نے کہی تھی، اس کو بھی میری زبان سے

تم سننے کے لیے تیار نہیں ہو، تم کو معلوم نہیں امہات المؤمنین بھی آپ ﷺ کو پلٹ کر جواب دیتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا! ایسا ہے تو حفصہ ہلاک ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی: حضرت حفصہ بھی امہات المؤمنین میں سے ہیں، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی اور اٹھ کر فوراً اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر پوچھا کہ: یوں سننے میں آیا ہے کہ ایسا ایسا ہوتا ہے، تو انھوں نے جواباً کہا کہ: ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا مت کرو، کہیں حضور ﷺ ناراض ہو گئے تو حضور ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، اور تمھارا بیڑا غرق ہو جائے گا؛ تم کو کوئی ایسی ضرورت ہو تو حضور ﷺ کو تکلیف مت دو، مجھ سے کہہ دیا کرو۔

ان کو سمجھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طے کرلیا تھا کہ: آج سب کو سمجھاؤں گا، چناں چہ وہاں سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، ان سے بھی رشتہ داری تھی، چناں چہ ان کو جا کر سمجھانا شروع کیا، انھوں نے فوراً جواب دیا: عمر! تمھارا معاملہ عجیب ہے، تم ہر چیز میں دخل دیتے ہو؟ حضور ﷺ اور ان کی بیویوں کے معاملے میں بھی تم نے دخل دینا شروع کیا ہے، یہ تو ہمارا پرائیویٹ اور ذاتی معاملہ ہے، کیا ہماری اصلاح کے لیے اور ہم کو سمجھانے کے لیے حضور ﷺ کافی نہیں ہیں کہ تم آئے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے ایسا کرارا جواب دیا کہ میں خود ہی پست ہمت ہو گیا، اور دوسری ازواج کے پاس جانے کا ارادہ کیا تھا وہ بھی میں نے ملتوی کر دیا۔ بہر حال نبیٔ کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کی کبھی پٹائی نہیں کی۔

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ: قرآن مجید نے تیسرا درجہ مارنے کا بتلایا اور مارنے کی اجازت دی؛ لیکن مارنے کی اجازت کے سلسلہ میں بھی مسلم شریف میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبیٔ کریم ﷺ نے خطبہ دیا اس خطبہ کے جو اجزاء حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں نقل کیے ہیں، اس میں صراحت ہے: واضربوهن ضربا غير مبرح ایسی پٹائی کہ جس سے کوئی نشان پڑنے نہ پاوے۔ فقہاء نے باقاعدہ طریقہ بتلایا کہ تین مرتبہ ہلکی سی مار اور ایسی کہ اس میں بھی کوئی نشان نہ پڑنے پائے۔ بعض لوگ یہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں: اس سے تو پھر کیا ہوگا؟ ہمارے یہاں عام طور پر شوہر اپنی بیویوں کی پٹائی جن

مسائل میں کرتے ہیں ان میں سے تو کوئی ایک وجہ ہے ہی نہیں جس کی وجہ سے شریعت پٹائی کی اجازت دیتی ہو۔ فقہاء نے باقاعدہ تفصیلات لکھی ہیں۔ بہرحال! حضور ﷺ نے قرآن کے احکام عملی طور پر انجام دے کر امت کو بتلائے اور اس کی شرح عملی طور پر دکھائی۔ مذکورہ آیت میں عورتوں کی طرف سے حکم عدولی کے اندیشہ پر تین باتیں فرمائی: فعظوھن، واھجروھن، واضربوھن حضور ﷺ نے فعظوھن اور واھجروھن پر عمل کر کے تو بتلایا؛ لیکن واضربوھن پر عمل کر کے نہیں بتلایا، یہ سنت اور حضور ﷺ کا طریقہ نہیں ہے، گویا حضور ﷺ اس کو پسند نہیں کرتے تھے؛ بلکہ حضور ﷺ نے اولاً تو پٹائی سے منع فرمایا جس کے نتیجہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بالکل رُک گئے اور پٹائی کرنا مکمل چھوڑ دیا۔ اب عورتوں کے مزاج میں کجی ہے تو اس کی وجہ سے ان میں ذرا سرکشی آ گئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر فریاد کی کہ: اے اللہ کے رسول! آپ نے پٹائی سے منع فرمایا، کوئی ہاتھ بھی نہیں لگاتا؛ لیکن اس کی وجہ سے عورتیں شیر بن گئی ہیں، پھر حضور ﷺ نے کچھ گنجائش دی، اب وہ جو گنجائش ملی تو اس پر دوسرے دن امہات المؤمنین کے گھروں پر عورتوں کی لائن لگ گئی، کہ مجھے یہ مارا، مجھے یہ مارا۔

بہرحال! میں تو یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کا معاملہ عورتوں کے ساتھ کتنا عمدہ تھا! کوئی آدمی اخلاق کے اعتبار سے کتنا اونچا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے نہیں ہوگا کہ وہ لوگوں کے ساتھ کس طرح سے پیش آتا ہے؟ بلکہ اس کا سب سے بڑا سرٹیفکیٹ وہ ہے جو حضور ﷺ نے دیا کہ اس کی بیوی سے پوچھو، وہ کیا کہتی ہے؟ ساری دنیا اس کی بزرگی کی تعریف کرتی ہو اور اس کے اخلاق کے گن گاتی ہو؛ لیکن اس کی بیوی اگر یوں کہہ دے کہ: نہیں، تو وہ ناپاس ہے، سیدھی سی بات ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: خیرکم خیرکم لأھلہ وانا خیرکم لاھلی تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں۔

بہرحال! نبیٔ کریم ﷺ حضرات امہات المؤمنین کے ساتھ بڑی محبت، شفقت، نرمی اور اخلاق سے پیش آتے تھے، اسی میں ان کے حقوق کی ادائیگی ہوتی۔ رات کو جب آپ تشریف لے جاتے تھے تو کبھی کبھار ازواجِ مطہرات سب جمع ہوتی تھیں، ان کے سامنے کوئی کہانی یا کوئی قصہ جو اس معاشرہ اور سوسائٹی میں

مشہور ہوتا سناتے تھے، اسی کو بیان کرنے کے لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو روایتیں پیش کی ہے۔

۲۵۳ – حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَّارُ، حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ، حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ الثَّقَفِيُّ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَقِيلٍ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: حَدَّثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَاءَهُ حَدِيثًا، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: كَأَنَّ الْحَدِيثَ حَدِيثُ خُرَافَةَ! فَقَالَ: أَتَدْرُونَ مَا خُرَافَةُ؟ إِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِنْ عُذْرَةَ، أَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيهِمْ دَهْرًا، ثُمَّ رَدُّوهُ إِلَى الْإِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَأَى فِيهِمْ مِنَ الْأَعَاجِيبِ، فَقَالَ النَّاسُ: حَدِيثُ خُرَافَةَ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو ایک قصہ سنایا، ان میں سے ایک عورت نے کہا: یہ قصہ (حیرت وتعجب میں) خرافہ کے قصوں جیسا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جانتی بھی ہو خرافہ کیا ہے؟ خرافہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا جس کو زمانۂ جاہلیت میں جنات پکڑ کر لے گئے تھے، ایک عرصہ تک وہ ان میں رہا، پھر جنات اسے لوگوں میں واپس چھوڑ گئے، وہاں کے دیکھے ہوئے عجائبات وہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا تھا، اس کے بعد سے لوگ (ہر حیرت انگیز قصے کو) ''حدیث خرافہ'' کہنے لگے۔

افادات: حَدَّثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ: آپ کا مقصود حضرات امہات المؤمنین کی دل جوئی تھی، یہ معاشرتی بنیاد پر بات ہو رہی تھی۔

فقالت امرأة منهن إلخ: آپ کی زبان سے یہ قصہ سن کر حضرات امہات المؤمنین میں سے ایک نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ تو خرافہ کے قصوں جیسا معلوم ہوتا ہے یعنی عجیب وغریب قصہ ہے، گویا تعجب خیز اور ناقابلِ یقین؛ بعض قصے حقیقت ہوتے ہیں؛ لیکن ماننے میں نہیں آتے، عقل جلدی سے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی، تو تعجب خیز اور ناقابل یقین ہونے کے اعتبار سے یہ بالکل خرافہ کے قصوں جیسا لگتا تھا۔

خرافہ کا قصہ اور لفظ خرافات کا شانِ وقوع

ان خرافة من عذرة إلخ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں

جناتوں کا بہت زور تھا، بہت زیادتیاں کرتے تھے، انسانوں کو ستاتے تھے، انسانی عورتوں کے ساتھ صحبتیں کرتے تھے، ان کو اٹھا کر لے جاتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے ان کا سارا زور ٹوٹ گیا اور ختم ہوگیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: خرافہ قبیلۂ عذرہ کا ایک آدمی تھا، جس کو زمانۂ جاہلیت میں جنات پکڑ کر اپنے یہاں لے گئے تھے، وہ ایک عرصے تک ان کے درمیان رہا، پھر وہ اس کو انسانوں میں واپس چھوڑ گئے، وہ آدمی اپنے زمانۂ قیام میں دیکھے ہوئے عجیب وغریب واقعات لوگوں کو سناتا تھا، اِس پر لوگ کہنے لگے: ''خرافہ کے قصے''۔

حَدِيثُ خُرَافَةَ: آج بھی لفظ ''خرافات'' بولتے ہیں، یہ اسی سے بنا ہے۔

۳۹ - باب حَدِيث أُمِّ زَرْعٍ

حدیثِ ام زرع کا بیان

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا - رات کو حضرات امہات المؤمنین کے سامنے کبھی کوئی واقعہ بیان کرتے تھے، اسی میں سے یہ بھی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ - جو بخاری کے شارح ہیں - فرماتے ہیں کہ: یہ روایت یعنی حدیثِ ام زرع کتبِ حدیث میں موقوف اور مرفوع دونوں طرح سے منقول ہے۔ موقوف کا مطلب یہ ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اس کی سند نہ پہنچے؛ بلکہ صحابی پر آکر ختم ہوجائے، اور مرفوع یعنی اس روایت میں خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ہونے کی وضاحت ہو۔ تو یہ روایت دونوں طریقوں سے نقل کی جاتی ہے؛ بعض کتابوں سے اس کا موقوف ہونا پتہ چلتا ہے؛ لیکن بخاری میں اور اس میں بھی اخیر میں آئے گا کہ وہ گیارہ عورتیں جنھوں نے اپنے شوہروں کے حالات بیان کیے، جس میں آخری عورت نے اپنے شوہر کی بڑی تعریف بیان کی تھی، اس کے بعد یعنی اس کے سننے یا سنانے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے کہا: كنت لك كأبي زرع لام زرع کہ اے عائشہ! میں تمھارے حق میں ایسا ہوں جیسا کہ ابوزرع، ام زرع کے

حق میں، یعنی ابوزرع نے اپنی بیوی ام زرع کو جس طرح خوب راحت اور آرام کے ساتھ رکھا، اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا، میں بھی تمھارے حق میں ایسا ہی ہوں۔ تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: آپ کا یہ ارشاد اس روایت کے مرفوع ہونے کی تائید کرتا ہے۔ بہرحال دونوں طرح کی باتیں نقل کی گئی ہیں۔ اب آگے واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

۲۵۴ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَخِيهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَلَسَتْ إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً فَتَعَاهَدْنَ وَتَعَاقَدْنَ أَنْ لَا يَكْتُمْنَ مِنْ أَخْبَارِ أَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا:

فَقَالَتِ الْأُولَى: زَوْجِي لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ عَلَى رَأْسِ جَبَلٍ وَعْرٍ، لَا سَهْلٌ فَيُرْتَقَى، وَلَا سَمِينٌ فَيُنْتَقَى.

قَالَتِ الثَّانِيَةُ: زَوْجِي لَا أُثِيرُ خَبَرَهُ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَذَرَهُ، إِنْ أَذْكُرْهُ أَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ.

قَالَتِ الثَّالِثَةُ: زَوْجِي الْعَشَنَّقُ، إِنْ أَنْطِقْ أُطَلَّقْ، وَإِنْ أَسْكُتْ أُعَلَّقْ.

قَالَتِ الرَّابِعَةُ: زَوْجِي كَلَيْلِ تِهَامَةَ، لَا حَرٌّ وَلَا قُرٌّ، وَلَا مَخَافَةَ وَلَا سَآمَةَ.

قَالَتِ الْخَامِسَةُ: زَوْجِي إِنْ دَخَلَ فَهِدَ، وَإِنْ خَرَجَ أَسِدَ، وَلَا يَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ.

قَالَتِ السَّادِسَةُ: زَوْجِي إِنْ أَكَلَ لَفَّ، وَإِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ، وَإِنِ اضْطَجَعَ الْتَفَّ، وَلَا يُولِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ.

قَالَتِ السَّابِعَةُ: زَوْجِي عَيَايَاءُ أَوْ غَيَايَاءُ طَبَاقَاءُ كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ، شَجَّكِ أَوْ فَلَّكِ أَوْ جَمَعَ كُلًّا لَكِ.

قَالَتِ الثَّامِنَةُ: زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ وَالرِّيحُ رِيحُ زَرْنَبٍ.

قَالَتِ التَّاسِعَةُ: زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ، عَظِيمُ الرَّمَادِ، طَوِيلُ النِّجَادِ، قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ.

قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ! مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكِ، لَهُ إِبِلٌ كَثِيرَاتُ الْمَبَارِكِ، قَلِيلَاتُ الْمَسَارِحِ، إِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ.

قَالَتِ الْحَادِيَةُ عَشْرَةَ: زَوْجِي أَبُو زَرْعٍ وَمَا أَبُو زَرْعٍ؟ أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ، وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ، وَبَجَّحَنِي فَبَجَحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي، وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ، فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أُقَبَّحُ، وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ وَأَشْرَبُ فَأَتَقَمَّحُ.

أُمُّ أَبِي زَرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ، عُكُومُهَا رَدَاحٌ، وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ.

ابْنُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا ابْنُ أَبِي زَرْعٍ، مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ، وَيُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ.

بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ، طَوْعُ أَبِيهَا وَطَوْعُ أُمِّهَا، مِلْءُ كِسَائِهَا، وَغَيْظُ جَارَتِهَا.

جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ، لَا تَبُثُّ حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا، وَلَا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا، وَلَا تَمْلَأُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا.

قَالَتْ: خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالْأَوْطَابُ تُمْخَضُ، فَلَقِيَ امْرَأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ، يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ، فَطَلَّقَنِي وَنَكَحَهَا، فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلًا سَرِيًّا، رَكِبَ شَرِيًّا، وَأَخَذَ خَطِّيًّا، وَأَرَاحَ عَلَيَّ نَعَمًا ثَرِيًّا، وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا، وَقَالَ: كُلِي أُمَّ زَرْعٍ، وَمِيرِي أَهْلَكِ، فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ، مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِي زَرْعٍ.

قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: (ایک مرتبہ) گیارہ عورتیں مل بیٹھیں، انھوں نے آپس میں پختہ عہد و پیمان کر کے یہ طے کیا کہ آج وہ اپنے اپنے خاوند (کا صحیح صحیح حال بیان کریں، اور ان) کے حالات میں سے کچھ بھی نہ چھپائیں۔ چناں چہ:

پہلی بولی: میرا شوہر (ایسا) ہے (جیسا) دبلے اونٹ کا گوشت، جو دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا ہو، نہ تو وہاں تک جانے کا راستہ ہموار و صاف ہے کہ آسانی سے چڑھ (کر لا) سکیں، اور نہ وہ گوشت ہی اتنا موٹا تازہ ہے کہ (جس کے لیے اس پہاڑ پر چڑھنے کی) تکلیف اٹھائی جائے۔

دوسری کہنے لگی: میرے شوہر کے حالات نہیں بیان کروں گی؛ کیوں کہ (اُس میں اتنے عیب ہیں کہ) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ سب عیوب بیان نہ کرسکوں گی، (اس پر بھی) اگر بیان کروں تو کھلے اور چھپے سارے عیوب بیان کردوں گی۔

تیسری نے کہا: میرا شوہر بہت لمبا ہے، اگر میں (اُس کے عیب) بیان کروں تو مجھے طلاق دے دی جائے، اور اگر خاموش رہوں تو اَدّ ھر لٹکی رہوں۔

چوتھی نے کہا: میرا شوہر تہامہ کی رات کی طرح (معتدل) ہے، نہ گرم نہ ٹھنڈا، نہ اُس سے کوئی ڈر ہے اور نہ اکتاہٹ۔

پانچویں بولی: میرا شوہر جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے، اور جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو شیر بن جاتا ہے، اور گھر میں جو چیز دے کر جاتا ہے اُس کے متعلق پوچھتا ہی نہیں۔

چھٹی کہنے لگی: میرا شوہر جب کھانے پر آتا ہے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے، اور پینے پر آتا ہے تو سب کچھ پی جاتا ہے، اور جب سوتا ہے تو اپنی چادر میں اکیلا ہی لپٹ جاتا ہے، اور کبھی اپنا ہاتھ میری طرف نہیں بڑھاتا کہ میری بدحالی اور دکھ درد معلوم کرے۔

ساتویں نے کہا: میرا شوہر جماع کرنے سے عاجز ہے، یا کہا: گمراہ ہے، اور احمق ہے، ہر عیب و بیماری اس میں موجود ہے۔ (ایسا تند مزاج ہے کہ میرا تو میرا) تیرا بھی سر پھوڑ دے یا عضو توڑ دے یا دونوں ہی کر ڈالے۔

آٹھویں بولی: میرا شوہر چھونے میں خرگوش کے چھونے کی طرح (نرم) ہے، اور مہک میں زعفران کی خوشبو (کی طرح خوشبودار) ہے۔

نویں کہنے لگی: میرا شوہر اونچے اونچے ستونوں (بلند مکان) والا ہے، بہت زیادہ راکھ والا (فیاض) ہے، لمبے پر تلے والا (قدر آور) ہے، مشورہ گاہ سے اُس کا گھر بہت قریب ہے۔

دسویں نے کہا: میرا شوہر ''مالک'' ہے، کیا کہنے مالک کے! اب تک جتنی تعریفیں کی گئیں مالک اُن سب سے اچھا اور بڑھ کر ہے۔ اس کے اونٹ زیادہ تر اصطبلوں میں رہتے ہیں، چراگاہ میں کم چھوڑے جاتے ہیں۔ جہاں اِن اونٹوں نے باجے کی آواز سنی تو ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو جاتا ہے۔

گیارہویں نے کہا: میرا شوہر ''ابوزَرع'' ہے، ابوزرع کے کیا کہنے! زیورات سے اس نے میرے کانوں کو بوجھل کر دیا، اور چربی سے میرے دونوں بازو بھر دیے، اور اس نے مجھے اتنا خوش و خرم رکھا کہ میں خود اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، اس نے مجھے چند بکریوں والوں میں - جو مقام شق میں رہتے تھے/ جو مشقت کے ساتھ گذر بسر کرتے تھے - پایا، اور مجھے گھوڑوں، اونٹوں، بیلوں اور نوکر چاکر والوں میں شامل کر دیا۔ گھر میں جب مَیں کوئی بات کرتی ہوں تو میری توہین نہیں کی جاتی، سوتی ہوں تو صبح تک پڑی رہتی ہوں، پیتی ہوں تو خوب سیراب ہو کر پیتی ہوں۔

اور (میری ساس) ابوزَرع کی ماں، کیا کہنے ابوزَرع کی ماں کے! اس کی بوریاں اور توشہ خانے بھرے پڑے ہیں اور مکان بڑا کشادہ ہے۔

ابوزَرع کا بیٹا، کیا کہنے اس کے! (وہ ایسے چھریرے بدن کا ہے کہ) اس کی کمر سونتی ہوئی تلوار کی طرح ہے، اور (اتنا کم خوراک کہ) بکری کے بچے کا دست اُسے آسودہ کر دیتا ہے۔

اور ابوزَرع کی بیٹی، کیا کہنے اس کے! اپنے باپ کی فرماں بردار ہے اور اپنی ماں کی اطاعت شعار، اپنے کپڑوں میں بھرپور (موٹی تازی) اور اپنے سوکن کے لیے باعثِ غصہ/جلن کا ذریعہ۔

ابوزَرع کی باندی، کیا کہنے اُس کے! وہ ہماری بات کو پھیلاتی نہیں، کھانا تک نہیں چُراتی، اور وہ ہمارے گھر کو کوڑے کچرے سے نہیں بھرتی؛ (بلکہ صاف شفاف رکھتی ہے)۔

ام زَرع کہتی ہے کہ: ایک دن ایسا ہوا کہ میرا شوہر ابوزَرع گھر سے باہر نکلا- اس وقت دہی کے برتن بلوئے جارہے تھے/مکھن نکالنے کے لیے دودھ مَتھ رہے تھے- کہ اچانک اُس کی ملاقات ایک عورت سے ہوگئی، جس کے چیتے جیسے دو بچے اس کے پہلو تلے دو اناروں سے کھیل رہے تھے، اُس نے مجھے طلاق دے کر اس عورت سے نکاح کرلیا۔ اُس کے بعد میں نے ایک شریف سردار سے نکاح کیا جو گھوڑے پر سوار ہوتا (اچھا گھُڑسوار) تھا اور عمدہ نیزہ لیتا (بڑا بہادر آدمی) تھا۔ اس نے بھی مجھے بہت سارے جانور دیے، اور ہر قِسم کے جانوروں کا (کم از کم) ایک ایک جوڑا دیا، اور کہا: اے ام زرع! تو بھی خوب کھا پی اور اپنے عزیز واقارب کے یہاں بھی جتنا چاہے بھیج۔ اُس نے جتنا مجھے دیا وہ سب جمع کروں تو بھی ابوزَرع کے چھوٹے سے برتن کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: اے عائشہ! مَیں تمھارے حق میں ایسا ہوں جیسے ام زَرع کے حق میں ابوزَرع۔

افادات: جزیرۃ العرب کے جغرافیہ کے اعتبار سے پانچ حصے ہیں، مکۂ مکرمہ جہاں واقع ہے وہ ''تہامہ'' کہلاتا ہے، اس کے بعد حجاز، پھر نجد، اور یمن بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ مدینۂ منورہ، حجاز میں واقع ہے۔ یہ گیارہ عورتیں یمن کی رہنے والی تھیں یا حجاز کی رہنے والی تھیں۔ لکھا ہے کہ ان کے شوہر کام کاج پر گئے ہوئے تھے، اور یہ فرصت میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

وتعاهدن: جب گیارہ مل کر بیٹھیں، تو انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ان کو ایک بات سوجھی کہ آج تو ایسا کریں کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کے صحیح صحیح حالات بتا دے، کوئی کچھ چھپائے گی نہیں، اس کا شوہر جیسا ہے ذرہ برابر بھی چھپائے بغیر بتلائے گی۔ اب سنو عورتیں کیسا تذکرہ کرتی ہیں:

زَوْجِي لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ: جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے: اونٹ، گائے، بکری وغیرہ؛ اُن میں سب سے گھٹیا اونٹ کا گوشت ہوتا ہے، جلدی سے گلتا بھی نہیں ہے، اور کوئی جانور جب دبلا ہوگا تو دبلا ہونے کی وجہ سے اس کا گوشت اَور گھٹیا ہوجاتا ہے، جلدی گلتا نہیں ہے۔ اب تو ''کُوکَر'' کا زمانہ آگیا تو اچھا ہے؛ ورنہ جس زمانہ میں کوکر نہیں تھا تو ایسے دبلے جانور کا گوشت گلانے میں گھنٹے لگ جاتے تھے۔ بہر حال یہ عورت کہتی ہیں کہ: میرا شوہر دبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے، ایک تو گوشت، وہ بھی اونٹ کا، اور وہ بھی دبلے اونٹ کا، جس میں کوئی خوبی اور بھلائی نہیں ہے۔

عَلَى رَأْسِ جَبَلٍ وَعْرٍ إلخ: اور وہ بھی رکھا ہوا ہے پہاڑ کی چوٹی پر، اور پہاڑ بھی ایسا کہ اس کی چوٹی پر پہنچنے کا راستہ دشوار، یعنی آسانی سے نہ جاسکے، آدمی بڑی تکلیف اٹھا کر پہنچے، یعنی ہائی وے جیسا بنا ہوا نہیں کہ آسانی سے چلا جائے۔ ایک تو وہ چیز ایسی جس میں زیادہ رغبت نہیں، کوئی خوبی نہیں، اور پھر اس کا حاصل کرنا اتنا مشکل، کون لائے گا اس کو؟ اور کون اس کے پیچھے پڑے گا؟۔

کہنے کا حاصل یہ تھا کہ: میرے شوہر میں کوئی خوبی نہیں ہے، اور جناب کا مزاج ایسا سخت کہ اس تک پہنچنا اور فائدہ اٹھانا مشکل ہے۔ میرا شوہر ایک ایسی شخصیت ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

إِنِّي أَخَافُ إلخ: مجھے ڈر ہے کہ میں اس کے حالات بیان کرنا شروع کروں گی تو ختم ہونے کا نام نہیں لیں گے، میں چھوڑ نہیں سکتی ہوں، ایک سلسلہ جو جاری ہوجائے گا تو ختم نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ جب میں شروع کروں گی تو اس کے سارے عیوب ظاہری اور باطنی بیان کروں گی، اور وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیں گے، گویا اس نے مختصر جملہ میں سب کچھ کہہ دیا۔

زَوْجِي الْعَشَنَّقُ: لمبا کہنے میں ایک اشارہ اس کی طرف بھی ہوتا ہے- جیسا کہ مشہور ہے- کہ جو زیادہ لمبا ہوتا ہے وہ بے وقوف ہوتا ہے۔

وَإِنْ أَسْكُتْ أُعَلَّقْ: اور اگر نہ بولوں اور اپنا حال بیان نہ کروں، ذکر نہ کروں، تو معلق چھوڑ دی جاؤں، یعنی وہ میری خبر لیتا نہیں، نہ اِدھر کا رکھا ہے نہ اُدھر کا۔

زَوْجِي كَلَيْلِ تِهَامَةَ إلخ: اوپر گذر چکا کہ جزیرۃ العرب کے پانچ حصوں میں ایک حصہ تہامہ ہے، مکۂ مکرمہ جہاں واقع ہے وہ ''تہامہ'' کہلاتا ہے، تو وہاں دن میں تو گرمی ہوتی ہے اور دیگر ایام میں

گرمی کے علاوہ رات معتدل ہوتی ہے، یعنی بالکل درمیانی: نہ گرم نہ ٹھنڈی، تو گویا میرا شوہر تہامہ کی رات کی طرح بالکل معتدل مزاج ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی تعریف کی۔

زَوْجِي إِنْ دَخَلَ فَهِدَ: چیتا بعض چیزوں کو دیکھ کر اس سے بے رخی برتتا ہے، جیسا کہ دیکھا ہی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ گھر آنے کے بعد گھر کے حالات پر زیادہ قوت کے ساتھ توجہ نہیں کرتا؛ بلکہ بے خبر سا رہتا ہے۔ یہ اچھی چیز ہے، بہت زیادہ پوچھ تاچھ کرنا یہ ٹیڑھا کام ہے، ایسا نہیں کرتا۔

وَإِنْ خَرَجَ أَسِدَ: یعنی دوسروں کے سامنے شیر جیسا رہتا ہے اور گھر میں آتا ہے تو نرم۔

وَلَا يَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ: گھر میں جو کھانے پینے کی چیزیں سونپ کر گیا تھا تو اب یہ نہیں کہ ایک ایک ڈبہ کھول کے دیکھا کہ اس میں اتنا آٹا چھوڑ کر گیا تھا ابھی کتنا باقی رہ گیا؟ اس میں اتنے چاول تھے ابھی کتنے رہ گئے؟ کتنی دال تھی؟ پنجہ ڈال کر گیا تھا تو وہ پنجہ کا نشان باقی ہے یا نہیں؟ بخیل لوگ ایسا کرتے ہیں، عورتوں کے معاملہ میں غلط تحقیقات کرتے ہیں، میرا شوہر ایسا کچھ نہیں کرتا، اور جو سونپ کے جاتا ہے اس کے متعلق کھود کرید نہیں کرتا۔ مطلب کہ شریف آدمی ہے۔

زَوْجِي إِنْ أَكَلَ لَفَّ إلخ: مطلب یہ ہے کہ وہ کھانے پینے میں تو پکا ہے؛ لیکن میرا حق ادا نہیں کرتا ہے، بس چادر میں اکیلا ہی لپٹا رہتا ہے۔

زَوْجِي عَيَايَاءُ أَوْ غَيَايَاءُ طَبَاقَاءُ: مطلب یہ ہے کہ اس میں اتنی عقل ہی نہیں کہ وہ معاملات کو اچھی طرح سے انجام دے سکے، بس کوئی بھی معاملہ آتا ہے تو وہاں اس کی عقل چلتی نہیں ہے، وہ تو بے چارہ اس کو کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔

كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ إلخ: کون سی بیماری دنیا کی ایسی ہے جو اس میں نہ ہو، اس کے باوجود اس کی تندمزاجی کا حال یہ ہے کہ اے مخاطب! جب وہ غصہ ہوگا تو باوجودیکہ تو اس کی بیوی نہیں ہے پھر بھی تیرا سر پھوڑ دے گا، یا تیری ہڈی توڑ دے گا یا دونوں کر ڈالے گا، تو پھر میرے ساتھ کیا کرتا ہوگا اللہ ہی جانتا ہے۔

زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ إلخ: یعنی بڑا نازک بدن ہے، خرگوش کو چھوتے ہیں تو کتنا اچھا لگتا ہے، میرا شوہر ایسا نازک بدن ہے کہ لپٹنے کو جی چاہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اس نے اپنے شوہر کی تعریف کی کہ

بڑااچھا ہے۔

زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ: یعنی اس کی حویلی بہت اونچی ہے۔عربوں میں جولوگ سخی ہوتے تھے وہ اپنا مکان اونچا بناتے تھے، یا اونچی جگہ پر بناتے تھے؛ تاکہ بھولے بھٹکے مسافر دور سے اس کا مکان دیکھ کر کے آویں، اوراپنی ضرورتیں پوری کریں۔

عَظِيمُ الرَّمَادِ: یعنی اس کے چولہے میں راکھ بہت زیادہ ہے، راکھ کب زیادہ ہوگی؟ جب چولہا زیادہ جلے گا، اورجب چولہا زیادہ جلے گا تو کھانا خوب پکے گا۔مطلب یہ کہ وہ شخص لوگوں کو کھلانے والا ہے۔

طَوِيلُ النِّجَادِ: تلوار کو لٹکانے کے لیے اس کا جو پر تلا ہوتا ہے، اس کو نجاد کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ: اونچے قد کا ہے۔

قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ: یعنی با قاعدہ ذی رائے آدمی ہے، عقل مند آدمی ہے، لوگ اپنے معاملہ میں مشورہ لینے کے لیے اس کے پاس آتے ہیں، تو مشورہ لینے آنے والوں کے لیے زحمت نہ ہو؛ اس لیے اپنا مکان مشورہ گاہ سے قریب بنایا ہے، گویا اس عورت نے اپنے شوہر کی سخاوت، عقلمندی اور بہادری کی تعریف کی۔

لَهُ إِبِلٌ كَثِيرَاتُ الْمَبَارِكِ، قَلِيلَاتُ الْمَسَارِحِ: یعنی بڑے اونٹوں کا مالک ہے؛ لیکن اونٹوں کو چرنے کے لیے چراہ گاہ میں بھیجتا نہیں ہے؛ بلکہ گھر ہی میں بٹھا کر کھلاتا ہے؛ کیوں کہ سخی اتنا ہے کہ کوئی بھی مہمان آیا فوراً اونٹ کاٹ کر اس کو کھلایا، اگر چرنے کے لیے بھیجیں گے تو جانور چرنے کے لیے صبح جاتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہیں، اب اگر کوئی دوپہر میں مہمان آگیا تو کیا کریں گے؟ تو مہمان کسی بھی وقت آئے اس کی میزبانی کے لیے اونٹ تیار ہے؛ اس لیے وہ اونٹوں کو چرنے کے لیے چراہ گاہ نہیں بھیجتا ہے، بس گھر ہی میں باندھ کر کھلاتا ہے۔

إِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ: یعنی جب کوئی مہمان آتا ہے تو مہمان کا استقبال کرتے ہوئے ان کی خوشی میں باقاعدہ باجا بجایا جاتا ہے، جب یہ اونٹ باجے کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں اب کوئی مہمان آیا ہے، اوراب ہم کاٹے جائیں گے۔

قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ: اس سے مراد ام زرع ہے۔

زَوْجِي أَبُو زَرْعٍ: یہ کنیت ہے، عربوں میں عام طور پر بیوی، شوہر کو کنیت کے ذریعہ سے تعبیر کرتی ہے کہ فلاں کا ابا، جیسے ہمارے دیہاتوں کے اندر ہوتا ہے، اور عورت کے لیے بھی یہی ادب ہے کہ شوہر کو نام لے کر نہ بلائے؛ بلکہ کنیت کے ذریعہ بلائے، اور ماں کو بھی اسی طرح کہا جاتا ہے۔ زرع لڑکی کا نام تھا، اس وجہ سے اپنے شوہر کو وہ ابوزرع کہتی ہے یعنی میرا شوہر ابوزرع۔

أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ: یعنی اتنے زیور پہنادیے کہ میرے کان اُن زیوروں کے بوجھ سے جھک گئے۔

وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ: یعنی مجھ کو اتنا کھلایا پلایا کہ میرے بازوؤں کی چربی بڑھ گئی۔

وَبَجَّحَنِي فَبَجَحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي: یعنی جب کسی آدمی کو راحت ملتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر اپنی اس راحت کی وجہ سے ایک اتراہٹ پیدا ہوجاتی ہے، اسی کو کہہ رہی ہے کہ اس نے مجھے ہمیشہ خوش وخرم میں رکھا کہ میں خود بھی اپنے آپ کو اچھی لگنے لگی۔

وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ: یعنی میرے ماں باپ کے یہاں کوئی زیادہ مال نہیں تھا، چندگنی چنی بکریاں تھیں، جو مقام شق میں رہتے تھے وہاں سے مجھے شادی کر کے لایا۔

فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ: یعنی میرے ماں باپ کے گھر میں تو چند بکریاں تھیں، اور اس کے گھر میں تو گھوڑے، بیل، اونٹ اور نوکر چاکر بھی ہیں، یعنی بڑا مال دار گھرانہ ہے۔

فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أُقَبَّحُ: عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی غریب گھر کی لڑکی بیاہ کر مال دار کے گھر میں آتی ہے تو بیچاری پر مصیبت آجاتی ہے، کچھ بولے تو ساس کہتی ہے: بیٹھ جا! تیرے ابا کے گھر میں کیا رکھا ہے؟ یوں کہہ کر اس بے چاری کو طعن وتشنیع کرتے ہیں، تو یہ کہتی ہیں کہ: یہاں مجھے کوئی طعنہ سننا نہیں پڑتا۔

وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ: یعنی جب تک اپنی مرضی سے چاہوں تب تک سوتی رہتی ہوں؛ ورنہ ایسا ہوتا ہے کہ غریب گھر کی لڑکی بہو بن کر مالدار کے گھر میں- جہاں اونٹ بھی ہو، گائے بھی ہو، بھینس بھی ہو- آئے، تو آدھی رات سے اٹھا کر گوبر اٹھواتے ہیں، جھاڑو لگواتے ہیں، دیگر کام میں لگایا جاتا ہے، تو یہاں ایسا نہیں؛ بلکہ میں تو آرام سے سوتی رہتی ہوں۔

وَأَشْرَبُ فَأَتَقَمَّحُ: مطلب یہ کہ کام کاج کا بوجھ میرے سر پر نہیں ہے، کھا پی کر آرام سے

سوجاتی ہوں۔

أُمُّ أَبِي زَرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ: اورابوزرع کی ماں یعنی میری ساس۔کیا کہنے اس کے، وہ بھی خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

عُكُومُهَا رَدَاحٌ: عکوم عِكمٌ کی جمع ہے، بوری جیسا کپڑے کا بڑا تھیلا جس میں اناج بھرا جاتا ہے یعنی اس کے یہاں اناج وغیرہ سے بوریاں بھری ہوئی ہیں۔

وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ: عام طور پر عورتیں بخیل مزاج کی ہوتی ہیں؛ لیکن میری خوش دامن بڑی سخی دل ہے، اس کا گھر کشادہ ہے یعنی لوگ آتے ہیں، ان کو چیزیں دیتی ہیں۔

ابْنُ أَبِي زَرْعٍ: یہ بیٹا دوسری بیوی سے تھا۔

مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ: یعنی کمر پتلی ہے، عربوں میں مرد کا پتلا اور چھریرے بدن کا ہونا خوبی سمجھا جاتا ہے، چوں کہ جب بھاری بدن والا ہوگا تو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں چابک دستی نہیں دکھلا سکتا، مارکھا جائے گا، اور چھریرے بدن کا ہوگا تو مار دے گا۔تو ابوزرع کے بیٹے کی کمر سونتی ہوئی تلوار کی طرح ہے، سونتی ہوئی یعنی تلوار ویسے تو چوڑی ہوتی ہے؛ لیکن جب اس کو چلاتے ہیں تو اس کا چوڑا پن بھی نظر نہیں آتا۔

وَتُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ: یعنی اس کی غذا بھی بہت کم ہے، ایک ران میں تو اس کا پیٹ بھر جاتا ہے۔

مِلْءُ كِسَائِهَا: جیسے مردوں کا چھریرے بدن کا ہونا خوبی ہے، اسی طرح عورتوں کا موٹے بدن کا ہونا عربوں کے یہاں خوبی ہے، موٹے بدن کا جو ہوتا ہے اس کے کپڑے بھرے بدن معلوم ہوتے ہیں، جیسے جو پتلا ہوتا ہے اس کے کپڑے خالی خالی معلوم ہوتے ہیں۔اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔

وَغَيْظُ جَارَتِهَا: یعنی اگر شادی ہوجائے تو اس کی سوکن اس پر جلے، چوں کہ اتنی خوبیاں ہیں؛ اس لیے ہر سوکن اپنی سوکن کی خوبیوں سے جلتی ہے، اس کی برائیوں پر تو وہ خوش ہوتی ہیں، گویا اس میں کمالات ہی کمالات ہیں۔

جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ: ابوزرع کی باندی یعنی نوکرانی، جو گھر میں کام کاج کرتی ہے۔

لَا تَبُثُّ حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا: عام طور پر بڑوں کے گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں اندر کی

باتیں باہر پہنچادیتی ہیں، تو کہا کہ یہ ایسی نہیں ہے۔

وَلَا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا: مطلب یہ کہ جس الماری میں یا فریج میں کھانا ہو اس کو چھیڑتی نہیں ہے، چوں کہ عام طور پر کام کرنے والیوں کا مزاج ہوتا ہے کہ، موقع ملا تو ہاتھ مار دیا، کوئی کھانے کی چیز ملی تو لے لی، یہ کبھی ایسا کچھ نہیں کرتی۔

وَلَا تَمْلَأُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا: مطلب یہ کہ بڑی صفائی والی ہے، ہر وقت گھر کو صاف وشفاف رکھتی ہے۔

قَالَتْ: خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالْأَوْطَابُ تُمْخَضُ: یعنی بڑا اچھا ماحول تھا۔ دیہاتوں میں بھی جہاں مویشی والے لوگ ہوتے ہیں وہاں جب دہی جمع ہوتی ہے، پھر بلو کر اس کے اندر سے مکھن وغیرہ نکالا جاتا ہے، تو گھر میں ایک خوشی کا منظر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھر میں بڑا خوشی کا موقع تھا۔

كَالْفَهْدَيْنِ: یعنی چلبلے، بھاگ کود کرنے والے۔

يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ: ماں لیٹی ہوئی تھی اور موٹی ہونے کی وجہ سے اس کی کوکھ زمین سے لگی ہوئی تھی، موٹی ہے تو کوکھ زمین سے لگی ہوئی ہوگی اور کمر زمین سے اٹھی ہوئی ہوگی، تو کمر اور زمین کے بیچ میں خلا جیسا تھا، اور ان بچوں کے پاس دو انار تھے، ایک اِدھر سے لڑھکا رہا ہے اور دوسرا اُدھر سے لڑھکا رہا ہے، یہ منظر دیکھ کر اس عورت پر اس کا دل آ گیا۔

وَأَخَذَ خَطِّيًّا: یعنی بڑا بہادر آدمی تھا۔

وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا: اور جانور بھی ہر قسم کا ایک ایک جوڑا یعنی دو بھینس، دو بیل، دو بکریاں، دو بکرے، دو مینڈھے، دو اونٹ؛ اس طرح جوڑا۔

قَالَتْ عَائِشَةُ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ قصہ یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی نے سنایا، یا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنایا۔

كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ: یعنی جیسے اس نے ام زرع کے ساتھ محبت کا اور وفاداری کا سلوک کیا، ایسا میں بھی تیرے ساتھ کرتا ہوں۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے: الا انه طلقها و لا أطلقك: اتنی بات ہے کہ اس نے تو طلاق دے دی تھی؛ لیکن میں طلاق نہیں دوں گا۔ طبرانی کی روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ: یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: حضرت! ابو زرع کی کیا حقیقت! میرے

ماں باپ آپ پر قربان! آپ تو میرے لیے اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصے کے اخیر میں ایک عجیب جملہ فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ہر مسلمان میاں بیوی کو آپس میں ایسی محبت عطا فرمائے، میاں بیوی میں یہ محبت ہے تو یہی چیز آدمی کو اخیر تک پاک دامن رکھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

یہ اسلامی تعلیمات ہیں، اس بے چاری، بے یار و مددگار پر ہاتھ اٹھانا مؤمن کا شیوہ نہیں، ایک موقع پر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کی طرح نہ مارے، یعنی بے رحمی کے ساتھ، جیسا آج کل کہتے ہیں کہ: اپنے بیٹے کو جانور کی طرح مت مارو، یعنی بے رحمی کے ساتھ، اور شام کو اس کے ساتھ سوئے گا بھی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے ہیں کہ: یہ کوئی شرافت کی بات ہے! کہ دن میں تو تم نے اس کی پٹائی کی اور پھر رات میں اس کے ساتھ سوکر اپنا دل اس سے بہلانے کی بات کرتے ہو۔ کوئی شریف آدمی ایسا کرسکتا ہے کہ جس شخصیت سے اپنا دل بہلا رہا ہو اسی کو دن میں مار پٹائی کرے، اور رات میں پھر اسی سے فائدہ اٹھائے۔ اس سے بڑی بے مروتی اور نالائقی کیا ہوسکتی ہے؟ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔

٤٠- بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ نَوْمِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سونے کا بیان

افادات: اس باب میں یہ بتلائیں گے کہ: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سوتے تھے تو کس طرح سوتے تھے؟ اور (۲) سوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا کیا پڑھتے تھے؟ یہ دو چیزیں اس باب میں بتلائیں گے۔

۲۵۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى تَحْتَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ، وَقَالَ: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ .

۴۵۵ م – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، مِثْلَهُ وَقَالَ: يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ .

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر پر لیٹنے کے لیے تشریف لے جاتے تو (دائیں کروٹ پر اس طرح لیٹتے کہ) اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: رب قني إلخ۔ اے پروردگار! مجھ کو اس دن عذاب سے بچائیو جس دن آپ اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں۔

افادات:

سونے کا مسنون طریقہ

وضع كفه اليمنى تحت خده الايمن: یہی لیٹنے کا عام مسنون طریقہ ہے، کہ آدمی دائیں کروٹ پر لیٹے اور دائیں رخسار کے نیچے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی رکھے۔ سوتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے کے سلسلہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی روایت صراحتاً موجود نہیں ہے، البتہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: چوں کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر رکھا جاتا ہے اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہوتا ہے، اور نیند کو موت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس معنیٰ کر سوتے وقت بھی اگر بہ آسانی ممکن ہو تو قبلہ کی طرف منہ کر لینا چاہیے، ورنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو ہدایتیں سونے کے سلسلہ میں دی گئی ہیں، ان میں یہ چیز نہیں ہے۔ ہاں! مرنے والے کو قبر میں لٹانے کے طریقے کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کوئی اس پر عمل کرے تو سبحان اللہ، نور علی نور؛ ورنہ اصل تو اتنا ہی ہے کہ آدمی دائیں کروٹ پر لیٹے، دائیں رخسار کے نیچے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی رکھے۔ یہ سونے کا سنت طریقہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح داہنی کروٹ پر لیٹتے تھے اور یہی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی معمول تھا۔

مسنون طریقے پر سونے کی حکمتیں

اس میں بڑی حکمتیں بھی بتلائی گئی ہیں، کیوں کہ اس کی دو شکلیں ممکن ہیں کہ آدمی دائیں کروٹ پر لیٹے یا بائیں کروٹ پر؛ ویسے بہت سے اطباء بائیں کروٹ لیٹنے کو اس معنیٰ کر اچھا قرار دیتے ہیں کہ

آدمی کا دل بائیں طرف ہے، اور بائیں کروٹ پر لیٹے گا تو دل نیچے رہے گا جس سے زیادہ آرام اور سکون ملے گا، اور اطمینان کی نیند آئے گی؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے جو طریقہ بتلایا ہے اور آپ کا جو دائمی اور ہمیشہ کا معمول تھا وہ یہی تھا کہ: آپ دائیں کروٹ پر لیٹتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سونے کی حالت میں دل بائیں طرف ہونے کی وجہ سے اوپر لٹکا ہوا رہے گا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ: آدمی کو غفلت کی نیند نہیں آئے گی۔ شریعت بھی یہ چاہتی ہے کہ غفلت کی نیند نہ سوئے، چوکنا رہ کر سونا چاہیے، اور بعضوں نے اطباء کے قول کے مطابق بائیں کروٹ پر لیٹنے کی صورت میں راحت زیادہ ملنے کی وجہ سے اسے بہتر قرار دیا ہے؛ لیکن اس میں ایک خرابی بھی ہے کہ: بائیں کروٹ پر لیٹنے کی صورت میں دل نیچے رہے گا، تو آدمی کا اندرونی مواد دل پر گرے گا، جس سے دل پر بوجھ آئے گا، اور یہ چیز قلب کے عمل کو نقصان پہنچاتی ہے، تو جہاں ایک فائدہ ہے وہیں دوسرا نقصان بھی ہے؛ اس لیے شریعت کا بتلایا ہوا طریقہ یہی ہے کہ آدمی دائیں کروٹ پر لیٹے، اس میں دل اوپر رہنے کی وجہ سے غفلت کی نیند سے آدمی بچا ہوا رہے گا، اور دوسری بات یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر لیٹنے میں قبر کی یاد تازہ ہو جائے گی؛ اس لیے کہ قبر میں آدمی کو اسی طرح دائیں کروٹ پر ہی لٹایا جاتا ہے، گویا سوتے وقت آدمی یہ سوچے کہ مجھے قبر میں اسی طرح لٹایا جائے گا۔ حدیث میں بھی النوم أخ الموت کہ (نیند موت کا بھائی ہے) کہہ کر نیند کو موت کے مشابہ قرار دیا ہے، گویا یہ ایک طرح کی چھوٹی موت ہے۔ قرآن میں بھی باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا﴾ [الزمر۴۲] کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی جانوں کو قبضہ کر لیتے ہیں جب کہ وہ مرجاتی ہیں، اور جو مرے نہیں ہیں سوتے وقت ان کی جانیں قبض کی جاتی ہیں، پھر جس کو چاہے اللہ تعالیٰ لوٹا دیتا ہے اور جس کو چاہے رہنے دیتا ہے۔ چناں چہ بہت سے ایسے ہیں کہ سونے کی ہی حالت میں آخرت میں پہنچ جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نیند ایک طرف موت کا منظر پیش کرتی ہے؛ اور آدمی کو مرنے کے بعد قبر میں دائیں کروٹ پر لٹایا جائے گا؛ اس لیے سوتے وقت آدمی کو اس طرح سونا چاہیے۔ یہ تو سونے کا طریقہ ہوا۔

سوتے وقت کی مسنون دعائیں اور وظائف

اب سوتے وقت دعا پڑھنی چاہیے، چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ کی ایک دعا یہاں بتلائی ہے۔ سوتے وقت جتنی بھی دعائیں ہیں وہ لیٹ کر پڑھنی چاہیے، بعض اعمال ہیں جو سونے سے پہلے کیے جاتے ہیں، وہ بیٹھ کر کیے جائیں، جیسے تسبیح فاطمہ پڑھی جاتی ہے، اسی طریقہ سے سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ بقرہ کا اول وآخر، سورۂ اخلاص، معوذتین، سورۂ کافرون اور مسبحات یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ یا سَبِّحْ کے صیغے آئے ہیں، ایسی سورتوں میں میں سے کسی بھی سورۃ کا پڑھنا؛ یہ ساری چیزیں بیٹھ کر پڑھی جائے؛ لیکن سوتے وقت کی دعا لیٹ کر پڑھی جائے گی، وہ بیٹھ کر نہیں پڑھیں گے، سنت کے مطابق لیٹ جاؤ، اب دعا پڑھو۔ تسبیح پڑھنے کا وقت آتا ہے تو نفس کیا سمجھاتا ہے کہ: لیٹ جاؤ اور لیٹے لیٹے پڑھو، اب جو شروع کرتا ہے: سبحان اللہ سبحان اللہ، اور ابھی ۳۳؍ مرتبہ ہوا بھی نہیں کہ یہ دھیرے دھیرے نیند کی آغوش میں چلا گیا، نفس اور شیطان اسی لیے سلوا کر پڑھاتے ہیں؛ تاکہ اسے پورا کرنے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ ویسے تو نیند نہیں آتی؛ لیکن جب آپ نے یہ طے کیا کہ تسبیح لیٹے لیٹے پڑھنی ہے تو اس کے پورا ہونے سے پہلے نیند آجائے گی۔ یہ بھی عجیب بات ہے، درحقیقت شیطان تھپکیاں دے کر سلا دیتا ہے۔ بہرحال! ساری دعائیں اور دیگر سارے اعمال بیٹھ کر پڑھ لو اور سوتے وقت کی دعا باقاعدہ لیٹ کر پڑھی جائے۔

آپ ﷺ کی جو دعا اس حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے: رب قني عذابك يوم تبعث عبادك: اے میرے پروردگار! جس دن تو اپنے بندوں کو میدان حشر میں لانے کے لیے دوبارہ زندہ کرے گا اُس دن اپنے عذاب سے میری حفاظت فرما۔ اس روایت کے اخیر میں ہے کہ، نبیٔ کریم ﷺ یہ دعا تین مرتبہ پڑھتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ، نبیٔ کریم ﷺ تو معصوم تھے، آپ کے لیے تو عذاب کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، تو پھر معصوم ہونے کے باوجود یہ دعا ان الفاظ کے ساتھ کیوں پڑھی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے شراح نے لکھا ہے کہ: آپ اظہارِ عبدیت کے لیے یا تعلیمِ امت کے لیے

یہ دعا پڑھتے تھے، امت کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ باوجود معصوم ہونے کے اور گناہوں سے پاک صاف ہونے کے اور اللہ کے عذاب سے محفوظ ہونے کے یہ دعا پڑھ رہے ہیں، تو پھر دوسروں کو تو بہ طریقِ اولیٰ اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور بھی دعائیں ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: یہی روایت ایک دوسرے صحابی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں، اس میں یوم تبعث عبادك کی بجائے یوم تجمع عبادك ہے۔ اے میرے پروردگار! تو اپنے عذاب سے مجھے بچائیو جس دن تو اپنے بندوں کو میدان حشر میں جمع کرے گا۔

مختلف دعاؤں کو پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے

بہرحال! یہ دعا دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نقل کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبیٔ کریم ﷺ کا عام معمول اس دعا کا تھا؛ اسی لیے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ حضور ﷺ سے سنی اور نقل کی، ہمیں اس کو یاد کر لینا چاہیے۔ ویسے تو کئی دعائیں ہیں جو سوتے وقت پڑھی جاتی ہیں، ان میں سے ایک پڑھ لیں گے تو بھی سنت ادا ہو جائے گی، سب پڑھیں گے تب بھی۔ یا پھر کبھی یہ پڑھ لینا چاہیے کبھی وہ؛ تمام دعاؤں کو یاد کر لینا چاہیے، جیسے کھانے پینے کے معاملہ میں ہر چیز کا ٹیسٹ کرتے ہیں، تو پھر ان میں کیوں ٹیسٹ نہ کیا جائے، اس کو بھی اپناؤ۔ اور الفاظِ حدیث کی شان الگ ہی ہوتی ہے اور دوسرے الفاظ کی شان الگ ہے۔

۲۵۶ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: الْحَمْدُ لله الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ جب بستر پر لیٹ جاتے تو یہ دعا پڑھتے: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا اے اللہ! تیرے نام سے مرتا جیتا ہوں۔ اور پھر جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد لله الذی إلخ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے موت دینے کے بعد ہم کو زندہ کیا اور اسی کی طرف جی اٹھ کر جانا ہے۔

افادات:

نیندکوموت سے تعبیر کرنے کی وجہ

اس دعامیں سونے کومرنے سے تعبیر کیا گیاہے،اس کی وجہ وہی ہے-جیسا کہ اوپر بتلایا جاچکا-کہ حدیث میں سونے کوموت قرار دیا گیا ہے، گویااس وقت بھی موت کی یادتازہ کروائی جارہی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے تاکید فرمائی أكثروا ذكر هاذم اللذات الموت کہ لذتوں کو کاٹنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔دراصل بات یہ ہے کہ ہم جو گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑتے ہیں، نافرمانیاں ہم سے صادر ہوتی ہیں،اس کی بڑی وجہ غفلت اور موت سے بے خبری ہے، اگر موت یاد رہے کہ ہمیں مرنا ہے اور اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے،تو پھر آدمی اپنے آپ کو ان کاموں سے بچانے کا اہتمام کرے گا۔لہٰذا موت کی یاد کثرت سے کرنا چاہیے، یہ آدمی کو دنیوی لذتوں میں پڑنے سے اور دنیوی عیش وآرام میں پڑنے سے روکتی ہے؛اسی لیے نبیٔ کریم ﷺ نے بہت زیادہ موت کو یاد کرنے کا حکم دیا ہے،اوراس کا نام هاذم اللذات (لذتوں کو توڑنے والی) رکھا؛ اس لیے کہ جب موت آئے گی تو ساری لذتیں دنیا میں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

الْحَمْدُ لله الَّذِي أَحْيَانَا إلخ: ابھی بتلایا گیا کہ نیند چوں کہ ایک طرح کی موت ہے،تو نیند کے بعد بیدار ہونے کوموت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا آپ ابھی اس چھوٹی موت سے بیدار ہوئے یعنی ایک نئی زندگی ملی، زندگی کا ایک نیا دن ہمیں ملا، ایسے ہی موت کا ایک وقت آنے والا ہے، اس وقت اللہ کے یہاں پہنچائے جائیں گے، گویا دنیا کی اس عارضی موت یعنی نیند سے اٹھنے کو سامنے رکھ کر یاد کرایا گیا کہ حقیقی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر اللہ کے یہاں جانا ہے؛ تاکہ اس کے لیے تیاری کی جاسکے۔

زندگی ایک خواب ہے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں دوسری حکمت بھی ہے، کہ والیه النشور کا لفظ لاکر اس بات کی طرف بھی ذہن متوجہ کرایا گیا ہے کہ یہ پوری زندگی آدمی کا ایک خواب ہے، آدمی یوں سمجھے جیسے

نیند سے اٹھتا ہوں، رات کو سویا اور صبح کو اٹھا، اسی طرح یہ دنیا کی پوری زندگی پیدا ہونے اور میرے مرنے تک کا زمانہ گویا خواب ہے، جب موت آئے گی اور دوبارہ زندہ ہوں گے تو گویا اب بیدار ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ: لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تب بیدار ہوں گے؛ لہٰذا آدمی کو دنیا کی زندگی میں آخرت کے واسطے تیاری کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

دنیا اور آخرت کی ایک بہترین مثال

اسے ایک مثال سے سمجھیے کہ ایک آدمی ہے، جسے اللہ نے بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں، عیش و آرام میں ہے، کوئی تکلیف نہیں ہے، وہ سو گیا، اور نیند کی حالت میں اس نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ: اس کو باندھ دیا گیا ہے، اور پکڑ کر بیڑیوں میں جکڑا ہوا سزا دینے کے لیے قید خانے میں لے جایا جا رہا ہے، اب چوں کہ وہ نیند میں ہے اور یہ منظر دیکھ رہا ہے، اس کو یہ خیال نہیں، خواب دیکھنے والے کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ خواب دیکھ رہا ہے؛ بلکہ خواب کے اندر بھی وہ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ معاملہ میرے ساتھ حقیقتاً ہو رہا ہے، کہ اچانک اس کی وجہ سے گھبرا کر اس کی آنکھ کھل جائے، اور پھر وہ اپنا عیش و آرام دیکھے، اندازہ لگائیے اس کو کتنی خوشی ہوگی! اس کے برعکس وہ آدمی جس کو جیل میں ڈالا گیا ہے، اور بیڑیاں پہنائی گئی ہے، وہ خواب دیکھ رہا ہے، اور خواب میں اپنے آپ کو باغ میں اور عیش و آرام میں دیکھ رہا ہے، تو وہ اس کا عیش و آرام اس کو کیا فائدہ پہنچائے گا! وہ تو خواب دیکھ رہا ہے، اس کو معلوم نہیں کہ میں یہ خواب دیکھ رہا ہوں، وہ تو حقیقت سمجھ رہا ہے، مگر جب آنکھ کھلے گی تو جہاں تھا اپنے آپ کو وہیں کے وہیں دیکھے گا تو اس کو کتنی تکلیف ہوگی! یہی حال دنیا کی زندگی کا ہے، ایک مؤمن کو اگر دنیا میں تکلیفیں پہنچتی ہیں، تو وہ یوں سمجھے کہ یہ پہنچنے والی تکلیف کی حقیقت خواب سے زیادہ کچھ نہیں ہے، اور اگر کوئی کافر دنیا میں راحت و آرام پا رہا ہے، تو اس کے آرام و راحت کی حقیقت بھی خواب اور خیال سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فِي ٱلۡبِلَٰدِ ١٩٦ مَتَٰعٞ قَلِيلٞ ثُمَّ مَأۡوَىٰهُمۡ جَهَنَّمُۚ وَبِئۡسَ ٱلۡمِهَادُ ١٩٧﴾ [المائدة] اے نبی! اے مخاطب! ان کافروں کا آنا جانا اور عیش و آرام میں گھومنا پھرنا تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے، تھوڑے سے

زمانہ کے واسطے ان کو اللہ کی طرف سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا ہے، اور اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور جہنم بڑا برا ٹھکانہ ہے۔

بہرحال! یہ سب سبق ہیں، آپ ﷺ کی ان ساری دعاؤں کے معنیٰ میں مومن اگر غور کرے تو اس کے ذریعہ سے بہت کچھ سبق مل سکتا ہے۔

۲۵۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ فَنَفَثَ فِيهِمَا، وَقَرَأَ فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ، يَبْدَأُ بِهِمَا رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَصْنَعُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ جب رات میں سونے کے لیے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کر کے اس میں دَم کرتے، اور سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھتے۔ اس کے بعد اپنے بدن پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھراتے۔ سر سے ابتدا فرماتے اور پھر منہ اور بدن کے اگلے حصے پر (پھر بقیہ بدن پر پھیرتے)۔ اس طرح تین مرتبہ کرتے تھے۔

افادات: ایک اَور عمل جو نبیٔ کریم ﷺ سوتے وقت انجام دیتے تھے اس روایت میں بتلایا ہے۔ معلوم ہوا یہ بھی سنت ہے، اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

سوتے وقت کے بعض اعمال

جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ سوتے وقت نبیٔ کریم ﷺ سے جہاں مختلف دعائیں ثابت ہیں وہیں قرآن کی کچھ سورتوں کا پڑھنا بھی منقول ہے، آپ نے تاکید فرمائی ہے کہ سوتے وقت ان سورتوں کو پڑھیں؛ لہٰذا ہمیں اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس میں یہ معوِّذات یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس، اسی طرح سورۂ اخلاص اور سورۂ کافرون بھی شامل ہے، تو چار قل ہو جائیں گی، اس کا نام بدل جائے گا۔ اور سورۂ بقرہ کی شروع کی آیتیں، آخر کی آیتیں، آیۃ الکرسی، مسبحات (یعنی جن سورتوں کے شروع میں یُسَبِّحُ، سَبَّحَ،

سُبْحَانَ، سَبَّحَ آیا ہے) میں سے کوئی ایک سورت، سورۂ ملک؛ یہ سب پڑھنا بھی ثابت ہے، یہ سب پڑھے یا کچھ پڑھے۔ بہر حال اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

ہماری زندگیوں میں بے چینی کی وجہ

ایک مؤمن کو چاہیے کہ غفلت کی نیند نہ سوئے، ضرورت ہے کہ ان دعاؤں اور آداب کا اہتمام کیا جائے یہی چیزیں ہماری زندگیوں میں برکت، سکون اور طمانینت لانے والی ہیں۔ آج ہم نے ان سارے اعمال کو چھوڑ رکھا ہے، جس کے نتیجہ میں ہمارے دن ورات بے چینی سے گذرتے ہیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

۲۵۸ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيلٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَأَتَاهُ بِلَالٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیٹے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے ۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سوتے تو خراٹے لیتے – پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی اطلاع دی، چناں چہ آپ اٹھے اور فجر کی نماز پڑھائی، اور وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

افادات: آگے ایک باب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادتوں کا جہاں تذکرہ آرہا ہے، اس میں یہ روایت تفصیل سے آئے گی۔

صحابہ کے بچوں میں دین کا شوق

اِس واقعہ کے وقت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما چھوٹے تھے؛ لیکن شوق دیکھیے! ان کو ایک مرتبہ خیال آیا کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو کیسی نماز پڑھتے ہیں؟ ذرا دیکھنا چاہیے۔ آج بچوں کو چھوڑیے، بڑوں کو بھی کبھی بھول سے اس کا خیال نہیں آتا۔ چناں چہ انھوں نے سوچا کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا – جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہوتی ہیں – کے یہاں ہوگی

اس روز خالہ کے یہاں لیٹنے کے لیے میں بھی چلا جاؤں گا، چناں چہ وہ چلے گئے اور اس رات وہیں سوئے۔ آگے وہ قصہ آرہا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کو اپنے ساتھ بستر پر ایک طرف لٹایا، پھر رات کو حضور ﷺ اٹھے اور جو اعمال کرنے تھے سب ادا فرمائے۔

بس! یہاں تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ سوئے تھے اور اٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ چوں کہ نبیوں کی نیند ایسی ہوتی ہے کہ اس سے وضو ٹوٹتا نہیں ہے، کیوں کہ نبی جب سوتے تھے تو غفلت سے نہیں سوتے تھے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: تنام عيناي ولا ينام قلبي میں جب سوتا ہوں تو میری آنکھیں سوتی ہیں؛ لیکن دل بیدار رہتا ہے؛ اس لیے حضرات انبیاء کی نیند اُن کے حق میں وضو کو توڑنے والی نہیں، امتیوں کی نیند وضو کو توڑنے والی ہے۔

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اندر ایک قصہ ہے، وہ قصہ آئندہ باب میں آنے والا ہے۔

۲۵۹ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عَفَّانُ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد لله الذى إلخ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا، ہمارے کام پورے کیے اور ہمیں سونے کے لیے ٹھکانہ دیا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے کاموں کو نہ کوئی پورا کرنے والا ہے اور نہ سونے کے لیے ٹھکانہ دینے والا۔

افادات: نبیٔ کریم ﷺ کے سونے کا تذکرہ چل رہا ہے کہ آپ ﷺ کس طرح سوتے تھے، اور سوتے وقت آپ ﷺ کیا کیا پڑھتے تھے؟ اس سلسلہ میں یہ روایت ہے۔

اوپر بتلایا جا چکا کہ کوئی بھی ایک دعا یا ساری دعائیں یا جتنی دعائیں یاد ہوں سوتے وقت پڑھ سکتے ہیں۔

۲۶۰ - حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُرَيْرِيُّ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ

رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، وَإِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ، وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ .

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اخیر شب میں کسی جگہ پڑاو ڈالتے تو (آرام کا طریقہ یہ تھا کہ) دائیں کروٹ پر لیٹتے، اور اگر صبح کے قریب ٹھہرنا ہوتا تو (آرام کا طریقہ یہ تھا کہ) اپنا دایاں بازو کھڑا کرکے ہتھیلی پر سر رکھ لیتے۔

افادات:

فجر کی نماز فوت ہونے سے بچنے کا نبوی طریقہ

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دورانِ سفر رات کے ابتدائی حصہ میں سفر کرنے کے بعد سوجاتے تھے۔عرب میں اس زمانے میں اونٹوں پر سفر کیا جاتا تھا، تو چوبیس گھنٹوں میں تین وقفوں سے سفر کرتے تھے: صبح فجر کے بعد ٹھنڈے ٹھنڈے وقت میں سفر شروع کیا ہو تو جب سورج اونچا چڑھ جائے، یعنی تقریباً دس گیارہ بجنے والے ہوں تو ٹھہر جاتے تھے۔ پھر دوپہر میں سورج ڈھلنے کے بعد جب گرمی کی شدت میں کچھ کمی پیدا ہوتی تھی تو پھر سفر کرتے تھے، اور پھر رات ہونے پر یعنی مغرب کے وقت ٹھہرتے تھے اور پھر آدھی رات کے قریب تک سفر کرتے تھے، پھر قیام کرتے تھے۔ الغرض! نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران سفر آرام کرنے کے لیے ٹھہرتے، اور رات میں آرام کا وقت زیادہ ہوتا تو دائیں کروٹ پر پاؤں پھیلا کر لیٹ جاتے تھے، چوں کہ وقت اتنا ہے جس میں آرام سے آدمی اپنی نیند پوری کرسکتا ہے۔ یہاں تو بتلانا یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر لیٹنے کا نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ اور اگر صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے آپ ٹھہرتے اور آرام کرتے، تو پاؤں پھیلا کر اور اطمینان سے نہیں سوتے تھے؛ بلکہ آپ اپنی کلائی کو کھڑا کردیتے تھے۔ ہاتھ کھڑا کرکے اس کی ہتھیلی کے اوپر چہرہ رکھ کر آرام فرماتے، یعنی زمین پر نیچے نہ سوتے؛ بلکہ سر والا حصہ زمین سے اونچا رکھتے، مابقیہ بدن تو نیچے ہے ہی؛ تاکہ غفلت کی نیند نہ آئے، کیوں کہ اب صبح میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آنکھ بند ہوجائے اور فجر کی نماز چھوٹنے اور قضا ہونے کی نوبت آجائے۔

اس میں ہمیں یہ بھی سبق ملا کہ: اگر کبھی دورانِ سفررات کے اخیری حصہ میں سونے کی نوبت آئے اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر اطمینان کے ساتھ سونے کی کوشش کریں گے تو جماعت فوت ہو جائے گی، یا نماز قضاء ہو جائے گی، تو اس طرح چوکنا ہو کر سونا چاہیے۔

٤١ - بَابُ مَا جَاءَ فِي عِبَادَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کا بیان

افادات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت: نماز، روزہ وغیرہ کی کیا کیفیت ہوتی تھی وہ بیان کرنے جارہے ہیں۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنایا تھا، اور اللہ کی طرف سے آپ کو مغفرت اور درجاتِ عالیہ کا پروانہ دیا جاچکا تھا، ان اونچے مراتب پر فائز ہونے کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، اللہ نے آپ کو اتنا اونچا مقام دیا جہاں نہ کوئی نبی پہنچا اور نہ کوئی ولی، اس کے باوجود ایسا نہیں تھا کہ آپ اطمینان سے سوتے رہے؛ بلکہ عبادت میں آپ بہت زیادہ مجاہدہ کیا کرتے تھے۔ نماز عبادت کی ایک قسم ہے، رات کی نماز کا اتنا زیادہ اہتمام فرماتے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے کہ نماز ہی وہ عبادت ہے جس کے متعلق قیامت کے روز سب سے پہلے سوال ہوگا، اور اس میں اگر کوئی کامیاب ہو گیا تو آگے کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔ بہر حال! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے اونچے مراتب پر فائز ہونے کے باوجود راتوں کو بہت زیادہ عبادت کا اہتمام فرماتے تھے، چناں چہ اس نوع کی کچھ روایتیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں پیش کریں گے:

٢٦١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَبِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ: أَتَتَكَلَّفُ هَذَا وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر لمبی نماز پڑھی کہ آپ کے قدم ورم کر گئے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں حالاں کہ حق تعالیٰ نے آپ کے اول وآخر سب گناہ بخش دیے ہیں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔

افادات:

اللہ کی عبادت کیوں کی جائے؟

فَقِيلَ لَهُ: سوال کرنے والے کا منشا یہ تھا کہ،لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ عبادت کی کثرت گناہوں کے کفارے کے لیے ہوا کرتی ہے،تو جو جتنا زیادہ گنہ گار ہوگا اس کو زیادہ سے زیادہ عبادت کا اہتمام کرنا چاہیے، اس لیے لوگوں نے سوال کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرمادی، اگلی پچھلی خطائیں معاف کردی، پھر بھی آپ عبادت کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں؟ آپ تو معصوم ہیں، جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: عبادت صرف گناہوں کے کفارہ کے لیے نہیں ہوا کرتی ؛ بلکہ عبادت کے اَور بھی اسباب ہیں۔اللہ نے مجھے یہ انعام عطا فرمایا کہ میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیے؛اس لیے میں شکر کے طور پر عبادت کرتا ہوں۔

انبیاء کی خطاؤں کی معافی کا کیا مطلب؟

یہاں ایک مسئلہ اَور بھی ہے، کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام حضرات انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں،ان سے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا،تو پھر قرآن میں باری تعالیٰ کا فرمان ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾[الفتح](اے نبی! ہم نے اگلی پچھلی خطائیں معاف کردی) کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ جب خطائیں صادر ہی نہیں ہوئیں، وجود میں ہی نہیں آئیں، آپ معصوم ہیں، پاک صاف ہیں،تو پھر باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب؟

تو سورۂ فتح کی اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت کچھ تفصیلات لکھی ہیں: ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ حسنات الأبرار سيئات المقربين کے تحت بعض مرتبہ جو چیزیں ''ابرار'' کے حق میں

نیکی سمجھی جاتی ہے ''مقربین'' کے حق میں وہ چیز گناہ اور ناروا شمار کی جاتی ہے۔ بندوں کے اللہ تعالیٰ سے قرب اور نزدیکی کے اعتبار سے الگ الگ درجات ہیں: ایک گروہ ''مقربین'' کا ہے، ایک گروہ ''ابرار'' کا ہے، تو ابرار کے حق میں جو چیز نیکی سمجھی جاتی ہے مقربین کے حق میں وہی چیز گناہ ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیے! آپ نے سورۂ عبس کے شانِ نزول میں سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس مشرکین کے بڑے بڑے سردار حاضر ہوئے، آپ ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کررہے تھے، اور پورے طور پر دل سے اس بات کے متمنی تھے کہ وہ لوگ دعوتِ اسلام قبول کرلیں، ابھی ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے اور دعوتِ اسلام پیش کی جارہی تھی، اسی دوران ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ - جو نابینا تھے، اور اپنے نابینا ہونے کی وجہ سے ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وقت نبیٔ کریم ﷺ کچھ اہم اور بڑے لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہیں اور دعوتِ اسلام پیش کررہے ہیں- نے آکر نبیٔ کریم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا، اب وہ بار بار نبیٔ کریم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور حضور ﷺ ان بڑے لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے، آپ کی دلی تمنا اور خواہش یہ تھی کہ یہ لوگ اگر اسلام قبول کرلیں گے تو دوسروں کے لیے قبول کرنا آسان ہوگا اور ان کی راہ ہموار ہوجائے گی۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تو ایمان لاچکے تھے، اپنے ہی آدمی ہیں؛ لہٰذا ان کی طرف توجہ کرنے کے بجائے حضور ﷺ ان بڑے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں لگے رہے، اور ان کا یہ بار بار التجا کرنا نبیٔ کریم ﷺ کو ناگوار گذرا، جس کا ظہور چہرۂ انور سے ہوا، تو قرآن پاک میں اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی: ﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰٓ ۝١ أَن جَآءَهُ ٱلْأَعْمَىٰ ۝٢﴾ [العبس] کہ ایک اندھا آپ کے پاس آیا تو اس کے آنے پر آپ نے اپنے چہرے پر شکن دی، اپنا چہرہ ان کی طرف سے پھیر لیا!۔ حضور ﷺ کے اس طرزِ عمل پر حضور ﷺ کو باری تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی، حالاں کہ ظاہر ہے کہ آپ ان بڑے لوگوں کے ساتھ محوِ گفتگو تھے، ان میں بھی آپ کا اپنا کوئی ذاتی فائدہ نہیں تھا؛ بلکہ آپ کی دلی خواہش تو یہ تھی کہ ان کو دعوت دیں اور وہ ایمان لے آویں تو اس کی وجہ سے اَور لوگوں کے بھی ایمان لانے کی راہ ہموار ہو؛ لیکن اُس وقت آپ کا یہ طرزِ عمل حقیقت میں آپ کے حق میں درست نہ تھا، اَور

کوئی کرتا تو اس کے حق میں تو یہ اچھا سمجھا جاتا؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اسی پر تنبیہ فرمائی۔

یا جیسے غزوۂ بدر کے موقع پر کافروں کے پکڑے گئے قیدیوں کے سلسلہ میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ کیا فیصلہ ہونا چاہیے؟ اس سلسلے میں مشورہ ہوا، تو مشورہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ اور کچھ بعض سخت قسم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو یہ مشورہ دیا کہ: ان سب کو قتل کیا جائے، اور قتل کرنے میں بھی جو جس کا رشتہ دار ہو وہی اس کو قتل کرے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض حضرات نے یہ مشورہ دیا کہ: فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے، امید ہے کہ آئندہ وہ لوگ ایمان لے آویں، اور اس فدیہ کی رقم سے آئندہ مسلمانوں کے لیے جنگی ساز و سامان خرید لیں گے، تو مالی مدد بھی ہوگی اور اللہ تعالیٰ آئندہ ان کو ہدایت دیں گے، ان کی اولاد بھی اسلام پر آئیں گی، دونوں مقصد سامنے تھے۔ حضور ﷺ کا رجحان بھی آپ کی شانِ رحمت للعالمین کی وجہ سے اِسی طرف تھا، اور فیصلہ یہی دیا گیا۔ اس پر قرآنِ پاک میں بھی تنبیہ کی گئی، اور خود نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اگر اللہ کا عذاب آتا تو کوئی بچ نہیں سکتا تھا سوائے عمر وغیرہ کے۔ حالاں کہ اس فیصلہ میں بھی کوئی ذاتی غرض شامل نہیں تھی؛ بلکہ جن کے لیے یہ فیصلے ہوئے تھے ان ہی کی بھلائی اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر سوچ کر یہ فیصلے ہوئے تھے۔ اس طرح کی چیزوں کو ''سیئات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان ہی کے متعلق یہ آیت ہے۔

بہر حال! نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو اگلی پچھلی خطائیں معاف کردیں، پھر بھی آپ اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں! تو اس کے جواب میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں!۔ یعنی جب اللہ نے مجھ پر یہ انعام فرمایا، اور اپنی نعمت اور مغفرت کے پروانے سے مجھے اللہ نے نوازا، تو اللہ کی اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ بجائے سونے کے اللہ کی عبادت میں مشغول ہوجاؤں۔

عبادت کی مختلف اغراض

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: عبادت مختلف اغراض سے کی جاتی ہے: کبھی تو عبادت کی جاتی ہے جنت حاصل کرنے کے لیے، یہ تو تاجروں والی عبادت ہے، کہ آپ قیمت ابھی ادا کیجیے یعنی ابھی عبادت کیجیے اور کل قیامت کے دن جاکر مال وصول کرلیجیے یعنی جنت کو پالیجیے، یہ تو معاوضہ والی ہوئی۔

یا کبھی عبادت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ غلاموں والی عبادت ہے، جیسے غلام اور نوکر کو ڈنڈے کا ڈر رہتا ہے تب ہی وہ کام کرتے ہیں، اس طرح یہ بھی خوف کی وجہ سے عبادت کر رہا ہے؛ لیکن ایک عبادت ہے جو نہ کسی کے خوف کی وجہ سے کی جاتی ہے اور نہ کسی لالچ کی وجہ سے، یہ احرار کی عبادت ہے۔

نعمتوں کا تقاضا بھی عبادت ہے

یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پوچھنے والوں کو جواب میں فرماتے ہیں کہ: تم نے کیا یہی سمجھ رکھا ہے کہ جو جتنا زیادہ گنہ گار ہو وہی زیادہ عبادت کرے؟ نہیں، اللہ نے جس کو جتنی زیادہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں تو اللہ کی ان نعمتوں کا حق یہ ہے کہ اس کی شکر گذاری کے لیے وہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ اسی کو فرماتے ہیں: أفلا أكون عبدا شكورا. اس لیے حقیقت تو یہ ہے کہ بندوں کو سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائیں! دنیوی، اخروی، دینی، روحانی؛ ان ساری نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ میں اللہ کے شکرانے کے طور پر ہر وقت اس کی عبادت میں، اطاعت میں اور اس کی فرماں برداری میں مشغول رہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عبادت صرف گناہ ہی کی وجہ سے نہیں ہوا کرتی؛ بلکہ شکر گذاری کے لیے ہوتی ہے، اور یہی عبادت کا اعلیٰ درجہ ہے۔

٢٦٢- حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ قَالَ: فَقِيلَ لَهُ: تَفْعَلُ هَذَا وَقَدْ جَاءَكَ أَنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے۔ راوی کہتے ہیں: آپ سے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ: آپ اس قدر مجاہدہ کر رہے ہیں حالاں کہ آپ کی شان میں یہ آیا ہے کہ: اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟۔

افادات: نبئ کریم ﷺ کی عبادت کا تذکرہ جاری ہے گذشتہ ایک روایت حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کی آ گئی، اسی مضمون اور مفہوم کی ایک اَور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

گذشتہ حدیث کی تشریح کے تحت نبئ کریم ﷺ کے اس جواب کا مطلب تفصیل سے بتادیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تقاضا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت زیادہ سے زیادہ کرے، لوگ شاید یوں سمجھتے ہوں گے کہ جو جتنا زیادہ گنہ گار ہو اتنا زیادہ اللہ کی عبادت کرے، ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ بھی نقل کیا گیا کہ بغیر کسی طمع اور رغبت کے جو عبادت کی جاتی ہے وہ احرار کی عبادت ہے، کسی لالچ اور حرص میں جو عبادت کی جائے گی وہ تاجروں کی عبادت ہے، اور ڈر سے جو عبادت کی جائے گی وہ غلاموں کی عبادت ہے؛ لیکن بغیر کسی لالچ کے اور بغیر کسی خوف کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے جو عبادت کی جاتی ہے وہ احرار والی عبادت ہے۔

یہ مضمون بالتفصیل اس سے پہلی روایت میں آچکا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید تائید کے لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے۔ اور ایک مزید روایت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی اسی موضوع پر لا رہے ہیں۔

٢٦٣ - حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الرَّمْلِيُّ، أَخْبَرَنَا عَمِّي يَحْيَى بْنُ عِيسَى الرَّمْلِيُّ، عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُومُ يُصَلِّي حَتَّى تَنْتَفِخَ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! تَفْعَلُ هَذَا وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا!

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبئ کریم ﷺ رات کو اٹھ کر اتنی طویل نماز پڑھتے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے، آپ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ اتنا مجاہدہ کر رہے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں، تو نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟۔

افادات: ویسے حدیث میں طاقت سے زیادہ مجاہدات اور عبادت کی ممانعت بھی آئی ہے۔

کثرتِ عبادت کی ممانعت کی پہلی وجہ

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دیکھو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝٥٦﴾[الذریٰت]اس کا حق تو یہ تھا کہ آدمی ہر وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا؛ لیکن کچھ عوارض کی وجہ سے زیادہ مجاہدات اور عبادات کی ممانعت آئی ہے؛ اگر وہ عوارض نہ ہوں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ ان عوارض میں سے ایک یہ ہے کہ کثرتِ عبادات اور کثرتِ مجاہدات کی وجہ سے دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہو، دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو۔ بخاری شریف میں اس نوع کے دو واقعات مذکور ہیں:

(۱) ایک واقعہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارگی کا رشتہ قائم فرمایا تھا، اسی رشتۂ اخوت کی وجہ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کبھی کبھی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے یہاں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف لے گئے، ام درداء رضی اللہ عنہا یعنی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو دیکھا کہ وہ میلے کچیلے کپڑوں میں ہے، شوہر کے گھر میں ہوتے ہوئے عورت کا زیب و زینت نہ کرنا ایک قابلِ اعتراض چیز تھی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں معلوم کیا، تو انھوں نے بتایا: آپ کے بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دنیا میں رغبت نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہیں تھے، بعد میں تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو آیا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوئے، باقاعدہ ان کے لیے بڑے اہتمام سے کھانا تیار کروایا، دسترخوان لگا کر فرمایا کہ: آپ تشریف رکھیے، کھانا نوش فرمائیے! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ بھی آجاؤ! کہا کہ: میرا تو روزہ ہے، کہا: نہیں، بیٹھو! کھاؤ! چوں کہ نفل روزہ تھا، اور نفل روزہ کا مسئلہ یہ ہے کہ: اگر کوئی مہمان ایسا ہے کہ میزبان کے بغیر کھانے کے لیے تیار نہیں ہے، تو اس مہمان کی رعایت میں میزبان نفل روزہ توڑ سکتا ہے، بعد میں اس کی قضاء کر لے؛ یا کوئی مہمان کسی جگہ پر گیا ہے اور اس کا روزہ ہے، میزبان کو پتہ نہیں تھا، اور اس نے مہمان کے لیے

کھانا تیار کیا، اور کھانا رکھے جانے کے بعد مہمان یہ کہتا ہے کہ: میرا روزہ ہے، اور میزبان کہتا ہے کہ: میں نے اتنی ساری مشقتیں اٹھائیں اب تو کھانا پڑے گا، تو اس کے لیے روزہ توڑا جا سکتا ہے، بعد میں اس کی قضاء کر لی جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ کھانے کے لیے بٹھایا، اور روزہ تُڑوا دیا۔ خیر جب رات ہوئی تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے بستر تیار کیا، کہا: آپ لیٹ جاؤ! حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو نماز پڑھتا ہوں، کہا: تم بھی لیٹ جاؤ، ان کو بھی سلایا، اور پھر دوبارہ اٹھنا چاہا تو پھر سلایا، آدھی رات کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خود اٹھے اور عبادت میں لگ گئے، اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو بھی اٹھا کر فرمایا کہ اب عبادت میں لگو، اور پھر صبح کو جاتے ہوئے خود نصیحت کرتے ہوئے تاکید فرمائی: ان لربك عليك حقا، ان لنفسك عليك حقا، ان لاهلك حقا، فآت كل ذي حق حقه: تمھارے پروردگار کا بھی تمھارے اوپر حق ہے، اور تمھاری ذات کا بھی تمھارے اوپر حق ہے، اور تمھارے گھر والوں کا بھی تمھارے اوپر حق ہے، ہر حق دار کا حق ادا کرو۔ پھر چوں کہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں پیش آیا تھا؛ اس لیے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آ کر پورا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا، کہ ایسا ہوا اور میں نے ان کو اس طرح کہا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صدق سلمان: سلمان نے بالکل صحیح بات کہی۔ یہاں چوں کہ عبادت کی کثرت کے نتیجہ میں ان کی طرف سے بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی تھی؛ اس لیے تنبیہ کی گئی۔

(۲) اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ بھی منقول ہے کہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ -ایک بڑے جلیل القدر صحابی ہیں- کے والد نے ان کا نکاح کروایا، نکاح کی کچھ مدت کے بعد ان کی بیوی یعنی اپنی بہو سے پوچھا کہ: عبد اللہ کا معاملہ تمھارے ساتھ کیسا ہے؟ تو انھوں نے جواب میں کہا کہ: وہ تو اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں، دنیا کی طرف ان کا رجحان اور میلان نہیں ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جواب کا مطلب سمجھ گئے، وہ سمجھے کہ معاملہ کچھ دنوں کے بعد ٹھیک ہو جائے گا، چند دنوں کے بعد پھر پوچھا تو پھر یہی جواب ملا، تو حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ: اللہ کے رسول!

عبداللہ کا نکاح میں نے ایک شریف گھرانے کی عورت سے کرادیا ہے، اوران پر عبادت کا غلبہ ایسا ہے کہ وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر عبادت کرتے ہیں، بیوی کے حقوق کی ادائیگی کا جو اہتمام ہونا چاہیے وہ نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کردیا، کہ آپ سمجھائیے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے، اس قسم کے معاملات میں باپ براہِ راست بیٹے سے گفتگو نہ کرتے ہوئے دوسرے لوگوں کے ذریعہ اس کی فہمائش کراتا ہے، یہاں بھی ایسا ہوا۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، میں نے آپ کے لیے تکیہ پیش کیا، آپ بیٹھے، پھر میری عبادت کے متعلق پوچھا: الم اخبر انك تقوم الليل وتصوم النهار: عبداللہ! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو اور دن بھر روزہ رکھتے ہو، کیا یہ بات صحیح ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: قلت: بلی کیوں نہیں! بالکل صحیح ہے۔ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: نا، ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو، یعنی کچھ دن روزہ کچھ دن افطار؛ اور رات کو کچھ وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہو کچھ وقت آرام بھی کرو، اور پھر فرمایا: ان لجسدك عليك حقا، ان لعينك عليك حقا، ان لزوجك عليك حقا، إن لزورك عليك حقا کہ تمھارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری ملاقات کے لیے آنے والے تمھارے ملاقاتیوں اور مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے؛ ہر ایک کا حق ادا کرو۔ پھر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ: پوری رات میں قرآن کتنا پڑھتے ہو؟ مقدار پوچھی، مقدار بتلانے پر اس میں کم کرنے کی ترغیب دی۔

گویا عبادت کی وہ کثرت اور مجاہدات کی وہ زیادتی جو دوسروں کے حقوق میں کمی کا سبب بن سکتی ہے، اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، مطلقاً ممانعت مقصود نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کی کثرت کا جو اہتمام فرماتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کسی کی حق تلفی کا کوئی امکان ہی نہیں تھا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ اس لیے جس عارض کی وجہ سے ممانعت تھی وہ عارض یہاں نہیں پایا جاتا۔

کثرتِ عبادت کی ممانعت کی دوسری وجہ

کثرتِ عبادت کی ممانعت کا ایک دوسرا عارض ''عدمِ مداومت'' بھی ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے، وہاں ایک عورت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا کہ: یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا: یہ وہ عورت ہے جس کی عبادت کا بڑا چرچا ہے، پوری رات نماز میں گذار دیتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اتنے عمل کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے اکتاتے نہیں ہیں یہاں تک کہ تم عمل کرنے سے اکتا جاؤ۔ بسا اوقات آدمی جوش اور شوق میں آکر کوئی کام شروع کرتا ہے؛ لیکن ایک مدت کے بعد جب وہ شوق ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو وہ کام جو اس نے شروع کیا تھا اس کا نبھانا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے، اور طبیعت میں اکتاہٹ اور ملال پیدا ہو جاتا ہے، یہ اس کے مزاج میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا جو مقام ہونا چاہیے اس کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں تو اس کا امکان تھا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معرفتِ خداوندی اور محبتِ خداوندی کا جو اعلیٰ مقام حاصل تھا، اس کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں آپ کی طرف سے کسی قسم کی اکتاہٹ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال جن عوارض کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدات اور عبادات کی کثرت سے ممانعت فرمائی، وہ یہاں نہیں پائے جاتے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرتِ عبادت پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اصل مقصود تو انسان کی خلقت اور پیدائش کا یہی عبادت ہے۔

٢٦٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِاللَّيْلِ؟ فَقَالَتْ: كَانَ يَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُومُ، فَإِذَا كَانَ مِنَ السَّحَرِ أَوْتَرَ، ثُمَّ أَتَى فِرَاشَهُ، فَإِنْ كَانَ لَهُ حَاجَةٌ أَلَمَّ بِأَهْلِهِ، فَإِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَ جُنُبًا أَفَاضَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ، وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حضرت اسود ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم

ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا کہ: نبیٔ کریم ﷺ رات کے شروع حصہ میں آرام کرتے تھے، پھر اٹھ جاتے تھے، جب رات کا اخیری حصہ ہوتا تو آپ وتر ادا فرماتے، اور اس کے بعد اپنے بستر پر تشریف لاتے۔ پھر اگر (مجامعت کی) ضرورت ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس آتے۔ پھر جب اذان سنتے تو فوراً اٹھ کھڑے ہوتے، اور اگر جنبی ہوتے تو غسل فرمالیتے؛ ورنہ وضو فرما کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

افادات:

جماع کا بہترین وقت

ثم أتیٰ فراشه: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اپنے اہل کے ساتھ صحبت اور ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی رات کا آخری حصہ زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ شروع رات میں کھانے کی وجہ سے آدمی کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے، اور اطباء فرماتے ہیں کہ: پیٹ بھرے ہوئے ہونے کی حالت میں جماع اور صحبت طبی اعتبار سے مضر ہے، جب سوکر اٹھے گا تو طبیعت میں اعتدال ہوگا، رات کا اخیری حصہ ہوگا تو نہ بہت زیادہ بھوک ہے اور نہ پیٹ بھرا ہوا ہے، بلکہ طبیعت میں اعتدال ہے، نشاط بھی ہوتا ہے، تو وہ وقت زیادہ موزوں ہے۔ یوں تو اپنی ضرورت کسی بھی وقت پوری کرسکتا ہے؛ لیکن مناسب وقت یہ ہے۔

یہ آپ کا عام معمول رات کی عبادت کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلارہی ہیں۔

٢٦٥ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَهِيَ خَالَتُهُ قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِيمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا، فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي ثُمَّ أَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى فَفَتَلَهَا

فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ - قَالَ مَعْنٌ: سِتَّ مَرَّاتٍ - ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ .

ترجمہ: حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بتلایا کہ: انھوں نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رات گذاری، اور وہ اُن کی خالہ ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں تکیہ/ بستر کے چوڑائی والے حصہ میں لیٹا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل تکیہ/ بستر کے لمبائی والے حصہ میں لیٹے اور سو گئے، یہاں تک کہ جب آدھی رات ہوئی یا اس کے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور نیند دور کرنے کے لیے آنکھیں مَلنے لگے، پھر سورۂ آلِ عمران کی آخری دس آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پھر ایک مشکیزے کے پاس - جو لٹکا ہوا تھا - گئے اور اس سے خوب اچھی طرح وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: پھر مَیں بھی آپ کے پہلو کے برابر (نماز کے لیے) کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا داہنا دستِ مبارک میرے سر پر رکھا اور اس کے بعد میرا داہنا کان پکڑ کر مروڑا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں۔ معن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چھ مرتبہ۔ اس کے بعد وتر کی نماز ادا کی۔ وتر پڑھنے کے بعد لیٹ رہے یہاں تک کہ مؤذن آیا، تو آپ اٹھے اور دو مختصر رکعتیں پڑھیں، پھر آپ (مسجد) تشریف لے گئے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کا بیان چل رہا ہے، اسی کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر تقریباً بارہ سال تھی۔ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے۔ اس بچپن میں ان کو یہ شوق ہوا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تہجد کی کتنی رکعتیں کس طرح پڑھتے ہیں؟ ذرا میں دیکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ: آپ اپنی ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین کے یہاں باری باری رات گذارتے تھے، جس رات کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھی اس روز یہ بھی یہ سوچ کر وہاں پہنچ گئے کہ آج یہیں سوؤں گا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی کیفیت دیکھوں گا۔

یہاں یہ روایت مختصر ہے، اور بھی مختلف کتبِ احادیث میں مختلف انداز سے یہ روایت آئی ہے، کہیں کوئی جز زیادہ ہے اور کہیں کچھ کم ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، سنتِ عشاء ادا کی، اور اس کے بعد لیٹے۔ یہاں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔

قال: فاضطجعت في عرض الوسادة: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تکیہ کی لمبائی پر سر رکھ کر قبلے کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تکیہ کی چوڑان پر سر رکھ کر قبلے کی طرف سر کر کے لیٹ گئے۔

یہاں ''وسادۃ'' کا لفظ آیا ہے۔ عام طور پر شراحِ حدیث اس کا ترجمہ ''تکیہ'' ہی سے کرتے ہیں، اور لغت میں بھی لفظ وسادۃ بول کر عام طور پر تکیہ مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن کبھی وسادۃ بول کر بستر یعنی گدا بھی مراد لیتے ہیں، اس صورت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل یعنی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بستر کے لمبائی والے حصہ میں لیٹے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چوں کہ بچے تھے، چھوٹے تھے؛ اس لیے ان کو بستر کے چوڑائی والے حصے میں لٹایا۔ کبھی جگہ کم ہونے کی صورت میں چھوٹے بچہ کو بستر کے اندر چوڑائی والے حصہ میں لٹا دیتے ہیں، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ شریفہ میں جگہ تو زیادہ ہوتی نہیں تھی، اسی وجہ سے قاضی عیاض وغیرہ نے یہی مطلب لیا ہے؛ لیکن عام طور پر شراح تکیہ والا مفہوم مراد لیتے ہیں۔

فنام رسول الله ﷺ: دوسری روایتوں میں ہے کہ: آپ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے تھوڑی بات چیت کی اور اس کے بعد آپ لیٹ گئے۔

حتى اذا انتصف الليل إلخ: گھڑیاں تو تھیں نہیں، اندازہ سے بات کہی جا سکتی ہے؛ اس لیے انھوں نے اندازہ یہ لگایا کہ آدھی رات یا آدھی رات سے کچھ پہلے یا کچھ بعد۔

نیند کے خمار کو دور کرنے کا طریقہ

فجعل يمسح النوم عن وجهه: یعنی اٹھنے کے بعد چوں کہ آنکھوں پر نیند کا خمار ہوتا ہے تو ہاتھ سے آنکھوں پر ملا؛ تا کہ نیند کا خمار دور ہو جائے۔ یہ بھی مسنون ہے، آدمی کو سو کر اٹھنے کے بعد ایسا کر لینا چاہیے۔

ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِيمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ: اس سے مراد سورۂ آل عمران کا آخری رکوع ہے، اس کی گیارہ آیتیں ہیں؛ لیکن اہلِ عرب کے یہاں یہ اصول ہے کہ وہ دہائیوں کو تو گن لیتے ہیں؛ مگر دہائیوں کے اوپر والے عدد (مثلاً گیارہ بارہ) کو چھوڑ دیتے ہیں، یہ آخری رکوع ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ﴿١٩٠﴾﴾ [آل عمران] سے شروع ہو کر اختتامِ سورۃ تک ہے، یہ پورا رکوع نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ: آدمی نیند سے بیدار ہونے کے بعد تھوڑا قرآن پڑھے، اس کے نتیجہ میں طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے، طبیعت فریش ہو جاتی ہے، سستی دور ہو جاتی ہے۔ قرآن کا کوئی بھی حصہ پڑھ سکتا ہے؛ البتہ اگر سورۂ آل عمران کی یہ آخری آیتیں پڑھے تو بہت زیادہ اچھا ہے، اس کو مستحب قرار دیا گیا ہے؛ اگر یہ یاد نہیں تو جو بھی یاد ہے تھوڑا قرآن پڑھے۔ بہر حال آپ نے بیدار ہونے کے بعد بیٹھے بیٹھے وہ آیتیں تلاوت کیں۔

ثم قام الی شن معلق: کمرہ میں پرانا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، اس کو لے کر اس میں سے برتن میں پانی نکالا اور وضو کیا۔

فاحسن وضوئه: یعنی بہت اطمینان کے ساتھ وضو کیا، تمام فرائض، سنن وغیرہ کو اچھی طرح سے ادا کیا، اور ہر ہر عضو کو اچھی طرح مل کر دھویا۔ اس کو عربی میں ''اِسباغ'' کہتے ہیں۔

ثم قام یصلی: دیکھو! اتنے چھوٹے بچے تھے، پھر بھی اپنے آپ پر نیند کو غالب نہیں آنے دیا، برابر بیدار رہے ہوں گے تب ہی تو یہ منظر دیکھا ہوگا، اسی لیے آئے بھی تھے۔ اس سے ان حضرات کے شوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس عمر کے بچہ میں کیا شعور ہو سکتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ شوق عطا فرمایا تھا، یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے عمل کو دیکھنے کے لیے اہتمام فرمایا۔ ویسے اگر کوئی بچہ ہمارے یہاں آیا بھی ہو تو ایسا پڑ کر سو جائے گا کہ صبح دن نکلے تک اس کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کیا ہوا؟ لیکن یہاں ایسا نہیں؛ بلکہ برابر بیدار رہے اور پورا دیکھتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے، کس وقت اٹھے؟ اس کا انھوں نے باقاعدہ اندازہ لگایا، آدھی رات کو یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد میں۔

بہر حال! جب حضور ﷺ نے نماز کی نیت باندھ لی وہاں تک تو یہ پڑے رہے۔

امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو کہاں کھڑا رہے؟

قال عبداللہ بن عباس فقمت الی جنب: دوسری روایتوں میں ہے کہ: باقاعدہ انگڑائی لی جیسے نیند سے اٹھنے والا انگڑائی لیتا ہے، اور پھر انھوں نے اس مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کیا۔ فرماتے ہیں کہ: وضو کر کے مَیں نماز کی نیت باندھ کر نبیٔ کریم ﷺ کے برابر کھڑا ہو گیا۔ اب اتفاق یہ کہ ان کو مسئلہ تو معلوم تھا نہیں، بائیں طرف برابر میں کھڑے ہو گئے، حالاں کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کے دائیں طرف کھڑا رہنا چاہیے۔

فوضع رسول اللہ ﷺ إلخ: اب حضور ﷺ ان کو دائیں طرف لانا چاہتے تھے، چناں چہ دورانِ نماز ہی کھڑے کھڑے حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت عبداللہ کے سر پر رکھا، گویا ان کو احساس ہوا کہ آپ ان سے کچھ کروانا چاہتے ہیں، اور پھر ان کا کان بھی پکڑ کر مروڑا۔ یہ دونوں باتیں اس لیے کی کہ ان کو دائیں طرف لانا تھا، چناں چہ پھر نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے کی طرف سے دائیں طرف لے لیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ: بعد میں وہ کبھی کبھی کھڑے کھڑے اونگھنے لگتے، تو بھی نبیٔ کریم ﷺ ان کی اونگھ دور کرنے کے لیے ان کا کان مروڑتے۔

قال معن: معن اس روایت کے راوی ہیں۔

تہجد کی رکعتوں کی تعداد

ست مرات: دو دو رکعتیں چھ مرتبہ، یعنی کُل ملا کر بارہ رکعتیں ہو جائیں گی۔ چناں چہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ- جو شارحِ شمائل ہیں- فرماتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تہجد کی زیادہ سے زیادہ مقدار بارہ رکعت ہے، اس سے کم بھی پڑھ سکتا ہے۔ ویسے نبیٔ کریم ﷺ کی تہجد کے سلسلے میں مختلف روایتیں یعنی کبھی بارہ کبھی تیرہ اور کبھی آٹھ وارد ہوئی ہیں، تو وہ مختلف اوقات پر محمول کی جائیں گی۔ یعنی وقت میں زیادہ گنجائش ہوئی تو زیادہ پڑھ لی، کم گنجائش ہو تو کم پڑھ لی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ

وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود لمبی قرات کی، کبھی آپ ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، دوسری میں سورۂ آل عمران، تیسری میں سورۂ نساء؛ اس طرح لمبی لمبی سورتیں بھی ایک ایک رکعت میں پڑھیں ہیں، ظاہر ہے اس صورت میں کم رکعت پڑھنے کی نوبت آئی ہوگی۔ تو جیسا موقع اور طبیعت میں جیسا نشاط ہوا اس کے مطابق کم وبیش رکعتیں آپ نے پڑھیں، کوئی تحدید اور تعیین نہیں تھی کہ اتنی ہی رکعتیں پڑھنی چاہیے، اس سے زیادہ یا اس سے کم نہیں پڑھ سکتے، جیسا موقع ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ ویسے اس میں اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ طویل قرات اور طویل رکوع سجدہ ہو۔ بہر حال! عام طور پر نبیٔ کریم ﷺ تہجد میں قرآن کی مقدار زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

ثم اضطجع: بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی اور خرانٹوں کی آواز آنے لگی۔

حتیٰ جاءه المؤذن: جب صبح صادق ہوئی تو مؤذن یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے آکر نماز کے وقت کی اطلاع دی۔

فصلی رکعتین خفیفتین: یہ فجر کی دو سنتیں تھیں۔ آپ نے وضو نہیں فرمایا؛ اس لیے کہ انبیاء کا وضو نیند سے ٹوٹتا نہیں ہے۔

یہاں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی آنکھوں سے نبیٔ کریم ﷺ کی رات کی نماز کی جو کیفیت دیکھی تھی، اسے بیان کرنے کے لیے اس روایت کو لایا گیا۔

٢٦٦ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعت ادا فرماتے تھے۔

افادات: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: ان تیرہ میں سے دس تو تہجد کی تھیں اور تین وتر کی۔ بعض حضرات اس میں فجر کی سنتوں کو بھی شامل کرتے ہیں، تو اس صورت میں تہجد کی آٹھ رکعت اور وتر کی تین، اور دو فجر کی سنتیں؛ اس طرح کُل ملا کر تیرہ ہو جائے گی۔ اس سے ماقبل والی روایت میں گذر چکا کہ نبیٔ کریم ﷺ کی تہجد کی نماز کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی۔

٢٦٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذَلِكَ النَّوْمُ، أَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (تہجد کی) نماز نہ پڑھ پاتے اور نینداس میں رکاوٹ بن جاتی یا آپ پر نیند کا غلبہ ہو جاتا، تو دن میں بارہ رکعت ادا فرماتے تھے۔

افادات:

کوئی معمول چھوٹ جائے تو کیا کرے؟

صَلَّى مِنَ النَّهَارِ: یہ بھی ہمیں شریعت نے طریقہ بتلایا ہے، ایک آدمی تہجد کا پابند ہے، کسی وجہ سے آنکھ نہیں کھلی اور تہجد نہیں پڑھ پایا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو بالکل چھوڑ دیا جائے؛ بلکہ صبح کو سورج نکلنے کے بعد جب مکروہ وقت نکل جائے، وہاں سے لے کر چاشت تک زوال سے پہلے تک میں اتنی رکعتیں جتنی وہ تہجد میں پڑھتا تھا پڑھنی چاہیے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِي جَعَلَ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾﴾[الفرقان] کہ ہم نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا نائب اور ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرنے والا بنایا اُس آدمی کے حق میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہے، اللہ کو یاد کرنا چاہے، یا عبادت کر کے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے۔ اس کی تفسیر میں مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جو لوگ رات یا دن میں مختلف اوقات میں مختلف معمولات کے عادی ہوتے ہیں مثلاً آپ کی عادت رات کو تہجد پڑھنے کی ہے؛ لیکن کسی وجہ سے آپ تہجد کے لیے نہ اٹھ پائے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آنکھ نہیں کھلی تو اب اس کو بالکل چھوڑ دیا جائے؛ بلکہ اب دن میں جو وقت بتلایا گیا ہے اس وقت اتنی رکعتیں پڑھ لیں؛ تاکہ تہجد کی تلافی ہو، اللہ تعالیٰ وہی ثواب اور وہی برکتیں عطا فرمائے گا۔ اسی طرح دن میں آپ کی کچھ عادت ہے، مثلاً دن میں آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، کچھ رکعتیں پڑھتے ہیں، یا تسبیحات کی عادت ہے، کسی وجہ سے آپ تسبیحات نہ پڑھ پائے، کوئی مشغولی آ گئی،

یا اچانک کوئی حادثہ پیش آ گیا جیسے کہیں آگ لگ گئی اس کو بجھانے میں مشغول رہ گئے اور معمول پورا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب اس کو چھوڑ دیا جائے؛ بلکہ اب رات کے وقت اس کو پورا کر لینا چاہیے۔ ہم دنیا کی چیزوں میں ایسا کرتے ہیں؛ لیکن آخرت کی چیزوں میں ایسی سوجھتی نہیں ہے۔ قرآن تو یہ بتلاتا ہے کہ اپنے معمولات اور آخرت سے تعلق رکھنے والے ہمارے اعمال میں بھی اس طرح کا اہتمام ہونا چاہیے۔ رات میں آپ کی عادت تسبیح پڑھ کر سونے کی تھی؛ مگر آنکھ لگ گئی اور وہ تسبیح چھوٹ گئی، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب جانے دو؛ بلکہ اٹھنے کے بعد اُسے پڑھ لینا چاہیے۔ یہی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے امت کو سکھلائی۔

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً: یہاں بھی بارہ رکعت کا تذکرہ ہے، اس سے وہی بات ثابت ہوتی ہے کہ: تہجد کی زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں تھیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

٢٦٨ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ ابْنَ حَسَّانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحْ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی رات کو نماز کے لیے اٹھے تو اپنی نماز دو مختصر رکعتوں سے شروع کرے۔

افادات:

تہجد میں پہلی دو رکعتیں ہلکی پڑھنے کی وجوہات

بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ: یعنی پہلے دو چھوٹی رکعتیں پڑھے، پھر اس کے بعد طویل رکعتوں کا سلسلہ شروع کرے گا۔ اس کی وجہ شراح حدیث نے یہ بتلائی کہ:

(ا) پہلے ہی سے لمبی قرات اور لمبی رکعت شروع کرے گا تو ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے سستی کا شکار ہو جائے؛ لہذا پہلے دو ہلکی رکعت پڑھے گا، تو طبیعت میں نشاط رہے گا، اور طویل رکعت کے لیے وہ مستعد ہو جائے گا۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: دراصل پہلی دو رکعتیں ''تحیۃ الوضوٗ'' کی ہے، اور تحیۃ الوضو کے سلسلہ میں فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ: اس کا مختصر پڑھنا اولیٰ ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کو مختصر پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی معمول تحیۃ الوضو کو مختصر پڑھنے کا تھا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ دراصل حدیث میں آتا ہے کہ آدمی جب سوجاتا ہے تو شیطان اس کی گُدّی کے اوپر منتر پڑھ کر کے سحر کر کے تین گرہیں لگاتا ہے، اور ہر گرہ میں یہ بات ہوتی ہے: عليك ليل طويل فارقد کہ رات بہت لمبی ہے سوئے رہو، اسی کا اثر ہوتا ہے کہ آدمی کی جب آنکھ کھلتی ہے تو اس کی زبان پر یہ جملہ ہوتا ہے کہ: ابھی تو بہت دیر ہے، اور پھر چادر تان کر سوجاتا ہے، یہ شیطان کے اسی منتر اور گرہیں لگانے کا اثر ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آدمی جب آنکھ کھولتا ہے اور کھولنے کے بعد اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پہلی گرہ کھلتی ہے، اس کے بعد جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے، اور پھر جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھلتی ہے۔ تو وضو کرنے کے بعد جب پہلی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی ان رکعتوں میں شیطان کی اس گرہ کا کچھ اثر ہے؛ اس لیے وہ نماز اس اثر سے متأثر ہونے کی وجہ سے مختصر پڑھ لی جائے؛ تاکہ اس نماز سے اثر دور ہوجائے، پھر اس کے بعد کی جو نمازیں ہوں گی وہ شیطان کے اس اثر سے پاک صاف ہوں گی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل بھی -جیسا کہ آگے آرہا ہے- اسی طرح تھا، حالاں کہ آپ کی نماز میں شیطان کے اثر انداز ہونے کا تو احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ لیکن امت کی تعلیم کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملی طور پر اس طرح کی چیزیں اپناتے تھے۔

٢٦٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، ح وَأَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَخْبَرَهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: لَأَرْمُقَنَّ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، قال: فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ، أَوْ فُسْطَاطَهُ، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ، طَوِيلَتَيْنِ، طَوِيلَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى

رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ أَوْتَرَ فَذَلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً .

ترجمہ: حضرت زید ابن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے کہا کہ: میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (تہجد کی) نماز دیکھ کر رہوں گا، چناں چہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ کی چوکھٹ یا خیمہ (کی چوکھٹ) پر سر رکھ کر لیٹ گیا، چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہلکی سی دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں لمبی، بہت لمبی؛ بلکہ بہت زیادہ لمبی پڑھیں، پھر دو رکعتیں ان سے کچھ ہلکی، پھر دو رکعتیں ان سے بھی کچھ ہلکی، پھر دو رکعتیں ان سے بھی ہلکی، پھر دو رکعتیں ان سے بھی ہلکی پڑھیں، پھر وتر پڑھی، اس طرح کل یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

افادات: فتوسدت عتبته او فسطاطه: خیمہ والی روایت کو شراحِ حدیث نے راجح قرار دیا ہے۔ یہ واقعہ دورانِ سفر ہی پیش آیا ہے؛ اس لیے کہ حالتِ قیام میں یعنی مدینۂ منورہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات میں سے کسی نہ کسی کے یہاں شب گذارا کرتے تھے، اور ایسی حالت میں وہاں اُن کا اِس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کر سو جانے کو عقل قبول نہیں کرتی؛ اس لیے لامحالہ یہ واقعہ سفر میں پیش آیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قصہ اوپر گذرا چوں کہ وہ تو گھر کے تھے اور بچے تھے، ان کی خالہ بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین تھیں، اب ان کے لیے تو رات کے معمولات دیکھنا آسان تھا، جب کہ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ گھر کے افراد میں سے نہیں تھے، اجنبی تھے؛ اس لیے ان کے لیے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ شریفہ کی چوکھٹ پر اس طرح سر رکھ کر سو جائیں کہ اندر آپ اپنی ازواج کے ساتھ قیام فرما ہوں؛ اس لیے یہ صورت سفر میں پیش آئی ہے جب کہ آپ تنہا سوئے ہوں گے۔

فصلی رسول اللہ ﷺ رکعتین خفیفتین: جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آیا کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ: رات کو جب کوئی آدمی نماز کے لیے اٹھے تو نماز کی شروعات دو مختصر رکعتوں سے کرے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا معمول یہی تھا؛ اس لیے حسبِ معمول آپ نے دو مختصر رکعتوں سے نماز کی شروعات کی۔

ثم اوتر: اب یہ چھ مرتبہ رکعتین رکعتین آیا، تو بارہ ہوئی اور وتر پڑھی، اور وتر کے ساتھ یہ مجموعی تعداد تیرہ کہتے ہیں، تو جو ائمہ وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں، ان کے نزدیک چھ مرتبہ رکعتین یعنی بارہ اور ایک رکعت وتر کی ملا کر کُل تیرہ کا حساب پورا ہو جاتا ہے، اور اگر تین مان لی جائے تو ان کے حساب سے

پندرہ ہونی چاہیے، اس کے جواب میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: دراصل اس میں دو رکعت - جو تحیۃ الوضوء کی ہے - اگر شمار نہیں کریں گے تو تیرہ کا میزان مکمل ہو جائے گا۔

۲۷۰ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِيَزِيدَ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا لَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا لَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا. قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں (رات کو) کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے خواہ رمضان کا مہینہ ہوتا یا کوئی اَور۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار رکعتیں پڑھتے، ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا! پھر چار رکعتیں اَور پڑھتے، ان کی بھی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا! پھر تین رکعتیں پڑھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں؟ اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں تو سوتی ہیں؛ لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

افادات: عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں، مدینہ کے فقہائے سبعہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟: یعنی رمضان میں کتنی رکعتیں تہجد کی ادا فرماتے تھے؟ دیکھیے! یہاں پر سوال کرنے والے کا مقصد بھی ''قیام اللیل'' کے متعلق تھا، تو دو نمازیں الگ الگ ہیں: ایک تو ہے قیام اللیل، جس کو ''تہجد'' کی نماز سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور دوسری نماز ہے ''قیامِ رمضان''، جس کو ''تراویح'' کہا جاتا ہے۔ یہاں سوال کرنے والے نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قیامِ رمضان یعنی تراویح کے متعلق سوال نہیں کیا تھا؛ بلکہ قیام اللیل کے متعلق یعنی تہجد کے متعلق یعنی وہ نماز جو رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور رمضان کے علاوہ میں بھی پڑھی جاتی ہے، اور ظاہر ہے رمضان

اور رمضان کے علاوہ میں پڑھی جانے والی نماز قیام اللیل یعنی تہجد ہے نہ کہ قیام رمضان یعنی تراویح؛ چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں عبادت کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے؛ اس لیے اس سائل کے دل میں یہ خیال ہوا کہ رمضان میں شاید نمازِ تہجد کی تعداد میں بھی رمضان کی مناسبت سے اضافہ ہو جاتا ہوگا، اس لیے پوچھنے والے کے دل میں یہ خیال آیا، اس کی بنیاد پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انھوں نے سوال کیا۔

فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِيَزِيدَ فِي رَمَضَانَ: چوں کہ سوال اس نماز کے متعلق کیا جا رہا ہے جو رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی، اور وہ ہے قیام اللیل یعنی تہجد۔ وہ نماز جو خصوصیت سے رمضان میں ہی پڑھی جاتی ہے جس کو قیام رمضان اور تراویح کہا جاتا ہے، سوال اس کے متعلق نہیں ہے۔

إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً: یہ بھی ایک عام معمول تھا، ورنہ ابھی جو اوپر حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت آئی وہ بھی قیام اللیل ہی کے سلسلہ میں تھی، اور وہ خود اخیر میں حساب جوڑ کر بتلاتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ رکعت پڑھی، اس سے پہلے ابن عباس کی روایت آئی تھی اس میں بھی تیرہ رکعت کا تذکرہ تھا، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں بھی تیرہ رکعات کا تذکرہ آتا ہے۔ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ: تہجد کی نماز میں جو عام معمول تھا وہ گیارہ رکعت کا تھا، یعنی آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔

فلا تسئل عن حسنهن وطولهن: یعنی بہت لمبی اور عمدہ نماز ہوتی تھی، اتنی لمبی اور عمدہ جو بیان سے باہر ہے۔

آٹھ رکعات تراویح پر استدلال کے جوابات

چوں کہ اس روایت کے ذریعہ بہت سے حضرات تراویح میں آٹھ رکعت کے قائل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) اس روایت میں جس نماز کا تذکرہ آیا ہے وہ تراویح ہے ہی نہیں؛ بلکہ وہ تو تہجد کا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ: پوچھنے والے نے ان سے رات کی نماز کے متعلق پوچھا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: گیارہ رکعتیں، اب سوال یہ ہے کہ: مغرب کی نماز رات کی نماز نہیں ہے کیا؟ اگر یہی گیارہ رکعت والے جملہ سے استدلال کیا جائے تو پھر یہ فرائض کہاں گئے؟ دوسری نمازیں کہاں گئیں؟ اس لیے خالص اس روایت سے استدلال کرنا اور یہ کہنا کہ تراویح کی آٹھ رکعت ہی ہے، جب کہ اس روایت کا تراویح سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اس روایت کا تعلق تو قیام اللیل یعنی تہجد سے ہے، درست نہیں۔

سوال کا منشاء بھی -جیسا کہ بتلایا گیا- یہ ہے کہ چوں کہ رمضان میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں عبادت کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا، اس سے سائل کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید آپ رمضان میں تہجد کی نماز کی تعداد بھی اَور دنوں کے مقابلہ میں بڑھا دیتے ہوں گے، اسی لیے پوچھا، اور اسی کا جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا۔

أتنام قبل ان توتر: یعنی اللہ کے رسول! آپ تہجد پڑھنے کے بعد وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں، اور پھر اٹھ کر آپ وتر پڑھتے ہیں اور نیا وضو بھی نہیں کرتے؟

ان عيني تنامان ولا ينام قلبي: یعنی میرے سونے کی وجہ سے میرے وضو پر کوئی آنچ نہیں آتی؛ اس لیے دیگر لوگوں کے لیے تو یہ حکم ہے کہ نیند اگر گہری ہے -جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے- تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اسی لیے ان کو خواب کی حالت میں جو چیز نظر آتی ہے وہ بھی وحی کے حکم میں ہوتی ہے، کیوں کہ ان کا دل بیدار رہتا ہے، دوسرے لوگوں کے قلوب نیند کی حالت میں غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں، جب کہ نبی کا قلبِ اطہر نیند کی حالت میں غفلت کا شکار نہیں ہوتا؛ البتہ آنکھیں بند ہوتی ہیں۔

٢٧١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ .

٢٧١/١ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، نَحْوَهُ (ح)

وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو گیارہ رکعتیں ادا فرماتے تھے، ان میں سے ایک رکعت وتر ہوتی / ان میں سے ایک رکعت کے ذریعہ طاق بناتے۔ جب آپ اس سے فارغ ہوجاتے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے تھے۔

افادات: يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ: وتر کا لغوی معنیٰ ہے: طاق، یعنی طاق عدد، تین بھی طاق عدد ہے؛ اس لیے اس کو "وتر" کہا جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ: آخر میں ایک رکعت کو دو رکعت سے ملا کر اس دو کو تین کر کے وتر بنا دیتے تھے، طاق بنا دیتے تھے۔

تہجد کے بعد سونے کا حکم

تہجد کے بعد فجر کی دو رکعت پڑھنے سے پہلے یا فجر کی دو رکعت یعنی سنت اور فرض کے درمیان لیٹنے کا کیا حکم ہے؟ تو اہلِ ظاہر اس طرف گئے ہیں کہ: فجر کی دو سنتوں کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹنا واجب اور ضروری ہے، کیوں کہ ترمذی شریف کی روایت میں فليضطجع على يمينه کے الفاظ موجود ہے، جس میں امر کا صیغہ ہے، جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

جمہور وجوب کے قائل نہیں ہیں؛ بلکہ مقصد یہ تھا کہ تہجد کی نماز پڑھنے کے نتیجے میں جو طبیعت میں تعب اور تھکان پیدا ہوئی ہے، اس کو دور کرنے اور طبیعت میں نشاط پیدا کرنے کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتے تھے؛ تاکہ فجر کی جو دو فرض رکعتیں ہیں وہ پورے نشاط کے ساتھ پڑھی جاسکے۔ یہ اس کا فائدہ ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں مختلف ابواب قائم کیے ہیں، اور جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کی ہے وہاں یہ بھی ہے کہ: اگر میں بیدار ہوتی تھی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ بات چیت کرتے تھے؛ ورنہ لیٹ جاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ لیٹنے کا معمول ہمیشہ کا نہیں تھا، کبھی اپنے محبوب کے ساتھ یا جس سے تعلقِ خاطر ہو اس کے ساتھ بات کرنے سے بھی طبیعت کا نشاط عود کر آتا ہے، غرض یہ کہ جو مقصد لیٹنے کا تھا وہ اس سے حاصل تھا؛ اسی لیے بعض مرتبہ بجائے لیٹنے کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بھی اکتفا کرتے تھے، پتہ چلا لیٹنا بہ ذاتِ خود مقصود نہیں ہے۔

٢٧٢ – حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ.

٢٧٢/ ١ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، نَحْوَهُ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔

افادات: حنفیہ کے یہاں ان میں سے چھ تہجد کی تھیں اور تین وتر کی، چناں چہ ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت عبداللہ بن ابوقیس کی سند سے آئی ہے، اس میں اس کی وضاحت اور صراحت موجود ہے۔

٢٧٣ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَبْسٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ الْبَقَرَةَ، ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوعِهِ، وَكَانَ يَقُولُ: لِرَبِّيَ الْحَمْدُ، لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُودُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ، وَكَانَ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَكَانَ مَابَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنَ السُّجُودِ، وَكَانَ يَقُولُ: رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي، حَتَّى قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْأَنْعَامَ، شُعْبَةُ الَّذِي شَكَّ فِي الْمَائِدَةِ وَالْأَنْعَامِ .

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَأَبُو حَمْزَةَ اسْمُهُ: طَلْحَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَأَبُو جَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ اسْمُهُ: نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ .

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کو نماز ادا کی۔ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے آغاز میں یہ دعا پڑھی: الله أكبر إلخ: اللہ بہت بڑا ہے جو بادشاہت، غلبہ، بڑائی اور عظمت والا ہے۔ اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ پڑھی اور رکوع کیا، پس آپ کا رکوع بھی قیام کے

قریب قریب رہا، اور رکوع میں سبحان ربي العظیم، سبحان ربي العظیم پڑھتے رہے، اس کے بعد آپ نے سر اٹھایا تو آپ کا قومہ بھی رکوع کے قریب قریب رہا، اور اس میں لربي الحمد، لربي الحمد پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ کیا، سجدہ بھی قومہ کے قریب قریب رہا، اور آپ سجدہ میں سبحان ربي الأعلیٰ، سبحان ربي الأعلیٰ پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے سر اٹھایا، اور دونوں سجدوں کے درمیان قریب قریب اتنی دیر بیٹھے رہے جتنی دیر سجدہ میں رہے، اور رب اغفرلي، رب اغفرلي پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، اور سورۂ مائدۃ یا سورۂ انعام میں سے ایک پڑھی۔ شعبہ کو سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام میں شک ہے۔

ابو عیسیٰ فرماتے ہیں: ابوحمزہ کا نام طلحہ بن زید ہے اور ابو جمرہ ضبعی کا نام نصر بن عمران ہے۔

افادات: أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ: بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ رمضان کی رات کا ہے۔

رکوع قیام کے برابر ہونے کا مطلب

فکان رکوعه نحوا من قیامه: اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ایک مطلب تو یہ کہ جتنا لمبا قیام تھا رکوع بھی اتنا لمبا تھا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جیسے قیام عام معمول سے زیادہ تھا، کہ آپ نے قیام میں سورۂ بقرہ پڑھی اور اس کی وجہ سے وہ طویل ہو گیا تھا، تو آپ کا رکوع بھی عام نمازوں کے مقابلہ میں لمبا اور طویل تھا؛ مگر اس صورت میں رکوع کا قیام کے برابر لمبا ہونا ضروری نہیں، ہاں! یہ ہے کہ قیام بھی عام معمول سے زیادہ تھا تو رکوع بھی عام معمول سے زیادہ تھا۔

وکان یقول سبحان ربي العظیم: ظاہر ہے قیام جتنا یا اس کی مناسبت سے طویل رکوع کیا تو کتنا لمبا رکوع ہوا ہوگا، اس میں یہی تسبیح نبیٔ کریم ﷺ دہراتے رہے۔

فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوعِهِ: یہاں بھی وہی دونوں مطلب بیان کیے گئے ہیں کہ وہ یا تو اتنا ہی لمبا تھا یا یہ کہ عام معمول کے مقابلہ میں زیادہ لمبا تھا۔

حَتَّى قَرَأَ الْبَقَرَةَ: چار رکعتوں میں چار سورتیں پڑھیں: پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ، دوسری میں

سورۂ آل عمران، تیسری میں سورۂ نساء، اور چوتھی میں سورۂ مائدہ یا انعام میں سے ایک۔ شعبہ- جو اس روایت کے راویوں میں سے ایک ہیں- کو تردد ہو گیا کہ سورۂ مائدہ ہے یا انعام ہے۔

اس روایت سے تو بہ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر رکعت میں الگ الگ سورۃ پڑھی؛ مگر مسلم شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء ایک ہی رکعت میں آپ نے پڑھی۔ ہوسکتا ہے یہ دونوں الگ الگ قصے ہوں۔

٢٧٤ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْعَبْدِيِّ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِآيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَيْلَةً.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پوری رات قرآن کی ایک ہی آیت پڑھتے رہے۔

افادات: بِآيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ: وہ آیت یہ ہے: ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾﴾ [المائدة] یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمات ہیں، جو انھوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیے تھے کہ: اے اللہ! تو اپنے ان بندوں کو عذاب دے تو تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تُو طاقت والا اور حکمت والا ہے۔

ایک ہی آیت پوری رات پڑھنے کی حکمت

بہر حال! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پوری رات اسی ایک آیت کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یعنی قیام میں بھی، رکوع میں بھی، سجدہ میں بھی پڑھتے رہے؛ کیوں کہ اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل اور صفتِ مغفرت دونوں کو جمع کیا گیا ہے، اسی کا استحضار کرتے ہوئے اسے دہراتے رہے۔

قیامت کا سارا منظر ان ہی دو صفتوں پر منحصر ہے: صفتِ عدل اور صفتِ مغفرت۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے کہ: ایک مرتبہ پوری رات ایک ہی آیت ﴿وَٱمْتَٰزُوا۟ ٱلْيَوْمَ أَيُّهَا ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾﴾ [یس] پڑھتے رہے۔

۲۷۵ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: صَلَّيْتُ لَيْلَةً مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سُوءٍ، قِيلَ لَهُ: وَمَا هَمَمْتَ بِهِ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَدَعَ النَّبِيَّ ﷺ .

۱/۲۷۵ - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، نَحْوَهُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رات کو ایک مرتبہ نماز پڑھی، آپ نے اتنا لمبا قیام کیا کہ میرے دل میں ایک غلط خیال پیدا ہوگیا، پوچھا گیا: وہ غلط خیال کیا تھا؟ تو آپ نے بتایا کہ: میں نے سوچا کہ بیٹھ جاؤں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دوں۔

افادات:

غلط خیال کا کیا مطلب؟

حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سُوءٍ: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) ایک مطلب یہ کہ میں بیٹھ کر نماز پڑھوں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے رہیں، یہ بھی ایک طرح کی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے ادبی ہے؛ اس لیے اس کو أمرِ سوء (بُرا اِرادہ، غلط خیال) سے تعبیر کیا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جاؤں یعنی نماز ہی چھوڑ دوں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بے ادبی پائی جاتی ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کتنا طویل قیام ہوگا! کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا آدمی بھی تھک ہار کر یہ سوچنے لگا کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ دوں۔

۲۷۶ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُ مَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، قَامَ فَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، اور بیٹھ کر ہی قراءت کرتے تھے، اور جب قرات میں تیس یا چالیس آیتوں کے بقدر قراءت کرنی باقی رہ جاتی تو کھڑے ہوکر قراءت پڑھتے، پھر رکوع سجدہ کرتے، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح کرتے۔

افادات: يُصَلِّي جَالِسًا: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری زندگی میں کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نمازیں پڑھتے تھے، اور قرات اسی طرح بیٹھ کر دیر تک کرتے تھے۔

فإذا بقي من قراءته: یعنی جتنی قرات آپ کرنا چاہتے تھے اس میں بڑا حصہ بیٹھ کر پڑھنے کے بعد اس قرات میں سے جب تیس یا چالیس آیت کے بہ قدر حصہ باقی رہ جاتا، تو آپ کھڑے ہوجاتے، اور اتنا حصہ کھڑے رہ کر پڑھتے۔

بہ وقتِ عذر قیام کی بنا قعود پر کرنا جائز ہے

ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ: یعنی دیر تک بیٹھ کر قرات کرتے رہتے، پھر جب تیس یا چالیس آیتوں کے بقدر باقی رہ جاتا تو اٹھ کر کھڑے ہوکر پڑھتے، پھر رکوع سجدہ کر کے سلام پھیرتے۔ بعض حضرات نے اس طرح (یعنی بیٹھ کر شروع کرے اور پھر درمیان میں کھڑا ہو) پڑھنے کو ناجائز لکھا ہے؛ لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک کمزوری یا کسی اَور عذر کی وجہ سے کوئی آدمی ایسا کرے، تو اس کی اجازت ہے۔

٢٧٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَنْ تَطَوُّعِهِ، فَقَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا، وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا، فَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ، وَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفل نماز کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے فرمایا کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی رات / رات کے ایک حصے میں دیر تک کھڑے ہوکر نماز پڑھتے اور کسی رات / رات کے ایک حصے میں دیر تک بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ جب آپ کھڑے ہوکر

قرات کرتے تھے تو رکوع اور سجدہ بھی کھڑے کھڑے کرتے، اور جب آپ بیٹھ کر قراءت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر کرتے۔

افادات: كَانَ يُصَلِّي لَيْلًا إلخ: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) ایک مطلب تو یہ ہے کہ ایک ہی رات میں ایک بڑے حصہ تک کھڑے ہو کر اور پھر بڑا طویل حصہ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، یعنی ایک ہی رات میں یہ دونوں صورتیں پیش آتی تھیں۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ: مختلف راتوں میں؛ کسی رات میں تو طویل حصہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے، کسی رات میں بیٹھ کر دیر تک نمازیں پڑھتے تھے۔ اس دوسرے مطلب کو شراحِ حدیث نے راجح قرار دیا ہے۔

فإذا قرأ وهو قائم إلخ: گذشتہ روایت میں آیا تھا کہ آپ بیٹھ کر شروع کرتے، اور تیس چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہوتے، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، تو علما نے ان دونوں کو دو الگ الگ حالتوں پر محمول کیا ہے، یعنی یہ الگ الگ زمانے کے واقعات ہیں۔ چوں کہ نوافل کی بنیاد طبیعت کے نشاط پر ہے، آدمی کمزوری کے زمانے میں بیٹھ کر اطمینان سے پڑھ سکتا ہے، کھڑے ہو کر پڑھنا دشوار ہوتا ہے، اور صحت کے زمانے میں کھڑے ہو کر آسانی سے پڑھ سکتا ہے، تو طبیعت میں جیسا نشاط اور جیسی رغبت ہوئی: کھڑے ہو کر پڑھنے کی تو کھڑے ہو کر، بیٹھ کر پڑھنے کی ہوئی تو بیٹھ کر۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ بیٹھ کر شروع کیا پھر کھڑے ہو کر پورا کیا جیسا کہ گذشتہ روایت میں آیا۔

پھر گذشتہ روایت والی جو شکل تھی اس کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ: آپ نے ایسا اس لیے کر کے دکھایا؛ تاکہ امت کو اس طرح کرنے کا جواز معلوم ہو جائے۔

٢٧٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا مَعْنٌ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ، عَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا وَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتَّى تَكُونَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا .

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے، اور سورۃ پڑھتے

تو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے کہ وہ لمبی سے لمبی ہو جاتی۔

افادات: چوں کہ جب کوئی آدمی مختصر سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے گا، تو وہ دوسری طویل سورۃ کے مقابلے میں لمبی معلوم ہوتی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رات کی قرات میں ترتیل کا بھی یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔ خود قرآن میں سورۂ مزمل میں رات کی نماز میں اسی طرح پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

٢٧٩ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَمُتْ حَتَّى كَانَ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ وَهُوَ جَالِسٌ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: وفات کے قریبی زمانے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل اکثر بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

افادات: چوں کہ ضعف ہو گیا تھا، کمزوری ہو گئی تھی۔ ویسے حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی پورا ثواب ملتا ہے۔ امت کے لیے تو یہ ہے کہ اگر کوئی امتی بلا عذر نفل نماز بیٹھ کر پڑھے گا تو ہو تو جائے گی؛ لیکن آدھا ثواب ملے گا، جب کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں بھی پورا ثواب ملتا تھا۔

٢٨٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، اور مغرب کے بعد آپ کے گھر میں دو رکعتیں، اور عشاء کے بعد بھی آپ کے گھر میں دو رکعتیں۔

افادات: اس روایت میں سننِ رواتب کو بیان کیا ہے، سننِ رواتب یعنی پنج وقتہ فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں جو سنن مشروع قرار دی گئی ہیں، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو ادا فرماتے تھے،

ان کواس روایت کے ذریعہ سے پیش کرنا اور بیان کرنا چاہتے ہیں۔

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ رَكْعَتَيْنِ: ساتھ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے بھی پڑھی اور انھوں نے بھی پڑھی، ایسانہیں کہ آپ ﷺ کی اقتداء میں جماعت کے ساتھ پڑھی؛ اس لیے کہ کسی بھی روایت میں سننِ رواتب کا جماعت کے ساتھ پڑھنا آیا نہیں ہے؛ اس لیے یہاں ساتھ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بھی پڑھی اور میں نے بھی پڑھی؛ آپ کے ساتھ میں نے بھی اس کو ادا فرمایا۔

ظہر سے پہلے چار رکعت مسنون ہے یا دو رکعت؟

یہاں اس موقع پر ان روایتوں کا تذکرہ ضروری ہے جس میں آیا ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو دن رات میں بارہ رکعتوں پر پابندی رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کئی روایتوں میں آیا ہے، اور ان بارہ رکعات کی تفصیل امہات المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کی بخاری وغیرہ کی روایتوں میں بھی ہے، ان کی روایتوں میں بھی اور ان کے علاوہ کی روایتوں میں بھی ظہر سے پہلے چار رکعتوں کا تذکرہ ہے، بقیہ وہی سنن ہیں جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان کی جارہی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں ظہر سے پہلے دو رکعت کا تذکرہ ہے، جب کہ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ روایتوں میں نبیٔ کریم ﷺ کا ظہر سے پہلے چار رکعت ادا فرمانا منقول ہے؛ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ ظہر سے پہلے کبھی چار رکعت ترک نہیں فرماتے تھے۔ نیز مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ: جب نبیٔ کریم ﷺ ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد تشریف لے جاتے تھے، تو اس سے پہلے میرے گھر میں چار رکعت ادا فرماتے تھے۔ ایک اَور روایت میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص ظہر سے پہلے ایک سلام سے چار رکعت پڑھے اس کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، یعنی بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ بہت ساری قولی اور فعلی روایتوں میں ظہر سے پہلے چار رکعت کا

تذکرہ موجود ہے؛اس لیے حنفیہ کے یہاں ظہر سے پہلے چار رکعت کوسنت مؤکدہ قرار دیا گیا ہے۔
حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا منقول ہے تو اس سلسلہ میں حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے دو باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) ایک جواب تو یہ ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دو رکعت پڑھی تو ظاہر ہے کہ وہ مسجد میں پڑھی، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی سنتیں تو گھر میں چار رکعت ادا فرما کر مسجد میں تشریف لاتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے حوالہ سے ابھی گذرا، تو مسجد میں آ کر جو دو رکعت پڑھی گئی وہ دراصل ''سنتِ مؤکدہ'' نہیں تھی؛ بلکہ وہ ''تحیۃ المسجد'' تھی۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ: کبھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت کی تنگی کے پیشِ نظر بجائے چار رکعت کے دو پر اکتفا کیا۔

ورکعتین بعدھا: اس روایت میں ظہر کے بعد دو رکعتوں کا تذکرہ آیا ہے، اور دوسری تمام روایتوں میں بھی ظہر کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو رکعت ادا فرمانا منقول ہے؛ بلکہ ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک تفصیلی روایت ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے میرے گھر میں چار رکعت ادا فرماتے تھے، اور اس کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، اور نماز پڑھانے کے بعد جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو دو رکعت میرے گھر میں ادا فرماتے تھے، اور مغرب کے بعد جب نماز پڑھا کر میرے گھر تشریف لاتے تھے تو دو رکعت میرے گھر میں ادا فرماتے تھے، اور عشاء کے بعد بھی جب نماز پڑھا کر میرے گھر میں تشریف لاتے تھے تو دو رکعت ادا فرماتے تھے، اور صبح صادق کے بعد دو رکعت پڑھ کر نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس روایت میں پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بارہ رکعت کی وہی ترتیب بیان کر رہی ہیں جسے حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔

اس روایت میں فجر سے پہلے کی دو رکعت کا تذکرہ نہیں ہے؛ مگر دوسری روایت میں آگے آ رہا ہے جس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ: میری بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتلایا کہ:

صبح صادق کے بعد جب مؤذن اذان دیتا تو اُس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں دو رکعت ادا فرماتے تھے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں دس کا تذکرہ ہے، اور حضرت عائشہ، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کی روایتوں اور دیگر روایتوں میں ظہر سے پہلے بجائے دو کے چار کا ثبوت ہونے کی وجہ سے دس کے بہ جائے بارہ ہو جائے گی۔

۴۸۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ.

۴۸۱ م - قَالَ ابنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: وَأَخبَرَتْنِيْ حَفْصَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَيُنَادِي الْمُنَادِي. قَالَ أَيُّوبُ: أَرَاهُ قَالَ: خَفِيفَتَيْنِ .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں، اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، اور مغرب کے بعد آپ کے گھر میں دو رکعتیں، اور عشاء کے بعد بھی آپ کے گھر میں دو رکعتیں۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میری بہن حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتلایا: جب صبح صادق طلوع ہوتی اور اذان دینے والا اذان دیتا، اس وقت آپ دو رکعت ادا فرماتے تھے۔ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میرا خیال ہے کہ راوی (یعنی نافع) نے یہ بھی فرمایا کہ: یہ دو رکعتیں ہلکی ہوا کرتی تھیں۔

افادات: وہی سند ہے جو اوپر گذری، اسی سند کے ساتھ دوبارہ یہ روایت لائے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر والی روایت میں فجر سے پہلے پڑھی جانے والی دو رکعتوں کا تذکرہ نہیں تھا جو اس روایت میں موجود ہے۔

اخبرتنی حفصة: چوں کہ صبح کا وقت عام طور پر حاضری کا وقت نہیں ہے، کہ آپ کے پاس صحابہ آتے ہوں؛ اس لیے ابن عمر کو اس کا پتہ نہیں تھا؛ البتہ گھر والے اس کو اچھی طرح جان سکتے ہیں؛ اس لیے گھر ہی کے حوالہ سے بیان فرمایا۔

قال أیوب اراہ قال خفیفتین: اس روایت کے راوی حضرت ایوب سختیانی اس روایت کو نافع

-جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام اوران کے خاص شاگرد ہیں- سے نقل کرتے ہوئے یوں بھی فرماتے ہیں کہ: نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی وہ دو رکعتیں بہت ہلکی یعنی بہت مختصر ادا کرتے تھے۔ چناں چہ علما نے لکھا ہے کہ: فجر کی دو سنتیں مختصر ادا کی جانی چاہیے۔

فجر کی سنتوں میں کیا پڑھنا چاہیے؟

مسلم کی روایت میں ان دو رکعتوں میں سے پہلی میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا آیا ہے، اگر چہ دوسری روایتوں میں دوسری سورتوں کا بھی تذکرہ آیا ہے؛ لیکن زیادہ تر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی سنتوں میں ان ہی دو سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔

۲۸۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ، عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ .

۲۸۲ م - قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا بِرَكْعَتَيِ الْغَدَاةِ، وَلَمْ أَكُنْ أَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ .

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھ رکعتیں یاد ہیں: ظہر سے پہلے دو رکعت، اُس کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، اور عشاء کے بعد دو رکعت۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میری بہن حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھے صبح کی دو رکعتیں بھی بتلائی؛ البتہ مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

افادات: ولم أكن أراهما من النبي ﷺ: جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ وہ وقت حاضری کا نہیں تھا کہ یہ دیکھتے، البتہ گھر کے لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ابن عمر ہی کی بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جن میں وہ یوں فرماتے ہیں کہ: انھوں نے دیکھا، اور یہاں کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔ ان دونوں قسموں کی روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ: جس وقت ان کی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتلایا کہ: فجر کے وقت بھی آپ دو رکعت پڑھتے تھے، اس وقت تک

ان کو معلوم نہیں تھا اور دیکھا بھی نہیں تھا، بعد میں انھوں نے موقع نکال کر دیکھنے کی کوشش کی، جس کے نتیجہ میں ان کو دیکھنے کا موقع بھی ملا؛ اس لیے بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ: میں نے دیکھا۔

سنن فجر کی تاکید

فجر کی دو رکعتیں تمام سننِ موکدہ میں سب سے زیادہ موکد قرار دی گئی ہیں، یہاں تک کہ سفر میں بھی اس کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ زبانی طور بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی، چناں چہ فرماتے ہیں کہ: تم اس نماز کو ادا کرو چاہے تم کو گھوڑے روند ڈالے۔ بہر حال! فجر کی سنتیں دیگر تمام سننِ موکدہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ موکد ہے۔

۲۸۳ – حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنْ صَلاَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ ثِنْتَيْنِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے متعلق پوچھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے دو رکعت ادا فرماتے تھے اور اس کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت، اور فجر سے پہلے دو رکعت۔

افادات: پہلے بھی اس روایت کا ایک حصہ آچکا ہے کہ: آپ نمازوں میں جہراً قراءت کرتے تھے یا سراً؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: نوافل میں دونوں طریقہ سے۔ اُس وقت انھوں نے عرض کیا تھا: اللہ نے آسانی کردی، ہر ایک کی گنجائش نکل آئی۔ یہ روایت اسی کا ایک حصہ ہے، اس میں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان نمازوں کے متعلق استفسار کیا جو آپ فرائض کے آگے پیچھے ادا فرماتے تھے، یعنی سننِ رواتب کے متعلق پوچھا۔

كان يصلي قبل الظهر ركعتين: یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت میں دو کا تذکرہ ہے؛ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت بخاری اور مسلم میں ہے، وہاں چار کا تذکرہ ہے۔ ایسے تو

اس میں دس ہوتی ہے؛مگر جیسا کہ بتلایا کہ سننِ مؤکدہ کل بارہ رکعتیں ہیں،ان کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، اوراس کی خصوصی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے-جیسا کہ پہلے بھی گذرا- کہ جو آدمی ان بارہ رکعتوں پر اہتمام اور مداومت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مکان بناتے ہیں۔

٢٨٤- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ ضَمْرَةَ يَقُولُ: سَأَلْنَا عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ النَّهَارِ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَا تُطِيقُونَ ذَلِكَ قَالَ: قُلْنَا: مَنْ أَطَاقَ مِنَّا ذَلِكَ صَلَّى، فَقَالَ: كَانَ إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَإِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلَّى أَرْبَعًا، وَيُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا، يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ .

ترجمہ:حضرت عاصم ابن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دن کی نماز کے متعلق پوچھا،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:تم میں اس کی طاقت نہیں ہے،تو اس پر عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا:جس میں طاقت ہوگی وہ پڑھے گا،اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:(صبح کے وقت) جب آفتاب آسمان پر اِس طرف (مشرق میں) اُس طرح ہوجاتا جیسے کہ عصر کے وقت اُس طرف (مغرب میں) ہوتا ہے،تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعت پڑھتے تھے۔اور جب سورج اِس طرف (مشرق میں) اس طرح ہوجاتا جیسے اُس طرف (مغرب میں) ظہر کے وقت ہوتا ہے تو چار رکعات پڑھتے۔اور ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے، اس کے بعد دو رکعت،اور عصر سے پہلے چار رکعت۔ ہر دو رکعت کے درمیان مقرب فرشتوں،انبیاء اور مؤمنوں اور مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے،اُن پر سلام پھیر کر فصل کرتے/ ان پر سلام بھیجتے تھے۔

افادات: عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ النَّهَارِ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رات کی نفل نماز کا ان کو علم ہوگا؛ کیوں کہ اس کا تذکرہ بہت ساری روایتوں میں آیا ہے۔

فقال انکم لا تطیقون ذلك: یعنی تم سے نہیں ہوگا،تم ان کو پڑھ نہیں پاؤ گے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس اہتمام وانتظام سے اور جس خشوع وخضوع سے اس کو پڑھتے تھے،تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

قَالَ: فَقُلْنَا: مَنْ أَطَاقَ ذَلِكَ إلخ: یعنی آپ بتلانے سے کیوں منع فرماتے ہیں، بتلا دیجیے، جس میں طاقت نہیں ہوگی وہ یاد رکھے گا اور کوشش کرے گا، دوسروں کو بتلائے گا، دوسرے پڑھیں گے، یہ خود بھی تمنا رکھے گا اور آئندہ کوشش کرے گا۔

فقال كان اذا كانت الشمس إلخ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: دیکھو! عصر کے وقت سورج جانبِ مغرب میں جتنا اونچا ہوتا ہے یعنی عصر کے وقت سورج غروب کے قریب پہنچتا ہے، تو جتنا اونچائی پر عصر کے وقت ہوتا ہے اتنی اونچائی پر فجر کے وقت جانب مشرق میں ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعت پڑھتے تھے۔ مطلب ''اشراق کی نماز'' پڑھتے۔ اس کا مفصل تذکرہ آگے آئے گا۔

واذا كانت الشمس ههنا كهيئتها إلخ: اور پھر جب جانب مشرق میں اتنی اونچائی پر ہوتا جتنا زوال کے بعد جانب مغرب میں ہوتا ہے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار رکعت ادا فرماتے تھے۔ مراد ''چاشت کی نماز'' ہے، اس کا بھی مفصل تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

ويصلي قبل الظهر اربعا: بعضوں نے اس کو ''فیٔ زوال'' کی نفل نماز بتلائی ہے، یعنی سورج ڈھلنے کے بعد کی نماز، سورج نکلنے کی ''نماز اشراق'' کہلاتی ہے، اور اونچے چڑھنے کی نماز ''چاشت'' کہلاتی ہے، اِس طرح ڈھلنے کے بعد جو پڑھی جائے گی اس کو ''فیٔ زوال'' کہا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے اسے ظہر سے پہلے کی چار رکعت بتلائی ہے، یہ اس چار کے علاوہ ہوتی تھیں جو زوال کے بعد پڑھی جاتی، وہ تو نفل تھیں اور یہ ظہر سے پہلے پڑھی جانے والی سنت مؤکدہ ہے۔

عصر سے پہلے کتنی رکعتیں سنت ہیں؟

وقبل العصر اربعا: عصر سے پہلے کی چار رکعت سنتِ مؤکدہ نہیں ہیں۔ اس میں دونوں قسم کی روایتیں منقول ہیں یعنی عصر سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چار رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے اور دو رکعت بھی؛ اس لیے فقہا نے گنجائش دی ہے کہ چاہے چار پڑھے چاہے دو۔

يفصل بين كل ركعتين بالتسليم إلخ: عصر سے پہلے پڑھی جانے والی چار رکعت میں دو رکعت کے بعد آپ مقرب فرشتوں، نبیوں اور ان کے متبع اہلِ ایمان اور اہل اسلام پر سلام بھیجتے تھے۔

یہاں پرسلام بھیجنے کے دومطلب بیان کیے گئے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ سلام ہی پھیر دیتے تھے۔گو یا یہ چار رکعت دودو کر کے ادا فرماتے۔

(۲) بعضوں نے کہا: یہاں تسلیم علی الملائکۃ المقربین سے مراد تشہد ہے: السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اس میں اللہ کے سب بندے شامل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ تشہد کی روایت میں آتا ہے کہ: جب بندہ یہ پڑھتا ہے تو جتنے بھی اللہ کے نیک بندے ہیں، چاہے انسان ہوں یا فرشتہ؛ سب تک یہ سلام پہنچ جاتا ہے۔

٤٢ - بَابُ صَلَاةِ النبي ﷺ الضُّحَى

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاشت کی نماز کا بیان

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کا تذکرہ چل رہا ہے، اسی کے ضمن میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہجد کی نماز، سننِ رواتب اور دن میں پڑھے جانے والے نوافل کو بیان کیا گیا تھا، اسی سلسلہ کا یہ عنوان ہے: چاشت کی نماز کا بیان۔

اشراق اور چاشت دو الگ الگ نمازیں ہیں یا ایک؟

دن چڑھنے پر جو وقت ہوتا ہے، اس کو عربی میں ''ضحوی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ چاشت اور اشراق کی نماز الگ الگ ہیں یا ایک ہی ہیں؟ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ حضرات محدثین اور فقہاء کے یہاں تو اشراق اور چاشت کوئی الگ الگ نمازیں نہیں ہیں؛ بلکہ سورج نکلنے کے بعد جب وقتِ مکروہ ختم ہوجائے، یعنی سورج کی سرخی ختم ہوکر اس میں سفیدی آجائے اس وقت سے لے کر زوال سے پہلے تک (کیوں کہ زوال پر تو وقت مکروہ شروع ہوتا ہے) کا جو وقت ہے، اس میں جو نفل نماز پڑھی جائے گی - چاہے آپ شروع میں پڑھیں یا دن چڑھنے کے بعد پڑھیں - اس کو ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز سے یاد کیا جاتا ہے، اشراق کی کوئی الگ نماز فقہاء اور محدثین کے یہاں ثابت نہیں۔ البتہ صوفیہ کے یہاں یہ

دوالگ الگ نمازیں ہیں، یعنی مذکورہ وقت (طلوعِ آفتاب کے بعد وقتِ مکروہ کے ختم ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک) کو دوحصوں میں تقسیم کردیا جائے، پہلے نصف میں جو پڑھی جائے گی اس کو حضرات صوفیہ کے یہاں ''اشراق'' سے تعبیر کرتے ہیں، اور دوسرے نصف میں پڑھی جانے والی کو ''چاشت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرات صوفیہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جو اس سے پہلے گذر چکی ہے کہ ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دن کی نوافل کے متعلق پوچھا گیا تھا، تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ: تم سے نہیں ہوسکے گا، تمھاری طاقت نہیں ہے، اس پر پوچھنے والے نے عرض کیا تھا کہ بتلا تو دیجیے! جو کرسکے گا وہ کرے گا، نہیں تو کوشش کرے گا، دوسروں کو بتلائے گا، اس پر انھوں نے کہا تھا کہ: صبح سورج جب اتنی اونچائی پر آجائے جتنا شام کو عصر کے وقت جانب مغرب میں ہوتا ہے اُس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے، اور صبح کو سورج جب اتنی اونچائی پر جائے جتنا زوال کے بعد ظہر کے وقت ہوتا ہے، تو آپ نماز ادا فرماتے تھے۔ دیکھیے! اس روایت میں دو نمازوں کا تذکرہ ہے۔ حضراتِ صوفیہ اسی روایت کو سامنے رکھ کر اشراق اور چاشت دونوں کو الگ الگ نوافل قرار دیتے ہیں؛ مگر فقہاء اور محدثین تو چوں کہ دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں؛ اس لیے آپ صبح جلد پڑھیں یا دیر سے پڑھیں، آپ ساڑھے سات بجے پڑھیں یا ساڑھے دس- گیارہ بجے پڑھیں، وہ ایک ہی چیز ہے۔

چاشت کی نماز کا حکم

چاشت کی نماز کے حکم کے سلسلے میں شراحِ حدیث نے آٹھ (۸) اقوال نقل کیے ہیں، حضرات حنفیہ کے یہاں چاشت کی نماز مستحب کا درجہ رکھتی ہے، اور انیس (۱۹) حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے چاشت کی نماز کی روایتیں نقل کی گئی ہیں اور ان کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا روایتوں میں آیا ہے۔

نمازِ چاشت کی تعداد

نمازِ چاشت کی مقدار کتنی ہے؟ جیسے عام نفل نماز کی کم سے کم مقدار دو رکعت ہے، تو دو رکعت سے

بارہ رکعت تک آدمی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے بارہ رکعات تک پڑھی ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: عملی طور پر تو آپ نے آٹھ پڑھی ہے؛ البتہ زبانی طور پر ترغیب بارہ کی بھی دی ہے، گویا بارہ تک کا ثبوت ہے۔ جیسا موقع ہو آدمی اس کو ادا کرسکتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، آدمی جب صحیح سلامت صبح کرتا ہے تو گویا اس کے ہر جوڑ نے صحت وسلامتی کے ساتھ صبح کی، اس پر واجب ہوتا ہے کہ ہر جوڑ کی سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: سبحان اللہ کہنا بھی شکر ہے، الحمد للہ کہنا بھی شکر ہے، دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانا بھی شکرانہ میں داخل ہے، اور چاشت کی دو رکعت ان سب کی طرف سے کافی ہو جائے گی۔ بہر حال چاشت کی نماز کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرات صوفیہ کے یہاں اس کو بڑے اہتمام سے ادا کیا جاتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

روزی کی وسعت کے سلسلہ میں بھی بہت سے لوگ اس کو مؤثر سمجھتے ہیں، لوگ کوئی نہ کوئی وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں، چوں کہ یہ مسنون چیز ہے اور حضور ﷺ سے ثابت ہے، اس لیے پڑھنے میں حرج نہیں؛ مگر یہ نماز روزی کے لیے ہے ایسا کسی حدیث میں نہیں آیا ہے، ہاں! تجربہ ہے، جیسے دیگر وظیفے لوگ تجربے کی بنیاد پر پڑھتے ہیں، ویسے ہی اس پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔ نفسِ نماز کا بحیثیت نماز کے ثبوت ہے؛ لیکن اس سے روزی میں وسعت ہونا ثابت نہیں۔

۲۸۵ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيدَ الرِّشْكِ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللَّهُ.

ترجمہ: حضرت معاذہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبیٔ کریم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: جی! چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی اس سے زیادہ جس قدر اللہ کی مرضی ہوتی۔

افادات: مُعَاذَةَ: یہ تابعیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شاگردہ ہیں۔

وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: یعنی کبھی اس میں اضافہ بھی کرتے تھے، عموماً تو چار رکعت ہوتی تھی، کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے۔

٢٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا حَكِيمُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الزِّيَادِيُّ، حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عُبَيْدِاللهِ بْنِ الرَّبِيعِ الزِّيَادِيُّ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الضُّحَى سِتَّ رَكَعَاتٍ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کی نماز چھ رکعت پڑھتے تھے۔

افادات: مختلف اوقات میں مختلف تعداد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، کبھی چار (جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت گذری) کبھی چھ (جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے) اور کبھی آٹھ (جیسا کہ آگے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت آرہی ہے) تو جیسا جیسا موقع ہوتا اس کے مطابق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا فرماتے تھے۔

٢٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: مَا أَخْبَرَنِي أَحَدٌ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى إِلَّا أُمَّ هَانِئٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَإِنَّهَا حَدَّثَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مَا رَأَيْتُهُ ﷺ صَلَّى صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ .

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی نے مجھے یہ بات نہیں بتلائی کہ انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ انھوں نے بتلایا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن اُن کے گھر پر تشریف لائے، اور غسل فرمایا، پھر آٹھ رکعتیں نفل ادا فرمائیں۔ مَیں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ اس سے بھی ہلکی نماز کبھی پڑھی ہو؛ البتہ رکوع سجدے مکمل ادا فرمارہے تھے۔

افادات: عَبْد الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى: یہ تابعین میں سے ہیں، اور خاندان اور قبیلے کے اعتبار سے ''انصاری'' ہیں۔

مَا أَخْبَرَنِي أَحَدٌ: دیکھیے! ابھی بتلایا گیا کہ انیس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے چاشت کی نماز کی روایتیں ہیں، ہوسکتا ہے حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی جن جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہوئی، اورجن سے انھوں نے اس سلسلہ میں پوچھا، ان کو سوائے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے کسی اَور نے بتلایا نہ ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے صحابہ کو اس کا علم نہیں تھا، یا وہ اس کو روایت نہیں کرتے۔

أُمُّ هَانِئٍ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں۔

دخل بيتها يوم فتح مكة: جس وقت آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر مکہ کو فتح کرنے کے لیے آئے تھے، تو مکہ میں داخل ہوتے ہی سیدھے آپ مسجدِ حرام میں تشریف نہیں لے گئے تھے؛ بلکہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے، وہاں آپ نے غسل فرمایا، غسل کے بعد آٹھ رکعتیں ادا فرمائی، اس کے بعد آپ حرم میں تشریف لے گئے۔

فاغتسل فسبح ثماني ركعات: دیکھیے! یہاں آٹھ کا تذکرہ ہے۔ اوپر آچکا ہے کہ اس کی تعداد بارہ تک ہے؛ مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ: بارہ کا عملی طور پر پڑھنا ثابت نہیں، البتہ زبانی ترغیب ضرور وارد ہوئی ہے۔

أخف منها: یعنی آپ نے وہ آٹھ رکعتیں بہت مختصر پڑھیں۔

۲۸۸- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ: لَا إِلَا أَنْ يَجِيءَ مِنْ مَغِيبِهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کی نماز ادا فرماتے تھے؟ انھوں نے کہا: نہیں؛ اِلا یہ کہ آپ سفر سے تشریف لاتے۔

افادات: عبداللہ ابن شقیق کی اس روایت کا کچھ حصہ پہلے گذر چکا جس میں انھوں نے رات کی نماز کے متعلق بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تھا، اور حضور کی قراءت کے متعلق بھی، کہ رات کی نماز میں آپ کس طرح قراءت فرماتے تھے؟ جہراً یا سراً؟ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

جواب میں فرمایا: دونوں طریقوں سے، تو انھوں نے کہا تھا کہ: اللہ تعالیٰ نے آسانی کردی۔ اسی روایت میں ایک سوال یہ بھی تھا۔

روایتوں کا تعارض اور اس کا دفعیہ

قَالَتْ: لَا: دیکھو! اوپر ابھی حضرت معاذہ کی جو روایت گذری اس میں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی سوال کیا تھا، جس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: چار رکعت پڑھتے تھے اور کبھی زیادہ بھی، اور یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منع کر رہی ہیں تو اس روایت کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں: (۱) ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے۔ (۲) چاشت کی نماز مسجد میں نہیں پڑھتے تھے؛ بلکہ گھر میں پڑھتے تھے؛ البتہ اگر کہیں سفر سے واپس آتے تو چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب آپ سفر سے واپس آتے اور شام ہوتی تو مدینہ میں داخل نہیں ہوتے تھے، باہر ٹھہرتے تھے، پھر دن نکلنے کے بعد تشریف لاتے تھے، اور آنے کے بعد سیدھے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے؛ بلکہ مسجد میں جاتے تھے، اور وہاں لوگ آپ کی ملاقات کے لیے آتے، اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے تھے۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ سفر سے واپسی میں صبح کے وقت مسجد میں آنے کی تھی، اُس وقت یہ چاشت کی نماز مسجد میں پڑھتے تھے، گویا اس نفی کا تعلق مسجد سے ہے کہ عام حالات میں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے؛ البتہ کہیں سفر سے واپسی ہوتی تو پھر مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے۔

۲۸۹ - حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوقٍ، عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى حَتَّى نَقُولَ: لَا يَدَعُهَا، وَيَدَعُهَا حَتَّى نَقُولَ: لَا يُصَلِّيهَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کی نماز (کئی دنوں تک) پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ آپ اسے نہیں چھوڑیں گے، اور آپ اُسے (کئی دنوں تک) چھوڑ دیتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب اسے نہیں پڑھیں گے۔

افادات:

نوافل کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے تئیں مشفقانہ مزاج

دراصل نوافل کے سلسلہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ انداز امت کی سہولت کے لیے تھا؛ اس لیے کہ اگر آپ مکمل پابندی کرتے تو چوں کہ ایک نبی کا اللہ کی عبادت کے لیے کسی خاص انداز کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کو کبھی ایسا پسند آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر اس کو لازم قرار دیا جاتا ہے، یہ محبت کا تقاضہ ہے؛ اسی لیے رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رات کو نوافل شروع کیے تھے یعنی تراویح پڑھی، کچھ لوگوں نے دیکھا تو وہ شریک ہوگئے، دوسرے دن چرچا ہوا کچھ اَور لوگوں کو پتہ چلا تو وہ انتظار میں رہے، اور دوسرے دن بھی شریک ہوئے، تیسرے دن مزید اَور کچھ لوگ آگئے، اور چوتھے دن تو مسجد بھر گئی، اُس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے ہی نہیں، لوگ بہت انتظار کرتے رہے، کنکریاں پھینکی، کھنکھارے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کو تشریف لائے تو فرمایا کہ: میں تمھاری سب حرکتیں دیکھ رہا تھا؛ مگر مجھے یہ ڈر لگا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو تم پر فرض کردے اور پھر تم اس کو نبھا نہ سکو۔ دیکھو! یہ امت کے ساتھ شفقت! آپ خود تو اتنا اہتمام فرماتے تھے؛ لیکن آپ کو امت کے ساتھ جو شفقت تھی اس کے پیشِ نظر ان چیزوں کا بھی لحاظ فرماتے۔ اگر فرض کردی جائے تو ظاہر ہے کہ جو شخص نہیں پڑھے گا تو عذاب ہوگا، گرفت ہوگی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے ساتھ شفقت تھی، اس کے پیشِ نظر نوافل کے معاملہ میں بھی آپ ان چیزوں کو ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ کا یہاں پر بھی چھوڑ دینا شاید اسی لیے ہو کہ آپ کو اندیشہ ہو کہ کہیں ضروری قرار دی گئی اور پھر لوگ اس کو نبھا نہیں سکیں گے تو مزید پریشانی کا باعث بنے گی۔

۲۹۰ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدَةُ، عَنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ، عَنْ قَرْثَعٍ الضَّبِّيِّ، أَوْ عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ قَرْثَعٍ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْمِنُ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ تُدْمِنُ هَذِهِ الْأَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ: إِنَّ أَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلَا تُرْتَجُ حَتَّى تُصَلَّى الظُّهْرُ، فَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِي تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ، قُلْتُ: أَفِي كُلِّهِنَّ قِرَاءَةٌ؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ: هَلْ فِيهِنَّ تَسْلِيمٌ فَاصِلٌ؟ قَالَ: لَا.

۱/۲۹۰ - أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدَةُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ، عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ قَرْثَعٍ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ڈھلنے کے وقت چار رکعت پابندی سے پڑھا کرتے تھے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ سورج ڈھلنے کے وقت ان چار رکعتوں کو ہمیشہ پڑھتے ہیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب سورج ڈھلتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور ظہر کی نماز تک کھلے رہتے ہیں، پس میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی نیک عمل آسمان پر چڑھے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے پوچھا: کیا ان تمام رکعتوں میں قراءت کی جائے گی؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! میں نے پوچھا: کیا ان چاروں رکعت کے بیچ میں فصل کرنے والا سلام بھی ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

افادات: سورج بالکل سر پر آنے کے بعد مغرب کی جانب ڈھل جاوے، اس کو زوال سے تعبیر کرتے ہیں۔

صلاۃ فیٔ زوال

انك تدمن هذه الاربع إلخ: سوال کا منشاء یہ تھا کہ اس کی کیا فضیلت ہے جو آپ اس کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے؟۔

یہ کون سی نماز ہے؟ تو حضراتِ صوفیہ اس کو ایک مستقل مستحب قرار دیتے ہیں، جس کو ''صلاۃ فیٔ زوال'' کہا جاتا ہے، جیسے اشراق اور چاشت ہے تو اسی طرح سورج ڈھلتے ہی آدمی کو فیٔ زوال کی نماز پڑھنی چاہیے: لیکن حضرات فقہاء اور حضراتِ محدثین اس کو ظہر کی چار سنتوں پر محمول کرتے ہیں، کہ یہ ظہر کی چار سنتیں ہوتی تھیں۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

بہر حال! اس کو آپ ''صلاۃ فیٔ زوال'' کہیں- جیسا کہ صوفیہ فرماتے ہیں- یا ظہر کی چار سنت، جیسا کہ حضرات محدثین فرماتے ہیں، دونوں صورتوں میں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے

عنوان قائم کیا تھا: باب صلاۃ الضحیٰ کا، اور جب یہ چاشت کی نماز نہیں ہے تو اس روایت کو انھوں نے اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا؟ اس حدیث کو اور اس کے بعد بھی جو حدیث آ رہی ہے اس کا بھی چاشت کی نماز سے کوئی تعلق نہیں، تو پھر ان کو کیوں یہاں پیش کیا؟ یہ تو بے محل ہے۔

(۱) اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا کہ ایک معنیٰ کر کے اس نماز کو چاشت کی نماز کے ساتھ مناسبت ہے، کہ جہاں چاشت کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے یعنی چاشت کی نماز کا جو وقتِ منتہیٰ ہے وہیں سے اس کا وقت شروع ہوتا ہے، اس مناسبت سے انھوں نے ان روایتوں کو یہاں ذکر کیا ہے۔ گویا اصل تو چاشت کی نماز تھی؛ مگر چوں کہ اس کا وقت نمازِ چاشت کی انتہا پر شروع ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو بھی ساتھ میں پیش کر دیا۔

(۲) بعض شراح فرماتے ہیں کہ: یہ دراصل نسخہ نویسوں کی غلطی ہے، پہلے زمانے میں پریس نہیں تھا، حضرات مصنفین جو کتابیں ترتیب دیتے تھے لوگ ان کی کتاب سامنے رکھ کر اپنا نسخہ لکھا کرتے تھے، تو نسخہ لکھنے والا کبھی کبھی غلطی کر جاتا تھا، کہ ایک باب کی حدیث کو دوسرے باب میں ذکر کر دیتا، ممکن ہے یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہو، جیسے آج کل کبھی کوئی اس قسم کی غلطی ہوتی ہے تو کمپوزنگ کی غلطی سے اس کو تعبیر کرتے ہیں، تو قدیم زمانہ میں اس قسم کی غلطی کو نسخہ نویسوں کی غلطی سے تعبیر کیا جاتا تھا، چناں چہ بعض نسخوں کے اندر یہ دونوں یعنی یہ اور اس کے بعد والی روایت چاشت والے باب سے پہلے والے باب کے ماتحت ذکر کی گئی ہیں۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

۴۹۱ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي الْوَضَّاحِ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ: إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، فَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن سائب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعت ادا فرماتے تھے، اور فرمایا کہ: یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں؛ لٰہذا میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر میرا کوئی نیک عمل آسمان پر چڑھے۔

افادات:

ظہر سے پہلے چار رکعت کی حکمت

ظاہر ہے نماز سے بڑھ کر نیک عمل کیا ہوسکتا ہے! جس کے متعلق نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: قرة عيني في الصلوة کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور نبیٔ کریم ﷺ نماز ہی کے متعلق فرماتے ہیں کہ: نماز پڑھنے والا جب نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے، بات کرتا ہے، گویا یہ اعمالِ صالحہ کا ایک اعلیٰ فرد ہے؛ اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا۔

۴۹۲ - حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ، أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ، عَنْ مِسْعَرِ بْنِ كِدَامٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، وَذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيهَا عِنْدَ الزَّوَالِ وَيَمُدُّ فِيهَا .

ترجمہ: حضرت عاصم بن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: نبیٔ کریم ﷺ بھی سورج ڈھلتے ہی اس کو پڑھتے تھے، اور اس میں طویل قراءت کرتے تھے۔

افادات: قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا: اس سے مراد ظہر کی سنتیں ہیں جیسا کہ ابھی بتلایا گیا۔

ظہر کی سنتیں طویل ہونی چاہیے

وَيَمُدُّ فِيهَا: یعنی ظہر کی ان چار سنتوں میں نبیٔ کریم ﷺ کا طویل قراءت کا معمول تھا، چناں چہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ: بہتر ہے کہ ظہر کی ان چار رکعت میں سورۂ بقرۃ پڑھے، یا کوئی ایسی سورۃ جو سو آیت سے زیادہ والی ہو؛ تاکہ اس معاملہ میں نبیٔ کریم ﷺ کی اتباع اور پیروی ہو۔ فجر کی دو سنتوں میں مختصر قراءت کا نبیٔ کریم ﷺ اہتمام فرماتے تھے اور ظہر کی چار سنتوں میں طویل قراءت کرتے تھے۔

٤٣ - بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

نفل نماز گھر میں پڑھنے کا بیان

افادات: نوافل کی بنیاد اِخفاء پر ہے، یعنی جو نفل عبادت ہوتی ہے وہ فرائض سے زائد ہوتی ہے، تو اس میں بہتر یہ ہے کہ آدمی چھپا کر پڑھے، لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں ہونا چاہیے؛ تا کہ زیادہ سے زیادہ اخلاص پایا جائے اور ریا سے دوری ہو۔ لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو گھر میں ادا کیا جائے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے قولاً اور عملاً نوافل کو گھر ہی میں ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، چناں چہ آپ ﷺ کا عمل بھی یہی تھا اور آپ ﷺ اپنے ارشادات کے ذریعہ سے بھی اسی کی ترغیب دیتے تھے، کہ تمام نفل نمازوں: چاشت، اشراق، تہجد، فرائض سے قبل اور مابعد والی سننِ مؤکدہ؛ کو گھر ہی میں ادا کرنا چاہیے۔

وہ نوافل جن کو مسجد میں ادا کرنا افضل ہے

چند نفلیں وہ ہیں جو اس حکم سے مستثنی ہیں:

(۱) تراویح، چوں کہ وہ جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور جماعت کی جگہ مسجد ہے؛ اس لیے یہ مسجد میں پڑھی جائے گی۔

(۲) صلاۃ الکسوف، سورج گرہن کی نماز، یہ بھی چوں کہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی؛ اس لیے یہ بھی مسجد ہی میں پڑھی جائے گی۔

(۳) واپسیٔ سفر کی نماز، سفر سے واپسی میں جو دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہے جیسا کہ نبیٔ کریم ﷺ کا معمول تھا، بخاری شریف میں حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور ﷺ سفر سے واپس لوٹتے تھے، تو سیدھے گھر میں تشریف لے جانے کے بجائے سیدھے مسجد میں تشریف لاتے تھے، دو رکعت ادا فرما کر وہاں بیٹھتے تھے، لوگ آ کر ملاقات کرتے، اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے تھے۔

یہ واپسیٔ سفر کی نماز بھی مسجد ہی میں ادا کی جائے گی۔

(۴) تحیۃ المسجد، وہ تو بہر حال مسجد ہی کے لیے پڑھی جاتی ہے؛ اس لیے وہ بھی مسجد ہی میں ادا کی جائے گی۔

(۵) نمازِ احرام، احرام کی نماز- چاہے وہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا- جہاں سے احرام باندھا جا رہا ہے، اگر وہاں قریب میں مسجد ہے تو اس کا مسجد میں پڑھنا بہتر قرار دیا گیا ہے۔

(۶) نمازِ طواف، طواف کے بعد جو دو رکعت پڑھی جائے گی، چوں کہ طواف مسجدِ حرام میں ہوتا ہے؛ اس لیے وہ بھی مسجد میں پڑھی جائے گی۔

(۷) جو آدمی اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہے وہ اپنے تمام نوافل مسجد ہی میں پڑھے گا، چوں کہ اعتکاف میں ہونے کی وجہ سے وہ مسجد سے نکل نہیں سکتا؛ اس لیے اس کو چاہیے کہ تمام نوافل مسجد میں ادا کرے۔

(۸) جمعہ سے پہلے کی چار رکعت سنت بھی نوافل میں سے ہے، وہ بھی مسجد میں ادا کی جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے زوال سے پہلے مسجد میں جانے کی فضیلت اور ترغیب آئی ہے، اب جب زوال سے پہلے پہنچ جائے گا تو اس سنت کا وقت ہی بعد میں شروع ہوگا؛ اس لیے ان کو بھی مسجد ہی کے اندر پڑھا جائے۔

(۹) سننِ قبلیہ و بعدیہ، یعنی سننِ رواتب (جو فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں) - چاہے مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ- کے متعلق اصل حکم تو یہ ہے کہ گھر میں پڑھنا چاہیے؛ لیکن اگر کسی آدمی کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر مسجد میں نہیں پڑھے گا، تو کہیں وہ بالکل ہی چھوٹ نہ جائے، جیسا آج کل عام طور پر نماز پڑھنے کے لیے بعض مرتبہ آدمی گھر سے آتا ہے، اور بعض مرتبہ اپنی دوکان اور کاروبار کی جگہ سے آتا ہے، تو دوکان اور کاروبار کی جگہ سے آئے گا تو واپس وہیں جائے گا، اور ان سنتوں کے پڑھنے کی نوبت نہیں آئے گی؛ اس لیے اگر مسجد میں نہ پڑھنے کی صورت میں ان کے چھوٹنے کا ڈر اور اندیشہ ہو تو اس صورت میں ان کو بھی مسجد ہی میں پڑھنا بہتر ہے۔ اسی لیے فقہا نے نماز سے پہلے اور بعد والی سنتوں کو مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی ہے، تاہم جس آدمی کو یہ یقین ہو کہ وہ گھر میں ادا کر سکے گا، تو

اس کے لیے گھر میں ادا کرنا بہتر ہے۔ اسی طریقہ سے گھر میں پڑھنے کی صورت میں خشوع اور خضوع حاصل نہ ہونے کا اندیشہ ہو، بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی مسجد سے گھر گیا، اور گھر میں بچوں کا ہنگامہ ہوتا ہے، یا مثلاً گھر والی ہی کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا، اس کی وجہ سے گھر کا ماحول ایسا بن چکا ہے کہ وہاں اگر نماز پڑھے گا تو نماز میں جی نہیں لگے گا، تو اس صورت میں بھی مسجد ہی میں پڑھنا چاہیے۔

بہر حال! یہ نو نفلیں بتائی گئی ہیں جنھیں نفل ہونے کے باوجود مسجد میں پڑھنا بہتر ہے، ان کے علاوہ بقیہ تمام نوافل کو گھر میں ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس میں بہت ساری مصلحتیں اور حکمتیں ہیں:

(۱) ایک حکمت یہ ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھیں گے تو نماز کی وجہ سے گھر میں برکت اور نورانیت پیدا ہوگی، اور ہر آدمی کی تمنا ہوتی ہے کہ میرے گھر میں برکت نازل ہو، اور برکت کے نزول کا ذریعہ یہ نماز بھی ہے؛ اس لیے اس کو گھر میں ادا کرنا چاہیے۔

(۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ گھر میں گھر کا ذمہ دار فرد نماز پڑھے گا تو اس کے گھر میں پڑھنے کی وجہ سے گھر کے دوسرے لوگوں کو بھی نماز کا شوق پیدا ہوگا، اس کو پڑھتا ہوا دیکھ کر گھر کے لوگ اس سے نماز سیکھیں گے۔

نیز نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا تجعلوا بیوتکم مقابر تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، یعنی جیسے قبرستان میں قبر والے اپنی قبر میں نماز نہیں پڑھتے، اس طرح تم بھی اپنے گھروں میں ایسا نہ ہو کہ نماز نہ پڑھو؛ بلکہ اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی عادت ڈالو؛ تاکہ اس کی برکات حاصل ہو۔

بہر حال! جیسا کہ ابھی بتلایا گیا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے عمل سے اور اپنے ارشاد سے نوافل کو گھر میں پڑھنے کی ترغیب اور تاکید فرمائی ہے؛ اسی لیے یہ باب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کیا، کہ نفل نماز گھر میں پڑھنی چاہیے، اسی سلسلے کی چند روایات پیش کر رہے ہیں۔

۲۹۳ - حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَرَامِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ رضي الله عنه قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فِي بَيْتِي وَالصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ: قَدْ تَرَى

مَاأَقْرَبَ بَيْتِي مِنَ الْمَسْجِدِ، فَلَأَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَا أَنْ تَكُونَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (نفل) نماز کے متعلق سوال کیا کہ: مَیں گھر میں پڑھوں یا مسجد میں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھ رہے ہو نا کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے، اس کے باوجود میں اپنے گھر میں پڑھوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ مسجد میں پڑھوں؛ مگر یہ کہ فرض نماز ہو۔

افادات: قَدْ تَرَى مَا أَقْرَبَ بَيْتِي: چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ شریفہ کا ایک دروازہ مسجد میں ہی کھلتا تھا، اسی دروازے سے آپ نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف لاتے تھے، آپ کا حجرۂ شریفہ مسجد ہی کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ یعنی اپنا گھر، مسجد سے قریب ہونے کی وجہ سے میں چاہوں تو نفل نماز مسجد میں بہ آسانی ادا کرسکتا ہوں اس کے باوجود میں گھر میں ہی ادا کرتا ہوں۔

إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً: مساجد تعمیر ہی کی جاتی ہے فرائض کی ادائیگی کے لیے، فرض نماز تو مسجد ہی میں ادا کرنا چاہیے، وہ گھر میں کماحقہٗ نہیں ہوگی، مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس جواب سے نوافل کو گھر میں ادا کرنے کی ترغیب دی۔

٤٤ - بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزوں کا بیان

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کا تذکرہ پچھلے ابواب سے چل رہا ہے، اسی ضمن میں نماز سے تعلق رکھنے والی مختلف قسم کی نوافل کو مختلف ابواب میں بتلا چکے، اب اسی عبادت کے ذیل میں نفل روزوں کے معاملہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ کار اور آپ کی سنتیں بتلانا چاہتے ہیں۔ عبادات میں جس طرح نماز کو ایک اہمیت حاصل ہے، اسی طرح روزہ بھی ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن اہم ہے۔

مشروعیتِ صوم کے مصالح

(۱) روزہ کی مشروعیت کے سلسلہ میں جو مصلحتیں حضرات فقہائے کرام بتلاتے ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ: روزہ رکھنے کی وجہ سے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ابھرتا ہے؛ اس لیے کہ جب آدمی روزہ رکھے گا، بھوکا رہے گا، تو جو لوگ بھوکے ہیں ان پر کیا گذرتی ہے؟ اس کا اندازہ اس کو ہوگا، جس کے نتیجہ میں ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ابھرے گا، اور ان کی اس بھوک کو دور کرنے کے لیے وہ اپنی طرف سے سعی کرے گا۔ یہ ہمدردی کے جذبہ کو ابھارنے والا ہے۔

(۲) روزہ قوتِ بہیمیّہ اور قوتِ شہوانیہ کو بھی قابو میں رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو مختلف قوتیں رکھی ہے، ان میں ایک شہوت کی قوت ہے، یہ شہوت پیٹ کی بھی ہے اور شرمگاہ کی بھی ہے، اور ان دونوں شہوتوں کو آدمی جب قابو میں کرتا ہے تب ہی وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچا سکتا ہے، روزہ ان دونوں پر کنٹرول اور قابو کرنے کا کام کرتا ہے۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں نکاح کے فوائد بتلائے ہیں، وہاں نوجوانوں کو خطاب کر کے فرمایا: یامعشر الشباب! من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو آدمی نکاح کے اسباب رکھتا ہو یعنی مہر ادا کر سکتا ہو، بیوی کے حقوق یعنی نفقہ، سکنی وغیرہ ادا کر سکتا ہو، تو اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے۔ فانہ اغض للبصر واحصن للفرج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کا فائدہ بتلایا کہ: اس کے نتیجہ میں آدمی کی نگاہیں پست ہوتی ہیں، پرائی عورت کی طرف نگاہ نہیں اٹھتی، اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء کہ جس میں اس کی طاقت نہیں ہے یعنی بیوی کے مختلف حقوق ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، نہ مہر، نہ نفقہ، نہ سکنی، نہ دوسرے حقوق، تو اس صورت میں اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے، کہ روزہ اس کی شہوت پر بند لگاتا ہے۔ نر جانوروں کی قوت مردانگی کو ختم کرنے کے لیے خصیتین نکالے جاتے ہیں تو اس کو خصی کہا جاتا ہے، اسی کو وجاء سے تعبیر کرتے ہیں، گویا یہ روزہ آدمی کی شہوت کو کنٹرول کرنے والا ہے۔

(۳) شیطان کے حملوں کو بھی روکتا ہے، نبئ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ان الشیطان یجری في الانسان مجری الدم ألا فسدوا مجاریھا بالجوع: شیطان انسان کی رگوں میں اس طرح چلتا اور سرایت کرتا ہے جیسا کہ خون چلتا ہے؛ اس لیے شیطان کے راستے کو بھوک کے ذریعہ بند کرو۔ گویا روزہ رکھنے سے شیطانی حملہ سے بھی حفاظت ہوتی ہے؛ اسی لیے روزہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

مسنون روزوں کی تعداد

نبئ کریم ﷺ بھی نفل روزوں کا بہت اہتمام فرماتے تھے، حضرات فقہاء نے مسنون روزوں کی تعداد ۵۱ بتلائی ہے:

(۱-۳۳) رمضان کو چھوڑ کر ہر مہینہ کے تین روزے، اس طرح گیارہ مہینہ کے ۳۳ ؍ ہو جائیں گے۔ یہ تین روزے جو ہر مہینہ رکھے جائیں گے تو اس سلسلے میں روایتوں میں مختلف انداز منقول ہیں؛ اس لیے اس میں سے جو انداز چاہے اختیار کرے، کوشش یہ ہو کہ ہر مہینہ میں تین روزے ہو جائیں۔ اب ان میں زیادہ تر ''ایامِ بیض'' ہوں گے یعنی وہ راتیں جن میں چاند پورا ہوتا ہے: تیرہ، چودہ اور پندرہ۔ ویسے مہینہ کے تین روزے رکھنا الگ سنت ہے، اور ان کا ایام بیض میں ہونا الگ سنت ہے، تو اگر کوئی ان روزوں کو ایام بیض میں رکھے گا تو دونوں سنتوں پر عمل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اَور طریقہ بھی اختیار کرسکتا ہے جیسا کہ نبئ کریم ﷺ کبھی کبھار مہینہ کی ابتدائی تاریخوں: پہلی، دوسری، تیسری میں روزہ رکھتے تھے، کبھی کسی مہینہ میں ہفتہ کے پہلے دن یعنی سنیچر، اتوار اور پیر کے رکھتے، دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ، جمعرات؛ کبھی ایسا کیا کہ پیر سے ابتدا فرمائی یعنی پیر، منگل اور بدھ؛ اور دوسرے مہینہ میں جمعرات سے شروع کیا: جمعرات، جمعہ اور سنیچر؛ تو مہینے کے ان تین روزوں کے لیے جو بھی طریقہ چاہے اختیار کرسکتا ہے، فقہاء نے کتب فقہ میں اس کی مختلف شکلیں بتلائی ہیں، جس شکل کو اختیار کرے گا یہ سنت ادا ہو جائے گی۔ تو یہ گیارہ مہینہ کے تین روزوں کے حساب سے ۳۳ ہوئے۔

(۳۴-۴۲) اور ذوالحجہ کے ۹ روزے، یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد پہلے چاند سے ۹ چاند یعنی عرفہ کے دن تک ۹ روزے رکھے۔

(۴۳-۴۸) شوال کے چھ۔

(۴۹-۵۰) اور عاشورہ کا روزہ، اور اس سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد ایک دن۔

(۵۱) نصف شعبان کا روزہ۔

اس طرح حضرات فقہاء نے ۵۱ روزوں کو مسنون لکھا ہے۔ کتابوں میں اس کے علاوہ جو روزے ہیں مثلاً پیر کا روزہ جمعرات کا روزہ، یا جمعہ کا اور اس کے آگے پیچھے کوئی ملا دیا؛ یہ سب روزے مستحب روزوں میں شمار کیے گئے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روزے ثابت ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام میں حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ اور مسلسل روزہ رکھتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار، حضرت عیسی علیہ السلام ایک دن روزہ اور دو دن افطار، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اس باب میں مختلف تھا، چناں چہ اسی سلسلے میں روایتیں پیش کرتے ہیں۔

۲۹۴ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ صِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَتْ: كَانَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ صَامَ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ. قَالَتْ: وَمَا صَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ إِلَّا رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزوں کے متعلق پوچھا تو فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (لگاتار) روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ: آپ نے خوب روزے رکھے، پھر آپ روزے رکھنا چھوڑ دیتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ: آپ نے بہت دنوں سے روزے نہیں رکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: مدینۂ منورہ تشریف آوری کے بعد رمضان کے سوا پورے مہینہ کے روزے نہیں رکھے۔

افادات: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت نماز کے سلسلہ میں بھی گذری ہے، روزہ کے سلسلہ میں بھی انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا۔

شَهْرًا كَامِلًا: یعنی رمضان میں ہی پورے مہینہ کے روزے رکھے ہیں، رمضان کے سوا پورے مہینہ کبھی روزے نہیں رکھے؛ بلکہ کچھ دنوں میں افطار ضرور کیا ہے۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ: مدینۂ منورہ تشریف لانے کے بعد رمضان کے علاوہ کسی مہینہ میں کامل افطار نہیں کیا، یعنی یہ بھی نہیں ہوا کہ

پورے مہینے میں بالکل نہ رکھے ہوں، رکھے بھی ہیں اور افطار بھی کیا ہے۔ دونوں طریقے رہے ہیں۔

۲۹۵ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: كَانَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَرَى أَنَّهُ لَا يُرِيدُ أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَرَى أَنَّهُ لَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ مِنْهُ شَيْئًا. وَكُنْتَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ مُصَلِّيًا، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ نَائِمًا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزوں کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ: آپ کسی مہینے میں اتنے روزے رکھتے کہ ہم سمجھتے کہ اب آپ کا ارادہ روزے بند کرنے کا نہیں ہے، اور کبھی بغیر روزے کے رہتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ آپ کوئی روزہ رکھنا چاہتے ہی نہیں۔ اور آپ کو رات کے جس حصے میں بھی تم نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے نماز پڑھتے دیکھ لیتے، اور جس حصہ میں سوتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو سوتے ہوئے دیکھ لیتے۔

افادات: كان يصوم من الشهر: جو بات اوپر کی روایت میں آئی، اسی کا تذکرہ ہے۔

وكنت لا تشاء: یعنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ نہ تو تمام رات سونے کی تھی اور نہ جاگنے کی؛ بلکہ رات کا کچھ حصہ آرام فرماتے تھے اور رات کے کچھ حصہ میں آپ عبادت فرماتے تھے؛ اس لیے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات میں سوتا ہوا دیکھنا چاہے تو وہ بھی دیکھ سکتا تھا، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں دیکھنا چاہے تو رات کے جس حصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے اس حصہ میں آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ سکتا تھا، نماز اور سونے کے حصے مقرر تھے۔ عام طور پر شراح نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

ایک دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ: اتنی بات تو طے تھی کہ رات کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرماتے تھے اور کچھ حصہ عبادت میں گذارتے تھے؛ لیکن آرام اور عبادت کے جو حصے تھے وہ متعین نہیں تھے؛ بلکہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ رات کے شروع حصہ میں آرام فرماتے تھے اور آخری حصہ میں عبادت فرماتے تھے، کبھی معاملہ برعکس ہوتا، کبھی درمیان میں عبادت فرماتے، گویا رات کے مختلف حصوں کو مختلف زمانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عبادت کے ذریعہ آباد کیا ہے۔ یہ بھی ایک مطلب

بیان کیا گیا ہے؛ لیکن پہلے مطلب کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

۲۹۶ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَنبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ مَا يُرِيدُ أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ مَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ مِنْهُ، وَمَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ إِلَّا رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے روزے رکھتے کہ ہم سمجھتے کہ اب آپ کا ارادہ روزے بند کرنے کا نہیں ہے، اور کبھی بغیر روزے کے رہتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ آپ روزہ رکھنا چاہتے ہی نہیں۔ مدینۂ منورہ تشریف آوری کے بعد رمضان کے سوا پورے مہینہ کے روزے نہیں رکھے۔

افادات: وہی بات جو اوپر کی روایتوں میں گذری ہے، پہلی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی، دوسری حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تھی، اور یہ تیسری روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۷ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ وَهَكَذَا قَالَ: عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا. وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثَ غَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ جَمِيعًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے شعبان اور رمضان کے مسلسل دو مہینے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے۔ سالم بن ابو الجعد نے حضرت ابو سلمہ ابن عبدالرحمن سے اور انھوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے اسی طرح نقل کیا ہے، اور بہت سے راویوں نے یہی حدیث ابو سلمہ کے حوالے سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ (امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ دونوں سندوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:) ہوسکتا ہے کہ یہ روایت ابو سلمہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں سے سنی ہو۔

افادات: یہ روایت اگلی تینوں روایت کے خلاف ہے، اگلی تینوں روایتوں میں یہ تھا کہ رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں پورے مہینے کے روزے کبھی بھی آپ ﷺ نے نہیں رکھے، یہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے منقول ہے کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو سوائے شعبان اور رمضان کے مسلسل دو مہینے کے روزے رکھتا ہوا نہیں دیکھا، تو اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں شعبان کا تذکرہ مبالغہ کے طور پر ہے، یعنی شعبان کا بڑا حصہ آپ ﷺ روزے میں گذراتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہی بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے جو آگے آ رہی ہے، تو اس بڑے حصہ کی وجہ سے اس کو پورے شعبان سے تعبیر کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پورا شعبان روزہ رکھتے تھے، جیسے کوئی آدمی رات کا بڑا حصہ عبادت میں گذار دے، تو ممکن ہے کہ درمیان میں استنجاء کے لیے بھی گیا ہو، وضو کے لیے گیا ہو، چائے پی ہو، تب بھی لوگ یہی کہتے ہیں کہ پوری رات عبادت کی، حالاں کہ کچھ وقت اس نے دوسرے کاموں میں بھی لگایا ہے؛ لیکن اکثر حصے کی وجہ سے یہی کہا جاتا ہے کہ پوری رات عبادت کی، ویسے ہی یہاں پر بھی مبالغہ کرتے ہوئے ''اکثرِ شعبان'' کو مکمل شعبان سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) دوسرا یہ بھی ہوسکتا ہے کبھی آپ ﷺ نے رمضان کے ساتھ شعبان میں بھی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور اس کا علم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو نہ ہو، اس لیے انھوں نے بتلایا۔ رہی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو اوپر گذری، جس میں رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں بھی پورے مہینے روزے نہ رکھنے کا ذکر ہے، تو وہاں وہ حضرات عادت کو ذکر کر رہے ہیں، کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ پورے مہینہ کے روزے رکھنے کی نہیں تھی سوائے رمضان کے، رمضان میں تو پورا مہینہ کا روزہ رکھتے تھے؛ لیکن رمضان کے علاوہ اَور مہینوں میں آپ ﷺ کچھ افطار بھی کر لیتے تھے؛ البتہ کسی سال شعبان کا بھی پورا مہینہ روزہ میں گذارا ہو، یہ ممکن ہے۔

ویحتمل ان یکون: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت پر کلام کرتے ہوئے بخاری کی شرح میں نسائی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: نسائی کے اندر یہی روایت دونوں طریقوں سے آئی ہے، یعنی

حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمن، حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کرتے ہیں، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دونوں سے سنی ہے، پھر جس شاگرد نے جو سنا اس کے مطابق نقل کیا۔

۲۹۸ - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَصُومُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهِ فِي شَعْبَانَ، كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ إِلَّا قَلِيلًا بَلْ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: مَیں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، اور شعبان کے سارے روزے رکھتے سوائے چند دنوں کے؛ بلکہ پورے ہی مہینہ کے روزے رکھتے تھے۔

افادات: پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت گذری تھی کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے شعبان اور رمضان کے دو مہینہ کے مسلسل روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، جب کہ اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں گذرا کہ کسی مہینہ میں بھی پورے مہینہ کے روزے نہیں رکھے، وہاں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے سلسلہ میں بتلایا تھا کہ ہوسکتا ہے کسی موقع پر پورے مہینہ کے روزے رکھے ہوں، یا اکثر مہینہ کو انھوں نے پورے مہینہ سے تعبیر کیا ہو، اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی بات ارشاد فرماتی ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان کے مہینہ میں بکثرت روزہ رکھتے تھے، کسی مہینہ میں بھی اتنا زیادہ روزہ رکھتے ہوئے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا جتنا شعبان کے مہینہ میں؛ بلکہ شعبان کے اکثر حصہ میں روزہ رکھتے تھے، یوں کہا جاسکتا ہے کہ قریب قریب پورا مہینہ رکھتے تھے، وہی بات جو اس سے پہلے مختلف روایتوں کی تطبیق کے دوران کہی گئی تھی۔

شعبان میں بہ کثرت روزہ رکھنے کی وجوہات

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ: دوسرے مہینے کے مقابلے میں شعبان میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ کثرت روزہ کیوں رکھتے تھے؟ اس کی مختلف وجوہات خود نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی احادیث میں آئی ہیں،

اور حضرات شراح نے بھی دیگر احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے وجوہات بتلائی ہیں، چناں چہ:

(۱) ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس مہینہ میں ایک دن ایسا ہے جس میں بندوں کے سال بھر کے اعمال اللہ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال جب اللہ کے دربار میں پیش ہوں تو وہ روزے کی حالت میں پیش ہوں۔ اس لیے نبیٔ کریم ﷺ شعبان کے مہینہ میں بکثرت روزہ رکھنے کا اہتمام کرتے تھے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سال بھر میں جتنے لوگوں کی موت ہونے والی ہوتی ہے، ان کی فہرست ماہِ شعبان میں تیار کی جاتی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: میں چاہتا ہوں کہ وفات پانے والوں میں جب میرا نام درج کیا جائے اس وقت میں روزے کی حالت میں رہوں؛ اس لیے میں بہ کثرت روزے رکھنے کا اہتمام کرتا ہوں۔

یہ دو وجہیں نبیٔ کریم ﷺ سے منقول ہیں۔ اور دیگر وجوہات علماء نے بتلائی ہیں:

(۳) نبیٔ کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ - جیسا کہ پہلے آپ کو معلوم ہو چکا ہے - ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی تھی؛ لیکن کبھی ایسا ہوتا تھا کہ سال بھر میں سفر پیش آتا تھا، مدینۂ منورہ ہجرت کے بعد کوئی سال ایسا نہیں گذرا جس میں آپ کو غزوات کی نسبت سے سفر کی غرض سے باہر نکلنے کی نوبت نہ آئی ہو، تو سفر کی وجہ سے ماہانہ تین روزے کبھی رکھ نہیں پاتے تھے، تو وہ سب باقی رہتے تھے؛ اس لیے رمضان آنے سے پہلے پہلے نبیٔ کریم ﷺ انھیں مکمل فرمادیا کرتے تھے۔ کبھی کوئی دو تین مہینے ایسے گذرے ہوں جن میں وہ روزے نہ رکھ پائے ہوں تو دس تو یوں ہی ہو جاتے ہیں، نیز نبیٔ کریم ﷺ کا ایک معمول پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنے کا بھی تھا جیسا کہ آگے روایت میں آئے گا، ہفتہ کے دو یہ ہوئے تو چار ہفتہ کے آٹھ ہو گئے، اب چھوٹے ہوئے روزے اٹھارہ ہو گئے، پھر اس مہینہ (شعبان) کے حسبِ معمول تین ہیں، اس طرح پچیس کے قریب ہو جاتے ہیں اس لیے نبیٔ کریم ﷺ اس مہینہ میں بہ کثرت روزے رکھتے تھے۔ اور چوں کہ عورتوں کو حیض سے بھی واسطہ پڑتا ہے، اور حیض کے زمانہ میں روزے نہیں رکھ سکتیں، جن کی قضاء بعد میں کرنی ہوتی ہے، اس لیے ازواجِ مطہرات بھی اس مہینہ میں یعنی شعبان

میں نبیٔ کریم ﷺ کے بکثرت روزے رکھنے کی وجہ سے اپنے بقایا روزوں کو پورا کرلیتی تھیں۔

۲۹۹ - حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الْكُوفِيُّ، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، وَطَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ ہر مہینہ کے شروع کے تین دن روزے رکھتے تھے، اور ایسا کم ہوتا تھا کہ جمعہ کے دن آپ روزہ سے نہ ہو۔

افادات: يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ: جہاں نبیٔ کریم ﷺ کے روزوں کا بیان شروع ہوا اس باب میں بتلایا جاچکا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کا عام معمول ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا تھا، آپ خود بھی عملاً اس کا اہتمام فرماتے اور قولی طور پر بھی امت کو اس کی ترغیب دیتے۔ وہیں پر یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ عام طور پر وہ روزے ایام بیض کے یعنی تیرہ چودہ اور پندرہ کے ہوتے تھے؛ لیکن کبھی مہینہ کے شروع میں یعنی پہلی، دوسری اور تیسری کو بھی یہ تین روزے رکھتے تھے۔ الغرض! کچھ زمانہ ایسا بھی گذرا کہ یہ معمول آپ نے ہر مہینہ کے شروع کے تین دنوں میں پورا فرمایا۔

بروزِ جمعہ تخصیصِ صوم کی ممانعت اور اس کی استثنائی صورتیں

وقلما كان يفطر يوم الجمعة: اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا روزہ نبیٔ کریم ﷺ رکھتے تھے۔ یہاں پر حضرات شراح نے لکھا ہے کہ: مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے: لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالى: ہفتہ کی راتوں میں جمعہ کی رات کو عبادت کے لیے مخصوص مت کرو، یعنی اگر عبادت کرنا ہے تو اس کے ساتھ ایک رات آگے یا پیچھے ملالو؛ تاکہ جمعہ کی رات عبادت کے لیے مخصوص نہ رہے؛ البتہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس میں استثناء کیا: الا ان يكون فى صوم يصوم مگر یہ کہ کسی کا معمول روزہ رکھنے کا تھا، جیسے کہ ایام بیض کے روزے رکھنے کی عادت ہے، اور وہ جمعہ کے دن پڑ گیا، یا مہینہ کے شروع میں روزہ رکھنے کی عادت ہے، یا عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی عادت ہے اور یہ دن جمعہ کو پڑ گیا، یا کوئی نذر مانی تھی مثلاً زید جس دن آئے گا اس دن میں

روزہ رکھوں گا، اور زید جمعہ کے دن آیا، تو چوں کہ اس میں جمعہ کی تخصیص نہیں کی ہے؛ بلکہ اصل تو وہ تاریخ ہے اور اتفاق سے جمعہ کا دن بھی پڑ گیا تو جمعہ کو روزہ رکھ سکتا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی جمعہ کے دن روزہ رکھنا ممکن ہے کہ اِن استثنائی صورتوں میں سے کسی صورت میں داخل ہو؛ اس لیے اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا حکم

اب چوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص کرنے کی ممانعت آئی ہے؛ اس لیے حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک تو صرف جمعہ کا روزہ مکروہ ہے، جب کہ احناف میں اس سلسلہ میں دو گروہ ہیں: بعض حضرات تو استحباب کے قائل ہیں اور بعض کراہت کے قائل ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب کہ صرف جمعہ کو رکھے؛ لیکن اگر اس کے ساتھ ایک دن پہلے یعنی جمعرات کا یا بعد یعنی سنیچر کا ملا کر رکھے تو پھر کراہت والا حکم باقی نہیں رہے گا۔

۳۰۰ - حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَحَرَّى صَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ.

۳۰۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کو روزہ کا اہتمام کرتے تھے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال (اللہ کے حضور) پیش ہوتے ہیں؛ اس لیے میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ مَیں روزہ سے ہوں۔

افادات: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَحَرَّى: یعنی بالقصد، خاص تاکید کے ساتھ پیر اور جمعرات کو

روزہ رکھتے تھے اوراس کا اہتمام کرتے تھے۔آج کل حرمین شریفین میں لوگ اس کا سال بھرا اہتمام کرتے ہیں، جولوگ جاتے ہیں ان کومعلوم ہے۔

پیراور جمعرات کے روزوں کا اہتمام اوراس کی حکمتیں

اب ایک سوال ہوتا ہے کہ: پیراور جمعرات کے روزوں کا اہتمام کیوں؟اس کی بھی مختلف وجوہات ہیں:

(۱)فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ:ایک وجہ یہ ہے کہ پیراور جمعرات کواللہ کے دربار میں اعمال پیش ہوتے ہیں؛اس لیے نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اللہ کے حضورایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں؛ تاکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہو،یعنی اس روزے کی وجہ سے اعمال قبولیت کے زیادہ قریب ہوجائیں گے۔

(۲)دوسری وجہ مسلم کی روایت میں آئی ہے،کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: پیر کا روزہ رکھو،یا فرمایا کہ: میں رکھتا ہوں؛ کیوں کہ میں پیر کے دن پیدا ہوا،قرآن پاک کے نزول کی ابتدایعنی پہلی وحی بھی پیر کے دن آئی۔اس وجہ سے نبیٔ کریم ﷺ پیر کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کرتے تھے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر پیراور جمعرات کواللہ تعالیٰ اہل ایمان کے گناہوں کومعاف کردیتے ہیں، ان کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت کا فیصلہ فرماتے ہیں؛البتہ جن دوآدمیوں کے درمیان بات چیت کاتعلق ختم ہو،توان کا معاملہ موقوف کردیا جاتا ہے، جب تک وہ آپس میں بات چیت کرنا شروع نہ کردیں وہاں تک ان کی مغفرت کا فیصلہ موقوف رکھا جاتا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر ہفتے کے ان دودِنوں میں روزہ رکھنے کوفقہاء نے مستحب لکھا ہے،(مسنون روزے اوپر بتلائے جاچکے)۔

دربارِخداوندی میں اعمال کی پیشی کے اوقات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ: اس میں نبیٔ کریم ﷺ نے پیراور جمعرات کوروزہ رکھنے کی وجہ دربارِالٰہی میں بندوں کے اعمال کا پیش ہونا بتلایا ہے،

جب کہ بندوں کے اعمال کی پیشی والی بات کے سلسلے میں پیر اور جمعرات کے علاوہ بعض روایتوں میں صبح وشام کا بھی تذکرہ ہے یعنی فجر کے وقت فرشتے آتے ہیں اور عصر تک رہتے ہیں، اور وہ جب واپس ہوتے ہیں تو دن بھر کے اعمال کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو پوچھا جاتا ہے، پھر عصر کے وقت جو آتے ہیں وہ صبح تک رہتے ہیں، اور رات بھر کے اعمال کے متعلق ان سے پوچھا جاتا ہے، گویا روزانہ دو وقت اللہ کے حضور میں اعمال پیش ہوتے ہیں، اور بعض روایتوں میں – جیسا کہ اوپر روایتیں گذریں – شعبان کے مہینہ میں سال بھر کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونے کا ذکر ہے تو دراصل یہ تفصیل اور اجمال کا فرق ہے، جیسے ایک حساب کتاب روزانہ کا ہوتا ہے، پھر ہفتہ کا حساب ہوتا ہے، پھر مہینہ کا الگ حساب ہوتا ہے، پھر سال بھر کا سروے الگ ہوتا ہے، اسی طرح بندوں کے اعمال بھی سمجھ لیجیے، کہ صبح وشام تو سارے اعمال تفصیل سے پیش ہوتے ہیں، اور پیر اور جمعرات کو ہفتہ بھر کے اعمال کچھ کچھ تفصیل کے ساتھ پیش ہوتے ہیں، اور شعبان یا شبِ قدر میں سال بھر کے اعمال اجمالی طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

تم کہتے تھے نا کہ یہ فساد مچائیں گے....

یہ سب مواقع پیشیٔ اعمال کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بار بار اپنے سامنے بندوں کے اعمال پیش کرواتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ پیش کرنے والے فرشتے ہوتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے یہ بات ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ: دیکھو! میرے یہ بندے کیسے نیک کام کر رہے ہیں۔ چوں کہ انسان کو جب پیدا کیا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق کا ارادہ کیا، اور فرشتوں کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار ان الفاظ میں کیا: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ میں زمین میں اپنا ایک نائب اور جانشین مقرر کرنے اور پیدا کرنے والا ہوں، اُس وقت فرشتوں نے بہ طورِ اعتراض ایک بات کہی تھی: ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ ٱلدِّمَآءَ﴾ باری تعالیٰ! آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے جا رہے ہیں جو خون بہائے گی، فساد مچائے گی؟ ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ اور ہم آپ کی تسبیح اور پاکی اور آپ کی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ ایسے تمام

مواقع پر یہ سارے اعمال ان ہی کے ہاتھوں پیش کروا کر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: دیکھو! یہ تم کہتے تھے نا کہ یہ فساد مچائیں گے، اب ان کے اعمال دیکھو۔ جیسے گھر میں ہی کسی ایک بھائی نے دوسرے بھائی کے متعلق فریاد کی، کہ کچھ کرتا نہیں، پھر جب اس کے کارنامے وجود میں آتے ہیں، تو ابا اسی شکایت کرنے والے بیٹے کو کہتے ہیں کہ: وہ ذرا اس کی فائل لاؤ! بار بار اسی کے ذریعہ منگوا کر دیکھتے ہیں، کہ تو کہتا تھا کہ یہ کچھ نہیں کرتا، دیکھو! یہ کرتا ہے؛ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو اس طرح اپنے سامنے پیش کروا کے- حالاں کہ اللہ تعالیٰ تو سب چیزیں جانتا ہے- دراصل فرشتوں پر حجت قائم کر رہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ کیسا تعلق ہے! ابھی تو پیدائش بھی ہوئی نہیں تھی، اس وقت صرف ایک مرتبہ فرشتوں نے یہ جملہ کہا تھا؛ لیکن اس کے جواب میں انسان کے کارنامے اللہ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعے پیش کروائے جا رہے ہیں وہ بھی روزانہ، ہفتہ میں، سال میں، شب قدر میں، بار بار؛ سبحان اللہ! اور اللہ تعالیٰ باقاعدہ اِس پر فخر فرماتے ہیں۔

آخر یہ مجھے کیسے زیب دیتا ہے!!

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ کیسا تعلق ہے، ہمیں بھی تو اس کا خیال کرنا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی عظمت وجلال اور کبریائی کے باوجود یہ معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ کرے، اور ہم غفلت کا معاملہ کریں! یہ زیب نہیں دیتا، ضرورت ہے کہ ان ساری چیزوں کو آدمی بار بار سوچے، اور غور کرے کہ میرے یہ اعمال اللہ تعالیٰ بار بار اسی لیے پیش کرواتے ہیں؛ تاکہ فرشتوں کے لیے اس پر حجت قائم ہو، پھر میں اس طرح کی حرکتیں کروں! آخر یہ مجھے کیسے زیب دیتا ہے!!!۔

۳۰۲ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ، وَمُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْأَحَدَ وَالِاثْنَيْنِ، وَمِنَ الشَّهْرِ الْآخَرِ الثُّلَاثَاءَ وَالْأَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيسَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی مہینہ میں (تین دن کے) روزے سنیچر، اتوار اور پیر کو رکھتے اور کسی مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کو۔

افادات: یعنی ایک مہینہ میں پہلے تین دنوں میں روزے رکھے تو دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں میں؛ گویا ہفتہ کے تمام دنوں کو یہ موقع ملے، اور ہفتہ کے تمام دنوں میں ہم اللہ کی عبادت انجام دیں۔ ماہانہ تین روزوں کا یہ بھی ایک طریقہ ہے، اسی طرح مہینہ کے شروع میں، مہینہ کے اخیر میں، مہینہ کے بیچ میں رکھ سکتے ہیں، جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ تین روزوں کی ترتیب کے سلسلہ میں فقہاء نے بہت سی شکلیں لکھی ہیں، البتہ راجح اور کثیر الوقوع شکل ایامِ بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ کی ہے۔

اس روایت میں جمعہ کا ذکر نہیں ہے، تو ہوسکتا ہے کہ قصداً نبیٔ کریم ﷺ جمعہ کا روزہ نہ رکھتے ہوں، کیوں کہ احادیث میں جمعہ کو ہفتہ کی عید قرار دیا گیا ہے، اور عید کے دن روزہ نہیں ہوا کرتا ہے۔ نیز جمعہ کے دن دیگر مشغولیاں بھی ہوتی ہیں: نمازِ جمعہ کی تیاری، غسل اور دوسرے اعمال؛ اور ممکن ہے کہ روزے کی وجہ سے اس میں کوئی کمی آجائے؛ اس لیے جمعہ کا روزہ نہیں رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری روایتوں میں چوں کہ جمعہ کا تذکرہ آچکا ہے؛ اس لیے اس روایت میں اس کو بیان نہیں کیا۔

۳۰۳ - حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدِينِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهِ فِي شَعْبَانَ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کسی اَور مہینہ میں نفل روزے اِتنے زیادہ نہیں رکھتے تھے جتنے شعبان میں رکھتے تھے۔

افادات: یہ روایت پہلے گذر چکی ہے۔

۳۰۴ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ يَزِيدَ الرِّشْكِ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قُلْتُ: مِنْ أَيِّهِ كَانَ يَصُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ لَا يُبَالِي مِنْ أَيِّهِ صَامَ .

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَيَزِيدُ الرِّشْكُ هُوَ يَزِيدُ الضُّبَعِيُّ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ثِقَةٌ وَرَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ، وَعَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ، وَهُوَ يَزِيدُ الْقَاسِمُ وَيُقَالُ: الْقَسَّامُ، وَالرِّشْكُ بِلُغَةِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ هُوَ الْقَسَّامُ .

ترجمہ: حضرت معاذہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ: مَیں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ماہ تین دن روزے رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں! رکھتے تھے۔ میں نے پوچھا: کونسی تاریخوں میں رکھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کونسی تاریخ ہے؟۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یزید الرشک، یزید ضبعی بصری ہی ہیں، اور ثقہ ہیں۔ شعبہ، عبدالوارث بن سعید، حماد بن زید، اسماعیل بن ابراہیم، ابن علیہ اور دیگر ائمہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ یہی یزید القاسم ہیں اور ان ہی کو قسّام بھی کہتے ہیں۔ اہلِ بصرہ کی زبان میں ''رِشک'' قسام (تقسیم کرنے والے) کو کہا جاتا ہے۔

افادات:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہانہ تین روزے کن ایام میں رکھتے تھے؟

كَانَ لَايُبَالِي: کسی بھی حصہ میں آپ تین روزے رکھ لیا کرتے تھے، ممکن ہے کہ شروع میں لاعلی التعیین تین روزے رکھ لیتے ہوں، اس کے بعد عام طور پر ایام بیض میں یا مہینوں کی ابتدائی تاریخوں میں، یا کسی مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر اور کسی مہینہ میں منگل بدھ اور جمعرات کو رکھتے ہوں، جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذر چکا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تخصیص بعد میں آئی ہو، شروع میں اس کا لحاظ نہ فرماتے ہوں۔

یزید الرشک کون تھے؟

قال أبو عيسیٰ ويزيد الرشك: یہاں سے امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی جن کا نام یزید الرشک ہے، ان کا تعارف کراتے ہیں۔

والرشك بلُغة أهل البصرة: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: اہلِ بصرہ کی زبان میں ''رشک'' اس آدمی کو کہتے ہیں جو لوگوں کی جائیداد اور املاک تقسیم کرنے کا کام کرتا ہو۔ ہر زمانے میں ایسے لوگ ہوتے ہیں، یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہوتا، بعض لوگ اِس فن میں ماہر ہوتے ہیں۔ کسی کے انتقال کے بعد ورثاء کے درمیان جو جائیداد وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے، تو اس کے یہ ماہر تھے، اور اپنے زمانہ میں بہت بڑے حساب داں تھے، حساب کے اندر بڑے ماہر تھے؛ اس لیے یہ کام بھی بڑے عمدہ طریقہ سے انجام دیتے تھے۔

٣٠٥ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ عَاشُورَاءُ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصُومُهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيضَةَ وَتَرَكَ عَاشُورَاءَ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: عاشوراء (دسویں محرم) ایک ایسا دن تھا جس میں قریش زمانۂ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ آئے تو اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا؛ لیکن جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو رمضان ہی کے روزے فرض رہے اور آپ نے عاشوراء کا روزہ ترک کر دیا، اب جو چاہے اس دن روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔

افادات:

یوم عاشوراء کے چند اہم واقعات

كَانَ عَاشُورَاءُ: عاشورہ عربی زبان میں محرم کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں، اس تاریخ میں بڑے بڑے اہم واقعات پیش آئے:

(١) حضرت آدمؑ کی توبہ اسی تاریخ میں قبول ہوئی۔ (٢) حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر اسی دن سلامتی کے ساتھ آ کر لگی۔ (٣) حضرت موسیٰؑ اور آپ کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون سے اسی دن نجات نصیب ہوئی۔ (۴) فرعون اسی دن ڈبویا گیا۔ (۵) حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اسی دن ہوئی۔ (٦) اور حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا بھی اسی دن پیش آیا۔ (۷) حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے اسی دن نجات ملی۔ (٨) حضرت یوسفؑ اسی دن کنوئیں سے نکالے گئے۔ (٩) حضرت ایوب کو ان کی بیماری سے اسی دن صحت نصیب ہوئی۔ (١٠) حضرت ابراہیمؑ کی ولادت اسی دن ہوئی؛ الغرض! بڑے بڑے اہم واقعات اس دن پیش آئے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جنگل کے وحشی جانور بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں[1]۔

(١) اِس کے علاوہ اَور بھی کرامات اِس دن کی شروحِ حدیث اور کتبِ سیر میں لکھی ہیں، محدثانہ حیثیت سے اُن میں کلام بھی ہے؛ مگر بہت سی کرامات صحیح طور پر سے بھی ثابت ہیں۔ (خصائل نبوی، ص: ۳۴۱، مکتبۃ البشریٰ کراچی)

تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الجَاهِلِيَّةِ: بہت سارے واقعات پیش آئے ہیں، ہوسکتا ہے ان میں کسی واقعہ کے متعلق کوئی چیز قریش کے درمیان روایت درروایت چلی آرہی ہو، اوراس کی بنیاد پر وہ اس دن کا روزہ رکھتے ہوں۔

صوم عاشورہ کی سنیت باقی ہے

فلما قدم المدينة: مدینہ تشریف آوری کے بعد پہلے سال عاشورہ کا روزہ فرض تھا، اس کے بعد یعنی ہجرت کے دوسرے سال رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت اٹھالی گئی؛ البتہ ابھی بھی اس کی سنیت باقی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ: اکیلے ایک دن کا روزہ نہ رکھیں؛ بلکہ اس سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد ایک دن کا روزہ بھی ساتھ میں رکھیں۔ نبیٔ کریم ﷺ ہجرت فرما کر جب مدینۂ منورہ تشریف لائے، تو آپ نے اسی دن کا روزہ رکھا تھا اور اخیر تک اسی طرح آپ کے رکھنے کا معمول تھا۔ ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آپ ﷺ کا معمول تھا کہ وہ تمام چیزیں جس میں کوئی صریح حکم اللہ کی طرف سے نہ دیا گیا ہو، اہل کتاب کی متابعت اوران کے ساتھ مشابہت کو پسند کرتے تھے، اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا تھا کہ اس طرح ان کو اسلام کی طرف مانوس کرنا تھا؛ لیکن جب یہودیوں نے آپ کی صداقت اور سچائی ان پر واضح ہوجانے کے باوجود محض حسد کی بنیاد پر ایمان لانے سے انکار کیا، تو پھر ان کے ساتھ مشابہت کو ممنوع قرار دیا گیا۔ الغرض! اخیر تک یعنی وفات والے سال بھی آپ ﷺ نے ایک ہی دن کا روزہ رکھا، پھر آپ سے کسی نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آئندہ سال اگر میں زندہ رہا تو ایک دن کا مزید روزہ رکھوں گا؛ لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ چوں کہ آپ نے تمنا کا اظہار کیا تھا؛ اسی لیے عاشورہ کے ساتھ ایک دن ملانے کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔

٣٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ؟ قَالَتْ: كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً، وَأَيُّكُمْ يُطِيقُ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُطِيقُ؟.

ترجمہ: حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ: کیا نبیٔ کریم ﷺ

(روزہ وغیرہ عبادات کے لیے) کچھ دن خاص طور پر مقرر کر رکھے تھے؟ انھوں نے کہا: نہیں؛ بلکہ آپ کے ہر عمل میں ہمیشگی ہوتی تھی، اور دوسرا کون ہے جو رسول اللہ ﷺ جتنی طاقت رکھتا ہو!۔

افادات: يَخُصُّ مِنَ الْأَيَامِ شَيْئًا: یعنی کسی دن میں کوئی عبادت خصوصیت کے ساتھ کرتے ہوں کہ اس دن میں وہی عبادت، اور وہ عبادت دوسرے دن میں نہ کرتے ہوں، اس طرح آپ نے ایام کو عبادت کے لیے مخصوص کیا تھا؟

حضور ﷺ کے اعمال تو دائمی ہوتے تھے

كان عمله ديمة: جواب کا حاصل یہ ہے کہ: آپ کوئی دن کسی عبادت کے لیے ایسا مخصوص نہیں فرما لیتے تھے کہ اُس دن وہی عبادت کی جائے گی، دوسری نہیں، اور اس عبادت کو دوسرے کسی دن میں انجام نہیں دیا جاتا؛ بلکہ آپ ﷺ مختلف ایام میں عبادات کو انجام دیتے تھے؛ البتہ آپ ﷺ کا عبادت کے سلسلے میں معمول یہ تھا کہ: جب کوئی نفل عمل شروع کرتے تھے تو آپ کا وہ عمل دائمی ہوتا تھا۔ ہمارا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ایک دو سال کیا پھر بھول گئے، نبیٔ کریم ﷺ جب کوئی نفل عمل شروع کرتے تھے تو اس کو ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، کسی وجہ سے اگر رہ جاتا تو دوسرے وقت اس کو پورا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، جیسا کہ شعبان میں بہ کثرت روزے رکھنے کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی بتلائی گئی تھی۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: اگر چہ آپ کسی دن کے لیے کوئی عبادت مخصوص نہیں کرتے تھے؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ جب کوئی عمل شروع کرتے تھے- چاہے وہ نفل اعمال کے قبیل سے ہو- تو آپ اہتمام فرماتے تھے، یہ نہیں کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑ دیا؛ بلکہ آپ پابندی سے اس کو انجام دیتے تھے، اسی کو كان عمله ديمة سے تعبیر کیا۔

٣٠٧- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعِنْدِي امْرَأَةٌ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قُلْتُ: فُلَانَةٌ لَا تَنَامُ اللَّيْلَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللهِ لَا يَمَلُّ اللهُ حَتَّى تَمَلُّوا، وَكَانَ أَحَبَّ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اُس وقت میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: فلاں عورت ہے جو رات بھر سوتی نہیں، تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ تم لوگ (نفل) اعمال اُس قدر اختیار کرو جن کا تم سے تحمل ہو سکے؛ اس لیے کہ اللہ کی قسم! اللہ (ثواب دینے سے) اکتا تا نہیں یہاں تک کہ تم (عمل کرتے کرتے) اُکتا جاؤ/ اللہ کی قسم! اللہ (ثواب دینے سے) تو نہیں اکتا تا؛ مگر تم (عمل کرتے کرتے) اکتا جاؤ گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہی عمل زیادہ پسند تھا جس پر آدمی نباہ کر سکے۔

افادات: فلانة لا تنام الليل: یہ حضرت حولہ بنت تویت رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں، ان کا رات بھر عبادت کے لیے جاگنے کا معمول تھا، اور مدینہ میں ان کی بہت شہرت تھی۔

نفل اعمال اتنے ہی کرو جتنے نباہ سکو

فواللہ لا یمل اللہ: اکتانے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کام آدمی شوق اور رغبت کے ساتھ شروع کرے، اور ایک مدت تک کرتا رہے، کرتے کرتے ایک وقت وہ آئے کہ اب خود اس کی طبیعت اس کام سے ہٹ جائے، جس کو گجراتی زبان میں ''کنٹالہ'' کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے تو وہ اچھا تھا اب طبیعت اس سے ہٹ گئی۔ اور یہ کب ہوتا ہے؟ جب آدمی کوئی ایسا سلسلہ شروع کرتا ہے جس کو وہ اپنی طبعی ساخت کی بنیاد پر نبھا نہیں سکتا، اگر نبھا سکتا ہو تو اس کو اس کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ چوں کہ وہ عورت رات رات بھر عبادت کرتی تھی اور آپ سمجھتے تھے کہ یہ چیز نبھنے والی نہیں ہے، ایک مدت کے بعد خود ہی آدمی اس سے عاجز ہو جاتا ہے؛ اس لیے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم نفل اعمال اتنے شروع کرو جس کو تم پابندی کے ساتھ نبھا سکو اور جس کو تم برداشت کر سکو؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے اکتاتے نہیں ہیں یہاں تک کہ تم خود عمل کرنے سے اکتا جاؤ۔

کاش! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ سہولت قبول کر لیتا

چناں چہ روایتوں میں آتا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ –مشہور صحابی ہیں– کو دورِ جوانی میں عبادت کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ دن بھر روزہ رکھتے تھے اور پوری رات عبادت کرتے تھے،

اور روزانہ پورا قرآن ختم کرتے تھے، ابھی تو جوان تھے، شادی بھی نہیں ہوئی تھی، ان کے والد نے ایک شریف گھرانے کی عورت سے ان کا نکاح کرادیا، نکاح کے بعد بھی ان کا وہی سلسلہ جاری رہا، بیوی کی طرف کوئی توجہ نہ کرتے، ان کے والد نے اپنی بہو سے تھوڑی مدت کے بعد پوچھا: کیا حال ہے؟ کہا کہ: ان پر تو عبادت کا بڑا غلبہ ہے، دنیا کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں ہے، گویا بتلادیا کہ میرا حق ادا کرنے کی رغبت نہیں ہے، ان کے والد صاحب نے ان کو متوجہ کیا کہ: ایک شریف گھرانے کی عورت کے ساتھ تمھارا نکاح کرایا ہے، اس کے حقوق ادا کرو۔ تھوڑی مدت کے بعد پھر پوچھا تو ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، چناں چہ ان کے والد نے جاکر نبیٔ کریم ﷺ کو پورا حال بتلادیا۔ کبھی ایسی صورت حال ہوتی ہے کہ ایسے معاملہ میں باپ براہِ راست بیٹے سے کھل کر گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھتا، تو بڑوں کے یا دوسروں کے حوالے سے اس کو سمجھانے کے لیے کہتا ہے، فہمائش کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ بہرحال! نبیٔ کریم ﷺ کو بتادیا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ: خود نبیٔ کریم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، میں نے آپ کے لیے تکیہ پیش کیا، آپ نے وہ تکیہ ہمارے درمیان رکھا رہنے دیا، اور پھر حضور ﷺ نے پوچھا: الم اخبر انك تصوم النهار إلخ کیا مجھے یہ اطلاع نہیں دی گئی کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر عبادت کرتے ہو؟ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ: قلت: بلی! جی ہاں! اے اللہ کے رسول! سچی بات ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، مہینے کے کچھ دنوں میں روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، اور رات کے کچھ حصہ میں قیام یعنی نماز بھی پڑھو اور کچھ حصہ میں آرام بھی کرو۔ پھر ان سے یہ بھی پوچھا: تم قرآن کتنا پڑھتے ہو؟ تو کہا: پورا، نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے لیے اس میں کمی کی۔ پھر اس کے بعد حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ: سب سے بہتر روزہ حضرت داؤدؑ کا ہے کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ بہرحال! ان کو حضور ﷺ نے سونے کے معاملے میں اور عبادت کے معاملے میں بھی سمجھادیا۔ اس کے بعد جب بوڑھے ہوگئے تو چوں کہ حضراتِ صحابہ کا ایک مزاج تھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کے سامنے جو اعمال شروع کیے ہوتے تھے، ان کا جی یہ چاہتا تھا اور ان کی طبیعت یہ چاہتی تھی کہ اس میں کوئی کمی نہ آوے، حضور ﷺ ہمیں جس حالت پر چھوڑ کر گئے ہیں اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے، اب بڑھاپے میں

طاقت نہیں رہی تھی، تو کبھی مجبوراً روزہ چھوڑ دینا پڑتا تھا، پھر بعد میں مسلسل روزے رکھ کر تلافی کر دیتے تھے، اُس وقت تمنا کرتے تھے کہ، کاش! نبیٔ کریم ﷺ نے جو سہولت مجھے دی تھی میں اس کو اپنا لیتا، تو آج اس کی نوبت نہ آتی۔

بہرحال! یہاں پر بھی حضور ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ تم نفل اعمال اتنے ہی شروع کرو، جس کو تم نبھا سکو اور برداشت کر سکو۔

وکان احب ذلك الی رسول الله ﷺ إلخ: مثلاً تہجد کی نماز روزانہ پابندی سے پڑھتے رہو یہ بہت اچھا ہے اس سے کہ ایک دن پوری رات جوش میں عبادت کی اور دوسرے دن فجر کی نماز ہی کھو ڈالی، شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔ جس عمل پر مداومت ہو وہ عمل زیادہ پسندیدہ ہے چاہے تھوڑا ہی ہو؛ لیکن ایک بات یاد رہے کہ! بعض لوگ یہ سن کر سوچتے ہیں کہ ہم سے مداومت تو ہوگی نہیں؛ اس لیے کچھ کرتے ہی نہیں، یہ بھی صحیح نہیں ہے، یہ نفس کا ایک بہانہ ہے، تھوڑا تھوڑا شروع کرو اور مداومت کا اہتمام کرو، جب آپ اچھے ارادہ سے کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ مداومت کی توفیق عطا فرمائیں گے؛ اس لیے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ نبھا نہیں سکیں گے تو کوئی نفل عمل شروع ہی نہ کریں۔ بعض لوگ مداومت کی بات سن کر کے یہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ عمل ہی شروع نہیں کرتے، بالخصوص آج کل ہمارے زمانے میں، کہ جن کو کرنا دھرنا کچھ نہیں، صرف بہانے کرنا ہے، ایسوں کو تو ایک بہانہ مل جاتا ہے، یہ مزاج شریعت کے خلاف ہے۔

۳۰۸، ۳۰۹ – أَخْبَرَنَا أَبُو هِشَامٍ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الرِّفَاعِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتَا: مَا دِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ.

ترجمہ: حضرت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے امہات المؤمنین حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ: نبیٔ کریم ﷺ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند تھا؟ انھوں نے فرمایا: وہ عمل جو اگرچہ تھوڑا ہو؛ لیکن اسے مستقل اور برابر کیا جائے۔

افادات: سَأَلْتُ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ: حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں کو حضراتِ امہات المؤمنین کے گروہ میں مخصوص مقام حاصل تھا۔ ان دونوں سے یہ پوچھ رہے ہیں کہ

نبیٔ کریم ﷺ کو کون سا عمل پسندیدہ اور محبوب تھا تو دونوں نے بالاتفاق ایک ہی جواب دیا۔

مَا دِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ: یعنی جو عمل آدمی ہمیشہ اور پابندی سے کرے، کبھی نہ چھوڑے، چاہے چھوٹا ہو۔ دو رکعت ہے؛ لیکن روزانہ اپنے وقت پر پابندی سے پڑھتا ہے، تو وہ پسندیدہ ہے۔ الغرض! ہر وہ عمل جس پر عمل کرنے والا مداومت اور پابندی کرے وہ نبیٔ کریم ﷺ کو محبوب اور پسندیدہ تھا۔ اگلی روایت میں بھی بتلایا تھا کہ خود نبیٔ کریم ﷺ بھی اس کا اہتمام کرتے تھے؛ اسی لیے ہمارے اکابر کے یہاں بھی اس کا اہتمام تھا کہ وہ جن نفل عبادتوں کا معمول بناتے تو اس کو بہت پابندی کے ساتھ انجام دیتے اور کبھی نہ چھوڑتے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ تہجد کی کسی کی عادت ہو اور کسی وجہ سے آنکھ نہ کھلی اور نہ پڑھ پایا، تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: سورج نکلنے کے بعد وقت مکروہ گذر چکنے کے بعد زوال سے پہلے پہلے اتنی ہی رکعت وہ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو وہی ثواب دیا جاتا ہے۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: آدمی نوافل کے قبیل سے جو بھی اعمال شروع کرے، اس کو چاہیے کہ ان اعمال کو پابندی سے کرنے کا اہتمام کرے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس عمل کی وجہ سے اس بندہ کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھو کہ: آپ کا کوئی دوست ہے، روزانہ وہ آپ کی کسی مقررہ وقت پر ملاقات کے لیے آتا ہے، مثلاً روزانہ گیارہ بجے آپ کی پابندی سے ملاقات کرتا ہے، اگر کسی دن نہیں آئے گا تو آپ فکر میں رہیں گے کہ کیا ہوا؟ آج کیوں نہیں آیا؟ آپ تحقیق کریں گے کہ کیا رکاوٹ پیش آئی؟ گویا آپ کے دل میں بھی اس کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات تو بے نیاز ہے، اس کو بندوں کی عبادت کی کوئی حاجت نہیں ہے؛ پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ کوئی بھی عبادت نہ کرے تب بھی اس کی عظمت اور کبریائی میں کوئی فرق نہیں آتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ جو تعلق، محبت اور رشتہ ہے اس کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بندوں کے ساتھ یہ کرم کا معاملہ کرتے ہیں کہ: بندہ جب کسی عمل کو اپنے لیے نفل کے طور پر شروع کرتا ہے (اگر چہ وہ واجب نہیں ہے) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ تقاضا ہوتا ہے کہ بندہ اس عمل کو پابندی سے انجام دے، اور اس میں اس کی طرف سے ناغہ کرنے اور کوتاہی کرنے کی نوبت نہ آئے۔ اسی لیے جب بندہ ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ

عمل نہ کر پائے، مثلاً بیمار ہوگیا، اور بیماری کی وجہ سے اس کام کو انجام نہیں دے سکتا، یا سفر میں گیا اور سفر کی مشغولیات اور رکاوٹوں کی وجہ سے اس عمل کو انجام نہیں دے سکتا، یا بوڑھا ہوگیا اور بڑھاپے میں طاقت اور قویٰ کے جواب دے دینے کی وجہ سے اس عمل کو نہیں کر پاتا، تو اللہ تعالیٰ بیٹھے بٹھائے بھی اس عمل کا اس کو ثواب دیں گے۔ یہ اس وقت ملے گا جب اس نے زندگی بھر اس کی پابندی کی ہو، پابندی نہ کی ہو تو نہیں ملے گا، جیسے ابھی مثال پیش کی گئی کہ: آپ کا کوئی ملنے والا دوست مقررہ وقت میں آپ کے پاس آتا ہے، تو آپ کو بھی روزانہ خیال رہتا ہے کہ وہ آئے گا، اور بیماری یا کسی اَور وجہ سے نہیں آئے گا تو آپ خود جائیں گے، کہ وہ نہیں آیا، بیمار ہے، میں خود جاتا ہوں۔ ایسے ہی بیماری کی وجہ سے بندہ عمل نہیں کرے گا تب بھی اللہ تعالیٰ بغیر کیے ہوئے اس کو اس عمل کا ثواب دیں گے۔ الغرض! بندہ جب اپنے اس عمل کے ذریعہ اللہ کی محبت اور اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ویسی ہی محبت کا معاملہ فرماتے ہیں؛ اسی لیے ہمیں چاہیے کہ جن اعمال کو ہم شروع کریں تو شروع کرنے کے بعد اس کو نہ چھوڑیں، بلکہ پابندی سے انجام دینے کی کوشش کریں۔ جو لوگ شروع کرنے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں ان کی یہ روش پسندیدہ نہیں ہے۔

ہمارے معاشرہ میں عام طور پر لوگوں کا مزاج عدمِ استقلال کا ہے کہ ہماری طبیعتوں میں استقلال اور استقامت نہیں ہے، کبھی جوش میں آتے ہیں تو دو چار راتوں تک رات رات بھر عبادت کریں گے، اور پھر جب وہ جوش ختم ہوجاتا ہے تو فرائض بھی چھوڑنے لگتے ہیں، یہ جو ہم نے اپنے اندر اس طرح عادت بنا رکھی ہے، یہ شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اس کی طرف توجہ کی خاص ضرورت ہے۔

۳۱۰ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَاصِمَ بْنَ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ مَعَهُ فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ، وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ، وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ

وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ، ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوعِهِ، وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ، ثُمَّ قَرَأَ آلَ عِمْرَانَ ثُمَّ سُورَةً سُورَةً يَفْعَلُ مِثْلَ ذَلِكَ .

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں ایک رات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک کیا، پھر وضو کیا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، مَیں بھی آپ کے ساتھ شریک ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ بقرہ شروع کی، جب آپ آیتِ رحمت پر پہنچتے تو ٹھہر کر (رحمت کا) سوال کرتے، اور آیتِ عذاب پر پہنچتے تو ٹھہر کر پناہ مانگتے۔ پھر رکوع کیا، اور قیام کے بہ قدر رکوع میں رہے، اور رکوع میں یہ دعا پڑھتے رہے: سبحان ذي الملكوت إلخ یعنی پاک ہے وہ ذات جو بڑائی والی، بادشاہت والی، بزرگی والی اور عظمت والی ہے۔ پھر رکوع کے بہ قدر سجدہ کیا، اور سجدہ میں بھی یہ تسبیح پڑھتے رہے: سبحان ذي الملكوت إلخ یعنی پاک ہے وہ ذات جو بڑائی والی، بادشاہت والی، بزرگی والی اور عظمت والی ہے۔ پھر سورۂ آل عمران (اسی طرح) پڑھی، پھر (بقیہ رکعتوں میں) ایک ایک سورۃ اسی طرح پڑھی۔

افادات: ایک تو سورۂ بقرہ ویسے بھی تقریباً ڈھائی پارہ کی سورۃ ہے، اور پھر اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت، آپ تو ٹھہر ٹھہر کر جس انداز سے پڑھتے تھے- جیسا کہ آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کی کیفیت کا بیان آ رہا ہے- اور مزید برآں اس میں بھی ہر آیتِ رحمت پر رحمت کا سوال اور ہر آیتِ عذاب پر اس کی پناہ کا اہتمام، تو ایک رکعت میں کتنی دیر لگی ہوگی! اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ: یہاں دونوں مطلب ہو سکتے ہیں: یا تو برابر یعنی اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنا لمبا قیام تھا یا قیام کی مناسبت سے یعنی وہ قیام لمبا تھا تو رکوع بھی اسی حساب سے قدرے لمبا فرمایا۔

يَفْعَلُ مِثْلَ ذَلِكَ: ظاہر ہے کہ اتنا جب پڑھیں گے تو پوری رات ہی نکل جائے گی۔

ایک علمی اشکال اور اس کا جواب

یہ باب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزوں کے بیان میں قائم کیا گیا ہے، آخر کی چند حدیثوں کو بہ ظاہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزوں کے باب سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، اس اشکال کا ایک جواب تو یہ دیا گیا

ہے کہ: شمائل کے بعض نسخوں میں تو یہ چند ابواب: چاشت کا بیان، روزہ کا بیان وغیرہ الگ الگ ابواب ہیں ہی نہیں؛ بلکہ یہ تمام حدیثیں باب ماجاء في عبادة رسول الله ﷺ کے ایک ہی عنوان کے ماتحت ہیں، اِس صورت میں تو یہ اشکال پیدا نہیں ہوگا؛ لیکن جن نسخوں میں یہ الگ الگ ابواب موجود ہیں، اُس میں ایک نکتہ یہ پیشِ نظر ہے کہ: عموماً جو لوگ روزوں کے شوقین ہوتے ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ اُن میں ایسا افراط کرنے لگتے ہیں کہ حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے؛ اس لیے امام ترمذیؒ نے اعتدال اور میانہ روی کی روایتیں بیان کیں۔ اور آخری روایت سے اِس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر غلبۂ شوق میں کسی وقت معمول سے کچھ زیادتی ہو جائے تو کچھ مضایقہ نہیں؛ البتہ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ عبادت ہی سے اکتاہٹ اور نفرت پیدا ہو جائے۔ والله أعلم بحقيقة الحال.

٤٥ - بَابُ مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کا بیان

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرآن کی تلاوت کرنے کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ آپ کس طرح ترتیل اور تجوید کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے؟ یہ بات اس باب میں بتلانا چاہتے ہیں۔

٣١١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا.

ترجمہ: حضرت یعلی ابن مَملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: انھوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت کے متعلق سوال کیا، تو انھوں نے تلاوت کی کیفیت کو واضح طور پر ایک ایک حرف حرف کر کے بیان کیا۔

افادات: فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً: اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ انھوں نے زبانی طور پر کہا کہ اس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرماتے تھے کہ ہر لفظ واضح اور صاف طور پر ادا ہوتا تھا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باقاعدہ پڑھ کر انھوں نے سنایا جس سے نبیٔ کریم ﷺ کے پڑھنے کی کیفیت عملی طور پر سننے والوں کے سامنے آجائے۔ آگے تیسرے نمبر پر ایک روایت آرہی ہے اس سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے، یعنی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پڑھ کر سنایا، کہ نبیٔ کریم ﷺ ہر ہر حرف صاف صاف طور پر ادا فرماتے تھے۔

۳۱۲ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: مَدًّا.

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: نبیٔ کریم ﷺ کی قراءت کیسی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: حضورِ اکرم ﷺ ان الفاظ کو کھینچ کر پڑھتے تھے جن میں مد ہوتا تھا۔

افادات: قرآنِ کریم کو تجوید کے ساتھ عمدہ طریقہ سے پڑھنے کے جو قواعد ہیں، اس میں جو حروفِ مدہ ہیں یعنی الف (جب کہ اس سے پہلے زبر ہو)، واو (جب کہ اس سے پہلے پیش ہو) اور یاء (جب کہ اس سے پہلے زیر ہو)؛ تو ان کو کھینچ کر پڑھا جاتا ہے، اس طرح مد والے حروف کو نبیٔ کریم ﷺ کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ نبیٔ کریم ﷺ کی قراءت بڑی اطمینان سے ہوا کرتی تھی؛ اس لیے کہ جو آدمی قرآن کو اطمینان سے پڑھے گا وہ مد والے حروف کو بھی صحیح طور پر ادا کرے گا، اور جو جلدی کرے گا تو اس کی عجلت کا سب سے پہلا اثر مد والے حروف پر پڑتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں مد کی ادائیگی چھوٹتی ہے، نبیٔ کریم ﷺ کا مد والے حروف کو کھینچ کر پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی قراءت اطمینان سے ہوتی تھی۔

۳۱۳ – حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ: ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢﴾ [الفاتحة] ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُولُ: ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴿٣﴾ [الفاتحة] ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُولُ: مَٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٤﴾ [الفاتحة]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ تلاوت میں ہر آیت کو علاحدہ علاحدہ کرکے پڑھتے تھے، اس طرح کہ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ پڑھتے پھر رک جاتے، پھر ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ پڑھتے

پھر رک جاتے، پھر مَلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ پڑھتے تھے۔

افادات: یعنی سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر آپ وقف کرتے تھے؛ اس لیے سورۂ فاتحہ کو اس طرح پڑھنا بہتر اور مستحب قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی قرآن میں ہر آیت پر سانس لینا افضل ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ قراء کے درمیان مختلف فیہ ہے، جو ہماری بحث سے خارج ہے۔

مَلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ: اس روایت میں مَلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے یا مٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے؟ یوں تو دونوں قراءت قرائے سبعہ کی ہی ہیں، نافع کی قراءت مَلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے اور عاصم اور کسائی کی قراءت مٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے، اس روایت میں مَلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے یا مٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے؟ اس سلسلے میں ابوداؤد، مسندِ احمد اور بیہقی کی روایت الف کے ساتھ مٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے، اور ترمذی اور مستدرک حاکم کی روایت میں بغیر الف کے مَلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ہے، اور شمائل کی روایت کے سلسلہ میں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ - جو شمائل کے شارح ہیں - کہتے ہیں کہ: شمائل کے تمام نسخوں میں الف ہے یعنی مٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ جب کہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جن نسخوں میں الف لکھا گیا ہے وہ ان کا وہم ہے، یہ روایت بغیر الف کے ہے۔ الغرض! پڑھنے کو تو دونوں طریقوں سے پڑھ سکتے ہیں؛ مگر اس جگہ کونسی روایت ہے اس میں اختلاف ہو گیا۔

یہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ فاتحہ کی تلاوت اس طرح فرماتے تھے کہ ہر ہر آیت کو علاحدہ وقف کر کے ادا کرتے تھے۔

٣١٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ؟ قَالَتْ: كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ قَدْ كَانَ رُبَّمَا أَسَرَّ وَرُبَّمَا جَهَرَ. قُلْتُ: الْحَمْدُ للهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ابوقیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کے متعلق پوچھا کہ آپ آہستہ قرآن پڑھتے تھے یا زور سے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: دونوں طریقوں سے پڑھتے تھے: کبھی آہستہ پڑھتے تھے اور کبھی زور سے۔ میں نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اِس معاملے میں وسعت رکھی۔

افادات: عَبْدِ الله بْنِ أَبِي قَيْسٍ: پہلے بھی ان کی روایت دیگر مسائل کے سلسلہ میں آچکی ہے۔

تہجد میں قراءت جہراً ہونی چاہیے یا سراً؟

كل ذلك قد كان يفعل: آہستہ اورزور سے پڑھنے کے بھی دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) ایک ہی رات میں بعض رکعات میں آہستہ اور بعض رکعات میں زور سے پڑھا۔

(۲) کسی رات تہجد کی نماز میں سراً قرآن پڑھا اور کسی رات جہراً۔ تہجد میں دونوں طریقوں سے پڑھنے کی اجازت ہے۔

حضور ﷺ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے، وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، اور سراً قراءت کررہے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو وہ زور سے قرآن پڑھ رہے تھے، صبح کو جب یہ حضرات نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تمھارے پاس سے گذرا تو تم تہجد کی نماز میں آہستہ قراءت کررہے تھے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أسمع من أناجي: اے اللہ کے رسول! میں جس ذات کے ساتھ سرگوشی کررہا تھا، اس کو سنا رہا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ، وہ اللہ تو میری قراءت سن ہی رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: میں تمھارے پاس سے گذرا تو تم زور سے قراءت کررہے تھے؟ انھوں نے فرمایا: أوقظ الوسنان وأطرد الشيطان: سوتے ہوؤں کو جگاتا تھا اور شیطان کو بھگاتا تھا؛ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ: تم ذرا اپنی آواز کو بلند کردو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تم اپنی آواز کم کردو، درمیانی آواز سے پڑھو۔

بہر حال! زور سے پڑھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ دوسروں کو ترغیب ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ خود پڑھنے والے کو زور سے پڑھنے کی وجہ سے تہجد کی نماز میں نشاط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے؛ البتہ اگر کسی کو تکلیف ہو مثلاً وہاں لوگ سوئے ہوں، اور آپ کے زور سے پڑھنے کی وجہ سے ان کی نیند خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر آہستہ پڑھنا چاہیے۔

الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة: یعنی امت کے لیے دونوں چیزیں ہیں، کوئی آدمی زور سے پڑھنا چاہے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، اور کوئی آہستہ پڑھنا چاہے تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی طریقہ پر رہے گا۔

٣١٥ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ الْعَبْدِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ، عَنْ أُمِّ هَانِئٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ وَأَنَا عَلَى عَرِيشِي .

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی قراءت کو اپنے گھر کی چھت پر سنا کرتی تھی۔

افادات: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن، ابو طالب کی صاحبزادی، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازاد بہن ہیں۔ وہ مکہ ہی میں رہتی تھیں، ہجرت کر کے مدینہ نہیں آئی تھیں۔

ان کا گھر مسجد حرام سے قریب ہی تھا جو آج کل ترکی حرم کا حصہ ہے، جہاں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے تھے، وہی حضرت ام ھانی رضی اللہ عنہا کا مکان تھا، وہ حرم سے بالکل قریب تھا، اور رات کے سناٹے میں آوازیوں بھی دور تک جاتی ہے، پھر یہ تو اپنے گھر کی چھت پر ہوا کرتی تھیں، تو اَور زیادہ ان کو صاف سنائی دیتی ہوگی۔ بہر حال! اس روایت سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تہجد کی نماز میں قرآن کو زور سے پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔

٣١٦ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى نَاقَتِهِ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَأُ: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ [الفتح]. قَالَ: فَقَرَأَ وَرَجَّعَ قَالَ: وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ: لَوْلَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَأَخَذْتُ لَكُمْ فِي ذَلِكَ الصَّوْتِ، أَوْ قَالَ: اللَّحْنِ .

ترجمہ: حضرت معاویہ ابن قرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتحِ مکہ کے موقع پر اپنی اونٹنی پر سوار ہیں اور یہ آیتیں پڑھ رہے ہیں: إِنَّا

فَتَحْنَا لَكَ إلخ یقین جانو! ہم نے تمھیں کھلی ہوئی فتح عطا کردی ہے؛ تاکہ اللہ تمھاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردے۔ راوی فرماتے ہیں: اور ترجیع/خوش الحانی کے ساتھ پڑھیں۔ شعبہ کہتے ہیں: معاویہ ابن قرۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اگر لوگوں کے جمع ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اسی طرح کی آواز میں، یا فرمایا: اسی لہجہ میں پڑھ کر سناتا۔

افادات: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ فتح کرنے کے لیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے لشکر کے ساتھ تشریف لائے تھے، تو جس وقت آپ مکۂ مکرمہ میں داخل ہوئے اپنی اونٹنی پر سوار تھے، اور اونٹنی چل رہی تھی اُس وقت آپ سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے، چوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی بشارت سنائی ہے؛ اس لیے آپ اس کو زور زور سے تلاوت فرمارہے تھے، اور آپ کا سر مبارک اتنا جھکا ہوا تھا کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک اونٹ کے پالان سے لگ رہی تھی۔

فقرء ورجع: ترجیع عربی زبان میں آواز کے لوٹانے کو کہتے ہیں، آواز لوٹا کر پڑھنے کا مطلب بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے خود باقاعدہ اس کو کرکے بتلایا: آ، آ، آ؛ اس طرح اپنی آواز کو نکال کر بتلایا۔

لولا ان یجتمع الناس إلخ: یعنی حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جس طرح سنا تھا انھوں نے تو باقاعدہ نقل کرکے بتلایا؛ لیکن ان سے روایت کرنے والے تابعی معاویہ بن قرۃ کہتے ہیں کہ: اگر لوگوں کے جمع ہونے کا اندیشہ اور ڈر نہ ہوتا تو میں اسی طرح پڑھ کر کے سناتا۔

ترجیع کا مطلب

اب یہ جو آواز کی مخصوص کیفیت تھی اس کی وجہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: یہ دراصل اونٹنی کے چلنے کی وجہ سے تھی؛ اس لیے کہ جب اونٹ چلتا ہے، اور تیزی کے ساتھ اونچا نیچا ہوتا ہے تو اس پر سوار آدمی بھی آگے پیچھے جھکتا ہے، اور وہ آدمی اگر کچھ پڑھ رہا ہو تو اس کی آواز میں بھی اس کا اثر ہوتا ہے، آپ کی آواز میں ترجیع کی جو کیفیت پیدا ہو رہی تھی وہ دراصل اونٹنی کی رفتار کی وجہ سے تھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بالارادہ اور قصداً کیا ہوا عمل نہیں تھا۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ آواز کو عمدہ اور درست کر کے پڑھنا، گویا آدمی اچھی طرح اور اچھی آواز سے پڑھنے کے لیے جو کوشش کرتا ہے اس کو ''ترجیع'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرے مطلب کو اکثر علما نے راجح قرار دیا ہے۔

۳۱۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ الْحُدَّانِيُّ، عَنْ حُسَامِ بْنِ مِصَكٍّ، عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الصَّوْتِ، وَكَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الصَّوْتِ، وَكَانَ لَا يُرَجِّعُ.

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسین چہرہ اور عمدہ آواز دے کر بھیجا، اور تمھارے نبی بھی حسین چہرے اور عمدہ آواز والے تھے، اور آپ ترجیع نہیں کرتے تھے۔

افادات: کان لا یرجع: اوپر کی روایت میں آیا کہ ترجیع کرتے تھے اور یہاں اس کی نفی کی جارہی ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے بعض علما نے کہا کہ: ترجیع کا ایک معنیٰ ''گانے والوں کی طرح آواز بنانا'' بھی ہوتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گانے والوں کی طرح نہیں پڑھتے تھے؛ کیوں کہ اس طرح آواز بنانے کو ناپسند کیا گیا ہے؛ البتہ غیر اختیاری طور پر اچھی آواز سے پڑھنا پسندیدہ عمل ہے۔

۳۱۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت (بعض اوقات) ایسی (بلند آواز سے) ہوتی کہ بسا اوقات آنگن میں موجود شخص کو (بھی) سنائی دیتی، اور حال یہ ہوتا کہ آپ اپنے گھر میں (نماز پڑھ رہے) ہوتے۔

افادات: یعنی اتنا زور سے آپ پڑھتے تھے، بہت زیادہ زور سے بھی نہیں اور آہستہ سے بھی نہیں، جیسا کہ اوپر بتلایا جاچکا کہ تہجد میں درمیانی جہر سے قراءت کرنی چاہیے، اسی کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

٤٦- بَابُ مَا جَاءَ فِي بُكَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گریہ وزاری کا بیان

٣١٩- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارِكِ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ مُطَرِّفٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي وَلِجَوْفِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حال یہ کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ہنڈیا کے جوش مارنے کے آواز کے مانند آواز نکل رہی تھی۔

افادات: ہنڈیا میں جب کھانا پکایا جاتا ہے اور اس میں جوش آتا ہے، تو اُس وقت جیسی آواز نکلتی ہے ویسی آواز رونے کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینۂ مبارک سے نکل رہی تھی۔ حضراتِ صوفیاء فرماتے ہیں کہ: جب صفات جمال اور جلال کا پَرتو ہوتا ہے اور قلب پر دونوں مجموعی طور پر اثر انداز ہوتی ہیں، اُس وقت ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

٣٢٠- حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، عَنْ مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: اقْرَأْ عَلَيَّ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَقَرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي، فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ، حَتَّى بَلَغْتُ ﴿وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾﴾ [النساء] قَالَ: فَرَأَيْتُ عَيْنَيْ رَسُولِ اللهِ تَهْمِلَانِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! مَیں آپ کے سامنے قرآن پڑھوں جب کہ قرآن تو آپ ہی پر نازل ہوا ہے! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں، چناں چہ میں نے

سورۂ نساء پڑھنی شروع کردی، پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچ گیا:﴿ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾﴾ اور ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔راوی فرماتے ہیں:تو میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

افادات:

آپ ﷺ نے دوسروں سے قرآن سننے کی خواہش کیوں کی؟

أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یوں سمجھے ہوں گے کہ قرآن پاک کی تلاوت تبلیغ کے لیے یا دوسروں کو یاد دلانے کے لیے ہوا کرتی ہے، ظاہر ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کو ان دونوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے انھوں نے عرض کیا کہ: آپ پر تو خود ہی قرآن نازل ہوا، بھلا میں آپ کو کیسے قرآن پڑھ کر سناؤں!۔

انی احب ان اسمعه من غیری: بہت سی مرتبہ آدمی خود بہت عمدہ پڑھنے والا ہوتا ہے اس کے باوجود اس کا جی چاہتا ہے کہ خود پڑھنے کے بجائے دوسروں سے سنے، کیوں کہ دوسروں سے سننے میں غور وتدبر کا موقع زیادہ ملتا ہے، نیز یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ دوسروں کی زبان سے قرآن سننے کی سنّیت کو اپنے عمل سے امت کو بتلانا اور یہ سنت امت کے درمیان جاری کرنا چاہتے ہوں؛ تاکہ آئندہ جو لوگ بھی دوسروں سے قرآن سنیں ان کے لیے نبیٔ کریم ﷺ کا یہ اسوہ پیشِ نظر ہو، اور وہ یہ نیت کریں کہ یہ بھی حضور ﷺ کی ایک سنت ہے جس پر ہم عمل کررہے ہیں۔

کیا قرآن پڑھنے والے کو روکا جاسکتا ہے؟

فَرَأَيْتُ عَيْنَيْ رَسُولِ اللهِ تَهْمِلَانِ: بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ میں جب اس آیت پر پہنچا، تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: بس۔ یہ بھی ایک سنت ہے؛ اس لیے علاّمہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: قرآن پاک آپ جب کسی سے سننے کی فرمائش کریں، اور اس نے پڑھنا شروع کیا، اور وہ شوق اور رغبت میں پڑھتا چلا جارہا ہے، اور آپ کے سننے کی جو شوق ورغبت والی کیفیت تھی وہ

پوری ہوچکی، تو اس کو وہاں روکا جاسکتا ہے۔ چوں کہ قرآن کی تلاوت ایک اعلیٰ قسم کا عمل ہے، اس پر ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو روکا جائے یا نہیں؟ یہاں نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بس، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اپنی طرف سے فرمائش کر کے پڑھنے کے لیے کہا گیا تھا تو اس کو روکا بھی جاسکتا ہے؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے وہ یہ سوچ کر پڑھتا چلا جارہا ہو کہ بڑے نے مجھ سے پڑھنے کی فرمائش کی ہے، اب جب تک وہ منع نہیں کریں گے وہاں تک رکوں گا نہیں۔

قرآن کریم سنتے ہوئے رونا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ نبیٔ کریم ﷺ رو رہے تھے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: قرآن کریم کی تلاوت کے وقت رونا عارفین کی شان اور صالحین کا شیوہ ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُ ٱلرَّحْمَٰنِ خَرُّواْ سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾﴾ [مریم]: جب رحمن کی کتاب کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی جائیں، تو اُن کو سن کر وہ روتے ہوئے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔ نیز دوسری جگہ قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْعِلْمَ مِن قَبْلِهِۦٓ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾﴾ [الإسراء] ہم سے پہلے جن کو اللہ کی طرف سے علم دیا گیا، جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی ان آیتوں پر حضور ﷺ سے بڑھ کر کون عمل کرنے والا ہوسکتا ہے!!

آپ ﷺ کے رونے کا سبب

آپ ﷺ کا رونا یا تو نفسِ قرآنِ پاک کو سننے کی وجہ سے تھا، یا خاص طور پر اُس آیت کی وجہ سے تھا جس پر نبیٔ کریم ﷺ نے تلاوت کا سلسلہ منقطع کروایا تھا، یعنی ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾﴾ [النساء] پس کیا حال ہوگا اُس وقت جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ قائم کریں گے، اور اے نبی! آپ کو امت کے اوپر گواہ کے طور پر کھڑا کیا جائے گا، گویا قیامت کے روز ہر نبی کو امت کے سامنے سرکاری گواہ کے طور پر کھڑا کیا جائے گا، اس فریضہ کی

ادائیگی کی شدت کا احساس کرتے ہوئے نبئ کریم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چناں چہ بعض روایتوں میں ہے کہ: نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! جن لوگوں کو میں نے دیکھا بھی نہیں ہوگا ان کے متعلق مَیں کیسے گواہی دوں گا؟۔اسی لیے روایتوں میں آتا ہے کہ: حضور ﷺ کے سامنے قبرِ مبارک میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں؛ تاکہ کل کو اسی پیشی کے نتیجہ میں آپ کے لیے گواہی دینا آسان ہوجائے۔

۳۲۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي، حَتَّى لَمْ يَكَدْ يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ، فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَيَبْكِي، وَيَقُولُ: رَبِّ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ؟ رَبِّ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ؟ وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ. فَلَمَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ فَحَمِدَ اللهَ تَعَالَى وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِنِ انْكَسَفَا فَافْزَعُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبئ کریم ﷺ کے زمانے میں ایک دن سورج کو گرہن لگا، پس نبئ کریم ﷺ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایسا لگا کہ آپ ﷺ رکوع ہی نہیں کریں گے۔ پھر رکوع کیا تو ایسا لگا کہ آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھائیں گے ہی نہیں، پھر سر اٹھایا تو ایسا لگا کہ آپ ﷺ سجدہ ہی نہیں کریں گے، پھر سجدہ کیا تو ایسا لگا کہ آپ ﷺ سجدے سے سر ہی نہیں اٹھائیں گے، پھر سجدہ سے سر اٹھایا تو ایسا لگا کہ آپ ﷺ سجدہ ہی نہیں کریں گے، پھر سجدہ کیا تو ایسا لگا کہ آپ ﷺ سجدے سے سر ہی نہیں اٹھائیں گے۔ اور سانس بھرتے جاتے، روتے جاتے اور یہ کہتے جاتے: اے میرے پروردگار! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا ہے کہ تو انھیں عذاب نہیں دے گا جب تک مَیں ان میں رہوں گا؟ اور اے میرے رب! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ اپنے گناہوں سے مغفرت چاہتے رہیں گے ان پر عذاب نہیں بھیجے گا؟ ہم اپنے گناہوں سے مغفرت

چاہتے ہیں۔ جب دو رکعتوں سے فارغ ہوئے تو سورج گرہن سے نکل چکا تھا۔ آپ کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا کہ: سورج اور چاند یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو (بڑی) نشانیاں ہیں، سورج اور چاند میں گرہن کسی کے مرنے اور جینے سے نہیں لگتا ہے۔ اگر ان کو گرہن لگ جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

افادات:

سورج گرہن کا واقعہ کب پیش آیا؟

انْكسفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا: یہ واقعہ ۱۰ھ میں نبیٔ کریم ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم جن کا زمانۂ رضاعت ہی میں انتقال ہو گیا تھا، ان کے انتقال کے روز ہی یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

نمازِ کسوف میں نبیٔ کریم ﷺ کی کیفیت

حتى لم يكد يركع: یعنی آپ نے جب قیام شروع کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے رکوع کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے، قرآن پڑھتے چلے جا رہے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ: پوری سورۂ بقرہ نبیٔ کریم ﷺ نے تلاوت فرمائی تھی۔

فجعل ينفخ ويبكي: شدتِ غم میں آدمی جیسے جوش اور پوری قوت کے ساتھ سانس لیتا ہے ایسی سانس لے رہے تھے، اور رو رہے تھے۔

یہ دستورِ الٰہی ہے کہ....

رَبِّ أَلَمْ تَعِدْنِي إلخ: یہ دراصل سورۂ انفال کی اُس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: و﴿وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ﴾ اے نبی! آپ کے ان کے درمیان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ یہ ہمیشہ سے اللہ کا دستور رہا ہے کہ نبی کی موجودگی میں کسی پر عذاب نہیں آتا، اگر اللہ کی طرف سے کسی قوم کی ہلاکت مقدر ہوتی ہے تو نبی کو پہلے وہاں سے ہٹا دیا جاتا ہے، نبی کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں دیتے۔ اسی آیت میں دوسری بات یہ بھی فرمائی: ﴿وَمَا كَانَ ٱللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾﴾ [الأنفال] کہ لوگ جب تک اپنے گناہوں سے مغفرت چاہتے

رہیں گے وہاں تک اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں بھیجے گا۔تو آپ نماز کسوف میں یہ دعا کررہے تھے کہ: اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میرے ان کے درمیان ہوتے ہوئے ان پر عذاب نہیں بھیجے گا۔اور یہاں میں موجود ہوں اور یہ سب اپنے گناہ سے مغفرت چاہ رہے ہیں۔

ایک عقیدۂ جاہلیت کی تردید

لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاته: دراصل زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ اور نظریہ یہ تھا کہ سورج کو اس وقت گرہن لگتا ہے جب کوئی بڑا مر جائے، یا کسی بڑے آدمی کی پیدائش ہو، اتفاق کی بات کہ جس روز سورج گرہن ہوا اُس روز نبیٔ کریم ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا؛ اس لیے بعض لوگوں نے کہنا بھی شروع کردیا کہ: دیکھو! ان کے انتقال کی وجہ سے سورج گرہن ہوا، چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس جاہلی نظریہ کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو اللہ کی بڑی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لیے ایسا کرتے ہیں؛ تاکہ بندے اللہ کے عذاب سے ڈر کر اللہ کی طرف رجوع کریں اور نافرمانیوں، معصیتوں اور گناہوں والی زندگی سے باز آجائیں، یہ گرہن کسی کی موت اور پیدائش کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

فان انکسفا فافزعوا الی ذکر الله: یعنی اللہ کی یاد میں لگو، کیوں کہ یہی چیز اللہ کے عذاب، اللہ کی گرفت اور اللہ کے غضب سے بچاؤ اور پناہ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اس روایت میں اہلِ علم کے لیے سبق

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جہاں کہیں اس طرح کا کوئی غلط نظریہ ہو، اور ایسا کوئی معاملہ پیش آجائے، تو اہلِ علم کو بھی چاہیے کہ اس موقع کی مناسبت سے لوگوں کی تربیت کرے، اور ان کو صحیح عقیدے کی طرف متوجہ کرے۔ ہمارے یہاں جب سورج گرہن ہوتا ہے تو یہ غیر مسلم جن کے مذہب کی کوئی بنیاد نہیں، ان کے اخباروں کے اندر اضافی صفحات (پورتیاں) شائع ہوتے ہیں، اور ان میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ سورج گرہن ہونے والا ہے تو کیا کرنا ہے؟ فلاں کام کرنا ہے اور فلاں نہیں کرنا، ادھر ادھر کی غلط چیزیں

مسلمان پڑھتے ہیں؛ لیکن یہ توفیق نہیں ہوتی کہ اپنی اپنی مسجدوں میں ائمہ اور علماء اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کریں، کہ اس موقع پر اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ نبیٔ کریم ﷺ نے اس موقع پر کیا ہدایت دی؟ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟۔ باقاعدہ اس کا ایک نظام بنایا جائے، لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ: مسجد میں آؤ، وہاں نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے گی، دعاؤں کا اہتمام ہوگا اور استغفار وغیرہ کا اہتمام ہوگا؛ تاکہ نبیٔ کریم ﷺ کی یہ سنت زندہ ہو۔ اُس زمانے میں تو پتہ نہیں چلتا تھا، اب تو یہ علمِ ہیئت کی وجہ سے حساب کی بنیاد پر پہلے ہی سے یہ لوگ بتادیتے ہیں کہ: فلاں دن اتنے اتنے وقت کے لیے سورج یا چاند کو گرہن لگے گا؛ لہٰذا اہلِ علم کو بھی چاہیے کہ اس کے متعلق جو ہدایتیں اور اسلامی تعلیمات ہیں ان کو لوگوں کے سامنے پیش کریں، ان پر عمل کی ترغیب دیں، اس کے لیے باقاعدہ نظام بنائیں، جیسے نبیٔ کریم ﷺ نے بھی باقاعدہ "الصلاۃ جامعة" کہہ کر لوگوں کو مسجد کے اندر جمع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

٣٢٢ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ ابْنَةً لَهُ تَقْضِي، فَاحْتَضَنَهَا، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَمَاتَتْ وَهِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَصَاحَتْ أُمُّ أَيْمَنَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا فَقَالَ - يَعْنِي ﷺ -: أَتَبْكِينَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ؟ فَقَالَتْ: أَلَسْتُ أَرَاكَ تَبْكِي؟ قَالَ: إِنِّي لَسْتُ أَبْكِي، إِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلَى كُلِّ حَالٍ، إِنَّ نَفْسَهُ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ، وَهُوَ يَحْمَدُ اللهَ تَعَالَى .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی ایک صاحبزادی کو اپنے ہاتھ میں لیا جو قریب الوفات تھی، نبیٔ کریم ﷺ نے اس کو اپنی گود میں اٹھایا، پھر گود سے اٹھا کر اپنے سامنے زمین پر رکھا۔ اس بچی کا انتقال آپ کے سامنے ہی ہوا، (یہ منظر دیکھ کر) ام ایمن رضی اللہ عنہا چلاّ کر رونے لگی، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کے رسول کے سامنے ہی چلاّ کر رونا شروع کر دیا؟ (چوں کہ رسول اللہ ﷺ کے آنسو بہہ رہے تھے؛ اس لیے) انھوں نے عرض کیا: میں دیکھ نہیں رہی ہوں کہ آپ بھی رو رہے ہیں/ حضور! آپ بھی تو رو رہے ہیں! نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: (چلاّ کر) نہیں رو رہا ہوں، یہ (آنسو) تو رحمت ہے۔ مؤمن تو ہر حال میں خیر ہی خیر میں رہتا ہے، یہاں

تک کہ اس کی روح اس کے پہلو سے نکالی جارہی ہوتی ہے، عین اُس وقت بھی وہ اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہے۔

افادات:

یہ بچی کون تھی اور کس کی بیٹی تھی؟

ابْنَةً لَهُ تَقْضِي: حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے فرمایا ہے کہ: آپ ﷺ کی کسی صاحبزادی نے چھوٹی عمر میں آپ کے سامنے وفات نہیں پائی جس کو آپ اپنی گود میں لیں؛ اس لیے یہاں مراد براہِ راست آپ کی صاحبزادی نہیں؛ بلکہ آپ کی اولاد کی اولاد ہے۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا- جو آپ ﷺ کی صاحبزادی ہیں- کی کوئی بیٹی تھی جس کی موت کا وقت قریب آیا تھا، انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کو کہلوایا کہ: آپ تشریف لائیے کہ میرے بچہ کی نزع کی حالت ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے تشریف لے جانے کے بجائے کہلوادیا کہ: صبر سے کام لو، اللہ تعالیٰ ہی کی چیز تھی، وہی دیتا ہے اور وہی لیتا ہے، انھوں نے پھر کہلوایا اور قسم دی کہ آپ کو آنا ہی پڑے گا، چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ تشریف لے گئے، انھوں نے اپنا بچہ نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھ میں دیا، اس کی سانس اُکھڑ رہی تھی یعنی روح قبض ہو رہی تھی۔

صَاحَتْ أُمُّ أَيْمَنَ: ام ایمن رضی اللہ عنہا یعنی وہ خاتون جنھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کو بچپن میں کھلایا تھا، پرورش کی تھی۔

اتبكين عند رسول الله ﷺ: اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں تم اس طرح چلا کر روتی ہو؛ حالاں کہ اس طرح چلا کر رونے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی حرکت جس کی ممانعت حدیث اور شریعت میں آئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کرتی ہو؟

ألست اراك تبكي؟: نبیٔ کریم ﷺ کی آنکھ مبارک سے بھی آنسو ٹپک رہے تھے، تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کا تنبیہ بھرا سوال سن کر جواب میں عرض کیا: میں دیکھ نہیں رہی ہوں کہ آپ بھی رو رہے ہیں؟ یعنی آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک رہے ہیں۔

ہر مومن کے دل میں جذبۂ رحمت کے شرارے ہیں

إنما هي رحمة: اللہ تعالیٰ نے ہر مؤمن بلکہ ہر انسان کے دل میں عام طور پر جذبۂ رحمت کی کیفیت رکھی ہے، جب کسی دوسرے کو مصیبت کی حالت میں دیکھتا ہے تو اس جذبۂ رحمت کی وجہ سے اس کے دل میں یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ اس کی تکلیف کو دیکھ نہیں سکتا ہے، اور اس کا بھی دل اس منظر کو دیکھ کر بھر آتا ہے۔ اسی کو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: یہ تو ایک جذبۂ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر مؤمن کے دل میں رکھا ہے، اسی کا اثر ہے جو میری آنکھوں سے آنسو کی شکل میں ٹپک رہا ہے۔ شریعت نے اُس رونے سے منع کیا ہے جس میں چلانا ہو جیسا کہ تم رو رہی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی موت پر اس طرح آنکھوں سے غیر اختیاری آنسو نکل آئے تو اس پر شریعت کی طرف سے کوئی گرفت نہیں ہے۔

اسی جذبۂ رحمت کی وجہ سے کسی کی اولاد کیا! جانور تک کو آدمی جب تکلیف میں دیکھتا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے، اس کو برداشت نہیں کرسکتا، بے چین ہو جاتا ہے، یہ اس جذبۂ رحمت کا تقاضا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے قلوب اس جذبۂ رحمت سے خالی ہوتے ہیں؛ ورنہ عموماً یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے دل میں رکھی ہے۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

یہاں اس روایت کو پیش کرنے کا مقصد بھی نبیٔ کریم ﷺ کی نرم دلی کو بیان کرنا ہے، کہ آپ کا قلب مبارک کتنا نرم تھا، ہر کسی کی تکلیف دیکھ کر آپ رو پڑتے تھے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ اولاد کی محبت تو ویسے بھی فطری ہے، اس کی وجہ سے بہت زیادہ آدمی کی طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔

ان المؤمن بكل خير: گویا مؤمن کی تو پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں، ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔

وهو يحمد الله تعالىٰ: یعنی جب آدمی ایمان کے ساتھ جاتا ہے، کلمہ پڑھتے ہوئے خوشی خوشی جاتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ مؤمن کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ مصیبت کے اندر صبر سے کام لیتا ہے اور نعمت کے اندر شکر سے۔ اس کی ہر حالت اللہ کو راضی کرنے کا

ذریعہ بنتی ہے۔

۳۴۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِي أَوْ قَالَ: وَعَيْنَاهُ تُهْرَاقَانِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس وقت آپ رو رہے تھے۔ یا راوی نے یہ کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو ٹپک رہے تھے۔

افادات:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو شروع دعوت میں اسلام لائے تھے یعنی سابقین اولین میں سے ہیں، تیرہ آدمیوں کے بعد چودھویں نمبر پر انھوں نے اسلام قبول کیا تھا، اور حبشہ کی بھی ہجرت کی تھی، پھر وہاں سے واپس آنے کے بعد مدینۂ منورہ کی بھی ہجرت کی۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، اور مدینۂ منورہ میں مہاجرین میں سب سے پہلے وفات پانے والے یہی ہیں، اور جنت البقیع میں سب سے پہلے ان ہی کی قبر بنی، جب ان کو دفن کیا گیا تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علامت کے طور پر ایک پتھر رکھا کہ میں اپنے اہلِ خاندان کو یہیں دفن کروں گا۔

میت کو بوسہ دینے کا حکم

موت کی حالت میں میت کو بوسہ دیا جا سکتا ہے۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا تھا۔

وھو یبکی: رونے کا مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، آواز سے رونا -جس کی ممانعت آئی ہے- مراد نہیں۔ یہاں اس روایت کو لانے کا مقصد بھی یہی جملہ ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا ثابت ہوتا ہے۔

۳۲۴ – حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ، أَخْبَرَنَا فُلَيْحٌ وَهُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: شَهِدْنَا ابْنَةً لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَرَسُولُ اللهِ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدمَعَانِ، فَقَالَ: أَفِيكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَا قَالَ: انْزِلْ، فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صاحبزادی کے جنازے میں شریک ہوئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے پاس تشریف فرما تھے، میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھیں اشکبار ہوگئی ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جو آج کی رات عورت کے پاس نہ گیا ہو؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر قبر میں تم اترو، چناں چہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔

افادات:

ذوالنورین کہنے کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے موقع پر قافلہ کے تعاقب کے لیے تشریف لے جارہے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی مجلس میں تھے اور انھوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو روک دیا، کہ رقیہ بیمار ہے، تم ان کی تیمارداری میں مشغول رہو، تمھارے لیے شریکِ جنگ کے بہ قدر ثواب بھی ملے گا اور ان کو جو مالِ غنیمت کا حصہ ملے گا وہ بھی تمھیں دیا جائے گا، یعنی حکماً تم غزوہ میں شریک سمجھے جاؤگے، چناں چہ وہ ٹھہر گئے۔ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر میں تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا، بدر سے جب فتح کی خوشخبری لے کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ بھیجا، تو وہ مدینہ اس وقت پہنچے جب کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین ہورہی تھی۔ ان کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں یہ کہہ کر دی تھی کہ: میں نہیں دے رہا ہوں؛ بلکہ حضرت جبرئیل نے آکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا کہ تم عثمان کے نکاح میں دوسری بیٹی بھی دو۔ چناں چہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو

حضورﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا؛ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ''ذوالنورین'' (دونور والے) ہے۔ دونور سے مراد نبئ کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں ہیں جو یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں تھیں۔ یہ واقعہ دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کا ہے۔

جالس على القبر: قبر کھودی جارہی تھی، تیار ہورہی تھی، اس لیے بیٹھے ہوئے تھے۔

فرأيت عينيه تدمعان: یہاں یہ روایت اسی لیے لائے، کہ آنسو بہانے اور رونے کا تذکرہ ہے۔

حضورﷺ کی محبت بھری تنبیہ

لم يقارف: یعنی آج رات جس نے اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو۔ اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو؛ لیکن اس مطلب کو شراحِ حدیث نے مرجوح قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ گناہ کا ارتکاب نہ کرنے کا دعویٰ ایسا نہیں تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضورﷺ کے سامنے کرتے؛ اس لیے یہاں پہلا معنیٰ - آج رات جس نے اپنی بیوی یا باندی سے صحبت نہ کی ہو- زیادہ راجح ہے۔

بات دراصل یہ ہوئی تھی کہ جس رات ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی باندی سے صحبت کرکے اپنی ضرورت پوری کی تھی، تو نبئ کریم ﷺ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اشاروں اشاروں میں تنبیہ کررہے تھے کہ، تمھارے گھر میں حضورﷺ کی صاحبزادی بیمار تھی، اور اس کے ہوتے ہوئے تم اپنی باندی سے شہوت پوری کررہے تھے! شکایت اپنوں ہی سے ہوتی ہے، ویسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ عذر ہوسکتا تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بیماری کا زمانہ طویل ہوجانے کی وجہ سے ان کو اپنی ضرورت پوری کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، اور ان کو یہ خیال بھی نہ ہوا کہ آج رات یہ چل بسیں گی، اور انھوں نے اپنی ضرورت کی وجہ سے باندی سے اپنی خواہش پوری کرلی، پھر اتفاق سے اسی رات ان کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح دونوں چیزیں اپنی جگہ درست ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عذر بھی معقول ہے اور حضورﷺ کی تنبیہ بھی اپنی جگہ پر درست ہے، کہ جس لڑکی کو اللہ کے حکم سے تمھارے نکاح میں دیا تھا اس کا تم کو اتنا تو خیال رکھنا چاہیے تھا۔ بہرحال حضورﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اترنے نہ دینے کے لیے فرمایا کہ: کوئی ہے جس نے آج صحبت نہ کی ہو؟۔

عورت کی قبر میں نامحرم اُتر سکتا ہے؟

قَالَ: انْزِلْ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کی قبر میں نامحرم بھی اتر سکتا ہے، ویسے بہتر یہ ہے کہ عورت کو دفن کرنے کے لیے کوئی محرم مرد قبر میں اترے؛ لیکن محرم نہ ہونے یا معذور ہونے کی صورت میں نامحرم- جو صالح قسم کے ہوں- کو قبر میں اتارا جاسکتا ہے۔ عورت کی قبر میں محرم کا اترنا احناف کے نزدیک صرف مستحب ہے، فرض یا واجب نہیں، اسی لیے شراح فرماتے ہیں کہ: اس طرح کی محبت بھری تنبیہ کے لیے ترکِ استحباب کیا جاسکتا ہے۔ نیز دوسری بات یہ بھی مقصود تھی کہ اس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے سامنے ایک مسئلہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ: عورت کی قبر میں نامحرم بھی اتر سکتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے تو پھر کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

٤٧ - بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کا بیان

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر کیسا ہوتا تھا؟ جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو بستر تھا وہ ٹاٹ کا تھا، اسی ٹاٹ ہی کو دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا تھا، جس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرماتے تھے، اور کبھی بوریہ اور چٹائی پر بھی آرام کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوریے پر لیٹے ہوئے تھے، اور آپ کے لیٹنے کی حالت میں اوپر والی چادر ہٹ گئی تھی، جس کی بنا پر آپ کی پیٹھ مبارک پر بوریے کے نشانات پڑے ہوئے تھے، یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے، میرا دل بھر آیا اور میں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ قیصر وکسریٰ، یہ اللہ کے دشمن تو نعمتوں میں لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہو کر اس طرح تکلیف اٹھا رہے ہیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابن مسعود! تمہیں معلوم نہیں! ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت ہے، اللہ تعالیٰ ان کافروں کو دنیا میں ہی نمٹا دیتے ہیں، آخرت میں کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾﴾[آل عمران]: ان کافروں کا اس طرح اللہ کی نعمتوں میں آنا جانا اور لوٹ پوٹ ہونا تم کو دھوکے میں نہ ڈالے، یعنی ان کو ان چیزوں میں دیکھ کر تمھاری آنکھیں خیرہ نہیں ہونی چاہیے، تھوڑے دنوں کے لیے جب تک دنیا کی زندگی ہے فائدہ اٹھانا ہے، اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ: جس زمانہ میں نبیٔ کریم ﷺ نے ایک مہینہ تک کے لیے ازواجِ مطہرات کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی، اور آپ اپنے بالا خانہ پر تشریف لے گئے تھے، تو مدینہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت پتہ چلا تو صبح جلدی سے دوڑے ہوئے آئے، اور آ کر بالا خانہ پر چڑھے، دیکھا وہاں ایک بچہ دربانی کے لیے بیٹھا ہوا ہے، کہا کہ: تم حضور ﷺ کو اطلاع دو کہ عمر آیا ہے اجازت چاہتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد اس بچہ نے آ کر کہا کہ: میں نے کہا؛ لیکن حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، آپ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں اتر کر مسجد میں گیا، مسجد میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، کچھ اس واقعہ کی وجہ سے رو رہے تھے، میں بھی جا کر بیٹھ گیا؛ لیکن مجھے چین اور سکون نہیں تھا، تھوڑی دیر کے بعد پھر اٹھ کر وہاں بالا خانہ پر گیا اور اس خادم سے کہا: کہو کہ عمر آیا ہے، اجازت چاہتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد اس نے آ کر کہا: میں نے اطلاع دی؛ لیکن حضور ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا، حضرت عمر اتر آئے۔ پھر مسجد میں گئے، تھوڑی دیر بیٹھے، چین نہیں آیا پھر تیسری مرتبہ گئے، اور پھر جا کر اس سے کہا، اس نے آ کر وہی جواب دیا، یہ اتر کر آ رہے تھے کہ اس نے آواز دی کہ: حضور ﷺ نے اجازت دی ہے۔

چناں چہ وہ چڑھے اور دروازہ پر کھڑے کھڑے نبیٔ کریم ﷺ سے پہلا سوال کیا کہ: اے اللہ کے

رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نہیں، بس ''نہیں'' کا جواب سنا تو مارے خوشی کے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا، خوش ہو گئے؛ اس لیے کہ جو خبر سنی تھی وہ غلط تھی۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وہیں کھڑے کھڑے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اجازت ہو تو کچھ دو باتیں کر سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ: ہاں، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا قصہ سنایا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم مہاجرین، مکہ کے رہنے والے عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے، جب کہ مدینہ میں عورتوں کا ہی چلن ہے، وہی مردوں پر غالب آتی ہیں، جب ہم ہجرت کر کے مدینۂ منورہ آئے، تو چوں کہ عورتیں ایک دوسرے سے سیکھتی ہیں؛ لہٰذا ہماری عورتوں نے بھی ان عورتوں سے وہ غلط طریقہ سیکھ لیا، کہ اب وہ بھی مردوں پر اپنا رعب ڈالنے لگی۔ میرا ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں اپنے ایک معاملہ میں سوچ رہا تھا، کوئی معاملہ پیش آیا تھا، میری بیوی کو معلوم تھا کہ فلاں معاملہ میں سوچ رہے ہیں، اس نے میرے کہے بغیر کہا کہ: اگر آپ ایسا کریں تو! گویا اس نے میرے پوچھے بغیر اپنی طرف سے مشورہ دیا، مجھے غصہ آ گیا، میں نے کہا کہ: تیری اتنی جرأت کہ تو مجھے مشورہ دینے لگی، اس پر میری بیوی نے کہا: اے ابنِ خطاب! آپ کی بھلائی کے لیے میں نے ایک بات کہی ہے، اس پر بھی آپ مجھ پر اتنا ناراض ہو رہے ہو؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیویاں تو بعض چیزوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پلٹ کر سامنے جواب دیتی ہیں، اور کبھی تو دن بھر کٹّی رہتی ہیں، اس پر میں نے کہا کہ: کیا ایسا ہے؟ تب تو حفصہ ہلاک ہوئی۔ ان کو اپنی بیٹی حفصہ کی پہلے فکر ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں یہ سن کر سب سے پہلے حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور ان سے تحقیق کی، کہ آج مجھے اپنی بیوی کے ساتھ بات چیت کے دوران ایسا معلوم ہوا ہے کہ کبھی تم لوگ ایسا کرتی ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہوتا ہے، تو انھوں نے کہا کہ: اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایسا کرو گی اور حضور ناراض ہو جائیں گے تو اللہ ناراض ہو جائے گا، اور تمھارا بیڑا غرق ہو جائے گا، آئندہ کبھی ایسا مت کرنا! اگر تم کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم اپنا تقاضہ وہاں پیش مت کرنا، مجھے کہہ دینا میں لا دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں تو اس دن یکے بعد دیگرے سب کو نصیحت کرنے کے لیے نکلا تھا، نمبر دو پر ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر گیا؛ اس لیے کہ ان کے ساتھ

رشتہ داری تھی، اوران کو جا کر یہی نصیحت کی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بڑا کرارہ جواب دیا کہ: اے ابنِ خطاب! تم عجیب آدمی ہو! ہر چیز میں دخل دیتے ہو، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی بیویوں کا ذاتی مسئلہ ہے، اس میں بھی تم دخل دیتے ہو! کیا ہماری اصلاح کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی نہیں ہیں جو تم ہم کو نصیحت کرنے کے لیے آئے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ان کا یہ سخت جواب سن کر میرے سارے حوصلے پست ہو گئے، اور دوسری بیویوں کے پاس جا کر نصیحت کا جو ارادہ تھا وہ سب میں نے منسوخ کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے جب یہ سارا قصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنستا ہوا دیکھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جی اَور خوش ہو گیا؛ کیوں کہ وہاں ناراض ہو کر غمگینی کی وجہ سے آپ ٹھہرے ہوئے تھے، اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ: میں اندر آ سکتا ہوں؟ جواب ملا: ہاں۔ اندر جا کر بیٹھا تو میں نے کمرے کا جائزہ لیا، وہاں ایک رسی سے بنی ہوئی چارپائی تھی، اس پر کوئی بستر نہیں تھا، اس پر لیٹنے کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر بان اور رسی کے نشانات پڑے ہوئے تھے، اور وہاں کچھ چمڑے پڑے ہوئے تھے اور دباغت دینے کے لیے بیری کے پتے تھے، اَور کچھ نہیں تھا۔ یہ منظر دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں، اور میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ قیصر و کسریٰ اللہ کے دشمن تو اللہ کی نعمت میں لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور اِن تکلیفوں میں مبتلا ہیں؟ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنتے ہی زور سے میرے سینہ پر ہاتھ مارا، أفي شكٍ أنت يا ابن خطاب! اے ابن خطاب! کیا تم شک اور تردد میں ہو؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت؟۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے آخرت رکھی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ: کوئی کافر دنیا میں پانچ سو سال تک دنیا میں رہے اور نعمتوں میں لوٹ پوٹ ہوتا رہے، ایک دن کے لیے؛ بلکہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کو کوئی تکلیف نہ ہو، وہ جب مرنے کے بعد جہنم میں ڈالا جائے گا، اور جہنم کی پہلی ملاقات پر اس سے پوچھا جائے گا: کبھی تو نے کوئی نعمت اور راحت دیکھی؟ تو وہ قسم کھائے گا کہ: اللہ کی قسم! میں نے کبھی کوئی نعمت اور راحت نہیں دیکھی۔ اور کوئی مؤمن دنیا میں پانچ سو سال مصیبت کے ساتھ گذارے،

اورموت کے بعد جب جنت میں بھیجا جائے گا، اوراولین ملاقات میں اس کو پوچھا جائے گا کہ: کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ تو کہے گا: میں نے کبھی کوئی تکلیف نہیں دیکھی۔ مثال کے طور پر جیسے آدمی سفر میں گیا ہو، کتنی ہی تکلیفیں ہوئی ہوں، جب گھر آئے گا تو گھر آتے ہی بڑی سے بڑی تکلیف کو بھی آدمی بھول جاتا ہے، یادبھی نہیں آتا، خیال بھی نہیں آتا کہ اس سفر میں اتنی تکلیفیں تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے؛ بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال تو یہ تھا کہ جب ان کو کوئی نعمت ملتی تھی تو ڈرتے تھے، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کو ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا کی نعمتوں کی شکل میں یہیں دے دیا گیا ہو۔ قرآن میں ہے: اللہ قیامت کے دن کافروں سے کہے گا: ﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ ٱلدُّنْيَا﴾[الأحقاف] کہ تم اپنی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں حاصل کر چکے ہو، یہاں کیا چاہتے ہو؟

بخاری شریف میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ: ایک مرتبہ وہ روزہ سے تھے اور شام کے وقت آپ کے پاس افطار کا سامان لایا گیا، وہ زمانہ مسلمانوں کی فتوحات کا تھا، اللہ نے مال ودولت دیا تھا، اب افطاری میں اچھی چیز آئی تو نعمت دیکھ کر پہلا زمانہ یاد آ گیا، کہنے لگے کہ: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ دنیا سے ایسی حالت میں تشریف لے گئے کہ ان کے کفن کے لیے ایک چادر تھی، جب ان کے چہرہ کو چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ان کے چہرے کو ڈھانپ لو۔ اس خیال کے آنے سے انھوں نے کھانا نہیں کھایا اور رونے لگے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ڈرتے تھے، اب ہمارا حال تو الٹا ہو گیا، دنیا کی نعمت ملتی ہے تو خوش ہوتے ہیں، اور کوئی تکلیف آتی ہے تو یوں سمجھتے ہیں کہ: میں نے کون سا گناہ کیا ہوگا؟ نعوذ باللہ ہم تو ہر وقت گناہ ہی میں رہتے ہیں، کون سا گناہ کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ اور بعض تو دو چار پیسے مل گئے تو اس کو تعبیر کرتے ہیں: اللہ میاں نے ہاتھ پکڑا، گویا اب تک تو اللہ نے ہاتھ نہیں پکڑا تھا، یہ تعبیر کتنی خطرناک ہے!!! اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

۳۲۵ – حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ أَدَمٍ

حَشْوُہُ لِيفٌ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

افادات: بستر چمڑے سے بنا ہوا ہوتا تھا اور اندر جیسے ہمارے یہاں روئی یا اسپنج وغیرہ بھرا جاتا ہے، تو وہاں اندر کا بھراوا کھجور کی چھال تھی، کھجور کے درخت کے اوپر ایک جالی دار مادہ لٹکا ہوا ہوتا ہے، جیسا کہ آپ نے ناریل کے درخت پر بھی وہ جالی دار مادہ دیکھا ہوگا، وہ نرم ہوتا ہے، اس زمانے میں تکیہ اور بستر میں بھرا جاتا تھا جیسے ہمارے یہاں ابھی تک صوفے وغیرہ میں اسی کو بھرتے ہیں۔ چھال کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے تنہ کے اوپر والے حصے کو اکھاڑ کر بھرا جائے۔ اور کبھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بستر کے طور پر عباء کو بھی استعمال فرمایا ہے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک انصاری عورت میرے گھر حاضر ہوئی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عباء بچھی ہوئی تھی جس پر آپ نے آرام کیا تھا، اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی پر آرام فرماتے ہیں، وہ دیکھ کر گھر گئی اور اس نے عمدہ سا گدا جس میں نرم نرم اون بھری تھی، تیار کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بستر کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھیجا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو وہ رکھا ہوا تھا، پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا: ایک انصاری عورت آئی تھی اور آپ کی عباء بچھی ہوئی تھی جس پر آپ آرام فرماتے تھے، اُس نے اسے دیکھ کر پوچھا تو میں نے بتلا دیا کہ اس پر آپ آرام فرماتے ہیں، تو اس نے یہ بنا کر بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اس کو واپس کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: وہ اتنا اچھا تھا کہ میرا جی اس کو واپس کرنے کو چاہتا نہیں تھا، اس لیے میں نے ذرا پس و پیش کی، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید سے فرمایا: نہیں، اس کو واپس بھیج دو، میں اگر چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے لیے پہاڑوں کو سونا اور چاندی کر کے جاری کر دے گا؛ لیکن مجھے یہ چیز پسند نہیں۔ چناں چہ وہ لحاف اس عورت کے پاس واپس بھیج دیا گیا۔

پتہ چلا کہ یہ مشقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی اختیاری تھی۔ حدیث میں آتا ہے: باری تعالیٰ نے

مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو نبی اور بادشاہ بنایا جائے۔ نبیوں میں بھی بادشاہ ہوئے ہیں: حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمانؑ؛ اور اگر آپ چاہیں تو مسکین نبی بنایا جائے، چناں چہ حضور ﷺ نے فرمایا: یا اللہ! مَیں تو اِسی مسکنت والی زندگی کو پسند کرتا ہوں، ایک دن کھاؤں تو تیرا شکریہ ادا کروں، اور ایک دن بھوکا رہوں تو صبر سے کام لوں۔

٣٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُونٍ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سُئِلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِكِ؟ قَالَتْ: مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ.

ترجمہ: حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ: آپ کے گھر میں نبیٔ کریم ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: چمڑے کا تھا، اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

٣٢٧ - وَسُئِلَتْ حَفْصَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِكِ؟ قَالَتْ: مِسْحٌ نَثْنِيهِ ثِنْيَتَيْنِ فَيَنَامُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ: لَوْ ثَنَيْتُهُ أَرْبَعَ ثَنْيَاتٍ لَكَانَ أَوْطَأَ لَهُ فَثَنَيْنَاهُ لَهُ بِأَرْبَعِ ثَنْيَاتٍ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: مَا فَرَشْتُمُوْنِي اللَّيْلَةَ؟ قَالَتْ: قُلْنَا: هُوَ فِرَاشُكَ إِلَّا أَنَّا ثَنَيْنَاهُ بِأَرْبَعِ ثَنْيَاتٍ، قُلْنَا: هُوَ أَوْطَأُ لَكَ قَالَ: رُدُّوهُ لِحَالِهِ الْأُولَى، فَإِنَّهُ مَنَعَتْنِي وَطَاءَتُهُ صَلَاتِيَ اللَّيْلَةَ.

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ: آپ کے گھر میں نبیٔ کریم ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا، ہم اس کو دوہرا کر دیتے تھے، آپ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:) ایک رات مجھے خیال آیا کہ اگر مَیں اسے چوہرا کر کے بچھاؤں تو نبیٔ کریم ﷺ کے لیے نرم اور آرام دہ ہوگا، چناں چہ ایک رات ہم نے چوہرا کر کے بچھایا، صبح ہوتے ہی نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: آج رات تم نے میرے واسطے کیا بچھایا تھا؟ فرماتی ہیں: ہم نے کہا: وہی آپ کا ہی بستر؛ البتہ آج ہم نے (خلافِ معمول) چوہرا کیا تھا، ہم نے سوچا تھا کہ وہ آپ کے لیے آرام دہ ہوگا، حضور ﷺ نے فرمایا: (ایسا نہ کرو؛ بلکہ) پہلے کی طرح بچھایا کرو؛ کیوں کہ اس کی نرمی نے آج رات مجھے تہجد سے روک دیا۔

افادات: فَإِنَّهُ مَنَعَتْنِي وَطَاءَتُهُ صَلَاتِيَ اللَّيْلَةَ: یعنی یا تو تہجد کے لیے آنکھ ہی نہیں کھلی،

یا معمول کے حساب سے دیر سے کھلی۔ بستر نرم ہوتا ہے تو نیند گہری اور زیادہ آتی ہے، اور اگر بستر کھردرا اور سخت ہو تو نیند زیادہ بھی نہیں آئے گی، اور ذرا چوکنی نیند آئے گی۔ جب نبیٔ کریم ﷺ پر بستر کی نرمی یہ اثر کرسکتی ہے تو ہما شما کا کیا حال ہوگا! آج کل ہم جس طرح کے بستر استعمال کرتے ہیں اس کے بعد ہم یہ امید اور توقع باندھیں کہ صبح اٹھ کر اللہ کی عبادت کریں گے تو یہ "ایں خیال است ومحال است وجنون" کا مصداق ہے، اللہ توفیق دے تو بات اَور ہے۔

اللہ کے مخصوص بندے عیش پرست نہیں ہوتے

بہر حال! نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے عمل سے یہ درس دیا کہ: مؤمن کی زندگی دنیا میں اسی طرح سادہ ہونی چاہیے، تنعم اور خوش حالی والی نہ ہو۔ فضائلِ صدقات میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نبیٔ کریم ﷺ نے نصیحت فرمائی تھی: اياك والتنعم فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين اے ابن عمر! اس طرح خوش حالی سے نعمتوں کو استعمال کرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ؛ اس لیے کہ اللہ کے مخصوص بندے عیش پرستی نہیں کیا کرتے۔

٤٨ - بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم ﷺ کی تواضع کا بیان

افادات: تواضع کا مطلب ہے: انکساری اور آدمی کا اپنے آپ کو ہیچ سمجھنا۔ ہیچ کہنا نہیں، ہیچ سمجھنا، یعنی مَیں ناچیز ہوں، میری کیا حیثیت ہے! اگر کوئی اسی کو کہہ دے: تم ناچیز ہو، تو دیکھ لیجیے اس کا منہ پھول جائے گا؛ اس لیے کہنا نہیں؛ بلکہ اپنے آپ کو ایسا سمجھنا اصل ہے۔ اللہ کے وہ بندے جن کی نگاہ میں اللہ کی صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے، مقامِ شہود پر پہنچے ہوئے ہیں، اللہ کی ذات وصفات کا ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے نتیجہ میں ان کے اپنے کمالات ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں، جیسے دن کے وقت آپ دیکھتے ہیں کہ آفتاب کے ہوتے ہوئے کوئی ستارہ نظر نہیں آتا، ایسا نہیں ہے کہ

آسمان پر ستارہ نہیں ہے، ستارے تو وہیں ہیں جو رات کو نظر آتے ہیں؛ لیکن آفتاب کی روشنی کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی ستارہ ہی نہیں ہے، اسی طرح اللہ کے وہ بندے جو اللہ کی ذات وصفات کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کو اپنے کمالات اور اپنی خوبیاں نظر نہیں آتیں، وہ اپنے آپ کو واقعتاً ہیچ سمجھتے ہیں۔ جیسے کبھی کوئی آدمی کسی بڑے عالم کی مجلس میں پہنچا ہو، اور وہاں دورانِ بیان یا دورانِ درس اس کے علم کے مظاہر سامنے آئیں، تو ایسے وقت وہ دل میں سوچتا ہے کہ ان کے سامنے تو اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ یہ تواضع ہے، کہ آدمی حقیقتاً یہ سمجھے کہ میرے اندر کچھ نہیں ہے۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اللہ کی ذات وصفات کا مشاہدہ آدمی کو حاصل ہو؛ ورنہ جو زبان سے بولے اور دل میں ایسی بات نہ ہو، تو اسے تواضع کا اظہار تو کہا جا سکتا ہے؛ لیکن حقیقتِ تواضع نہیں۔ چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا جو مشاہدہ حاصل تھا، ظاہر ہے کسی اَور کو کہاں حاصل ہو سکتا ہے؛ اس لیے آپ کو جو تواضع حاصل تھی اور آپ تواضع کے جس مقام پر فائز تھے وہاں تک نہ کوئی پہنچا ہے، نہ پہنچ سکتا ہے۔ آپ کی ذات میں اعلیٰ درجہ کی تواضع تھی، کبھی آپ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوتے تھے تو اس انداز سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آتے تھے گویا ایک عامی آدمی ہو، اپنے آپ کو عمومی مجمع کا ایک فرد سمجھ کر ان کے ساتھ معاملہ کرتے، اپنے آپ کو ممتاز کر کے نہیں رکھتے تھے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے آپ کو لیے لیے پھرتے ہیں، یعنی کہیں بھی ہوں اس انداز سے پیش آتے ہیں اور ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ کوئی شخصیت ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا طرزِ زندگی اختیار نہیں فرماتے تھے۔

قیامِ مدینہ کے ابتدائی زمانے میں ایسا ہوتا کہ آپ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بیٹھتے تھے تو آپ کے بیٹھنے کے لیے کوئی الگ نشست اور بیٹھک نہیں تھی، کوئی نیا آدمی آتا تھا تو اس کو پوچھنا پڑتا تھا کہ: أیکم محمد؟ تم میں سے محمد کون ہے؟ جب بار بار ایسی صورتیں پیش آنے لگیں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی مجلس کے لیے ہم مستقل ایک بیٹھک بنائیں؛ تاکہ آپ اس پر تشریف فرما ہوں، اور جب ہم بیٹھے ہوئے ہوں اور کوئی نیا آدمی آئے تو اس کو یہ پوچھنا نہ پڑے کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ پھر آپ کی اجازت سے بیٹھک بنائی گئی۔

مجلس میں حال یہ ہوتا کہ پہلے سے مجلس لگی ہوئی ہوتی تھی، اور آپ تشریف لاتے تو یہ نہیں کہ مجلس چیر کر آگے بیٹھنے کی کوشش کرتے، جہاں مجلس ختم ہوتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے، یہ بات اُور رہی کہ جب آپ وہاں بیٹھ جاتے تھے تو لوگ گھوم کر آپ ہی کو مرکز بنا لیتے تھے؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ اپنے لیے کوئی امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے کہ: ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ سفر میں تھے، بکری ذبح کرنے کی تجویز ہوئی، ایک نے کہا: میں ذبح کروں گا، ایک نے کہا: میں کھال اتاروں گا، ایک نے کہا: میں پکاؤں گا، تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں مَیں جمع کروں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ کام بھی ہم کرلیں گے، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تو مجھے معلوم ہے کہ یہ کام تم شوق سے کرلو گے، احسان سمجھ کر کرلو گے؛ لیکن میں اپنے آپ کو کوئی ممتاز بنا کر رکھنا نہیں چاہتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ بھی اس چیز کو پسند نہیں کرتے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جب نبیٔ کریم ﷺ لشکر لے کر قریش کے قافلہ کے تعاقب کے لیے روانہ ہوئے، تو سواریاں بہت کم تھیں اور آدمی زیادہ تھے، ایک ایک اونٹ پر دو دو، تین تین، چار چار آدمی باری باری سوار ہوتے تھے، ایک اونٹ پر حضور ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ: یہ تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے، یعنی ایک سوار ہوتا اور باقی دو پیدل چلتے، دوسرا سوار ہوتا تو باقی دو پیدل چلتے، تیسرا سوار ہوتا تو پہلے دو پیدل چلتے، جب حضور ﷺ کے چلنے کی باری آتی تو یہ دونوں حضرات: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے: اے اللہ کے رسول! ہماری باری پر آپ سواری کرلیں، آپ کے بدلے ہم چل لیں گے، تو اللہ کے رسول ﷺ جواب میں فرماتے: وہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ تم شوق سے ایسا کرلو گے؛ لیکن نہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں ثواب سے بے نیاز ہوں۔ اگر میں کمزور ہوتا اور میری کمزوری کی وجہ سے تم ایسا کرتے تو بات ٹھیک تھی، اور مجھے ثواب کی بھی ضرورت ہے، میں بھی ثواب کا محتاج ہوں۔ دیکھو! حضور ﷺ یہ جملہ فرما رہے ہیں۔

بہر حال! اس نوع کے بے شمار واقعات ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے اندر بھی اپنی عادت کے

مطابق چند نمونے نبیٔ کریم ﷺ کی تواضع کے پیش فرماتے ہیں۔

۳۲۸ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ عَبدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللهِ فَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ .

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ میری تعریف کے اندر مبالغہ آرائی مت کرو/ مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ آرائی کی/عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے رتبے سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں؛ لہٰذا تم (میرے متعلق) یہی کہا کرو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

افادات: لَا تُطْرُونِي إلخ: یعنی مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھایا، کہ اللہ کا بیٹا ہی قرار دے دیا اور تین خداؤں میں ایک خدا ان کو بھی بنا دیا۔

میں تو بندہ ہوں

إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ: کوئی ایسی تعریف جو بندگی سے بڑھ کر ہو مت کرنا، ایسی تعریف کر کے جس کی وجہ سے ’’بندہ‘‘ کے بجائے -نعوذ باللہ- ’’خدائی‘‘ کے درجے میں بیٹھ جاؤں، ایسے الفاظ میرے لیے استعمال مت کرنا بلکہ تم میری تعریف میں جو باتیں کہو اس میں یہ پہلو سامنے رہنا چاہیے کہ: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ یعنی تعریف کا انداز ایسا ہونا چاہیے جس کی وجہ سے شانِ عبدیت سے ہٹ کر شانِ ربوبیت تک پہنچانے کی نوبت نہ آئے، بس اس کا بندہ اور رسول ہوں، گویا ایک حد قائم کر دی کہ اس میں رہ کر تعریف کرو، اس سے آگے مت بڑھو۔ دیکھو! یہ ہے نبی کی تواضع کا اثر۔

۳۲۹ – حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، فَقَالَ: اجْلِسِي فِي أَيِّ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ شِئْتِ أَجْلِسْ إِلَيْكِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک عورت نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ: مجھے آپ سے (تخلیہ میں) ایک کام ہے، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مدینہ کے کسی بھی راستے میں جاکر بیٹھ جا، مَیں وہاں آکر بیٹھ جاؤں گا (اور تیری بات سن لوں گا)۔

افادات: فقال اجلسی إلخ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام عورت کی بات کو اس طرح عام راستہ میں بیٹھ کر سننے کے لیے آمادگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ آپ کی اعلیٰ درجہ کی تواضع ہے۔ اب یہ راستہ کا تذکرہ اس لیے کیا کہ: اجنبی عورت کی بات اور وہ بھی تنہائی میں ہو تو اجنبی عورت کے ساتھ ایسی تنہائی کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجائے، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اب لوگوں کے سامنے بولے گی تو وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، تو اس طرح ایسی جگہ پر بیٹھی کہ دوسرے لوگ دور سے دیکھ رہے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بات بھی سن لیں اس طرح اس کا مقصد بھی حاصل ہوجائے گا اور اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اور خلوت میں بیٹھنے کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔

بہر حال! اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع، انکساری اور آپ کا اپنے آپ کو ہیچ اور معمولی سمجھنا معلوم ہوتا ہے، کہ دیکھو! ایک عام عورت کی بات کو اس طرح سننے کے لیے آمادگی کا اظہار فرماتے ہیں، کہ تو کہیں بھی جاکر بیٹھ جا میں وہاں آکر سن لوں گا۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ: اس عورت کی عقل میں فتور تھا اس لیے اس طرح فرمایا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری بھی وجہ لکھی ہے کہ: ایسی عورت کو گھر میں بلانے میں بھی دقتیں ہوتی ہیں، چوں کہ عقل میں فتور تھا تو وہ گھر میں جاکر ایسا تماشہ نہ کھڑا کردے جس سے گھر کی عورتوں کو بھی مصیبت ہوجائے، جن کو ایسے معاملات پیش آتے ہیں وہ اس کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ بہر حال! یہاں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کی مناسبت سے اس واقعہ کو بیان کیا۔

۳۳۰ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ مُسْلِمٍ الْأَعْوَرِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعُودُ الْمَرِيضَ، وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ، وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ، وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ، وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ مَخْطُومٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيفٍ عَلَيْهِ إِكَافٌ مِنْ لِيفٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار کی عیادت کرتے، جنازے میں شریک ہوتے،

گدھے پر (بھی) سوار ہو جاتے، اور غلام کی (بھی) دعوت قبول کرتے۔ بنو قریظہ والے دن آپ ایسے گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی کی تھی، اور اس پر کاٹھی اور زین بھی چھال ہی کی تھی۔

افادات:

آپ ﷺ کا بیمار پرسی کرنا

يَعُودُ الْمَرِيضَ: کوئی بیمار ہو جاتا چاہے وہ معمولی آدمی کیوں نہ ہو حتیٰ کہ غیر مسلموں کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے جاتے تھے۔ چناں چہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں آتا رہتا تھا، اس کا نام عبد القدوس تھا، وہ بیمار ہوا، حضور ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے بڑے مقام پر فائز ہونے کے باوجود ایک غیر مسلم بچہ کی عیادت کے لیے آپ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اس بچہ کا اب آخری وقت ہے تو نبیٔ کریم ﷺ نے اس کو کلمہ کی تلقین کی، کہ اسلام لے آؤ، اس کا باپ یہودی تھا، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، وہ وہاں موجود تھا، گویا وہ باپ سے اجازت چاہ رہا تھا، باپ نے کہا: أطع أبا القاسم ابو القاسم (آپ ﷺ کی کنیت ہے) کی بات مان لو، چناں چہ اس نے کلمہ پڑھا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا، کہ جہنم کے عذاب سے اللہ نے اس کو بچا لیا۔

جنازے میں شریک ہونا

ویشهد الجنازة: کسی کا بھی جنازہ ہوتا آپ ﷺ اس میں شرکت فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک عورت جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی اس کا انتقال ہوا، رات کو انتقال ہوا تھا، لوگوں نے آپ ﷺ کو اطلاع نہیں کی اور اس کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کر دیا تھا، جب نبیٔ کریم ﷺ کو پتہ چلا تو اس کی قبر پر تشریف لے گئے، اور جنازہ کی نماز ادا فرمائی۔

ویرکب الحمار: یہ بھی اعلیٰ درجہ کی تواضع ہے؛ ورنہ جس آدمی میں کبر ہو وہ گدھے کی سواری اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ ویسے عرب میں گدھے بھی موٹے اور تگڑے ہوا کرتے تھے، اِس زمانہ میں جیسے خچر ہوا کرتے ہیں۔

غلام کی دعوت قبول کرنا

ویجیب دعوۃ العبد: یعنی کوئی غلام دعوت کرتا تو اس کا انکار نہیں کرتے تھے، یہ بھی اعلیٰ درجہ کے تواضع کی بات ہے۔

وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ: یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تواضع کی بات تھی کہ باوجود عزّ وشرف اور دونوں جہانوں کی سرداری کے، آپ اس طرح گدھے پر سوار ہوتے تھے۔

۳۳۱ - حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُدْعَى إِلَى خُبْزِ الشَّعِيرِ وَالْإِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيبُ. وَلَقَدْ كَانَتْ لَهُ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتَّى مَاتَ .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جَو کی روٹی اور باسی بودار چکنائی/ پگھلی ہوئی چربی کی دعوت دی جاتی تب بھی آپ قبول فرمالیتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زرہ یہودی کے پاس گروی تھی، اخیر عمر تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کے چھڑانے کے لائق دام کا انتظام نہیں ہوا۔

افادات: اھالۃ: جانوروں میں جو چربی نکلتی ہے لوگ اس کو پگھلا کر سالن میں استعمال کرنے کے لیے محفوظ کر لیتے ہیں؛ لیکن جب یہ چربی پرانی ہو جاتی ہے تو اس میں بدبو بھی آ جاتی ہے، کوئی آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کرتا اور اس دعوت میں یہی دو چیزیں: جو کی روٹی اور پرانی چربی -جس سے بو بھی محسوس کی جاتی تھی- پیش کرتا تب بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دعوت کو قبول فرمالیتے۔ اس سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کا پتہ چلتا ہے۔

اب ایک سوال ہوتا ہے کہ کوئی دعوت دے رہا ہے تو اس وقت کیسے پتہ چلے گا کہ وہ یہی کھلانے والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو سابقہ تجربہ کی بنیاد پر پتہ چلے گا یا اس کے حال کے پیشِ نظر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہو۔ بہر حال! یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی تواضع کی بات تھی کہ ایسی دعوت کو بھی رد نہیں فرماتے تھے۔

ولقد کان لہ درع: ازواجِ مطہرات کے نفقہ کے لیے ۳۰ صاع جَو خریدے تھے، اس کے

بدلے میں قیمت ادا کرنے کی اس وقت استطاعت نہیں تھی، تو اپنی اس زرہ کو نبیٔ کریم ﷺ نے اس قیمت کے بدلہ رہن کے طور پر رکھا تھا۔

فما وجد مایفکھا حتی مات: آپ ﷺ کی وفات کے بعد رقم ادا کرکے وہ زرہ چھڑائی گئی۔

۳۳۲ – حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ صَبِيحٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حَجَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى رَحْلٍ رَثٍّ وَعَلَيْهِ قَطِيفَةٌ لَا تُسَاوِي أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ فِيهِ وَلَا سُمْعَةَ .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے ایک پرانے کجاوے پر حج کیا، اس پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم بھی نہیں تھی، اس موقع پر آپ ﷺ یہ دعا کررہے تھے: اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

افادات: رَحْلٍ رَثٍّ: رحل: لکڑی کا کجاوہ جو اونٹ پر رکھا جاتا ہے، جس میں اونٹ پر سوار ہونے والا بیٹھتا ہے، اس پر پردے وغیرہ ڈالے جاتے ہیں، جس وقت آپ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کے اونٹ پر جو پالان اور کجاوہ رکھا گیا تھا، وہ بہت پرانا اور بوسیدہ تھا؛ حالاں کہ اس حج کے موقع پر ہزاروں کا مجمع آپ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے جارہا تھا، اس کے باوجود آپ کی حالت یہ تھی۔ یہ آپ ﷺ کی تواضع کی بات ہے۔

لَا تُسَاوِي أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ: یہ بھی آپ کے تواضع کی بات ہے کہ اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔

فقال اللّٰهُمَّ اجعله حجاً إلخ: ظاہر ہے آپ ﷺ کا ہر عمل ریا اور شہرت سے پاک اور صاف تھا، وہاں کوئی ریا اور شہرت کا شائبہ ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کے باوجود آپ ﷺ یہ دعا مانگ رہے ہیں، یہ بھی آپ کے تواضع کی بات ہے۔

نیز آپ اس دعا کے ذریعہ سے امت کو تعلیم دے رہے ہیں، امت کی تربیت فرمارہے ہیں، کہ جب بندہ کوئی بھی عمل انجام دے تو اُس وقت اِس بات کا خیال رہے کہ اس عمل میں ریا اور شہرت کے ہر داعیہ سے بچنے کا اہتمام ہو۔ آپ اس دعا سے عملی طور پر امت کو یہ تعلیم دے رہے ہیں اور تربیت فرمارہے ہیں۔

۳۳۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَخْبَرَنَا عَفَّانُ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا، لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهَتِهِ لِذَلِكَ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، اس کے باوجود آپ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے؛ اس لیے کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ آپ اُسے ناپسند کرتے ہیں۔

افادات: حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی محبت تھی اتنی کسی کی محبت نہیں تھی۔

اپنے آنے پر لوگوں کے کھڑے ہونے کو ناپسند کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کی بات تھی، اسی تواضع کو بتلانے کے لیے یہ روایت یہاں پیش کی گئی ہے۔

کسی کی آمد پر کھڑا ہونے کا حکم

اب یہاں ایک مسئلہ زیرِ بحث ہے کہ: کسی کی آمد پر اس کی تعظیم میں یا دوسرے کسی مقصد کے لیے کھڑا ہوا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرات علما نے کسی کی آمد پر کھڑے ہونے کی سات صورتیں بتلائی ہیں، جن میں سے ایک صورت میں اختلاف ہے، باقی چھ صورتوں میں کوئی اختلاف نہیں، سب متفق علیہ ہیں:

(۱) پہلی شکل: زمانۂ جاہلیت میں عجمیوں میں خاص طور پر اہلِ فارس کے یہاں ایک دستور یہ ہوتا تھا کہ: جب حکمران اور بادشاہ کے پاس اس کے دربار میں یا حاکم کے پاس اس کی کچہری میں لوگ آتے تھے، تو حاکم تو اپنی کرسی یا تخت پر بیٹھا رہتا تھا، اور حاضری دینے والے سب کھڑے کے کھڑے رہتے، جتنی دیر بھی دربار لگا رہے: دو گھنٹہ، تین گھنٹہ، چار گھنٹہ؛ وہ بیٹھا ہے مابقیہ سب کھڑے ہیں، یہ شکل بالاتفاق سب کے نزدیک ناجائز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ یہ اہلِ فارس اور عجمیوں کا طریقہ ہے۔

(۲) دوسری شکل: کسی آنے والے کے دل میں یہ طمع اور خواہش ہو کہ لوگ میری تعظیم کے لیے

کھڑے ہوں، تو ایسے آدمی کے لیے بھی کھڑا ہونا جائز نہیں، منع ہے۔ ایسے آدمی کے لیے کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔

(۳) تیسری شکل: آنے والے کے دل میں تو کوئی طمع نہیں ہے؛ لیکن کھڑے ہونے والے اگر اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں گے، تو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے دل میں بڑائی اور کبر نہ آ جائے، اگر یہ اندیشہ ہو تو کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

(۴) چوتھی شکل: کسی کے آنے پر خوشی کا اظہار کرنے کے لیے کھڑا ہونا، چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا، مثلاً بیٹا کہیں باہر ملک سے آیا ہو، تو ایک دم گھر کے لوگ مارے خوشی کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ اظہار مسرت کے لیے کھڑا ہونا ہے، اور ظاہر ہے کہ چھوٹا ہے وہاں تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یا اپنے برابر کا ہے، وہاں اس کا کوئی امکان نہیں۔ تو کسی کی آمد پر خوشی اور مسرت کے اظہار کے طور پر کھڑا ہونا بالاتفاق جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

(۵) پانچویں شکل: کسی کو مبارک باد پیش کرنے کے لیے کھڑا ہونا، مثلاً کوئی آدمی حج میں گیا تھا، یا کسی کی شادی ہوئی تھی، وہ آیا اور نکاح کے بعد آپ کی اس سے پہلی ملاقات ہے، اور آپ اس کو نکاح کی مبارک باد پیش کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اس کی آمد پر آپ کھڑے ہو گئے، یہ بھی بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے۔

(۶) چھٹی شکل: کوئی آدمی کسی مصیبت میں گرفتار ہوا اور آپ اس کی تسلی اور تعزیت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، مثلاً کسی کے بھائی کا، یا کسی کے بیٹے کا یا کسی کے باپ کا انتقال ہوا، انتقال کے بعد پہلا موقع ہے کہ وہ آدمی آپ سے ملاقات کے لیے آ رہا ہے، تو آپ کھڑے ہو گئے؛ تاکہ اس سے مل کر تعزیت کریں، تسلی دیں۔ یہ بھی بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

یہ چھ صورتیں وہ ہیں جن کے حکم میں سب کا اتفاق ہے: پہلی دو صورتیں ناجائز، تیسری صورت مکروہ، اور باقی تین صورتیں بالاتفاق جائز۔

(۷) ساتویں شکل: کسی کی آمد پر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا۔ اس صورت کے متعلق علما کا

اختلاف ہے: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ- جوشافعی المسلک ہیں- کا مستقل رسالہ اس کے جواز پر موجود ہے، اور علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ دیکھو! مسرت کے لیے کھڑے ہونے کی حیثیت الگ ہے، وہ تو سب کے نزدیک جائز ہے؛ لیکن کوئی بڑا آدمی: صاحب علم، صاحب فضل آیا، تو اس کی آمد پر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ ابن الحاج مالکی اس کی اجازت نہیں دیتے؛ جب کہ علاّمہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اہلِ علم اور اہلِ فضل کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا نہ صرف جائز؛ بلکہ مستحب ہے؛ لیکن دو شرطیں ہیں:

[۱] ایک شرط تو یہ ہے کہ اس آنے والے کے دل میں یہ طمع نہ ہو کہ لوگ میری تعظیم کے لیے کھڑے ہوں، اگر اس کے دل میں ہے تو جائز نہیں ہے۔

[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ: کھڑے ہونے والا اپنے دل کے جذبے سے سچ مچ کھڑا ہو رہا ہے، نمائشی طور پر اور اس کو اچھا دکھلانے کے لیے نہ کھڑا ہو، مثلاً کبھی کوئی بڑا آدمی مجلس میں آ گیا، چار آدمی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے، اب دوسرے کا جی کھڑے ہونے کو چاہتا نہیں ہے مگر وہ سوچے گا کہ کھڑا نہیں ہوگا تو یہ کیا سوچے گا! تو اب اس کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں، وہ جو اپنے دل کے جذبہ سے کھڑے ہوئے تھے ان کے لیے تو جائز ہوگا۔

اسی لیے جو مصافحہ میں ہاتھ چومتے ہیں، تو پہلا جو چومتا ہے اس پر تو مجھے کوئی اشکال نہیں، دوسرا چومتا ہے تو میں اس کو فوراً روک دیتا ہوں، کہ یہ دل کے جذبے سے نہیں ہے، کیوں کہ وہ یوں سوچتا ہے کہ میں نہیں چوموں گا تو برا معلوم ہوگا، یہ تو میری اپنی بات ہے۔

بہر حال! کھڑے ہونے کے سلسلہ میں یہ احکام ہیں جو آپ کو بتلائے گئے۔ یہاں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ بتلاتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف لاتے تھے تو صحابہ باوجود اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے ان کے دل بھرے ہوئے تھے، پھر بھی وہ اس طرح کھڑے نہیں ہوتے تھے؛ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ہمارا یہ کھڑا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہیں ہے؛ اس لیے کہ ان کو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی مطلوب تھی۔ اب تو لوگوں کا حال یہ ہے کہ جس کے ساتھ محبت اور

عقیدت کا تعلق ہوتا ہے اس سے اپنی چاہتیں بھی پوری کرواتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، ان کی چاہت کے سامنے اپنی چاہت کو قربان کرنا یہ ہے اصل محبت کا تقاضا، یہ نہیں کہ ہماری محبت ہے تو آپ یوں کرو اور یوں کرو، اس کو پریشانی میں ڈال دینا درست طریقہ نہیں۔

٣٣٤ - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، أَخْبَرَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعِجْلِيُّ، أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا يُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنٍ لِأَبِي هَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخْمًا مُفَخَّمًا، يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ. قَالَ الْحَسَنُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ زَمَانًا، ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي إِلَيْهِ. فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ وَوَجَدْتُهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ وَمَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا.

قَالَ الْحُسَيْنُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فَسَأَلْتُ أَبِي عَنْ دُخُولِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى مَنْزِلِهِ جَزَّأَ دُخُولَهُ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ: جُزْءًا لِلَّهِ، وَجُزْءًا لِأَهْلِهِ، وَجُزْءًا لِنَفْسِهِ، ثُمَّ جَزَّأَ جُزْأَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ، فَيَرُدُّ ذَلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ، وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا، وَكَانَ مِنْ سِيرَتِهِ فِي جُزْءِ الْأُمَّةِ إِيثَارُ أَهْلِ الْفَضْلِ بِإِذْنِهِ وَقَسْمُهُ عَلَى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّينِ، فَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَةِ، وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ، وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ، فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغَلُهُمْ فِيمَا أَصْلَحَهُمْ وَالْأُمَّةَ مِنْ مُسَاءَلَتِهِمْ عَنْهُ وَإِخْبَارِهِمْ بِالَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ وَيَقُولُ: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ، وَأَبْلِغُونِي حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يُذْكَرُ عِنْدَهُ إِلَا ذَلِكَ، وَلَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ غَيْرَهُ، يَدْخُلُونَ رُوَّادًا وَلَا يَفْتَرِقُونَ إِلَا عَنْ ذَوَاقٍ، وَيَخْرُجُونَ أَدِلَّةً يَعْنِي عَلَى الْخَيْرِ.

قَالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِيهِ؟ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَخْزُنُ لِسَانَهُ

إِلَا فِيمَا يَعْنِيهِ، وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ، وَيُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ، وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْبِشْرَهُ وَلَا خُلُقَهُ، وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ، وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ، وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّنُهُ، مُعْتَدِلُ الْأَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ، لَا يَغْفَلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفَلُوا أَوْ يَمِيلُوا، لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ، لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ. الَّذِينَ يَلُونَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ، أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ أَعَمُّهُمْ نَصِيحَةً، وَأَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنْزِلَةً أَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَمُؤَازَرَةً.

قَالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهِ، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَقُومُ وَلَا يَجْلِسُ إِلَا عَلَى ذِكْرٍ، وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْمُرُ بِذَلِكَ، يُعْطِي كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيبِهِ، لَا يَحْسِبُ جَلِيسُهُ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ، مَنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِي حَاجَةٍ صَابَرَهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفَ، وَمَنْ سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ إِلَا بِهَا أَوْ بِمَيْسُورٍ مِنَ الْقَوْلِ، قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَخُلُقُهُ، فَصَارَ لَهُمْ أَبًا وَصَارُوا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً، مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ حِلْمٍ وَعِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَأَمَانَةٍ وَصَبْرٍ، لَا تُرْفَعُ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيهِ الْحُرَمُ، وَلَا تُنْثَى فَلَتَاتُهُ مُتَعَادِلِينَ، يَتَعَاطَفُونَ فِيهِ بِالتَّقْوَى، مُتَوَاضِعِينَ يُوَقِّرُونَ فِيهِ الْكَبِيرَ وَيَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ، وَيُؤْثِرُونَ ذَا الْحَاجَةِ وَيَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ .

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَیں نے اپنے ماموں ہند ابن ابو ہالہ سے پوچھا، وہ نبئ کریم ﷺ کے حلیۂ شریفہ کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان کرتے تھے۔ مجھے اشتیاق تھا کہ میرے سامنے نبئ کریم ﷺ کا کچھ سراپا بیان کریں، چناں چہ انھوں نے فرمایا: نبئ کریم ﷺ خود بھی باوقار تھے، اور لوگوں کی نگاہوں میں بھی باعزت تھے۔ آپ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور پورا حلیۂ شریفہ بیان کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا ایک عرصہ تک (اپنے بھائی) حسین سے ذکر نہیں کیا، ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو مجھ سے پہلے ہی ماموں جان سے اس حدیث کی تحقیق کر چکے ہیں اور اس کے متعلق پوچھ چکے ہیں۔ اور (اتنا ہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ سب دریافت کر چکے ہیں؛ بلکہ) والد صاحب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے نبئ کریم ﷺ کے مکان میں تشریف لے جانے، باہر تشریف لانے اور حضور اکرم ﷺ کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے ہیں اور کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ابا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان پر تشریف لے جانے کے حالات دریافت کیے،تو آپ نے فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکان میں قیام اور تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرما رکھا تھا: ایک حصہ اللہ تعالیٰ (کی عبادت) کے لیے، دوسرا حصہ گھر والوں کے (ادائے حقوق کے) لیے، تیسرا حصہ اپنی ضرورتوں کے لیے۔ پھر اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما رکھا تھا، اس طرح کہ خواص (اُس وقت میں داخل ہوتے، اِن خصوصی صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ذریعے مضامین عوام تک پہنچاتے۔ اور ان لوگوں سے (دینی اموراور دنیوی منافع میں سے) کوئی چیز اُٹھا کر نہ رکھتے تھے۔ امت کے اس حصے میں آپ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہلِ فضل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے، اس وقت کو ان کے فضلِ دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے، بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضر ہوتے، اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضرِ خدمت ہوتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تمام حاجتیں پوری فرماتے، اور اُن کو ایسے امور میں مشغول فرماتے جو خود اُن کی اور تمام امت کی اصلاح کے لیے مفید وکار آمد ہو، مثلاً: اُن کا دینی امور کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (اپنی طرف سے) مناسب امور کی اُن کو اطلاع فرمانا۔ اور (ان علوم ومعارف کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ: جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ (اِن مفید اور ضروری) امور کو غائبین تک پہنچادیں، اور جو لوگ کسی عذر (پردہ، دوری، شرم، یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچادیا کرو؛ اس لیے کہ جو آدمی حاکم کو ایسے آدمی کی ضرورت پہنچادے جو خود وہاں تک اپنی ضرورت پہنچا نہیں سکتا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو ثابت قدم رکھیں گے۔ آپ کی مجلس میں ایسی ہی (ضروری اور مفید) باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی کی (کوئی لایعنی اور فضول) بات گوارہ نہ تھی۔ وہ لوگ دینی امور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے، اور بلا کچھ چکھے وہاں سے واپس نہیں آتے تھے، اور (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے) ہدایت اور نیکی کے رہنما بن کر نکلتے تھے۔

(حضرت حسین رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ابا سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باہر تشریف آوری کے متعلق پوچھا کہ: آپ اس میں کیا کرتے تھے؟ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضروری باتوں کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے، اور آنے والوں کو مانوس کرتے، اُن کو متوحش نہ کرتے، اور ہر قوم کے معزز کا اکرام کرتے، اور اُسی کو (اپنی طرف سے بھی) اُس کی قوم پر سردار مقرر فرمادیتے۔ اور لوگوں کو (عذاب یا مضر چیزوں سے) ڈراتے/ لوگوں کو دوسروں سے محتاط رہنے کی تاکید فرماتے، اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف/ نقصان پہنچانے سے

حفاظت کرتے ؛لیکن (بہ ایں احتیاط) اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو لوگوں سے نہیں ہٹاتے تھے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کی خبر گیری فرماتے۔لوگوں کے باہمی حالات و معاملات لوگوں سے دریافت کرتے ،اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تائید و تقویت فرماتے ،اور بری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرما دیتے۔آپ کے ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال ہوتا، اس میں تلوّن مزاجی نہیں تھی۔لوگوں کے حالات سے بے خبر نہ رہتے کہ مبادا وہ کہیں دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جائیں۔ہر کام کے لیے آپ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا، امرِ حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے نہ حد سے تجاوز فرماتے۔آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے، آپ کے نزدیک افضل وہی ہوتا جس کی خیر خواہی عام ہو، اور آپ کے نزدیک بڑے رتبے والا وہ ہوتا جو لوگوں کے ساتھ غم گساری اور ان کی مدد کرنے والا ہو۔

(حضرت حسین رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ابا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے حالات دریافت کیے، تو انھوں نے فرمایا کہ: آپ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی ،اور جب آپ کسی جگہ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے،اور (دوسروں کو بھی) اس کی تعلیم دیتے تھے۔آپ حاضرینِ مجلس میں سے ہر ایک کا حق (بشاشت و گفتگو) ادا فرماتے۔آپ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں۔جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ سے مراجعت کرتا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے پاس بیٹھے رہتے یہاں تک کہ وہی خود اٹھنے کی ابتدا کرے۔اور جو آپ سے کوئی چیز مانگتا آپ اس کو مرحمت فرماتے، یا (حاجت پوری کرنے کا انتظام نہ ہوتا تو) نرمی سے جواب دے دیتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی۔آپ تمام خلقت کے (شفقت میں) باپ تھے۔اور حقوق کے معاملہ میں آپ کے نزدیک تمام لوگ برابر تھے۔آپ کی مجلس تحمل، علم و حیا اور صبر و امانت سے تعبیر تھی۔نہ اس میں شور و شغب ہوتا، نہ کسی کی عزت و آبرو اتاری جاتی، نہ مجلس کی لغزشوں کا چرچا کیا جاتا۔آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے؛ البتہ ایک دوسرے پر فضلیت تقوے سے ہوتی۔ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا۔بڑوں کی تعظیم کرتے، چھوٹوں پر شفقت کرتے، حاجت مند کو ترجیح دیتے تھے اور اجنبی مسافر کی خبر گیری کرتے تھے۔

افادات: یہ روایت پہلے باب کے شروع میں آچکی ہے، وہ اس کا ابتدائی حصہ تھا، یہاں دوسرا حصہ پیش کرنے جا رہے ہیں۔

هند بن أبي هاله: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے جن دو آدمیوں کے نکاح میں رہ چکی ہیں ان میں سے

ایک ابو ہالہ بھی تھے، ابو ہالہ سے ان کو ہند نامی ایک بیٹا ہوا تھا، ان کو اللہ نے اسلام کا زمانہ دیا، اور وہ ایمان بھی لائے۔ یہ ھند بن ابی ہالہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہوئے، چوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور اِن کی والدہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، اس طرح حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ماموں ہوتے ہیں۔

وَكَانَ وَصَّافًا: گویا اس فیلڈ کے وہ اسپیشلسٹ تھے۔

فخماً مفخماً: آپ خود بھی باعزت تھے اور لوگ بھی آپ کو باعزت سمجھتے تھے۔ بہت سی مرتبہ آدمی باعزت ہوتا ہے؛ لیکن لوگ اس کے ساتھ عزت کا معاملہ نہیں کرتے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ عزت کا معاملہ کرتے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ ایسے اوصاف کا حامل نہیں ہوتا، یہاں دونوں باتیں تھیں۔

فکتمتها الحسين زمانا: یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ علم چھپانا کیا مطلب رکھتا ہے؟ اصل میں بات یہ تھی کہ وہ اپنے بھائی کے حصولِ علم اور ان کے جذبے کو دیکھنا چاہتے تھے، کہ ان میں بھی شوق ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ بغیر شوق کے کسی کو کوئی چیز دیتے ہیں تو اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی؛ اس لیے انھوں نے کچھ مدت تک اس کو راز میں رکھا، پھر اس کے بعد ان کو مناسب معلوم ہوا تو انھوں نے اس کا تذکرہ کیا۔

فسألت ابی عن دخول رسول الله ﷺ: حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ: ایمان والوں بالخصوص اہلِ علم کو یہ چیزیں خوب غور سے سننے کی ضرورت ہے؛ تاکہ اپنے اوقات کو کس طرح سے صحیح گذارنا چاہیے؟ اس کا طریقہ معلوم ہو۔

جزء لله تعالیٰ: یعنی اللہ کی عبادت کے لیے، اس حصے میں وہ گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

جزء لاهله: ان کی ضرورت معلوم کرنا، ان کے ساتھ بیٹھنا، ان کی دلجوئی کرنا۔ گھر والی بھی بیچاری محتاج ہوتی ہے۔ بعض لوگ دوستوں میں گھنٹوں گزاریں گے، اپنی تجارت میں اپنا وقت گزاریں گے، اور گھر میں آئیں گے تو بیوی کے ساتھ سیدھے منہ بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ یہ طریقہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نہیں ہے، وہ عورت آپ کے نکاح میں ہے، وہ آپ کی وجہ سے گھر میں قید ہے، اب گھر میں جانے کے بعد آپ اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کریں گے تو اس کی زندگی کیسے گزرے گی!

نبیٔ کریم ﷺ وقت کا ایک پورا حصہ اپنے گھر والوں کے لیے لگاتے تھے۔

ثم جزء جزئه: یعنی اپنا جو وقت ہے اس میں بھی آپ نے لوگوں کے لیے گنجائش نکالی۔

فيرد ذلك بالخاصة على العامة: چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ جب باہر تشریف فرما ہوتے تو سب ہی لوگ آپ کی مجلس میں شرکت کرتے، اب جب گھر میں تشریف لے جاتے تو سب تو آپ کے پاس حاضری نہیں دے سکتے تھے، اور نہ گھر میں اتنی گنجائش تھی کہ سب جا سکے، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ اپنی ذات کے لیے جو وقت فارغ کرتے تھے اس میں سے آدھے حصہ میں خاص خاص لوگوں یعنی اہلِ علم، اہلِ فضل، معاشرے میں، سماج میں، سوسائٹی میں اونچے لوگ، اور کمالات والوں کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دیتے تھے، اور ان کے ذریعہ سے ان کے سامنے جو چیزیں پیش آتیں، باتیں ہوتیں، جو مسائل ہوتے، ان کو تاکید کی جاتی کہ بعد میں لوگوں کو بتلا دیں، ان کے واسطے سے اس کا فائدہ تمام لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتے تھے۔ اس طرح نبیٔ کریم ﷺ خصوصی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے ان مضامین کو جو ان کے سامنے پیش کرتے تھے، عوام تک پہنچاتے تھے۔ آگے آ رہا ہے کہ حضور ﷺ بعد میں تاکید بھی فرماتے کہ جو باتیں انھوں نے سنیں وہ دوسروں کو پہنچا دیں۔

ولا يدخر عنهم شيئا: یعنی کوئی چیز ایسی نہ ہوتی جو آپ ان کے سامنے پیش نہ کرتے، کھانے کی کوئی عمدہ چیز ہوتی تو ان کے سامنے پیش کی جاتی، کچھ اچھی باتیں ہوتیں تو آپ ان کے سامنے کرتے، گویا دینی و دنیوی منافع کی جو بھی چیز ہوتی آپ ان کے لیے کیا کرتے تھے، آپ ان کے لیے خرچ کرتے تھے، گویا آپ ان کو بلا دریغ ہر طرح نفع پہنچاتے تھے۔

وقسمه على فضلهم في الدين: ان میں بھی جیسا جیسا مرتبہ والا آدمی ہوتا یعنی علم اور دین کے اعتبار سے جتنی فضیلت کا حامل ہوتا اس کو دوسرے کے مقابلہ میں وقت کچھ زیادہ عنایت فرماتے، گویا ہر ایک کی حیثیت کے مطابق اس کو آپ وقت دیتے تھے۔

فيتشاغل بهم: جو کام وہ لوگ لے کر آتے آپ ﷺ اس کو پورا کرتے، ان کی ضرورتوں کی طرف توجہ دیتے تھے۔

ویشغلھم فیما اصلحھم والامة: یعنی تاکید کرتے کہ تم یوں کرو، تم اس طرح لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ اس طرح حضور ﷺ ان کو ایسی چیزوں کی ہدایت دیتے تھے جس میں ان کا بھی فائدہ ہو اور پوری امت کا بھی فائدہ ہو۔

من مسألتھم عنه: یعنی آنے والوں کو آپ کی طرف سے اجازت تھی کہ کچھ پوچھنا ہو، کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو تو پوچھ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ پوچھیں گے اور حضور ﷺ جو بتائیں گے تو وہ دوسروں تک پہنچائیں گے۔

واخبارھم بالذي ینبغی لھم: یعنی وہ نہ پوچھتے تو خود نبیٔ کریم ﷺ اپنی طرف سے ان کو ایسی باتیں بتلاتے تھے جو اُن کے مناسبِ حال ہوتی تھی، کہ تم کو یوں کرنا چاہیے، تم کو یہ کام کرنا چاہیے۔ یعنی لوگوں کے فائدے کی چیزیں بتلایا کرتے تھے۔

وابلغونی حاجة من لایستطیع ابلاغھا: مثلاً عورتیں ہیں، پردے کی وجہ سے وہ حاضری نہیں دے سکتیں، یا بیمار ہے نہیں آسکتا، یا کوئی دور رہتا ہے، تو وہاں سے آنے والوں کو چاہیے کہ اس کی ضرورت حضور ﷺ تک پہنچائے۔ یا کوئی شرم کی وجہ سے اپنی ضرورت حضور ﷺ کے سامنے نہیں پیش کرسکتا، تو ان آنے والوں کو حضور ﷺ تاکید کرتے تھے کہ تم کو لوگوں کی جو جو ضرورتیں معلوم ہوں وہ میرے سامنے بیان کرو، بتلاؤ؛ تاکہ میں ان کی ان ضرورتوں کو پورا کروں۔ یہ آپ تاکید فرماتے تھے کہ جو کوئی کسی عذر کی وجہ سے اپنی حاجت مجھ تک نہیں پیش کرسکتا، تم کو اللہ نے میرے پاس آنے کا موقع دیا ہے؛ اس لیے تم ان کی حاجت کو میرے سامنے پیش کرو۔

فانه من ابلغ سلطانا حاجة: اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے سماج میں، سوسائٹی میں ایسے لوگ جن کے حکمرانوں سے روابط اور تعلُّقات ہیں، ان کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کی حاجتیں پہنچائیں جو وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

ولا یقبل من احد غیرہ: یعنی آپ کی مجلس میں ان کے علاوہ کوئی تذکرہ ہوتا نہیں تھا۔

یدخلون روادا: رُواد: رائد کی جمع ہے۔

ولا يفترون الا عن ذواق: یعنی جو بھی جاتا ضرور حضور ﷺ کچھ نہ کچھ اس کی میز بانی کرتے تھے، کچھ کھانے کی چیز ضرور پیش کرتے تھے۔ اور چکھنے سے مراد امورِ دینیہ کا حاصل کرنا بھی ہوسکتا ہے۔

ويخرجون ادلة: طالب بن کر جاتے تھے اور لوگوں کے رہنما بن کر باہر آتے تھے۔

فسألته عن مخرجه: یعنی جب آپ باہر آتے اور لوگوں کے درمیان آپ بیٹھتے تو اس وقت آپ کے کیا مشاغل ہوتے تھے؟

كان رسول الله ﷺ يخزن لسانه: یعنی حضور ﷺ اپنی زبان سے ضروری باتوں کے علاوہ کوئی بات نہیں بولتے تھے۔ آپ اندازہ لگائیے! کہ نبیٔ کریم ﷺ جن کے متعلق قرآن کہتا ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝٤﴾[النجم] کہ آپ اپنی خواہشِ نفسانی سے کوئی بات بولتے نہیں تھے؛ بلکہ جو کچھ بھی آپ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود آپ اپنی زبان کی حفاظت کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ ضروری باتوں کے علاوہ کبھی بھی آپ اپنی زبان کھولتے نہیں تھے، اس میں ہم لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے، ہمیں اپنی زبانوں پر کوئی قابو اور کنٹرول ہے ہی نہیں، ہم جب بولنے کے لیے بیٹھتے ہیں تو کیا کیا بول جاتے ہیں، خود ہمیں بھی دھیان نہیں رہتا، یہ تو کل قیامت کے دن جب نامۂ اعمال کھلے گا اور اندر لکھا ہوا سب سامنے آئے گا تب آدمی کو پتہ چلے گا اور کہے گا کہ: ﴿مَالِ هَٰذَا ٱلْكِتَٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّآ أَحْصَىٰهَا﴾[الكهف ۝٤٩] کہ کیا ہوگیا اس نوشتے کو! کوئی چھوٹی بڑی چیز چھوڑی ہی نہیں، سب اندر آ گئی ہے۔ لیکن اُس وقت اِس کی کوئی تلافی کا موقع نہیں ہوگا؛ اسی لیے عام طور پر نبیٔ کریم ﷺ سے جب کوئی نصیحت کا مطالبہ کرتا، یا رسول اللہ! نصیحت فرمایئے، تو آپ اگر حدیث کے ذخیرہ کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چلے گا کہ نبیٔ کریم ﷺ سے جب نصیحت پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان نصیحتوں میں بہت سے لوگوں کو اپنی زبان کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ - جو ایک بڑے صحابی ہیں - نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا: ما النجاة يا رسول الله؟ اے اللہ کے رسول! دنیا اور آخرت میں کامیابی اور نجات حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے تین باتیں بتلائیں، ان میں سب سے پہلی بات فرمائی:

املك عليك لسانك اپنی زبان کو قابو اور کنٹرول میں رکھو۔ یہ زبان ہی ہے جو پتہ نہیں آدمی کو کہاں سے کہاں لے جائے گی۔ بہر حال! ہمارے لیے نبیٔ کریم ﷺ کے اس عمل میں بہت بڑی عبرت ہے، کہ آپ ﷺ جو بات اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرماتے تھے وہ تو عبادت ہی عبادت اور وحی کے حکم میں ہوتی تھی، اس کے باوجود غیر ضروری باتوں سے حضور ﷺ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔

ویؤلفهم ولا ینفرهم: بڑے آدمی کے پاس لوگ یہ امید لے کر آتے ہیں کہ ان کی ذات سے ہمیں کچھ فائدہ پہنچے گا، کوئی دین کی اچھی بات سنیں گے، ہمیں اس پر عمل کا موقع اللہ پاک دے گا۔ تو جتنے لوگ بھی آتے تھے ان آنے والوں کے ساتھ نبیٔ کریم ﷺ کا سلوک اور معاملہ ایسا کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ مانوس ہوتے تھے یعنی آپ سے جُڑے رہتے تھے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ لوگ آئے تو ڈانٹ، پھٹکار وغیرہ کرتے ہیں؛ پھر لوگ وہاں آتے نہیں ہیں، وحشت کرتے ہیں، گھبراتے ہیں، کہ وہاں جائیں تو پتہ نہیں کیا کیا کر دیں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس جو لوگ آتے تھے آپ ان کے ساتھ بہت نرمی سے بہت محبت سے پیش آتے تھے جس سے آنے والے مانوس ہوتے تھے، آپ کوئی ایسا سلوک کوئی ایسا انداز ان کے ساتھ اختیار نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ متوحش ہو جائیں، نفرت کریں، بھاگیں، دور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو لوگوں کی ہدایت کے لیے منتخب کیا ہے ان کو چاہیے کہ ان چیزوں کا بھی اہتمام کریں۔

ویکرم کریم کل قوم: چوں کہ مختلف قبائل سے لوگ آپ کی خدمت میں وفود کی شکل میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی قبیلے کے آٹھ دس آدمی کا ایک پورا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں آیا، حضور ﷺ نے تاکید فرمائی: اکرموا کریم کل قوم۔ غیر مسلم بھی اگر آپ کے پاس آئے اور وہ اپنے لوگوں میں باعزت سمجھا جاتا ہو، تو آپ کو اس کے ساتھ بے عزتی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس جو وفود آتے تھے وہ سب کے سب مسلمان نہیں ہوتے تھے، بہت سے وہ ہوتے تھے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، اسلام کے سلسلہ میں معلومات حاصل کرنے کے لیے آتے تھے، پھر بھی ان میں جو اپنی قوم کا بڑا ہوتا تھا حضور ﷺ اس کے ساتھ اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب

عزت کا سلوک کرتے تھے۔

ویولیه علیهم: جب انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو گویا انھوں نے اپنے آپ کو نبیٔ کریم ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری میں دے دیا؛ لہٰذا جب یہ لوگ واپس جاتے تھے تو آپ اسی کو امیر بناتے تھے، یعنی جو بڑا آیا تھا اس کا اکرام بھی کیا، اور واپسی میں امارت بھی اسی کے حوالے کردی؛ اس لیے کہ جو اب تک امیر چلا آرہا ہے اس کو ہٹا کر دوسرے کو بنائیں گے تو انتشار پیدا ہوگا۔ نبیٔ کریم ﷺ اس کے ساتھ عزت کا معاملہ بھی کرتے تھے، اور جب وہ واپس جاتے تھے تو اس کو فرماتے کہ تمھارے علاقہ کے ذمہ دار تم ہی ہو، اب یہ یہ کام کرنا ہے، ان کو ہدایتیں دی جاتی تھیں، اور اپنی طرف سے بھی حضور ﷺ ان ہی کو وہاں کا صاحبِ اختیار اور کرتا دھرتا مقرر فرماتے۔

ویحذر الناس: تحذیر کا معنی ڈرانا، شراح نے اس کے مختلف مطلب بیان کیے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ آپ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے، کہ دیکھو! گناہ کا کام مت کرو، غلط حرکتیں مت کرو؛ ورنہ اللہ کا عذاب آئے گا؛ تاکہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائیں۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ مُضِر چیزوں سے بچنے کی تاکید کرتے تھے، ایسے کام ایسی حرکتیں جن سے خود کو نقصان پہنچے ان کے متعلق حضور ﷺ تاکید کرتے تھے کہ ایسے کام مت کرنا۔ یہ آدمی کی سمجھ داری کی بات ہے کہ آدمی کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کو نقصان ہو۔

(۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں سے احتیاط کرنے کی تاکید کرتے تھے، کہ سنبھل کر رہنا، کوئی آدمی آپ کو دھوکا نہ دے جائے۔ گویا ہر ایک کو آپ اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ اپنے آپ کو چوکنا رکھنے کی ضرورت ہے، ایسے بھولے مت بنو کہ کوئی آدمی آپ کو اُلّو (بے وقوف) بنا جائے، دنیا کے معاملہ میں اور دین کے معاملہ میں ہر چیز میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تیسرے مطلب کو راجح قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ آگے جو بات آرہی ہے ویحترس منهم إلخ یعنی خود بھی حضور ﷺ ان سے چوکنا رہتے تھے کہ کوئی آدمی آپ کو بلا وجہ تکلیف پہنچا جائے۔ آدمی محتاط رہے، کسی دوسرے کو تکلیف پہنچانے کا موقع ملنا نہیں چاہیے، آپ خود بھی محتاط رہیں گے تو کوئی آدمی آپ کو

تکلیف نہیں پہنچا سکے گا۔ گویا لوگوں کو تاکید بھی کرتے تھے اور خود آپ کا انداز بھی یہی تھا۔

اب جو آدمی دوسروں کو تکلیف یا دوسروں کو نقصان پہنچانے سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کمر کس لیتا ہے، تو اس میں ایک دوسری گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے، کہ وہ لوگوں سے ملتا نہیں، لوگوں سے ترش روئی سے پیش آتا ہے؛ تاکہ کوئی آوے ہی نہیں، کوئی آکر ہم کو نقصان پہنچائے ہی نہیں، تو اپنے آپ کو دوسروں کے نقصان سے بچانے کے لیے اپنے اخلاق خراب کرتا ہے، اور خوش خلقی سے پیش آنے کے بہ جائے ترش روئی سے پیش آتا ہے؛ تاکہ بھاگ جائیں، اور کوئی اس کو تکلیف ہی نہ دے۔ حالاں کہ نبیٔ کریم ﷺ ایسے احتیاط سے رہتے تھے کہ کسی کو نبیٔ کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا اور نقصان پہنچانے کا موقع ہی نہ ملے، اس کے باوجود سب کے ساتھ خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ دونوں چیزوں کو جمع کرنا آسان نہیں ہے، خوش خلقی سے پیش آئیں گے تو لوگوں کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کا موقع مل ہی جائے گا، اور اس سے بچنے کے لیے ترش روئی اختیار کرنی پڑتی ہے؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ ان دونوں چیزوں کو بہ یک وقت انجام دیتے تھے، یہ آپ کی جامعیت تھی۔ یہ چیز اپنے اندر پیدا کرنا بڑا مشکل ہے، بڑی ریاضت اور اور بڑی دیر کے بعد یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔

وتفقد اصحابہ: کس کے گھر میں فاقہ ہے؟ کس کے گھر میں کوئی بیمار ہے؟ کس کے گھر میں کوئی تکلیف چل رہی ہے؟ بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے دوستوں کا ملنے والوں کا حلقہ بہت بڑا ہوتا ہے؛ لیکن اس کی خبر ہی نہیں کہ اپنے حلقہ میں کس پر کیا گذر رہی ہے؟ نبیٔ کریم ﷺ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندرونی حال کی خبر گیری رکھتے تھے، کہ کون کس چیز سے گذر رہا ہے؟ تو اس موقع سے اس کی مدد کرنی چاہیے، جو بیمار ہے تو موقع سے اس بیمار کے علاج کا انتظام کرنا چاہیے، کسی پر قرضہ ہے تو چپکے سے اس کے قرضہ کا انتظام کر دیا جائے؛ ان ساری چیزوں کی خبر رکھتے تھے؛ تاکہ اس کے مطابق ان کے ساتھ اچھے سلوک کا برتاؤ کیا جا سکے۔

ویسئل الناس عما فی الناس: لوگوں کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ آج کس چیز کا رواج ہے؟ لوگ کن چیزوں کا شوق رکھتے ہیں؟ کن چیزوں کی طرف جا رہے ہیں؟ لوگوں کے حالات، معاشرے اور

سوسائٹی کے حالات سے واقفیت رکھتے۔

ویحسن الحسن ویقویه: اورلوگوں میں،سوسائٹی میں جس اچھی بات کا پتہ چلتا،مثلاً: کسی نے بیماروں کی مدد کرنے کی کمیٹی بنائی،اورحضور ﷺ کواس کا پتہ چلتا کہ یہ ہورہاہے،تونبیٔ کریم ﷺ اس اچھی بات کی تحسین کرتے تھےاوراس کوسپورٹ کرتے،تقویت دیتے۔سوسائٹی میں،کالونی میں،سماج میں اچھا کام اگرہورہاہےمثلاً کچھ لوگ مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیےمحنت اورکوشش کررہے ہیں، کچھ لوگ لوگوں کونمازی بنانے کی محنت کررہے ہیں، کچھ لوگ بیماروں کا علاج ومعالجہ کررہے ہیں؛ یااس کے علاوہ کوئی اچھا کام جاری ہوتوان باتوں کی تحسین کرنا چاہیےاوران کوسپورٹ کرنا چاہیے؛ تاکہ ایسی چیزیں اَوروجودمیں آئیں۔

ویقبح القبیح ویوهنه: ہمیں بھی اس کی ضرورت ہے،مثلاً ہمارے سماج کچھ لوگ ٹیلی ویژن باہرلاکرلوگوں کودکھلارہےہیں، یا کچھ لوگ جواکھیلتے ہیں، کچھ زنامیں مبتلاہیں،اورکچھ فحش کام کررہے ہیں، سماج میں کسی بھی گناہ کا ہونا تحقیق سے پتہ چل جائےتوفوراً نبیٔ کریم ﷺ کی سنت پرعمل کرتے ہوئے اس برائی کا براہوناواضح کرنا چاہیے، کہ یہ غلط کام ہے، یہ نہیں ہونا چاہیے۔

معتدل الامر غیر مختلف: اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ کبھی اچھائی پرآئےتواچھائی کرتے ہیں؛لیکن پھرکبھی بگڑےتوپتہ نہیں کہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کےمزاج مبارک میں تلون مزاجی نہیں تھی،آپ کے سارے کام اعتدال اورمیانہ روی سے ہوتے تھے،قاعدہ سےسب ہوتا تھا۔بس جوایک چیزچل رہی ہےاس میں ذراسا بھی فرق نہ ہوتا تھا۔

لا یغفل مخافة إلخ: دیکھو! گھر کا بڑااپنے ماتحتوں کے حالات کی طرف دھیان نہیں دے گا، بےخبررہے گا،تو یہ ہوگا کہ چھوٹے برائیوں میں مبتلا ہوجائیں گے، اور برائیوں میں آگے بڑھتے چلے جائیں گے، اورگھر کا بڑا اگر باقاعدہ نگرانی رکھ رہاہےتو ان چھوٹوں کو دین سے غفلت کرنے کا موقع نہیں ملے گا،نمازنہیں چھوڑسکتے،اوراگرگھرکا بڑاغفلت کرے گاتوآج ایک نے فجرکی نمازچھوڑی تو کل دوسرے نے،اسی طرح گھرمیں نمازچھوڑنے کا ماحول بن جائے گا، یہ غفلت اس لیے آئی کہ

بڑے نے نگرانی کے معاملہ میں سستی کی، اگر بڑا چوکنا رہے گا تو چھوٹا اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا۔

موطا امام مالک میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت سلیمان ابن ابی حشمہ کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا، نو-دس بجے اپنی عادت کے موافق بازار کا راؤنڈ (چکّر) لگانے کے لیے نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ معائنہ کرنے کے لیے جاتے تھے۔ حضرت سلیمان کی والدہ: شفاء- بہت بڑی صحابیہ اور فاضلہ تھیں- کے گھر گئے، سلام کیا اور عرض کیا: سلیمان فجر کی نماز میں نظر نہیں آئے؟۔ آپ اندازہ لگاؤ! جس کی حکومت ہزاروں میل پھیلی ہوئی ہے، وہ اس کا خیال رکھ رہا ہے کہ نماز میں کون آتا ہے اور کون نہیں آتا۔ خیر! ان کے گھر جاکر ان کی ماں سے پوچھا کہ: آج وہ فجر کی نماز میں نہیں تھے، کیا بات ہے؟ تو ان کی ماں نے جواب میں کہا کہ: وہ رات بھر عبادت میں مشغول رہے اور عین فجر کے وقت ان کی آنکھ لگ گئی؛ اس لیے وہ جماعت سے فجر کی نماز نہیں پڑھ سکے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں رات بھر سوؤں اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھوں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں رات بھر عبادت کروں اور فجر کی جماعت میں غائب رہوں۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: اگر بڑے اپنے چھوٹوں کے معاملہ میں چوکس رہیں گے تو وہ غفلت نہیں برتے گا، اور چھوٹوں کو دین کے معاملہ میں غفلت کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اسی کو فرما رہے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے حالات کی طرف سے غفلت نہیں فرماتے تھے۔

ان یمیلوا: دین کے معاملہ میں غفلت اور کمزوری کی دو شکلیں ہوتی ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ کوئی دین پر عمل کرنا ہی چھوڑ دے، اس کو ''غفلت'' کہتے ہیں۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ دین پر عمل کرنے میں اتنا آگے بڑھ جائے کہ اس کی طبیعت میں اکتاہٹ آجائے، عبادت اتنی کرتا ہے کہ ایک مہینہ تک کرتا ہے پھر بیٹھ جاتا ہے، اس کو ''ملال'' کہتے ہیں۔ شریعت نہ غفلت کی اجازت دیتی ہیں نہ ''اکتاہٹ'' کی۔ مہینے بھر تو رات کو خوب جاگتے رہے، اور بعد میں ایسے سوئے کہ فجر کی نماز بھی جارہی ہے، ایسی نفل عبادت کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے حالات سے باخبر رہتے تھے، جو عبادت میں زیادہ غلو کرتا اس کو بھی بلاکر

سمجھاتے تھے کہ ایسا مت کرو، بہت دوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی تو پھر کسی کام کے نہیں رہوگے۔

الذين يلونه من الناس خيارهم: آپ کے قریب ان کو بیٹھنے کا موقع ملتا تھا جو خلقت کے بہترین افراد تھے، اوران قریب بیٹھنے والوں میں سب سے بہترین وہ سمجھا جاتا تھا جو لوگوں کی زیادہ سے زیادہ بھلائی چاہتا ہو، لوگوں کی جتنی زیادہ خیر خواہی کرنے والا اور لوگوں کو جتنا راحت پہنچانے والا ہوتا اتنا ہی آپ کی نگاہ میں بہتر ہوتا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ایک آدمی لوگوں کی زیادہ سے زیادہ خیر خواہی کی کوشش کرے گا۔

واعظمهم عنده منزلة: جو لوگوں کا غم اوران کی تکلیفیں دور کرتا ہو، لوگوں کی جتنی مدد کرتا وہ آدمی آپ کی نگاہ میں بڑے رتبہ والا سمجھا جاتا تھا۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر ایک آدمی اس بات کی کوشش کرے گا کہ میں اس طرح کر کے حضور ﷺ کی نزدیکی اور آپ کی خوشنودی حاصل کروں۔

لا يقوم ولا يجلس الا على ذكر: ہمیں بھی اٹھتے بیٹھتے ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے۔

فاذا انتهى الى قوم جلس: آپ اگر کسی جگہ تشریف لے جاتے اور وہاں پہلے سے مجلس لگی ہوئی ہے، لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، تو ایسا نہیں کہ لوگوں کو پھلانگ کر آگے گھس جائے؛ بلکہ جہاں مجلس ختم ہوتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے، دوسروں کو زحمت میں ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔جیسے ابھی کوئی نیا آدمی آئے تو جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، لوگوں کو پھلانگ کر آگے نہ آئے، اور اگر آگے جگہ خالی رکھی ہے تو اس کے لیے گنجائش ہے، یعنی ان بیٹھنے والوں نے آگے جگہ خالی رکھ کر ان کو گردن پھلانگنے کا موقع فراہم کیا، اور اگر جگہ نہ ہو تو یہ تو جرم ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ: جو آدمی جمعہ کے دن لوگوں کو پھلانگ کر آگے جاتا ہے اور آگے جگہ نہیں ہے تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے اوپر پل بنائیں گے، اور لوگ اس کے اوپر سے گذریں گے۔یہ چیز آدابِ مجلس کے خلاف ہے، نبیٔ کریم ﷺ جو دنیا کو ادب سکھلانے کے لیے تشریف لائے ہیں، وہ بھلا ایسا کیسے کریں گے!!۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ: آپ وہیں بیٹھ جاتے تھے تو لوگ گھوم کر آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، اور آپ مجلس کے صدر بن جاتے تھے،

ایسی شخصیت جب آتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسری چیز ہے، یہ بھی ادب کی بات ہے۔

یعطی کل جلسانه بنصیبه: یعنی کوئی آدمی آپ کے پاس آکر بیٹھے تو دل میں دو تمنائیں لے کر آتا ہے: ایک یہ کہ جس شخصیت کے پاس میں جا رہا ہوں وہ میرے ساتھ محبت سے پیش آئے، اور کوئی درخواست لے کر جا رہا ہوں تو وہ میری بات کو دھیان سے سنے، آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کے پاس کوئی آتا تو آپ اس کو پورا حق دیتے تھے، دونوں باتوں کا حق ادا کرتے تھے، ایسا نہیں ہوتا تھا کہ اس کا حق ادا نہ ہوا ہو۔

لا یحسب جلیسه إلخ: یہ بھی ایک عجیب انداز تھا، یہ کوئی آسان بات نہیں ہے، خاص طور پر ایسا آدمی جس کے پاس پوری دنیا آتی ہو، ان کے لیے ان چیزوں کا نبھانا مشکل کام ہے۔

ومن سأله حاجة إلخ: یہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ کسی بھی سائل کو کبھی رد نہیں فرماتے تھے۔

ما قال لا قط الا فی تشهده	*	لو لا التشهد لكانت لاءه نعم

کبھی آپ نے اپنی زبان سے ''لا'' نہیں کہا ہے، کلمہ میں لا اله الا الله آتا ہے، وہاں بھی اگر لا نہ ہوتا تو ان کی زبان پر لا نہ آتا۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: ہر ایک کی حاجت پوری فرماتے تھے، اور کبھی اپنے پاس نہ ہوتا تو دوسروں کے حوالے فرماتے یا کسی کے پاس بھیج دیتے، اور کبھی یوں فرماتے: ابھی تم قرض لے لو، بعد میں ادا کر لیں گے۔ یا پھر یہ فرماتے کہ: اِس وقت کچھ نہیں ہے، کسی دوسرے وقت آپ کی ضرورت پوری کریں گے۔

قد وسع الناس بسطه وخلقه: کوئی بھی آئے ہر ایک کے ساتھ آپ ﷺ اسی طرح پیش آتے تھے، ایسا نہیں کہ کسی کے ساتھ تفریق کرتے ہوں، آپ کے پاس آنے والا ہر آدمی اس سے فائدہ اٹھاتا۔

فصار لهم ابا إلخ: باپ کا کیا حال ہوتا ہے! بیٹے کے اوپر کیسی شفقت کرتا ہے! وہی معاملہ آپ کا لوگوں کے ساتھ تھا۔ اور حقوق کے معاملہ میں آپ کے نزدیک سب برابر تھے، ایسا نہیں کہ بیٹے کو دوگنا دیا دوسروں کو آدھا دیا؛ بلکہ سب کو یکساں دیتے تھے۔

مجلسه مجلس حلم إلخ: اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) آپ کی مجلس میں جو بیٹھتا تھا اسے یہ ساری باتیں سیکھنے کو ملتی تھی، علمی باتیں سیکھنے کو ملتی تھیں، حلم اور بردباری کا سبق ملتا تھا، شرم وحیا حاصل ہوتی تھی، وہاں بیٹھ کر صبر وتحمل سیکھتا تھا، اور امانت داری اس کے مزاج میں آتی تھی۔

(۲) آپ کی مجلس میں ان صفات کا مظاہرہ ہوتا تھا، یعنی جب آپ گفتگو کرتے تھے تو آپ کی باتوں سے علم ٹپکتا تھا، آپ کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کرتا تو آپ صبر وتحمل سے کام لیتے تھے۔ کوئی معاملہ ایسا پیش آ گیا جس کی وجہ سے شرم کرنی چاہیے تو آپ شرم کرتے تھے، جیسے کوئی نامناسب منظر آنکھ کے سامنے آجاتا ہے تو آدمی آنکھیں نیچی کر دیتا ہے۔ گویا آپ کی مجلس میں ان ساری چیزوں کا ظہور ہوتا تھا۔

ولا تؤبن فيه الحرم: "تؤبن" أبن يأبن سے ہے: عیب لگانا، تہمت لگانا۔ یعنی آپ کی مجلس میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی تھی جس سے کسی کی عزت پر دھبہ لگے، اور کسی کو جرأت بھی نہیں تھی کہ کوئی ایسی بات اس مجلس میں کرے۔

ولا تنثیٰ فلتاته: ثني ينثي: بیان کرنا۔ یعنی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مجلس لگی ہوئی ہے، اور مجلس کے دوران شرکائے مجلس میں سے کسی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جو اس کے لیے بے عزتی کی ہو، مثلاً کہیں زور سے ریح خارج ہو گئی تو لوگ ہنستے ہیں، اس کی وجہ سے وہ بے عزتی محسوس کرتا ہے، یا اَور کوئی چیز پیش آ گئی، تو نبیٔ کریم ﷺ کی مجلس میں کوئی ایسی لغزش پیش آ جائے تو اس کو شہرت نہیں دیتے تھے، مجلس سے اٹھنے کے بعد اس کا کوئی چرچا نہیں کہ آج تو فلاں نے ایسا کیا۔ ہمارے یہاں تو ابھی ایک منٹ بھی نہیں ہوئی کہ وہاٹس ایپ پر انگلینڈ میں خبر پہنچ جائے گی، آپ ﷺ کی مجلس میں یہ نہیں ہوتا تھا۔

يتعاطفون فيه بالتقویٰ: جو جتنا زیادہ اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانیوں سے بچانے والا ہو، اور جتنا زیادہ نیکی کی راہ پر قائم ہو، اس کا مقام اونچا سمجھا جاتا تھا۔

متواضعين: اور کوئی کسی کے ساتھ بڑائی کا معاملہ نہیں کرتا تھا، ہر ایک اپنے آپ کو چھوٹا بنا کر پیش کرتا تھا۔

ويؤثرون ذا الحاجة: یعنی کوئی حاجت لے کر آیا ہے تو مجلس والے اس کو آگے بڑھنے دیتے تھے؛

تا کہ وہ اپنی حاجت پیش کرے۔ ایسا نہیں کہ وہ بے چارہ پیچھے بیٹھا انتظار کرے، مجلس بھی ختم ہوگئی، لوگ منتشر ہوگئے اور اس کو اپنی بات کہنے کا موقع نہ ملا۔ پہلے سے جو لوگ ہوتے تھے وہ ضرورت کو دیکھ کر اپنے مقابلے میں ایسے لوگوں کو موقع دیتے تھے۔

ویحفظون الغریب: اجنبی آدمی اگر باہر سے آیا جو یہاں سے واقف نہیں ہے، تو اس کا خیال رکھتے تھے، اس کی خیر خبر رکھتے تھے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔

یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کا حال تھا۔ ہمیں بھی ان چیزوں کی پابندی کرنی چاہیے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ سب باتیں جو پڑھی گئیں، بتلائی گئیں، بار بار ان کو دیکھو! کاغذ پر لکھ کر ان کا مطالعہ کرو! اور اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ یہی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور عقیدت کا حاصل ہے۔

٣٣٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَزِيعٍ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، أَخْبَرَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلتُ، وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر مجھے ایک پایہ بھی ہدیہ میں دیا جائے تو میں قبول کرلوں گا، اور اگر اُس کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں گا۔

افادات: یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع اور انکساری کو بتلانے کے لیے لائے ہیں۔

لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلتُ: اس کا مطلب سمجھنے سے پہلے ایک بات سمجھ لو: اس زمانے میں گوشت کو پکانے کا عام طور پر طریقہ یہ تھا کہ آگ یا پتھر پر رکھ کر اس کو بھونا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ پائے کو جب آگ پر ڈالا جائے گا یا گرم پتھر پر رکھا جائے گا تو پائے کا اندر کا حصہ گلنے والا نہیں ہے، اور اس زمانہ میں حلال جانور میں کھانے کی سب سے گھٹیا چیز اسی کو سمجھا جاتا تھا۔ آج کل تو پائے اچھے سمجھے جاتے ہیں، جب سے یہ کوکر آیا ہے پائے گلنے لگے ہیں، پھر لوگ ''بارہ ہانڈی'' (ایک مخصوص قسم کا سالن) خوب کھاتے ہیں، یہ ابھی کی بات ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ پایہ کماحقہٗ پکتا نہیں تھا، اس زمانے میں اس کو گلانے کی کوئی تدبیر نہیں تھی، تو یہ سب سے گھٹیا چیز اسی کو سمجھا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی مجھے پایہ ہدیہ میں دے تو میں اس کو قبول کرلوں گا، یعنی کم سے کم درجے کی چیز اگر کوئی لاکر

مجھے دے گا تب بھی میں قبول کرلوں گا۔ یہ حضور ﷺ کی تواضع کی بات تھی؛ ورنہ جس آدمی کے دل میں غروراور تکبر ہواوراس کو کوئی شخص ایسی چیز ہدیہ دے گا تو وہ متکبر اس کو مارے گا، کہ ہم کو ایسا گھٹیا سمجھتا ہے؛ لیکن حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: میں ایسی گھٹیا چیز کو بھی قبول کرلوں گا۔

ولو دعیت علیه لاجبت: حالاں کہ معلوم ہے کہ وہاں جا کر یہ ملنے والا ہے، پھر بھی دعوت قبول کرلینا یہ بھی آپ کی تواضع اور انکساری کی بات ہے۔اس سے پہلے بھی آیا تھا کہ بدبودار چربی ملے تو بھی آپ جاتے تھے، گویا جو آدمی دعوت دے رہا ہے اس کے حال سے یہ اندازہ ہے کہ اس کے یہاں یہی ملنے والا ہے، تب بھی آپ انکار نہیں فرماتے تھے۔

٣٣٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَلَا بِرْذَوْنٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ میرے یہاں (پیدل) تشریف لائے، نہ خچر پر سوار تھے اور نہ تو ترکی گھوڑے پر۔

افادات: نبیٔ کریم ﷺ کی تواضع اور انکساری کا بیان چل رہا ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے کتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا کہ انسانیت میں کوئی اس مقام کو پہنچ نہیں سکتا

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

اللہ تعالیٰ کے اتنا بلند مقام عطا کرنے کے باوجود آپ نہایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، اسی تواضع کا تذکرہ چل رہا ہے، اسی سلسلہ میں یہ روایت پیش کررہے ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ: حضرت جابر بن عبداللہ مشہور صحابی ہیں، بہت ساری روایتیں ان سے نقل کی جاتی ہیں۔ جن حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت ساری روایتیں منقول ہیں یعنی ہزار سے زیادہ، جن کو محدثین کی اصطلاح میں ''مکثرین'' کہا جاتا ہے، ان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بھی شمار ہے۔

جَاءَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، بنوسلمہ -جو ان کا قبیلہ ہے- کا محلہ مسجدِ نبوی سے کافی دوری پر تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ان صحابی کی عیادت اور خبر گیری کے لیے جانا یہ خود اعلیٰ درجے کی تواضع ہے، اور پھر اتنا دور فاصلہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے سواری کا انتظام

نہیں کیا، پیدل تشریف لے گئے۔ بخاری شریف میں ہے کہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ میں تھے، مجھے دیکھا کہ میں بیماری کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہوا ہوں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، اور اپنے وضو کا پانی ان کے اوپر چھڑکا، جس کی وجہ سے یہ ہوش میں آئے، اور ہوش میں آنے کے بعد ایک مسئلہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا، اس وقت ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، بہنیں وغیرہ تھیں، میراث کے بارے میں مسئلہ پوچھا کہ جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور بھائی بہن ہو تو ان کو کیا دیا جاتا ہے، قرآنِ پاک کی اصطلاح میں ایسے شخص کو ''کلالہ'' کہا جاتا ہے، تو وہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔

بہر حال! یہاں تو بتلانا یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیدل اتنی دور اُن کی خبر گیری کے لیے جانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ تواضع اور انکساری کی بات تھی، آپ نے کوئی سواری کا اہتمام بھی نہیں کیا۔ ویسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ: کسی بیمار کے متعلق کوئی اطلاع پہنچتی تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

۳۳۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ: سَمِعْتُ يُوسُفَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمَّانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوسُفَ وَأَقْعَدَنِي فِي حِجْرِهِ وَمَسَحَ عَلَى رَأْسِي.

ترجمہ: حضرت یوسف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام یوسف تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھا کر میرے سر پر دستِ مبارک پھیرا تھا۔

افادات: حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہما مشہور صحابی ہیں، یہودیوں کے بڑے عالم تھے، ہجرت فرما کر جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ تشریف لائے تو یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فرماتے ہیں کہ: لمَّا رأيت وجهه عرفت انه ليس بوجه كذاب آپ کے چہرۂ انور پر نظر پڑتے ہی میرے دل نے اس بات کی گواہی دی کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ اور پھر انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات بھی کیے۔ ویسے تو انھوں نے حضراتِ انصار سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سن رکھے تھے؛ لیکن دیکھا نہیں تھا؛ البتہ ان حالات کی بنیاد پر اگلی آسمانی کتابوں میں نبیٔ کریم

ﷺ کی جونشانیاں انھوں نے پڑھ رکھی تھیں، اُن علامات کی بنیاد پر انھیں اس بات کا یقین تقریباً ہو چکا تھا کہ آپ نبیٔ آخر الزماں ہیں، اس کے باوجود آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مزید پختگی اور اطمینان حاصل کرنے کے لیے انھوں نے عرض کیا کہ: آپ سے تین سوالات کرنا چاہتا ہوں، کہ اس کا جواب نبی ہی دے سکتا ہے، نبی کے علاوہ کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا، نبیٔ کریم ﷺ نے اجازت دی، کہ ٹھیک ہے، کر لیجیے! انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے سوالات کیے، اور آپ ﷺ نے ان کو جوابات دیے، ان کو سن کر وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو ان کا نام ''یوسف'' رکھا گیا، یہ ان ہی صاحبزادے کا واقعہ ہے جو وہ خود بیان کرتے ہیں۔

سَمَّانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوسُفَ: حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم عام طور پر جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر نام بھی آپ سے دریافت کرتے تھے، گویا ایک قدیم دستور ہے کہ بڑوں کے ذریعہ سے نام رکھوایا جائے۔ پھر نومولود بچہ کو دعا کی غرض سے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں لاتے بھی تھے، اور حضور ﷺ کا ان کو اپنی گود میں بٹھانا، ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا، ان کے لیے دعا کرنا، سب ثابت ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ طریقہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔

وَأَقْعَدَنِي فِي حِجْرِهِ: نبیٔ کریم ﷺ کا ایسے نومولود بچہ کو اپنی گود میں بٹھانا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور اس کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کرنا آپ کے تواضع اور انکساری کی بات ہے؛ ورنہ کوئی متکبر آدمی ایسا نہیں کر سکتا، وہ تو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا؛ بلکہ وہ تو اپنے بچہ کو بھی ہاتھ لگانے سے بچتا ہے، چہ جائے کہ دوسرے کے بچہ کو گود میں بٹھائے۔

٣٣٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيحٍ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَجَّ عَلَى رَحْلٍ رَثٍّ وَقَطِيفَةٍ، كُنَّا نَرَى ثَمَنَهَا أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ، فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَالَ: لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيهَا وَلَا رِيَاءَ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے پرانے کجاوے پر حج فرمایا، جس پر ایک چادر تھی جس کے قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ اس کے باوجود جب اپنی سواری پر سوار ہوئے تو یہ دعا پڑھی:

میں لبیک کہتا ہوں ایسے حج کے واسطے جس میں نہ تو شہرت ہو اور نہ دکھلاوا۔

افادات: یہ روایت پہلے بھی آئی تھی۔

حَجَّ عَلَى رَحْلٍ: یعنی جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس حج میں ہزاروں کا مجمع تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے ہی سے اعلان فرمادیا تھا کہ میں حج کے لیے جانے والا ہوں، جو میرے ساتھ آنا چاہتے ہوں وہ آئیں، تو حج سے پہلے ہزاروں لوگ مدینۂ منورہ میں جمع ہوئے، اور آپ کے ساتھ روانہ ہوئے، کچھ لوگ راستے میں آپ کے ساتھ ہو لیے۔ اب جب اس شان کے ساتھ کوئی بڑا آدمی نکلے گا تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ اپنے لیے کیسی عمدہ سواری کا انتظام کرے گا؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع اور انکساری دیکھیے کہ ایسے بڑے مجمع کے ساتھ اور عقیدت مندوں کی اتنی بڑی تعداد کے ساتھ جا رہے ہیں، اس کے باوجود بھی آپ نے اپنے لیے پرانا اور بوسیدہ کجاوہ (وہ جو اونٹ کے اوپر لکڑی کا فریم نما حصہ رکھا جاتا ہے، جس پر آدمی سوار ہوتا ہے) متعین کیا۔ اس پرانے کجاوے کا اپنے لیے انتخاب کرنا، یہ خود تواضع اور انکساری کی دلیل ہے؛ ورنہ لوگ شاندار اور عمدہ سواری پسند کرتے ہیں۔ اور اس کے اوپر بچھائی جانے والی چادر بھی کوئی اعلیٰ اور شاندار، خوبصورت اور مزین نہیں تھی؛ بلکہ معمولی چادر تھی۔

لبيك بحجة لا سمعة ولا رياء: تواضع اور انکساری کے ساتھ چلنے کے باوجود جب آپ روانہ ہونے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور آپ نے لبیک پڑھنا شروع کیا تو فرمایا کہ: میں لبیک کہتا ہوں ایسے حج کی جس میں نہ تو شہرت ہے اور نہ دکھلاوا ہے۔ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل ریا اور شہرت سے پاک اور صاف ہوتا تھا، وہاں تو دکھلاوے کا کوئی احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ تو ہم جیسے لوگوں کے اعمال میں آمیزش ہوتی ہے، آپ تو ان چیزوں سے پاک تھے، اللہ نے آپ کو معصوم بنایا تھا؛ اس کے باوجود لبیک بولتے وقت اس کا اہتمام فرما رہے ہیں کہ یہ حج دکھلاوے کے لیے نہ ہو، لوگ کہیں کہ: حاجی صاحب تشریف لے جا رہے ہیں۔ درحقیقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ذریعہ سے امت کو تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ چوں کہ اس میں بھی تواضع کی شان نمایاں ہوئی؛ اس لیے اس روایت کو یہاں ذکر کیا۔

٣٣٩ – حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ وَهُوَ ابْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، وَعَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَرَّبَ لَهُ ثَرِيدًا عَلَيْهِ دُبَّاءٌ، قَالَ: فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْخُذُ الدُّبَّاءَ وَكَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ، قَالَ ثَابِتٌ: فَسَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: فَمَا صُنِعَ لِي طَعَامٌ أَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُصْنَعَ فِيهِ دُبَّاءٌ إِلَّا صُنِعَ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک درزی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اور اس نے آپ کے سامنے ثرید پیش کیا، اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ راوی فرماتے ہیں: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چوں کہ کدو مرغوب تھا؛ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو نوش فرمانے لگے۔ ثابت بُنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس کے بعد سے میرے لیے جب کوئی کھانا تیار کیا گیا جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت رہی، تو اس میں ضرور کدو ڈال کر تیار کروایا گیا۔

افادات: رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا: ایک درزی کی دعوت پر آپ کا خود اس کے گھر تشریف لے جانا جب کہ آپ کی شان تو بہت بڑی تھی، آپ تو دو جہاں کے بادشاہ تھے، اس کے باوجود ایک معمولی آدمی آپ کی دعوت کر رہا ہے اور آپ اس کے گھر تشریف لے جا رہے ہیں، یہ آپ کی اعلیٰ درجہ کی تواضع اور انکساری ہے۔

فقرب له ثريدا عليه دباء: گوشت کے شوربے میں روٹی توڑ کر ڈال دی جاتی ہے، اور روٹی جب اس میں گل کر پیوستہ ہو کر نرم ہو جاتی ہے، تو اس کو "ثرید" کہتے ہیں۔ یہ کھانے کے اعتبار سے لذیذ بھی ہوتی ہے، آسان غذا بھی ہے، اور گوشت کا شوربہ ہونے کی وجہ سے اس میں قوت بھی ہوتی ہے۔

دباء: یہ دبۃ کی جمع ہے، "کدو" کو کہتے ہیں۔

قال: چوں کہ دعوت میں حضرت انس بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گئے تھے، یا تو ان کو بھی مستقل دعوت ہوگی، یا خادم ہونے کی حیثیت سے وہ بھی ساتھ تھے۔

ثابت: اس روایت کو نقل کرنے والے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد: ثابت بنانی چھتیس سال ان کی خدمت میں رہے۔

فما صنع لی إلخ: یعنی اس دن جو منظر میں نے دیکھا تھا اور آپ ﷺ نے جس رغبت کے ساتھ کدّو کے ٹکڑے نوش فرمائے تھے، اُس سے میں نے یہ محسوس کیا کہ نبیٔ کریم ﷺ کدو کو پسند فرماتے ہیں، وہ دن اور آج کا دن جب بھی ہمارے گھر کھانا پکا اور ہم کو کدو ملانے کی طاقت رہی، تو ہم ضرور اس میں کدو ملاتے تھے۔ یہ بھی محبت کی بات ہے، جب حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ کو یہ پسند ہے تو اِن کو بھی پسند ہوگئی۔ محبت یہی سکھلاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ اور ان کی اہلیہ کا سنت پر عمل کرنے کا جذبہ

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ مستورات میں حضرت کا وعظ ہوا، اور حضرت نے یہی روایت اس وعظ میں بیان فرمائی، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کدو کے ٹکڑے بڑی رغبت سے نوش فرماتے تھے، اور پھر اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنا معمول بتایا۔ اُس مجمع میں حضرت کی اہلیہ بھی تھی، اس کے بعد حضرت کا اس طرف خیال بھی نہیں گیا، دوسرے دن کھانا پکا تو سالن میں کدو تھا، اسی طرح تیسرے دن، چوتھے دن بھی ہوا، پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا، تو حضرت نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کئی دن سے کھانے میں کدو آرہا ہے؟ تو گھر والوں نے کہا کہ: آپ ہی نے اس دن فرمایا تھا کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بعد ہمیں طاقت رہی ایسے سالن بنانے کی جس میں کدو ملاسکیں تو ضرور ملاتے تھے، تو اس دن سے اپنے گھر کی سبزی اور بازار جانے والے خادم کو تاکید کردی تھی کہ بازار میں جب تک کدو ملتی رہے ضرور لاؤ؛ تاکہ ہم اس طرح عمل کریں۔ اُس زمانے میں تو سیزن میں ملتی تھی، اب تو سال بھر ملتی ہے، اُس وقت ایسی بات نہیں تھی۔

یہ سن کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں لرز گیا، اور ان کے اس جذبے کی حضرت کے دل میں قدر ہوئی کہ دیکھو! ایک عورت ذات نے یہ واقعہ سنا تو ان کے دل میں بھی اسی کے مطابق عمل کا جذبہ پیدا ہوا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد میں نے اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر تین دن کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر کے اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیا: اپنی عبادت کا، معاملات کا، اخلاق و آداب کا، معاشرت کا، اور ہر چیز کا، کہ کسی بھی شعبے میں کہیں کوئی سنت تو نہیں چھوٹ رہی ہے! اس جائزہ کے بعد

معلوم ہوا کہ الحمدللہ! ہر شعبہ میں سنت پر عمل ہے۔

ان کی یہ حالت ہونے کے باوجود بھی اس واقعہ کے بعد انھوں نے اپنا جائزہ لینا ضروری سمجھا، ہم لوگ تو ایسی چیز سنتے ہیں تو ہماری غیرت کو جوش بھی نہیں آتا ہے، ان چیزوں کو اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محبت کی باتیں ہیں، جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ﴾[البقرة۳۱] اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ: تم اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی-سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے بزرگ ہیں-اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ: میری چال چلو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اگر اللہ کی محبت چاہتے ہو تو تمھیں اپنے آپ کو نبیٔ کریم ﷺ کے مطابق بنانا پڑے گا۔

٣٤٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قِيلَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ، يَفْلِي ثَوْبَهُ، وَيَحْلُبُ شَاتَهُ، وَيَخْدُمُ نَفْسَهُ.

ترجمہ: حضرت عمرۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ: حضور ﷺ دولت کدہ پر کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: آپ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے میں خود ہی جُوں تلاش کرتے تھے، اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے، اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

افادات: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنے کی وجہ ظاہر ہے کہ گھر میں آپ کے مشاغل کیا ہوتے تھے؟ وہ تو گھر والے ہی بتا سکتے ہیں، دوسروں کو پتہ نہیں چل سکتا۔

كان بشرا من البشر: جیسے ایک آدمی اپنے گھر میں رہتا ہے اور اپنی ضرورتیں اپنے طور پر پوری کرتا ہے، نبیٔ کریم ﷺ بھی اسی طرح رہتے یعنی اپنے آپ کو گھر میں رکھ کر ممتاز ظاہر نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگ گھر میں بیوی بچوں کے سامنے بھی بڑائی چھوڑتے نہیں ہیں، ان کے لیے دردِ سر بن جاتے ہیں، ایسے لوگ جب گھر میں آتے ہیں تو گھر والے بھی پناہ مانگتے ہیں، جو آدمی گھر میں بے تکلف بن کر رہے گا، گھر والوں کے ساتھ مِل جُل کر رہے گا، اس سے گھر والے محبت بھی کرتے ہیں، اور اس کے وجود کو

گھر میں غنیمت سمجھتے ہیں۔

يَفْلِي ثَوْبَهُ: ویسے تو آپ ﷺ کے کپڑوں میں جُوں نہیں پڑتی تھی، جُوں پسینہ کے میل کی وجہ سے پڑتی ہیں، اور آپ ﷺ کا پسینہ تو اعلیٰ درجہ کی خوشبو تھا۔ یہاں جُوں اس لیے تلاش کی جاتی تھی کہ کہیں دوسروں سے آپ کے کپڑے پر نہ آ گئی ہو۔

يحلب شاته: تواضع دیکھیے، کہ بکری کا دودھ دوہنے میں بھی شرم محسوس نہیں کر رہے ہیں۔

ويخدم نفسه: روایتوں میں آتا ہے کہ اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے، جوتے میں اگر پیوند لگانے کی ضرورت ہو تو خود پیوند لگا دیتے تھے۔

یہ سب تواضع کی وجہ سے تھا؛ اسی لیے اس کو بیان کیا۔ ہمیں اپنے اندر ان باتوں کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، یہی وہ اخلاق اور زندگی ہے جو نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں بتلائی اور اسی کی ضرورت ہے۔ اللہ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین

٤٩ - بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم ﷺ کے اخلاق وآداب کا بیان

افادات: اس سے اگلے باب میں نبیٔ کریم ﷺ کی تواضع کا تذکرہ چل رہا تھا، وہ بھی حضور ﷺ کے اخلاق ہی کا ایک حصہ تھا، اب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ عمومی انداز میں ایک عنوان قائم کر رہے ہیں۔ ویسے حضور ﷺ کے اخلاق تو ایسے ہیں کہ خود قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤﴾ [القلم] اب اس کے بعد کوئی اَور چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ ہاں! کچھ روایتیں نمونے کے طور پر اپنی عادت کے مطابق یہاں پیش کریں گے۔

٣٤١ - حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ، حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنِي أَبُو عُثْمَانَ الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَارِجَةَ، عَنْ

خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: دَخَلَ نَفَرٌ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالُوا لَهُ: حَدِّثْنَا أَحَادِيثَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: مَاذَا أُحَدِّثُكُمْ؟ كُنْتُ جَارَهُ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ إِلَيَّ فَكَتَبْتُهُ لَهُ، فَكُنَّا إِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا، وَإِذَا ذَكَرْنَا الْآخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا، وَإِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهُ مَعَنَا، فَكُلُّ هٰذَا أُحَدِّثُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چندلوگ حاضر ہوئے، انھوں نے درخواست کی کہ: آپ ہمارے سامنے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور ارشادات بیان کریں، انھوں نے فرمایا کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا حالات سناؤں؟ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے، میں (حاضر ہوکر) اس کو لکھ لیتا۔ جب ہم لوگ دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس تذکرہ میں شامل ہوجاتے، جب کھانے پکانے کا تذکرہ کرتے تو حضور بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے۔ یہ سب میں آپ ہی کے حالات بیان کررہا ہوں۔

افادات: عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب کبھی قرآنِ پاک کی آیتیں نازل ہوتی تھیں تو آپ دو کام کرتے تھے: ایک تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بلوا کر ان آیات کی تلاوت فرما کر ان کو بتلاتے تھے، اور اس کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات لکھنا جانتے تھے ان میں سے کسی کو بلوا کر اسے لکھوا بھی دیا کرتے تھے۔ وحی لکھنے کا کام بہت سارے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے؛ لیکن آخری دور میں زیادہ تر یہ خدمت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لیا کرتے تھے؛ اس لیے ان کو ''کاتبِ وحی'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان ہی کے صاحبزادہ حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ مدینۂ منورہ کے فقہائے سبعہ میں شمار ہوتے ہیں۔

فقالوا له حدثنا احاديث رسول الله ﷺ: چوں کہ آپ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ حالات بیان فرمائیے۔ ''احادیث'' حدیث کی جمع ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے لیے بولا گیا ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے حالات جو اُن کے علم میں تھے، اُن کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

کنت جارہ: پڑوسی ہونے کی وجہ سے ویسے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں زیادہ تر حاضر باشی کا موقع ملتا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ وحی لکھنے کی خدمت میرے ذمہ تھی، اس وجہ سے آپ کا قرب اور آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع مجھ کو میسر تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور ارشادات سے مجھ کو زیادہ واقفیت ہے۔

فکنا اذا ذکرنا الدنیا إلخ: پہلے بھی آچکا ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے تو ایسا انداز اختیار فرماتے تھے جس سے آپ کا کوئی خصوصی امتیاز نہ ہو؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھلے ملے رہتے تھے۔ کسی اجنبی کو پتہ نہ چلے کہ آپ اتنے بڑے نبی ہیں، اس انداز سے اپنی شان رکھتے تھے۔ بعض لوگ متکبر اور مغرور ہوتے ہیں، کہ اپنے دوستوں اور اپنے لوگوں کے درمیان اس طرح بیٹھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ کوئی مخصوص شخصیت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کا انداز اختیار نہیں فرماتے تھے۔

دیکھیے! دنیا کی ہر بات کوئی ناجائز اور گناہ نہیں ہے، بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اس کا تذکرہ چل پڑے تو اس سلسلہ میں ان کی رہنمائی اور ان کی ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس بات میں ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ چناں چہ روایت میں آتا ہے کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تازہ غسل فرما کر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف لائے، آپ کے سر مبارک پر پانی کا اثر تھا، آپ کے بال مبارک غسل کی وجہ سے تر تھے، اور غسل کی وجہ سے آپ کی طبیعت مبارکہ خوش وخرم تھی، آپ ہشاش بشاش اور نشیط تھے، جب آپ تشریف لائے تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ: اے اللہ کے رسول! نراك طيب النفس ہم آپ کو ہشاش بشاش دیکھ رہے ہیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں اور پھر آپ بیٹھ گئے۔ آپ کے بیٹھنے کے بعد لوگ مالداری کا تذکرہ کرنے لگے، مال کی کمائی کا تذکرہ ہونے لگا، اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا: لا بأس بالغنى لمن اتقى الله عزوجل، مالداری کا تذکرہ ہو رہا تھا، اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو روک دیتے تو اس مالداری کے سلسلہ میں شریعت کی طرف سے کیا رہنمائی ہے

اوراس سلسلہ میں شریعت کیاہدایت دیتی ہے؟ وہ معلوم نہ ہوتا۔ مالداری ایک ایسی چیز ہے جولوگوں کا ایک بڑادلچسپ موضوع ہے،سب اس میں مشغول ہوتے ہیں،تواس موقع سے فائدہ اٹھاکر نبیٔ کریم ﷺ نے ایک عجیب وغریب بات ارشادفرمائی کہ: جوآدمی اللہ کاتقویٰ اختیارکیے ہوئے ہے اس کے حق میں مالداری کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔صرف اتنا ہی کہا، مالداری کی کوئی تعریف نہیں کی ،اور اس کے لیے بھی تقویٰ کی شرط لگائی۔ مال کے سلسلہ میں وہ ہدایتیں جوشریعت نے مال حاصل کرنے کے متعلق دی ہیں، ان ہدایتوں کوبھی پیش نظررکھنا چاہیے،یعنی کوئی ایسا طریقہ جس سے شریعت نے مال حاصل کرنے سے منع کیا ہو، اختیار نہ کیا جائے،کوئی بھی ناجائزطریقہ نہ اپنایاجائے،اسی طرح مال سے متعلق جوحقوق شریعت نے لازم کیے ہیں ان سارے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے،مثلاً زکوۃ ادا کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اللہ کی مخلوق کوفائدہ پہنچانے کی نیت سے کمانا،صرف اپنی عیش وعشرت اورآرام کوملحوظ رکھ کر مال حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا،اپنے ماتحتوں کی ضروریات کی کفالت کرنا، ان پرکوئی احسان نہ جتلانا؛ بلکہ ان کا احسان سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ سے ان کی کفالت فرمائی، اوراس کی سعادت ہم کوعطا ہوئی، اس مال کواپنی ضرورتوں میں بھی ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرنا، گناہ کے کاموں میں استعمال نہ کرنا، اِسے ’’اسراف‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل صدقات کی پہلے حصے میں اس کوبڑی تفصیل سے بیان کیا ہے،اوردوسرے حصے میں جن لوگوں نے ان ہدایتوں کا اہتمام کیا ہے ان کا تذکرہ ہے۔

بہرحال! جب نبیٔ کریم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد لوگوں میں یہ تذکرہ شروع ہوا،توآپ ﷺ نے لوگوں کواس سے منع نہیں کیا؛ بلکہ اخیر میں آپ نے اس پرایک تبصرہ فرمادیا،ان کی ساری باتوں پرہدایت دے دی، کہ جواللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور مال میں اللہ کی طرف سے دیے گئے احکامات اورہدایتوں کا اہتمام کرتا ہے، اگراس کے پاس مال ہے توکوئی حرج کی بات نہیں۔ یہ بھی نہیں کہا کہ وہ بڑاخوش قسمت ہے۔

فضائلِ صدقات میں ہے کہ: مالدارآدمی غریبوں سے پانچ سوسال بعد جنت میں داخل ہوگا۔

کوئی یہ سمجھے کہ مالداری تودنیا کی بات ہے، حضور ﷺ یہ سب کیوں کرتے ہوں گے،توحضور

ﷺ نے اپنے عمل سے بتلادیا کہ ایسانہیں ہے؛ بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس سلسلہ میں ان کی رہنمائی کی، یہ آپ کا ایک انداز ہے۔

اسی مجلس میں یہ بھی فرمایا کہ: اگر اللہ کسی کو صحت دے اور ساتھ میں تقوی بھی دے یعنی اللہ کے احکام پر عمل، اس کی نافرمانی سے بچنے کا اہتمام اور یہ تندرستی والی نعمت مل جائے تو یہ نعمت مالداری والی نعمت سے بڑھ کر ہے۔ اگر کسی کے پاس کروڑہا کروڑ دولت ہے اور تندرستی نہیں ہے، تو وہ اس دولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے۔

واذا ذکرنا الاخرۃ ذکرھا معنا: آخرت سے متعلق جو چیزیں ہوتیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ بتلاتے تھے۔

واذا ذکرنا الطعام ذکرہ معنا: یعنی اس بہانے سے کھانے کے متعلق شریعت کی ہدایتیں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان کرتے۔ اس سے قبل گذر چکا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے کیا کیا چیزیں نوش فرمائیں، اسی طرح سرکہ کے متعلق فرمایا کہ: جس گھر میں سرکہ ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں، اور دیگر بہت ساری چیزیں اور ہدایتیں ایسے ہی مواقع پر ارشاد فرماتے، آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان گھلے ملے رہتے تھے اور یہ ساری چیزیں ہوتی تھی۔

فَكُلُّ هَذَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: مذکورہ ساری باتیں فرما کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک جملہ فرماتے ہیں کہ یہ سب میں آپ ہی کے حالات بیان کر رہا ہوں یعنی تم مجھ سے پوچھ رہے تھے نا کہ حضور ﷺ کے حالات بیان کرو، وہ حالات ہی بیان کر رہا ہوں۔ عام طور پر حضرات شراح نے اس جملہ کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔

لیکن حضرت شیخ اس جملہ کا ایک دوسرا مطلب بیان کرتے ہیں: چوں کہ انھوں نے آکر درخواست کی تھی کہ حضور ﷺ کے کچھ حالات بیان کرو، ان کے پوچھنے کی وجہ سے اپنا بیک گراونڈ بتلایا کہ: حضور ﷺ کا پڑوسی تھا، اور لکھنے کی خدمت انجام دیتا تھا، اس سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی بار بار سعادت نصیب ہوتی تھی، اور حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ: جب حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان

تشریف فرما ہوتے اور دنیا کا تذکرہ ہوتا، آخرت کا، کھانے کا، یہ سب مجھے معلوم ہے، اب بتاؤ! تم کو کیا چاہیے؟

حضرات شراح نے جو بیان کیا اس کے مقابلہ میں یہ مطلب زیادہ راجح ہے، چوں کہ آ کر انھوں نے درخواست کی تھی کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات بیان کیجیے، تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ: میرے پاس اور میری معلومات میں سارا خزانہ موجود ہے، آپ کو اس میں سے کیا چاہیے بتایئے، میں اس کو پیش کر دوں۔

بہر حال! اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور آداب کا پتہ چلتا ہے؛ اس لیے اس روایت کو یہاں پیش کیا۔

٣٤٢ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُقْبِلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثِهِ عَلَى شَرِّ الْقَوْمِ يَتَأَلَّفُهُمْ بِذَلِكَ فَكَانَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثِهِ عَلَيَّ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنِّي خَيْرُ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا خَيْرٌ أَوْ أَبُو بَكْرٍ؟ فَقَالَ: أَبُو بَكْرٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا خَيْرٌ أَوْ عُمَرُ؟ فَقَالَ: عُمَرُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا خَيْرٌ أَمْ عُثْمَانُ؟ فَقَالَ: عُثْمَانُ، فَلَمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَصَدَقَنِي فَلَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ سَأَلْتُهُ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی تالیفِ قلب اور ان کی دل جوئی کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی گفتگو، قوم کے بدترین آدمی کی طرف بھی مبذول فرماتے تھے، چناں چہ (اپنی اس عادت کے مطابق) میری طرف بھی آپ کی توجہ اور گفتگو کا رخ بہت زیادہ رہتا تھا، حتیٰ کہ میں سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں، چناں چہ (ایک دن) میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں افضل ہوں یا ابوبکر؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ابوبکر، پھر سوال کیا کہ: میں افضل ہوں یا عمر؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: عمر، پھر سوال کیا کہ: میں افضل ہوں یا عثمان؟ تو فرمایا عثمان۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (صراحتاً) پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بلا رعایت) حقیقت بتلادی۔ کاش! میں نے یہ سوالات نہ کیے ہوتے۔

افادات: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، فاتحِ مصر ہیں۔

عَلَى أَشَرِّ الْقَوْمِ: یعنی عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بڑا آدمی، چھوٹوں کو پاس آنے نہیں دیتا؛ لیکن نبیٔ کریم ﷺ کے اخلاق اتنے بلند تھے کہ قوم کا بالکل گھٹیا سے گھٹیا؛ بلکہ شریر آدمی بھی آپ کی خدمت میں آتا تو اس کی دل جوئی اور اس کی تالیفِ قلب کے خیال سے خصوصیت کے ساتھ اس کی طرف توجہ فرماتے تھے، اس کے ساتھ بات چیت فرماتے تھے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ آپ کے پاس بیٹھنے والا ہر آدمی یہ سمجھتا تھا کہ نبیٔ کریم ﷺ کی ساری توجہ میری طرف ہے، یہ آپ کی خصوصیت تھی۔

يتألفهم بذلك: جو آدمی دین کا کام لے کر بیٹھا ہو اور اللہ کے احکام بندوں تک پہنچاتا ہو، اس کی ذمہ داری ہے کہ ہر آنے والے سے اس طرح معاملہ کرے کہ وہ اس سے جڑ جائے، کٹنے نہ پائے، اس کے مناسب سلوک کرے، اس کی دل جوئی کرے؛ تاکہ وہ مانوس ہو، یہ نہیں کہ ایک مرتبہ آنے کے بعد توبہ کر کے جاوے کہ اب یہاں دوبارہ نہیں آنا ہے۔ بار بار آئے گا تب ہی آپ اس کے سامنے دین کی باتیں پیش بھی کر سکیں گے، اور آگے دین پر عمل کرنے کا موقع بھی ملے گا۔ لوگوں کی دل جوئی اور ان کو مانوس کرنے کے لیے آپ ﷺ کا عام دستور تھا کہ آپ کی خدمت میں آنے والا کیسا ہی گیا گذرا آدمی ہو، تب بھی آپ ﷺ پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اور اس سے گفتگو فرماتے تھے۔

فكان يقبل بوجهه وحديثه علي: آپ کی اس عام عادت کی وجہ سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں بھی جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اپنی عادت شریفہ کے مطابق میری طرف بھی خوب توجہ فرماتے تھے، مجھ سے گفتگو فرماتے تھے، ایسی بات فرماتے جس سے میری دل جوئی ہو، مجھے آپ کے ساتھ انس پیدا ہو۔

حتى ظننت اني خير القوم: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ کے اس حسن سلوک کی وجہ سے مجھے ایک غلط فہمی ہو گئی، (یہ شروع شروع کی بات ہے) میری طرف حضور ﷺ جو خصوصی توجہ فرماتے اور محبت بھری گفتگو کرتے، وہ تو آپ کی عام عادت تھی؛ مگر میں یوں سمجھا کہ: میں سب سے اچھا آدمی ہوں، یعنی حضور ﷺ کے صحابہ اور آپ کے پاس آنے جانے والے تمام لوگوں میں سب سے افضل مَیں ہوں۔ اور اس غلط فہمی کی وجہ بھی ہے: بخاری شریف میں موجود ہے کہ:

غزوۂ ذات السلاسل کے موقع پر حضور ﷺ نے ان کو لشکر کا امیر بھی بنایا، اور جس لشکر کا ان کو امیر بنایا گیا اس لشکر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ امارت تو مختلف مصالح اور حکمتوں کی وجہ سے حوالے کی جاتی ہے، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مجمع کا جس کو امیر بنایا جا رہا ہے وہ اس مجمع میں سب سے افضل ہی ہو، تجربہ ہوتا ہے، اس کی وجہ سے اس کو امیر بنایا جاتا ہے۔ بہر حال! آپ ﷺ نے ان کو امیر بنایا، اور اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے، ویسے بھی حضور ﷺ ان کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق سے پیش آتے تھے، اور اب امیر بنا دیا، ان ساری چیزوں کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں سب سے بڑھ کر ہوں۔ سوچا کہ اب خیال آیا ہے تو ذرا اس کو پختہ کر لینا چاہیے، چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

انا خير ام ابو بكر: ایک چیز یہاں یہ بھی سمجھ لیجیے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں حضرات خلفائے راشدین اور ان میں سے خلفائے ثلاثہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقام مشہور تھا، اور ان کا درجہ ہر کس و ناکس، ہر خاص و عام اس طرح سمجھتا اور جانتا تھا کہ حضور ﷺ کے کہے بغیر لوگ یوں سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ، ان کے بعد یہ، ان کے بعد یہ؛ گویا ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہی چیز راسخ تھی کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر ہیں۔ خیر! حضور ﷺ کے حسن سلوک کی وجہ سے یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے غلط فہمی ہوئی اور میں یوں سمجھا کہ: میں سب سے افضل ہوں، تو بات پختہ کرنے کے لیے میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ: میں افضل ہوں یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ؟۔

فلما سألت رسول الله ﷺ فصدقني: ایک تو تھا حضور ﷺ کا سلوک اور ہر آنے والے کے ساتھ اس کی دل جوئی کے لیے اخلاق سے پیش آنا، اور دوسرا ہے حقائق کا اظہار؛ تو حسنِ اخلاق، اظہارِ حقائق میں رکاوٹ نہیں بننے چاہیے۔

یہاں ایک بات قابلِ توجہ ہے کہ: آپ کا کسی کے ساتھ ذاتی طور پر کوئی حسن سلوک کا معاملہ کرنا، وہاں کوئی تقابل نہیں ہے۔ ایک آدمی آپ کے پاس آیا تو اب آپ اس کے ساتھ عمدہ سے عمدہ سلوک کیجیے،

اب آپ کے اس حسنِ سلوک کی وجہ سے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کہ اس نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ میں اس کے بیٹے سے بھی بڑھ کر ہوں، تو اس کا اس حسنِ سلوک کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کے بیٹے سے بھی بڑھ کر سمجھنا اس کی غلط فہمی ہے۔

بہر حال! جب انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کھل کر پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صاف صاف بتلا دیا، ان کی دل جوئی کے طور پر نہیں فرمایا کہ: تم ہو۔ بعض لوگ مدارات کرتے کرتے حقائق کو بھی چھپا جاتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے، جہاں حقیقت کے اظہار کا موقع آئے تو وہاں صاف بات کہنی چاہیے۔

بہر حال! یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں، اور جیسا کہ آگے روایت گذر چکی ہے: اللہ پاک نے آپ کو جن صفات اور کمالات سے نوازا تھا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کا جو مقام و مرتبہ تھا، مخلوق میں کوئی اُس مقام تک نہیں پہنچ سکتا، اس کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر ایک کے ساتھ محبت اور حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کی دل جوئی کرنا، یہ خود آپ کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے، یہ ہر کسی کے بس کی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

٣٤٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ؟ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَلَا مَسَسْتُ خَزًّا وَلَا حَرِيرًا قَطُّ وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دس سال خدمت کی، (ان دس سال میں) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ کوئی کام اگر میں نے کر لیا تو یہ نہیں فرمایا کہ: ایسا کیوں کیا؟ کوئی کام چھوڑ دیا تو یہ نہیں کہا: یہ کام کیوں نہیں کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔ (ایسے ہی خِلقت کے اعتبار سے بھی سب سے اعلیٰ تھے) چناں چہ میں نے کوئی ریشمی کپڑا، کوئی خالص ریشم اور کوئی نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم ہو، اور کبھی کسی قسم کا مشک یا عطر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسینے کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

افادات: خَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ: حضور ﷺ جب ہجرت فرما کر مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ تشریف لائے، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے ابا تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ کا نکاح حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ان کی پرورش میں تھے) سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ: کوئی بچہ ایسا دو کہ گھر کی کوئی چیز لانی کرنی ہو تو وہ کر دیا کرے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مجھ کو اونٹ پر بٹھا کر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور پیش کیا، کہ یہ انس ہے (اُس وقت ان کی عمر دس سال کی تھی) یہ آپ کی خدمت کریں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے قبول فرما لیا، اور وفات تک یعنی دس سال تک انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: کبھی میں جانے میں دیر کرتا تو میرے گھر کی عورتیں: والدہ، خالہ، نانی وغیرہ اصرار کر کے مجھے بھیجتی، کبھی حضور ﷺ کوئی کام کرنے کے لیے فرماتے تو دل میں کرنے کا جی چاہتا تھا؛ لیکن زبان سے کہتا تھا کہ: نہیں کروں گا، تو حضور ﷺ بالکل ناراض نہیں ہوتے تھے؛ کیوں کہ یہ بچے تھے۔

فما قال لي اف قط: دس سال حضور ﷺ کی خدمت کی، اس طویل مدت کے اندر ان سے ایسی باتیں پیش آسکتی ہیں جن کی وجہ سے طبیعتِ مبارکہ کو تکلیف پہنچے، آپ ﷺ کی طبیعت کے خلاف کوئی چیز ہو؛ لیکن یہ آپ کے اخلاق کی بات ہے کہ آپ نے کبھی ان سے اُف تک نہیں کہا۔

ولا لشيء تركته لم تركته: ظاہر ہے کہ ایسی چیزیں پیش آتی ہوں گی جو نبیٔ کریم ﷺ کے طبیعتِ مبارکہ اور مزاج کے خلاف ہو، پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو کبھی ٹوکا اور ڈانٹا نہیں۔ یہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کی بات ہے۔ یہ بھی دراصل رضا بالقضاء کی کیفیت ہے، جن لوگوں کی نگاہوں میں یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، ان کے پیشِ نظر یہی ہوتا ہے کہ جو کام فلاں نے نہیں کیا اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا؛ اس لیے نہیں کیا، اور جو کیا اللہ تعالیٰ اِس کو کروانا چاہتے تھے؛ اس لیے کیا، اس میں اس بے چارے کو کیوں ملزم قرار دیا جائے! جیسے کوئی کٹھ پتلی ہوتی ہے تو اس کو کوئی ملزم قرار نہیں دیتا؛ بلکہ اس کو جو چلانے والا ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہوتی ہے۔ چناں چہ نبیٔ کریم ﷺ کی

عادتِ شریفہ یہ تھی کہ: کوئی ایسی بات جب پیش آتی تو آپ ﷺ فرماتے: چھوڑو! اللہ تعالیٰ کو کوئی دوسرا منظور ہوتا تو وہی ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ رضا بالقضاء والی کیفیت ہے، جو محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غایتِ محبت اور تعلّق کی علامت ہے، کہ اس طرح پیش آنے والی چیزیں بندوں کی طرف نسبت کر کے ان سے الجھنا نہیں؛ بلکہ اللہ کے حکم سے ہوا ہے، اس کے فیصلے پر ہم راضی رہیں گے۔

ولا مسست خزا إلخ: جیسے آپ اخلاق میں سب سے بہتر تھے، خلقت اور پیدائش کے اعتبار سے بھی آپ سب سے بڑھیا تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آپ کی ہتھیلیوں سے زیادہ کوئی نرم چیز نہیں دیکھی، انھوں نے اس اطمینان اور لذت کے ساتھ بیان کیا کہ ان کے اس بیان سے متأثر ہو کر ان کے شاگرد نے کہا کہ: حضرت! آپ نے جن ہاتھوں سے نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھوں کو چھویا ہے، جن کے متعلق آپ اس طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں، ذرا مجھے بھی موقع دیجیے کہ میں ان ہاتھوں سے مصافحہ کروں، آپ مجھ سے مصافحہ کیجیے، انھوں نے مصافحہ کیا، تو ان کے شاگردوں نے جب یہ روایت اپنے شاگردوں کو بیان کی تو انھوں نے پھر یہی کیا، تو یہ حدیث ''مسلسل بالمصافحہ'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اب ہر شاگرد اپنے استاذ سے یوں کہتا ہے: آپ ان ہاتھوں سے جن ہاتھوں سے آپ نے اپنے استاذ کا مصافحہ کیا ہے، ہم سے بھی مصافحہ کیجیے۔ یہ حضرات محدثین اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نبیٔ کریم ﷺ سے غایتِ محبت اور غایتِ عشق کی بات ہے، جب محبت ہوتی ہے تو ایسی باتیں وجود میں آتی ہیں۔

ولا شممت مسكا قط إلخ: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ کوئی مبالغہ آرائی یا خوش اعتقادی نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کے پسینے کو باقاعدہ خوشبو کی جگہ پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان پر حضور ﷺ تشریف لے گئے، کھانا نوش فرما کر وہیں لیٹ گئے، ایک چمڑا بچھایا گیا تھا اس پر آپ لیٹ گئے، اوپر کی چادر ہٹی ہوئی تھی، گرمی کا زمانہ تھا، آپ کا پسینہ بہہ رہا تھا، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ یا خالہ اس پسینہ کو شیشی میں جمع کر رہی تھیں کہ اچانک نبیٔ کریم ﷺ کی آنکھ مبارک کھل گئی، پوچھا: یہ کیا کر رہی ہو؟ کہا کہ یا رسول اللہ! یہ ہماری خوشبوؤں میں سب سے

اعلیٰ قسم کی خوشبو ہے، اپنی خوشبو میں ہم اس کو ملاتے ہیں تو وہ دوبالا ہو جاتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ: آپ ﷺ جس سے مصافحہ فرماتے تھے، دن بھر اس کا ہاتھ خوشبو سے مہکتا رہتا تھا۔ اس لیے یہ خوش اعتقادی نہیں؛ بلکہ حقیقت ہے۔

اس میں چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے اخلاق کی عمدگی کو بتلایا گیا ہے؛ اس لیے اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔

٣٤٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ هُوَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالَا: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَهُ رَجُلٌ بِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَكَادُ يُوَاجِهُ أَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ، فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ: لَوْ قُلْتُمْ لَهُ يَدَعُ هَذِهِ الصُّفْرَةَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، اس پر زردی کا نشان تھا، آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ ناگوار بات پر رُو برو منع نہیں کرتے تھے، جب وہ آدمی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا تو حضور ﷺ نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ: اگر تم اُسے منع کر دیتے کہ وہ زردی کو چھوڑ دے (تو بہتر ہوتا)۔

افادات: یعنی ایسی خوشبو کا رنگ تھا جو عورتیں استعمال کرتی ہیں، یہ مردوں کے حق میں ناپسند، نامناسب اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

لَا يَكَادُ يُوَاجِهُ أَحَدًا: یہ ناگوار بات یعنی جو خلافِ اولیٰ ہو؛ ورنہ اگر حرام کے قریب ہو تو یقینی طور پر منع فرماتے۔ چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ کو امت کے ساتھ بڑی محبت اور شفقت تھی، اور بعض مرتبہ جب کسی آدمی کو کسی چیز سے روکتے ہیں اس وقت اس کو ناگوار معلوم ہوتا ہے، اس کے دل میں اعتراض پیدا ہوتا ہے، اور بعض تو انکار کر بیٹھتے ہیں، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے روکنے پر وہ انکار کر بیٹھے، یا اس کے دل میں اعتراض ہو جو ایمان سے محروم کرنے والی چیز ہے، اس لیے آپ ﷺ منہ در منہ ٹوکنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہاں! جن کے متعلق اطمینان ہوتا کہ ان کے دل میں یہ صورت نہیں ہوگی، تو آپ ﷺ ایسی نامناسب چیز پر ان کو خود منع فرما دیتے تھے۔ حکایاتِ صحابہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک چادر کسم

رنگ کی پہن رکھی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: یہ کیا چیز ہے؟ تو انھوں نے گھر آتے ہی چادر نکال کر جلتے چولہے میں ڈال دی۔ دیکھو! ان کو حضور ﷺ نے خود ٹوکا؛ اس لیے کہ وہاں اندیشہ نہیں تھا؛ ورنہ حضور ﷺ احتیاط فرماتے تھے؛ لیکن یہ بھی ان چیزوں میں جو خلافِ اولیٰ اور نامناسب ہو، اگر حرام اور شرعاً ناجائز ہو تو جیسا کہ پہلے بھی آچکا اور آگے بھی آئے گا، کہ جب اللہ کی حدود کو پھلانگا جاتا، اس کو توڑا جاتا، تو آپ کے غصے کے سامنے کوئی چیز ٹِک نہیں سکتی تھی، یہاں تک کہ آپ اس کو ٹھیک کردیں۔ الغرض! حرام کام پر خاموشی نہیں ہوتی تھی، اس وقت منہ در منہ منع فرماتے تھے۔ اس حدیث میں مذکور شکل اس وقت ہوتی تھی جہاں خلافِ اولیٰ کوئی بات ہو۔

یہاں یہی بات مقصود ہے، اس سے آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو بتلانا چاہتے ہیں۔ چوں کہ اخلاق کا مطلب یہ نہیں کہ حرام کام پر بھی آدمی خاموشی اختیار کرے؛ اس لیے میں نے یہ ساری تفصیل عرض کی۔

۳۴۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ الْجَدَلِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیِ کریم ﷺ نہ تو طبعی طور پر فحش گو تھے اور نہ بہ تکلّف بدکلامی کرتے، اور آپ بازاروں میں چیخنے والے نہیں تھے، اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے؛ بلکہ آپ اس کو معاف فرما دیتے اور درگزر فرماتے۔

افادات: فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا: فحش گوئی کا مطلب ہے: بے حیائی، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بے حیائی کی باتیں کرتے ہیں، وہ ایسی بے شرمی کی باتیں اپنی زبان سے نکالتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! اس میں بھی بعض تو طبعی طور پر یعنی ان کی فطرت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے مزاج میں ایسی چیز نہیں ہوتی؛ لیکن کوئی مجلس جمی ہوئی ہے اور وہاں اس طرح کا تذکرہ چل پڑا، تو مجلس کے رنگ کو باقی رکھنے کے لیے وہ بھی اس میں ساتھ دے دیتے ہیں، چاہے دل سے ناپسند کرتے ہوں، اسی کو ''متفحش'' سے تعبیر کیا، شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ بے حیائی ایسی چیز ہے کہ اس سے اپنے آپ کو بچانا ہی بچانا ہے۔

لَاصَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ: عام طور پر بازاروں میں اس طرح کی چیزیں پیش آتی ہیں، آپ اپنی ضرورت کے لیے بازار تو تشریف لے جاتے تھے؛ لیکن جہاں عام طور پر لوگ چیختے چلاتے ہیں وہاں بھی نبیٔ کریم ﷺ اس چیز سے اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ گھر میں تو بہ طریقِ اولیٰ بچائیں گے۔

ولا يجزي بالسيئة السيئة: کوئی آدمی اگر نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ برا سلوک کرتا تو اس کے جواب میں آپ اس کے ساتھ برائی کا سلوک نہیں کرتے تھے۔ ایسے سینکڑوں واقعات آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ہر آدمی جانتا ہے۔

ولكن يعفو ويصفح: بعض علما ويصفح کا ترجمہ کرتے ہیں: اس کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے، یعنی معاف کرنے کے بعد اس کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے، بعض لوگ معاف کر دیتے ہیں؛ لیکن بعد میں اس کا تذکرہ کرتے پھرتے ہیں۔

٣٤٦ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَلَا امْرَأَةً.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے جہاد کے علاوہ اپنے دستِ مبارک سے کسی کو نہیں مارا، نہ کسی خادم کو نہ کسی عورت کو۔

افادات: یہاں مراد غصے میں آکر بالارادہ اپنے ماتحتوں کو یا کسی اَور کو مارنا ہے۔ آپ ﷺ نے دوسرے کو تو کجا! اپنے خادم یا اپنے گھر کی عورتوں یا باندیوں کو بھی کبھی نہیں مارا۔

٣٤٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، أَخْبَرَنَا فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مُنْتَصِرًا مِنْ مَظْلَمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَا لَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَحَارِمِ اللهِ تَعَالَى شَيْءٌ، فَإِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَحَارِمِ اللهِ شَيْءٌ كَانَ مِنْ أَشَدِّهِمْ فِي ذَلِكَ غَضَبًا، وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ مَأْثَمًا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنے پر ہوئے کسی ظلم کا

بدلہ لیا ہو اجب تک کہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی کی پامالی نہ کی جاتی؛ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی کسی حرمت کی پامالی کی جاتی تو اُس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ غضبناک ہوتے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ آسان کو اختیار فرمایا، جب تک کہ اس میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہوتا۔

افادات: مُنْتَصِرًا مِنْ مَظْلَمَةٍ: کسی نے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظلم اور زیادتی کی ہو تو کبھی بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بدلہ نہیں لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کے لیے کبھی بھی بدلہ نہیں لیتے تھے۔

مَا لَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَحَارِمِ الله: یعنی کوئی آدمی اگر کوئی حرام فعل کرتا تو پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بپھر جاتے۔ جب حرام کاموں کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اس وقت تک غصہ کا اظہار فرماتے تھے جب تک وہ اس حرام حرکت سے باز نہ آجائے۔ اس سے قبل جب یہ بات آئی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ناگوار بات منہ در منہ نہیں کرتے تھے، وہاں بتلایا تھا کہ ایسے موقع پر جہاں صریح حرام کا ارتکاب نہ ہو، کوئی خلافِ اولیٰ کام کیا ہو، تو اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہ در منہ اس کو روکتے نہیں تھے، اس میں بھی مصلحت تھی جیسا کہ پہلے بتلادیا گیا ہے۔

امت کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو امروں میں سے آسان کو اختیار کرنا

وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إلخ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں یہ تھا کہ آپ امت کے لیے آسانی کو پسند فرماتے تھے؛ البتہ وہاں اس بات کا خیال رکھتے کہ شریعت کے خلاف نہ ہو، بندوں کی طرف سے جو باتیں دی جارہی ہے، اس میں ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک پہلو ایسا ہو جس میں گناہ اور شریعت کی خلاف ورزی ہو، تو اس سے اپنے آپ کو بچاتے تھے؛ ورنہ اگر اللہ کی طرف سے اختیار دیا جاتا تو دونوں امور مباح اور درست ہوتے ہیں۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی پاکیزگی اور اخلاق کی عمدگی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک تو اپنے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، اور دوسرا: آسان شکلوں کو ہی امت کے لیے اختیار کرتے تھے۔

٣٤٨ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ الله ﷺ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ، أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ، ثُمَّ أَذِنَ لَهُ، فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ:

يَا رَسُولَ اللهِ! قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (گھر میں) بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک آدمی نے حاضری کی اجازت چاہی، (اس کی آواز سے پہچان کر) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ آدمی اپنے قبیلہ کا برا بیٹا ہے، یا فرمایا: برا بھائی ہے، اس کے بعد آپ نے اس کو اجازت دی اور اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی، جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ نے تو اس کو برا کہا تھا پھر آپ نے اس سے نرم گفتگو کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا وہ ہے کہ لوگ اس کی بدکلامی سے بچنے کے لیے اس کو چھوڑ دیں۔

افادات: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ: یہ عیینہ ابن حصن فزاری تھے جو قبیلۂ بنو فزارہ سے تعلق رکھتے تھے، مزاج میں ذرا اکھڑ پن تھا، ان کی آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پہچان لیا۔

غیبت کب جائز ہے؟

بئس ابن العشيرة: یہ بات دراصل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح اور دوسروں کو نقصان سے بچانے کی غرض سے فرمائی تھی، یعنی ایک ہے کسی آدمی کا اپنی ذات کے اعتبار سے برا ہونا۔ دوسرا یہ ہے کہ ایسا آدمی ہمارے پاس آئے تو ایسا نہیں کہ ہم اس کو تھپڑ ماریں گے، گالیاں دیں گے، بلکہ جو ہمارے پاس آئے گا اس کے سامنے اپنے اخلاق کا مظاہرہ کریں گے، جیسا کہ ایک آنے والے کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس نے اجازت چاہی کہ میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو آپ نے آواز پہچان کر اس کی حقیقتِ حال بتلادی، کہ یہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ یہ اس لیے بھی بتلایا تھا کہ جب وہ آئے گا اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ اپنے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے اچھا سلوک کریں گے، تو اس کی وجہ سے جو پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں ان کو غلط فہمی نہ ہو۔ بعض مرتبہ آنے والے کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے دیکھنے والے اس سے غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں، کہ بڑا بڑھیا آدمی ہوگا، اسی لیے اُس کے ساتھ اتنا اچھا معاملہ کیا جارہا ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سے بتلادیا کہ بڑا برا آدمی ہے، اس کے آنے کے بعد میری طرف سے اچھا سلوک ہو تب بھی غلط فہمی میں مت پڑنا؛ اس لیے کہ بعض

مرتبہ اچھا معاملہ دیکھ کر لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھتے ہیں اور بعد میں معاملہ گڑ بڑ ہو جاتا ہے، کہ میں فلاں بزرگ کے پاس گیا تھا، انھوں نے ان کے ساتھ اچھا معاملہ کیا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؛ اس لیے میں یوں سمجھا کہ بڑا اچھا آدمی ہوگا۔تو بھائی! اس بزرگ نے آپ کو ایسا تھوڑی کہا تھا کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنا، وہ تو انھوں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا؛ اس لیے حضور ﷺ نے پہلے ہی سے حفاظتی تدبیر کے طور پر بتلا دیا۔ یہ غیبت نہیں ہے، اگر کسی میں کوئی عیب ہو اور اس کے عیب کو اس لیے بیان کیا جائے؛ تاکہ لوگوں کو اس کی طرف سے نقصان نہ ہو تو اس کی شریعت نے اجازت دی ہے، یہ غیبت میں داخل نہیں ہے۔

إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ إلخ: حضور ﷺ کے اس ارشاد اور جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ: اگر وہ آتا اور اس کے آنے پر میں اس کے ساتھ بدکلامی کرتا کہ تم بڑے خراب آدمی ہو اور سختی سے پیش آتا تو آئندہ وہ کبھی میرے پاس نہ آتا، اس کا آنا جانا بند ہو جاتا، اور میں ایسا بننا نہیں چاہتا۔ اگر میں اس کے ساتھ بدکلامی کرتا تو میں بھی اسی زمرے میں شامل ہو جاتا کہ لوگ میری بدکلامی سے بچنے کے لیے مجھ سے دور رہتے، اور یہ اخلاق نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی آدمی برا ہو اور وہ آپ کے پاس آئے، تو ایسا نہیں کہ آپ بھی اس کے ساتھ برائی سے پیش آئیں؛ بلکہ آپ اس کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں۔ عربی زبان میں ایک کہاوت ہے: كل إناء يترشح بما فيه: ہر برتن سے وہی نکلتا اور ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے، آپ کے اندر اچھے اخلاق ہونے چاہیے، کوئی بھی آئے آپ اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ؛ اس لیے کہ اس کی برائی اس کے ساتھ ہے۔ ہاں! مگر اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ اس نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ بھی اچھا آدمی ہی ہوگا۔

ہارون رشید بہت بڑے خلیفہ گذرے ہیں، بہت طویل وعریض حکومت تھی، رات کو ایک مرتبہ پانی کی ضرورت پیش آئی تو غلام سے کہا کہ: پانی لاؤ! غلام بڑ بڑاتا ہوا اٹھا، کہ دن میں بھی چین نہیں اور رات میں بھی چین نہیں، اس نے پانی لاکر پلا دیا۔ قاضی ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ: اس رات میں وہاں ٹھہرا ہوا تھا، یہ منظر دیکھا تو امیر المؤمنین سے یوں کہا کہ: اس غلام نے ایسی بیہودہ حرکت کی ہے اور

آپ نے اس کو کچھ ٹوکا نہیں، تو انھوں نے کہا کہ: وہ اس کا عمل ہے، میرے اخلاق وہ ہیں جو میں نے کیے۔

الغرض! یہی ہونا چاہیے کہ کسی کے اخلاق برے ہونے کی وجہ سے ہمیں اپنے اخلاق بگاڑنے نہیں چاہیے، ہاں! اگر شریعت کا کوئی حکم ٹوٹتا ہو تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ اوپر آچکا کہ اگر اپنی ذات کا معاملہ ہوتا تو نبیٔ کریم ﷺ کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے؛ لیکن شریعت کا حکم ٹوٹتا تو اس کو معاف نہیں کیا جاتا تھا، اس پر فوراً ٹوکتے تھے۔ آج ہمارا معاملہ برعکس ہوگیا ہے، کہ اگر شریعت کا حکم ٹوٹ رہا ہے تو چپ رہیں گے، اور اگر اپنا معاملہ ہو تو بپھر جائیں گے، حالاں کہ ہونا یوں چاہیے تھا کہ اگر اپنا نقصان ہو رہا ہو تو اس کو برداشت کرنا چاہیے، اسی کا نام ''مدارات'' ہے، دین کے لیے دنیا کو قربان کردینا، اور دنیا کے خاطر دین کے نقصان کو برداشت کرنا اس کو ''مداہنت'' کہتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے، اور مدارات صرف جائز ہی نہیں؛ بلکہ پسندیدہ ہے، اس میں دین کا کوئی نقصان نہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ یہی فرما رہے ہیں کہ: دین پر آنچ آرہی ہو تو آپ کو خاموش نہیں رہنا چاہیے، وہاں جو بات ہو صاف صاف کہہ دینا چاہیے، اور آپ کا کوئی نقصان ہو تو برداشت کرلو، چپ رہو، کوئی حرج کی بات نہیں۔ ویسے شریعت نے بدلہ لینے کی اجازت تو دی ہے؛ مگر بدلہ نہ لیں تو اچھا ہے۔ دونوں روایتوں کو آپ سامنے رکھیے، حضور ﷺ کا یہی عمل نظر آئے گا۔

۳۴۹ – حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، أَخْبَرَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعِجْلِيُّ، أَخْبَرَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَيُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنٍ لِأَبِي هَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: سَأَلْتُ أَبِي، عَنْ سِيرَةِ النَّبِيِّ ﷺ فِي جُلَسَائِهِ، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دَائِمَ الْبِشْرِ، سَهْلَ الْخُلُقِ، لَيِّنَ الْجَانِبِ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ، وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ، وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مَدَّاحٍ، يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِي، وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيبُ فِيهِ، قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ: مِنَ الْمِرَاءِ وَالْإِكْثَارِ وَمَا لَا يَعْنِيهِ، وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ: كَانَ لَا يَذُمُّ أَحَدًا، وَلَا يَعِيبُهُ، وَلَا يُعَيِّرُهُ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ، وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيمَا رَجَا ثَوَابَهُ، وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلَسَاؤُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِهِمُ الطَّيْرُ، فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا لَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ،

وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ أَنْصَتُوا لَهُ حَتَّى يَفْرُغَ. حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيثُ أَوَّلِهِمْ، يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُونَ مِنْهُ، وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُونَ مِنْهُ، وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِي مَنْطِقِهِ وَمَسْأَلَتِهِ حَتَّى إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ لِيَسْتَجْلِبُونَهُمْ وَيَقُولُ: إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَأَرْفِدُوهُ، وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ إِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ وَلَا يَقْطَعُ عَلَى أَحَدٍ حَدِيثَهُ حَتَّى يَجُوزَ فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيٍ أَوْ قِيَامٍ.

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرکائے مجلس کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا؟ تو فرمایا کہ: آپ ہمیشہ خندہ رُو رہتے اور نرم خو اور نرم مزاج تھے۔ نہ سخت گو تھے نہ سخت دل، نہ چلا کر بولتے تھے نہ بدکلام تھے، نہ عیب گیر تھے نہ بے جا تعریف کرنے والے۔ آپ ناپسندیدہ بات سے اعراض فرماتے، اور کسی (کی کوئی خواہش اگر آپ کو پسند نہ آتی تو اُس) کو مایوس بھی نہ فرماتے اور نہ اس کی موافقت کرتے/ نہ اُس کا وعدہ کرتے (بلکہ خاموش رہتے)۔ آپ نے اپنی ذات کو تین چیزوں: جھگڑے، فضول گوئی اور لایعنی چیزوں سے بچا رکھا تھا۔ اور لوگوں کو اِن تین باتوں سے بچا رکھا تھا: کبھی کسی کی مذمت وعیب گیری نہ کرتے، نہ کسی کو عار دلاتے، نہ عیب جوئی کرتے۔ وہی بات اپنی زبان سے نکالتے تھے جس میں ثواب کی امید ہو۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو حاضرینِ مجلس گردن جھکا کر (بغیر حرکت کیے) اس طرح بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ خاموش ہو جاتے تب لوگ بات کرتے، اور آپ کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے تھے۔ آپ سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اس کے فارغ ہونے تک سب ساکت رہتے۔ ہر شخص کی بات (توجہ سے سننے میں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو (توجہ سے سنی جاتی ہے)۔ لوگ جس بات پر ہنستے آپ بھی اس پر ہنستے، جس سے سب تعجب کرتے تو آپ بھی تعجب میں شریک رہتے۔ اجنبی آدمی کی سخت گفتگو اور بے تمیزی کے سوال پر صبر فرماتے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تو (آپ کی مجلس میں) مسافروں کو تلاش کر کے لایا کرتے۔ آپ یہ بھی تاکید فرماتے رہتے کہ: جب تم دیکھو کہ کوئی حاجت مند اپنی حاجت کا طالب ہے تو اس کی مدد کرو۔ آپ اپنی تعریف گوارا نہ کرتے؛ مگر احسان کے بدلے میں تعریف کرنے والے کی تعریف (سن لیتے)۔ کسی کی گفتگو قطع نہ فرماتے؛ البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو آپ اس کی گفتگو روک کر یا مجلس سے اٹھ کر کاٹ دیتے۔

افادات: پہلے بھی اس روایت کے دو تین حصے گذر چکے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میرے ماموں ہند ابن ابو ہالہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیۂ شریفہ بڑے عمدہ طریقہ سے بیان کرتے تھے،

ایک مرتبہ میں نے درخواست کی کہ: حضور ﷺ کا حلیۂ شریفہ بیان کیجیے؛ تا کہ میں اس کو محفوظ کرلوں، اوران میں سے جن چیزوں کو اپنے اندر لانے کی محنت کرسکتا ہوں وہ کروں۔ چناں چہ انھوں نے بیان کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اپنے ماموں سے یہ سننے کے بعد میں نے اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ایک مدت تک چھپائے رکھا، وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ: بھائی کو شوق ہے یا نہیں؟ اس کے اندر کتنی طلب ہے؟ اَور کوئی دوسرا مقصد نہیں تھا۔ کچھ مدت کے بعد میں نے ان کے سامنے اظہار کیا، کہ میں نے ماموں جان سے حضور ﷺ کا حلیۂ شریفہ پوچھا تھا، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں تو معلوم کر چکا ہوں، گو یا ان سے پہلے ہی وہ معلوم کر چکے تھے، اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ ہمارے ابا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اَور بھی بہت کچھ پوچھ چکے تھے کہ: حضور ﷺ جب گھر میں تشریف لے جاتے تھے تو کیا ہوتا تھا؟ اور باہر جب مجلس میں آتے تو کیا ہوتا تھا؟ وہ روایت پہلے آچکی ہے، اسی کا آخری جز یہاں پیش کررہے ہیں۔

دیکھو! علم کے معاملہ میں ایسا ہونا چاہیے، کہ کوئی بھلی بات اپنے چھوٹے بھائی سے بھی معلوم ہو تو حاصل کرو، اس میں کوئی شرمانے کی ضرورت نہیں ہے، علم میں جو شرمائے گا وہ جہالت کی ذلت زندگی بھر اٹھائے گا۔

عن مجلسہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ابا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کا اپنے پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ طریقہ اور طرز کیسا ہوتا تھا؟ اور جو لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے ان کے ساتھ نبیٔ کریم ﷺ کس طرح پیش آتے تھے؟۔

سَہْلَ الْخُلُقِ: یعنی آپ ﷺ نرم خو تھے۔

ولا صخابا: عام طور پر چیخنا چلانا غصہ والوں کی عادت ہوتی ہے، وہ آپ میں نہیں تھا۔

یَتَغَافَلُ عَمَّا لَا یَشْتَہِي: یعنی کوئی آدمی آپ سے کوئی ایسی چیز طلب کرتا جو آپ کو ناپسند ہو تو اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، نہ اثبات میں اور نہ نفی میں؛ بلکہ خاموش رہتے تھے۔

والا کثار: فضول گوئی بھی نہیں کرتے تھے، جیسے بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ ۲۴/ گھنٹے ان کی

زبان بند ہی نہیں رہتی، بس بولتے ہی رہتے ہیں، یہ عادت آپ کے اندر نہیں تھی، مفید باتوں کے علاوہ آپ اپنی زبان استعمال نہیں کرتے تھے۔

وما لا یعنیہ: بے کار باتیں یعنی جن میں نہ دین کا فائدہ ہو اور نہ دنیا کا فائدہ ہو۔ ان تین چیزوں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو بچانے کا خوب اہتمام کرتے تھے۔

وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ: یعنی لوگوں کے ساتھ ان تین کاموں میں سے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

وَلَا یعیبہ: یعنی اگر کسی نے نامناسب کام کیا تو لوگ کہتے ہیں: ارے! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو نے ایسا کیا؟ اس کو ''عار دلانا'' کہتے ہیں۔ کسی کو عار دلانا پسندیدہ کام نہیں ہے، خاص طور پر کوئی اپنے آپ کو اچھا سمجھ کر دوسرے کو عار دلاتا ہے تو حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ اس میں مبتلا نہ ہو؛ اس لیے کسی کو عار دلانے کے معاملہ میں خوب بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

وَلَا یَطْلُبُ عَوْرَتَهُ: بعضوں کی عادت نقائص تلاش کرنے کی ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے۔

كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِهِمُ الطَّيْرُ: پرندہ جس کے سر پر ہوتا ہے وہ بالکل حرکت نہیں کرتا، اس اندیشہ سے کہ اگر میں ہلوں گا تو اڑ جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طرح بیٹھتے تھے۔

فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا: آپ کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ بولنا شروع نہیں کرتے تھے۔

لَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ: جیسے بعض لوگ آپس میں بڑوں کی موجودگی میں بھی بحثا بحثی کرتے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں اس طرح نہیں کرتے تھے۔

وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ: یہ نہیں کہ ابھی وہ بات کر رہا ہے اور دوسرے لوگ اپنی بات شروع کر دیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مزاج یہ تھا کہ کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرتا تو اس کی بات کے پورے ہونے کا انتظار کرتے، اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنی بات شروع نہیں کرتے تھے۔

حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ: دیکھو! دو چار آدمی ہو تو یہ آسان ہے؛ مگر بڑا مجمع ہو تو شروع والے کی بات دھیان

سے سنی جاتی ہے؛ لیکن جوں جوں دیر ہوتی جاتی ہے تو سننے والے کا موڈ (مزاج) خراب ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اخیر میں کچھ چڑ چڑا پن آجاتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ دیکھیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخیر والے کی بات بھی اُسی توجہ سے سنتے تھے جیسے کہ پہلے کی سنی ہے۔

یَضْحَكُ مِمَّا یَضْحَكُونَ إلخ: یہ تواضع کی بات ہے، جو آدمی اپنے آپ کو بڑا بنا کر بیٹھے گا تو وہ چھوٹوں کے درمیان بے تکلف کیا ہوگا! وہ تو منہ بسور کر بیٹھے گا، لوگ ہنسیں گے اور یہ اپنی بزرگی ظاہر کرنے اور اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرنے کے لیے خاموش رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج مبارک میں یہ سب نہیں تھا۔

وَیَصْبِرُ لِلْغَرِیبِ عَلَی الْجَفْوَةِ إلخ: یعنی کوئی اجنبی مسافر ادب کے خلاف سختی اور بدتمیزی سے بات کرتا اور سوال کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبر وتحمل سے کام لیتے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو روزمرہ کے بیٹھنے والے ہیں، ان کو تو اللہ کی طرف سے تاکید تھی کہ: ان کو بارگاہِ نبوت کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیے؛ لیکن کوئی نیا آدمی دیہاتی قسم کا – جو آدابِ مجلس سے واقف نہیں ہے – آگیا، اور اس نے آکر سخت بات کردی، تو کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ناراض نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ صبر سے کام لیتے تھے، کیوں کہ وہ معذور ہے، وہ نہیں جانتا ہے۔

حَتَّی إِنْ کَانَ أَصْحَابُهُ إلخ: تاکہ ایسا کوئی سوال کر ڈالے۔ اس لیے کہ بعض مرتبہ بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں کہ روزانہ کے حاضر باش لوگوں کو اس کے کرنے کی جرأت نہیں ہوتی؛ اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے کسی نئے آدمی دیہاتی وغیرہ کو لاتے تھے، تاکہ وہ ایسا سوال پوچھے اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے، ان کو بھی سننے کا موقع ملے۔ کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراضگی کا اظہار نہیں کریں گے۔

إِلَّا مِنْ مُکَافِئٍ: اس لیے کہ جس کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے وہ اپنا فریضہ سمجھتا ہے کہ جس نے میرے ساتھ احسان کیا ہے میں اس کی تعریف میں شکریے کی دو باتیں کہوں، گویا وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں اس کی تعریف کر کے اس کے احسان کا بدلہ چکا رہا ہوں، اس کو ایسا کہنے سے اطمینان ہوتا ہے، اگر اس کو ایسا موقع نہ دیا جائے تو وہ بے چارہ دلی اور ذہنی اعتبار سے بے چین رہتا ہے، کہ میں دوسرا تو کچھ نہ دے سکا؛ مگر تعریف کے یا دعا کے دو جملے بھی نہیں کہہ سکا، تو آپ کا یہ اجازت دینا اس کی دل جوئی کے

لیے ہوتا تھا، اپنی ذات کے لیے نہیں۔

وَلَا يَقْطَعُ عَلَى أَحَدٍ إلخ: البتہ اگر وہ اپنی بات میں حد سے آگے بڑھتا یعنی جو بات نہیں کرنی چاہیے تھی وہ کرتا، تو آپ اس کو روک دیتے تھے، یا پھر آپ اٹھ کر چل دیتے تھے وہ بولتا رہتا تھا؛ ورنہ آپ کسی کی بات کو کاٹتے نہیں تھے۔

یہ ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق ان لوگوں کے ساتھ جو آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جنھیں سیکھنا چاہیے اور ان پر عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

٣٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: مَا سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ: لَا.

ترجمہ: حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے کوئی چیز مانگی ہو اور آپ نے اُس کے دینے سے انکار کیا ہو۔

افادات: جو بھی چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگی جاتی آپ فوراً عطا فرما دیتے تھے، کبھی آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ: حضرت علی زین العابدین بھی بڑے صاحبِ اوصاف وکمالات تھے۔ فرزدق شاعر نے ایک مرتبہ ان کی شان میں قصیدہ کہا، اس میں ایک شعر کہا تھا:

ما قال لا قط الا فی تشهده	*	لو لا التشهد لكانت لاءه نعم

کہ کبھی انھوں نے اپنی زبان سے سے ''لا'' نہیں کہا سوائے کلمہ کے، کہ کلمہ میں لا الٰہ الا اللہ میں ''لا'' آتا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو کبھی ان کی زبان پر ''لا'' نہیں آتا۔ یہی حال؛ بلکہ اس سے بڑھ کر حال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی چیز کے دینے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لنگی کی ضرورت تھی، ایک عورت نے محسوس کیا، تو اس نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اس کو تیار کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اس کو تیار کیا ہے؛ تا کہ آپ اس کو پہنیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اس کو بڑی مسرت کے ساتھ قبول کرلیا، چوں کہ حضور ﷺ کو ضرورت تھی اس لیے دوسرے وقت اسی کو پہن کر اپنی مجلس میں تشریف لائے، مجلس میں سے ایک شخص اٹھے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا کہ: یارسول اللہ! یہ بہت اچھی ہے، مجھے عنایت فرمادیجیے، آپ ﷺ نے کہا: ٹھیک ہے، چناں چہ آپ ﷺ مجلس سے اٹھے، گھر تشریف لائے، اور لنگی اتار کر اس کی خدمت میں بھیج دی۔ حضور ﷺ کے جانے کے بعد لوگوں نے ان صحابی کو ٹوکا، کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ ہے کہ کسی سائل کو منع نہیں فرماتے ہیں، تم کو پتہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کو ضرورت تھی اور ضرورت کی حالت میں اس لنگی کو قبول فرمالیا تھا؟ تو ان صحابی نے کہا کہ: میں نے اس لیے مانگی کہ یہ میرے کفن میں استعمال ہو، چناں چہ ان صحابی نے اس کو حفاظت سے رکھا، اور بعد میں ان کے کفن میں وہ استعمال ہوئی۔

بہر حال! نبیٔ کریم ﷺ کا اپنا معمول یہی تھا کہ آپ کبھی بھی کسی بڑی سے بڑی اور قیمتی چیز کے دینے کے معاملہ میں بھی انکار نہیں فرماتے تھے۔

۳۵۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عِمْرَانَ أَبُو الْقَاسِمِ الْقُرَشِيُّ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، حَتَّى يَنْسَلِخَ فَيَأْتِيهِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نفع رسانی اور خیر کے معاملے میں تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، خاص طور پر پورے ماہِ رمضان میں بہت زیادہ جُود و کرم کا سلسلہ جاری رہتا۔ رمضان کے مہینہ میں جبرئیل حاضر ہوتے اور جبرئیل سے قرآن کا دور کرتے۔ اور جب جبرئیل ملنے لگتے تو اس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع رسانی میں بارش لانے والی تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جایا کرتے تھے۔

افادات: أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ: کوئی بھی آپ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، ہر وقت آپ کی یہ کیفیت رہتی تھی۔

فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ: یعنی سال بھر میں جتنا قرآن نازل ہوا ہوتا تھا، رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیلؑ اس کا دور کرتے تھے، حضرت جبرئیلؑ حضور ﷺ کو سناتے تھے اور آپ ﷺ حضرت

جبرئیلؑ کو سناتے تھے، جس سال ربیع الاول میں نبیٔ کریم ﷺ کا انتقال ہوا یعنی ۱۱ھ میں تو اس سے قبل یعنی ۱۰ھ کے رمضان میں حضرت جبرئیلؑ نے دو دور کیے، دو مرتبہ قرآنِ پاک حضور ﷺ نے بھی سنایا اور حضرت جبرئیلؑ نے بھی سنایا، اور آپ ﷺ نے اس سال دو عشروں کا اعتکاف فرمایا، گویا یہ بھی اس بات کی ایک علامت تھی کہ اب دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب بلا کر سرگوشی کے انداز میں فرمایا کہ: ہر سال حضرت جبرئیلؑ مجھ سے قرآنِ پاک کا ایک دور کرتے ہیں، اس سال دو دور کیے ہیں، میں یوں سمجھتا ہوں کہ: اسی بیماری میں میری موت ہونے والی ہے۔

مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ: ہوا دور تک اپنا فیض پہنچاتی ہے، ایسا نہیں کہ جو آئے اسی کو دے؛ بلکہ وہ خود جا کر پہنچا آتی ہے، جب حضرت جبرئیلؑ آپ کی خدمت میں آتے تھے اُس وقت نبیٔ کریم ﷺ کی سخاوت اپنے شباب کو اور انتہا کو پہنچ جاتی تھی، اپنے عروج پر ہوتی تھی۔

۳۵۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ آنے والے کل کے لیے کچھ نہیں رکھ چھوڑتے تھے۔

افادات:

فریج نے فقیروں کو محروم کر دیا ہے

ہماری حالت یہ ہوتی ہے کہ کوئی چیز ہمارے پاس آئی ہو، کھایا پیا، استعمال کیا، اور اس کے بعد بھی اگر بچ گئی تو کہیں گے کہ: کل کام میں آ جائے گی اور اس کو رکھ لیتے ہیں۔ اور آج کل فریج کا دور دورہ ہے، کسی زمانے میں جب فریج نہیں تھا تو لوگ بچا ہوا کھانا فقراء کو دے دیتے تھے، جب سے فریج آیا ہے فقیر بھی بیچارہ محروم جاتا ہے۔ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ کسی چیز کو کل کے لیے بچا کر نہیں رکھتے تھے، آج جس ذات نے دیا ہے وہی ذات کل بھی دے گی، جو چیز اللہ کے خزانہ میں ہے اس پر آپ کو اس سے

زیادہ اعتماد ہوتا تھا جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے۔ ہمیں تو جیب میں کچھ ہو تو دل کو اطمینان ہوتا ہے، خالی ہو تو بے چین رہتے ہیں۔

٣٥٣ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ الفَرْوِيُّ الْمَدِينِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ وَلَكِنِ ابْتَعْ عَلَيَّ، فَإِذَا جَاءَنِي شَيْءٌ قَضَيْتُهُ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ أَعْطَيْتَهُ فَمَا كَلَّفَكَ اللهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَوْلَ عُمَرَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ بِقَوْلِ الْأَنْصَارِيِّ، ثُمَّ قَالَ: بِهَذَا أُمِرْتُ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے سوال کیا کہ کچھ دیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اِس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے؛ لیکن تم میرے نام سے خرید لو، جب میرے پاس آئے گا تو میں اس کی قیمت ادا کردوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ آپ دے چکے، جو چیز آپ کے بس میں نہیں اللہ نے اس کا آپ کو مکلف نہیں بنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزری، تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! خرچ کرتے رہیے اور عرش والے کی طرف سے کمی کا ڈر نہ رکھیے، انصاری کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرادیے اور خوشی کے آثار آپ کے چہرے پر نظر آنے لگے، اس کے بعد فرمایا: اسی کا مجھے حکم ہے۔

افادات: زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے خادم خاص تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔

فَإِذَا جَاءَنِي شَيْءٌ قَضَيْتُهُ: ترمذی شریف میں یہ واقعہ اس طرح بھی موجود ہے کہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ۹۰/ ہزار درہم آئے، آپ نے وہ تمام مسجد کے صحن میں ڈلوادیے، اور صبح سے شام تک اس کو تقسیم کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ختم ہوگئے، اس کے بعد ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: مجھے دیجیے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ بچا ہوا نہیں تھا، تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو یہ جواب دیا کہ:

ابھی تو میرے پاس کچھ نہیں ہے، جاؤ! ادھار لے لو، جب میرے پاس آئے گا میں وہ قرضہ ادا کر دوں گا۔

أَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ إلخ: خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر یہی ارشاد فرمایا تھا، انھوں نے کھجوروں کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں لگائی تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اے بلال! یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ: وقت پر کام آئے اس لیے جمع کیا ہے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اے بلال! خرچ کرو، عرش والے کی طرف سے کمی کا ڈر نہ رکھو، تم جتنا خرچ کروگے اللہ اتنا ہی دے گا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) سے ایک مرتبہ فرمایا کہ: تم روک کر مت رکھو؛ ورنہ اللہ کی طرف سے بھی روکا جائے گا۔ قدرت کا قانون ہے کہ جب دوگے تو اللہ تمھیں دے گا۔

٣٥٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَأَجْرٍ زُغْبٍ فَأَعْطَانِي مِلْءَ كَفِّهِ حُلِيًّا أَوْ ذَهَبًا.

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تازہ کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کا ایک طباق لے کر گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے لپ بھر کر زیورات یا سونا مرحمت فرمایا۔

افادات: عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ: ربیع کے والد: معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک بھی ہوئے ہیں اور اسی میں شہید بھی ہوئے ہیں، اُن ہی کی یہ صاحبزادی ہے۔ یہ روایت پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھلوں کے ذکر میں آ گئی ہے۔

فَأَعْطَانِي مِلْءَ كَفِّهِ إلخ: یہ آپ کے اخلاق تھے، کہ ہدیہ قبول کرنے کے بعد اس ہدیہ سے کئی گنا زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا۔

٣٥٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول کرتے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے۔

افادات: بعض روایتوں میں ویثیب خیرا منھا کے الفاظ ہیں، یعنی جو ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا اس سے بہتر چیز آپ اس کے بدلے میں عطا فرماتے تھے۔ ہدیہ کا قبول کرنا بھی کمالِ خلق میں سے ہے، کہ ہدیہ واپس کر دینے کی صورت میں جو محبت والا محبت کے ساتھ ہدیہ پیش کر رہا ہے، اس کی دل شکنی کا اندیشہ ہے، اور بدلہ نہ دینے کی صورت میں اس کو کوئی نفع نہیں ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ بھی قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔ آج کل ہم پہلا آدھا تو کرتے ہیں یعنی ہدیہ قبول کرتے ہیں اور دوسرے آدھے کو چھوڑ دیا یعنی بدلہ نہیں دیتے۔ بہت سی مرتبہ آدمی غلبۂ محبت میں اپنی استطاعت اور طاقت نہ ہونے کے باوجود مشقت اٹھا کر اپنے محبوب کی خدمت میں کوئی چیز ہدیہ میں پیش کرتا ہے، اب اگر قبول نہ کرے تو اس کی دل شکنی ہوگی؛ اسی لیے کمالِ خلق یہ ہے کہ ہدیہ قبول کر لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول بھی کرتے تھے اور اس سے بہتر عطا بھی فرماتے تھے؛ تاکہ نقصان نہ ہو بلکہ اس کو نفع ہو۔

٥٠ - بَابُ مَا جَاءَ فِي حَيَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم وحیا کا بیان

افادات: ویسے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور آداب جو پہلے بیان کیے گئے تھے، حیاء بھی انہی اخلاقِ عالیہ کا ایک حصہ ہے، اُسی کے اندر اس کا بیان آنا چاہیے تھا؛ لیکن خصوصی اہتمام کے پیشِ نظر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ الگ عنوان قائم کر کے اس کو بیان کر رہے ہیں؛ اس لیے کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات کا بہت بڑا مدار حیا پر ہے، جس آدمی کے مزاج میں حیا اور شرم ہوتی ہے وہ اللہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہے، اسی لیے اس کے اہتمام اور اہمیت کے پیشِ نظر اسے الگ سے بیان کیا، حدیث میں ہے: الحياء شعبة من الايمان حیا ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے۔ بہت سے امورِ ایمانیہ حیا کے نتیجے میں آدمی سے وجود میں آتے ہیں۔

۳۵۶ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي عُتْبَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیِ کریم ﷺ پردہ نشیں کنواری لڑکی سے بھی کہیں زیادہ باحیا تھے، اور جب آپ کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم ناگواری آپ کے چہرے سے پہچان لیتے تھے۔

افادات: أَشَدَّ حَيَاءً إلخ: کنواری لڑکی کی طبیعت میں حیا اور شرم ہوتی ہے، یوں تو حیا ہر کنواری میں ہوگی؛ مگر جو پردہ میں رہتی ہو اس میں حیا کا مادہ پردہ میں نہ رہنے والی کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: یہاں پردہ سے مراد وہ پردہ ہے جو خصوصیت کے ساتھ اجنبی عورتوں یعنی عام طور پر آنے جانے والی عورتوں سے بھی کرایا جاتا ہے، قدیم زمانے میں شرفاء کے گھروں میں لڑکیوں کو عام عورتوں کے بھی سامنے نہیں لایا جاتا تھا چہ جائے کہ مردوں کے سامنے لایا جائے؛ عورتوں سے بھی پردہ کرایا جاتا تھا، ایسی لڑکی میں حیا اور شرم بہت ہوتی ہے۔

وَكَانَ إِذَا كَرِهَ إلخ: یعنی کوئی بات ناگوار ہوتی تو آپ ﷺ حیا اور شرم کی وجہ سے وہ بات زبان مبارک سے نہیں کرتے تھے؛ لیکن آپ کے چہرے پر اس کا اثر نمایاں ہوتا تھا، ہم سمجھ جاتے تھے کہ یہ بات آپ کو ناگوار محسوس ہوئی ہے۔ یہاں تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ: ناگوار بات کی ناگواری کو بیان کرنا بھی شرم کی وجہ سے آپ پسند نہیں کرتے تھے؛ لیکن اس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا۔

۳۵۷ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ الْخَطْمِيِّ، عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: مَا نَظَرْتُ إِلَى فَرْجِ رَسُولِ اللهِ ﷺ. أَوْ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَطُّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔

افادات: مَا نَظَرْتُ إِلَى فَرْجٍ: حالاں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو نبیِ کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ہیں، بیوی اور لاڈلی بیوی ہیں، تب بھی فرماتی ہیں کہ: کبھی میں نے نبیِ کریم ﷺ کی شرمگاہ نہیں دیکھی، تو پھر حضور ﷺ تو کیا دیکھتے!!!۔ جو آدمی شرم والا ہوتا ہے تو دوسرے لوگ بھی اس سے

شرم کرتے ہیں۔ بعض روایتوں میں تو اس کی بھی صراحت ہے کہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نہ کبھی مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرمگاہ کو دیکھا اور نہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری شرمگاہ کو دیکھا۔ یہ اعلیٰ درجہ کی حیا تھی جس کی وجہ سے اس کی نوبت نہ آئی۔

٥١- بَابُ مَا جَاءَ فِي حِجَامَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینگی لگانے کا بیان

٣٥٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ، فَقَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: احْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ: إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ، أَوْ: إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةَ.

٣٥٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، أَخْبَرَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ أَبِي جَمِيلَةَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَأَمَرَنِي فَأَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ أَجْرَهُ.

ترجمہ: حضرت حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سینگی لگانے والے کی کمائی کے بارے میں پوچھا گیا، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینگی لگوائی، اور حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سینگی لگائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ: ان کو مزدوری کے طور پر دو صاع غلہ دیا جائے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مالکوں سے (محصول کم کرنے کی) بات چیت کی تو انھوں نے ابوطیبہ کے خراج میں کمی کردی، اور آپ نے فرمایا کہ: سینگی لگانا بہترین علاج ہے، یا فرمایا: سینگی لگانا بہت عمدہ دوا ہے۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے (مزدوری چکانے کا) حکم فرمایا چناں چہ میں نے سینگی کش کو اس کی مزدوری دی۔

افادات: كَسْبِ الْحَجَّامِ: ''حجامہ'' علاج کا ایک طریقہ ہے جس میں آدمی کے بدن سے

خون نکالا جاتا ہے، ایسی بیماریاں جو عام طور پر کھال کی ہوتی ہیں، جلدی امراض یا دماغی امراض کے علاج کے طور پر اسے استعمال کیا جاتا ہے اور بعض دیگر امراض ایسے ہیں جو زہر کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں، ان کے لیے بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ آدمی کے بدن کی اوپر کی کھال اُسترے سے زخمی کردی جاتی ہے، اس زمانہ میں نشتر استعمال ہوتا تھا، وہ تیز دھار دار استروں کی طرح ہوتا تھا، اس کو یوں ہلکا مارا جاتا جس کی وجہ سے صرف اوپر کی کھال کٹے، گوشت تک اس زخم کے پیوست ہونے کی نوبت نہ آئے، اس کی وجہ سے اندر سے خون بوند کی شکل میں نکلنے لگتا ہے جیسے سخت گرمی کے زمانے میں پسینے کی بوند اُبھر آتی ہے، پھر اس کے اوپر اس زمانہ میں سینگ جو مخروطی شکل کا گاجر جیسا ہوتا تھا، نیچے سے چوڑا اور اوپر سے نوکیلا، اوپر جو نوک والا حصہ ہوتا ہے اسے کاٹ کر سوراخ بنا لیتے ہیں، اور اس چوڑے حصہ کو اس زخم پر رکھ کر اس اوپر والے حصہ سے سانس سے کھینچا جاتا ہے؛ تاکہ یہ خون باہر آئے، اور جب وہ کھینچتا تو وہ خون اس کے منہ میں پہنچتا تھا، جسے وہ تھوک دیا کرتا تھا۔ ہمارے اِس زمانہ میں الگ ہوتا ہے، باقاعدہ اس کے لیے گلاس نما کٹوریاں ہوتی ہیں اس کو رکھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ خود ہی کھینچ لیتا ہے۔ اس عمل کو ''سینگی لگانا'' اور اس لگانے والے کو ''حجام'' کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں وہ اپنے منہ سے اس کو کھینچتا تھا، جس کی وجہ سے خون اس کے منہ میں آتا تھا، اور اس کا منہ ملوث ہوتا تھا، اور خون ناپاک چیز ہے؛ اس لیے اس پیشہ کو پسند نہیں کیا گیا، ویسے اجازت دی گئی ہے؛ اس لیے کہ یہ بھی ایک طریقۂ علاج ہے؛ لیکن ہر ایک کے حق میں یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ اُس زمانہ میں جو غلام ہوا کرتے تھے، یا ایسے لوگ جو شرفاء سے ہٹ کر کم درجہ کے ہیں ان کے حق میں ٹھیک سمجھا جاتا تھا، جیسے ہمارے زمانہ میں جو بیت الخلا صاف کرنے والے بھنگی ہوتے ہے، جو نسبتاً کم درجے کے ہوتے ہیں، وہ اس کو کرتے ہیں۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: یہ معاشرہ کی ایک ضرورت ہے؛ اس لیے اس پیشہ کو منع نہیں کیا گیا؛ لیکن شرفاء کے لیے اس پیشہ کو اختیار کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ: اس کی آمدنی خبیث ہے، اس کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس کی آمدنی حلال نہیں ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ چوں کہ اس میں خون سے ملوث ہونا پڑتا ہے۔

(اب تو یہ عارضہ باقی نہیں رہا)۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ اس کی اجرت لینا دینا دونوں ناجائز ہیں، چناں چہ بعض لوگوں نے حضرات صحابہ سے سوال کیا۔

حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ: یہ بنو بیاضہ جو ایک خاندان تھا اس کے غلام تھے، یہ بھی مسلمان تھے، صحابی ہیں، ان کا یہ پیشہ تھا۔

فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ: دوسری روایتوں میں ایک صاع کھجور یعنی تقریباً ساڑھے تین کیلو آیا ہے۔

وَكَلَّمَ أَهْلَهُ: چوں کہ یہ غلام تھے، اور غلام آقا کی مِلک ہوتا ہے، اُس زمانے میں بعض آقا اپنے غلاموں میں سے جو ہنر جانتا تھا ان سے خود خدمت لینے کے بجائے یوں کہتے تھے کہ: تم جو پیشہ جانتے ہو وہ پیشہ کر کے کمائی حاصل کرو، اور اس میں سے اتنے صاع ہم کو دینا، یہ "محصول" کہلاتا ہے۔ اِن کے آقا نے اِن سے تین صاع محصول مقرر کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آقا سے بات کر کے محصول دو صاع کروایا، اسی کو یہاں کہہ رہے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے پیشہ والوں کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا ہے تو ان کی سفارش کر کے اس کی زیادتی کو کم کرانے کا اہتمام بھی ہونا چاہیے۔

إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ إلخ: ایک بات یاد رہے! یہ خطاب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجاز کے لوگوں سے کیا تھا، اور وہ گرم علاقہ ہے، اور ان میں بھی نوجوانوں کو کہا تھا، گرم ملک کا باشندہ اور وہ بھی جوان ہو، جس کا خون جوش مارتا ہے، یہ علاج اس کے حق میں مفید ہے؛ کیوں کہ اس کے خون میں رقت ہوتی ہے؛ لیکن بعض شراح نے لکھا ہے کہ: چالیس سال سے زیادہ عمر والوں کے لیے یہ علاج مفید نہیں ہے، چالیس سال سے کم عمر میں ہونا چاہیے۔ بہر حال! اطباء اور جو لوگ اس کے ماہرین ہیں ان کے مشورے سے ہونا چاہیے، اپنی رائے سے کوئی بھی علاج نہ کیا جائے، جیسے کسی آدمی کو کوئی تکلیف ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ میڈیکل میں جا کر دوا لے اور کھا لے، اس سے نقصان کا اندیشہ ہے، اسی طرح یہاں بھی اطباء کے مشورہ سے سینگی لگائی جائے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بہترین علاج فرمایا ہے؛ لیکن یہ بعض مخصوص بیماریوں کے لیے ہے جیسا کہ اطباء نے لکھا ہے۔

٣٦٠ – حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ،

عَنْ جَابِرٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَظُنُّهُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَبَيْنَ الْكَتِفَيْنِ، وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ .

ترجمہ: حضرت شعبی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ، میرا خیال یہ ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گردن کی دونوں جانب کی رگوں میں اور دونوں مونڈھوں کے درمیانی حصے میں سینگی لگوائی، اور سینگی لگانے والے کو اجرت دی، اگر مزدوری حرام ہوتی تو آپ نہ دیتے۔

افادات: فِي الْأَخْدَعَيْنِ: گردن کی دونوں طرف: دائیں اور بائیں جو رگیں ہیں، ان کو ''اخدعین'' کہتے ہیں۔

احْتَجَمَ فِي الْأَخْدَعَيْنِ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گردن کی دونوں رگوں اور مونڈھے میں سینگی لگوائی، پاؤں کی پشت پر بھی سینگی لگوانے کا ذکر آگے آئے گا۔ دراصل نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ خیبر کے موقع پر زینب نامی ایک یہودی عورت نے زہر کھلایا تھا، اس نے ایک بکری بھنی ہوئی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی، اور اس میں اس نے زہر ملایا تھا، اور خاص کر دست والے حصہ میں، چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حصہ مرغوب تھا؛ اس لیے اس نے اس میں زہر کی مقدار بھی زیادہ رکھی تھی، جب یہ آپ کے سامنے پیش کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نوش فرمانے کے لیے بیٹھے، آپ نے ابھی تو ایک لقمہ منہ میں رکھا اور فوراً اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو روک دیا کہ: یہ گوشت مجھے کہہ رہا ہے کہ: میرے اندر زہر ملایا گیا ہے، آپ نہ کھایئے۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ: حضرت جبرئیلؑ نے آکر بتلایا۔ علماء نے بتلایا ہے کہ دونوں باتیں ہوئیں: گوشت نے بھی بتلایا، اور حضرت جبرئیلؑ نے بھی آکر بتلایا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، آپ اس کو نوش نہ فرمایئے؛ لیکن جو تھوڑا لقمہ آپ نے کھایا جسے اگل دیا تھا؛ اس کی وجہ سے زہر کا کچھ اثر حلق سے نیچے آپ کے شکمِ مبارک میں پہنچ گیا، اور اس زہر کی وجہ سے آپ کے خونِ مبارک میں ایک تیزی پیدا ہوگئی، وہ اثر جسم کے مختلف حصوں میں ظاہر ہوتا تھا، جہاں اس کا اثر ظاہر ہوتا وہاں سینگی لگانی پڑتی تھی، کبھی گردن پر تو کبھی پاؤں کی پشت پر، بالآخر اسی زہر کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی جیسا کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ: جس بیماری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا وہ بیماری ''آدھا سری'' کی تھی، اس کو عربی زبان میں ''شقیقہ'' کہتے ہیں، سر کے

آدھے حصہ میں درد بہت شدت سے ہوتا ہے، وہ اس زہر کی تیزی کی وجہ سے ہی تھا، اسی میں آپ ﷺ کا انتقال ہوا۔ حضور ﷺ نے اس بیماری کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ: اس زہر کی وجہ سے آج میں نے محسوس کیا کہ میری رگِ جان جو دل سے نکلتی ہے، اور جسم کے سارے حصے میں اس کی شاخیں پہنچتی ہیں وہ رگ کٹ گئی، اور جب وہ رگ کٹ جاتی ہے تو آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے، حالاں کہ وہ زہر غزوۂ خیبر کے موقع پر محرم ۷ھ میں کھلایا گیا تھا، اور نبیٔ کریم ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی یعنی چار سال دو ماہ کے بعد زہر کا اثر ظاہر ہوا تھا۔ کبھی کوئی نقصان دہ چیز کسی نے استعمال کی تو وہ نقصان والی چیز اس کے جسم میں رہتی ہے، اور ایک مدت کے بعد اپنا اثر دکھلاتی ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ بعض مرتبہ زخم لگ جاتے ہیں، اور زخم میں جو زہر ہوتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو سال پہلے لگا تھا اور اس کا اثر دو سال کے بعد نمایاں ہوا، اور اس کی وجہ سے آدمی کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ خیر! بتلانا یہ مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بہانے سے نبیٔ کریم ﷺ کو شہادت کا مقام بھی عطا فرمایا؛ اس لیے کہ زہر کے اثر سے جس آدمی کا انتقال ہوتا ہے اس کو حکماً شہید کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ بہر حال! اسی زہر کے اثر کی وجہ سے آپ کے جسم کے خونِ مبارک میں تیزی آگئی تھی، اور اس کی وجہ سے آپ کو جسم کے مختلف حصوں میں سینگی لگوانی پڑتی تھی۔

سینگی لگانے والے کی اجرت کا حکم

وَلَوْ كَانَ حَرَامًا إلخ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کا اپنے سینگی لگانے والے کو اجرت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی اجرت حلال ہے، اگر حرام ہوتی تو نبیٔ کریم ﷺ اس کو اجرت نہ دیتے؛ اس لیے کہ جس چیز کا لینا حرام ہو اس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے، اگر اس کی اجرت حرام ہوتی تو آپ ﷺ کبھی نہ دیتے۔ بعض روایتوں میں نبیٔ کریم ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ: سینگی لگانے کی اجرت ناپاک ہے، اس وجہ سے بعض حضرات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ احناف میں سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ: پہلے یہ ناجائز اور حرام تھی، بعد میں اس کی اجازت ہوگئی، وہ حرمت والے حکم کو منسوخ مانتے ہیں؛ اگرچہ ان کی اس ''نظر'' سے

دوسرے حضرات نے اتفاق نہیں کیا ہے؛ کیوں کہ صرف احتمال کی بنیاد پر نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ جمہور یعنی عام طور پر ائمۂ اربعہ اور دوسرے حضرات اس کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں؛ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ پیشہ کسی آزاد آدمی کے لیے اختیار کرنا درست نہیں ہے، اگر اس پیشہ کو غلام اپناتا ہے تو اس کے حق میں گنجائش ہے، اور اگر کوئی آزاد اپناتا ہے تو اس کی آمدنی کو اپنے واسطے استعمال کرنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں، وہ کمائی اپنے غلاموں اور جانوروں کو کھلا دے۔ ظاہر ہے کہ غلام اور جانور کو کھلانے کے لیے آدمی کتنا کمائے گا! گویا یہ حکم خود ہی اس کو اس پیشہ سے ہٹانے کا اور دوسرے پیشہ میں لگنے کا ذریعہ بنے گا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس ارشاد کی وجہ سے ہے جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینگی لگانے کی اجرت کو خبیث کہا ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ- جو حنبلی المسلک ہیں- فرماتے ہیں کہ: اس کی ممانعت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ مزدوری ناپاک ہے؛ بلکہ یہ ایک علاج ہے، جس کی اہلِ ایمان کو ضرورت پیش آتی ہے، جو آدمی یہ طریقۂ علاج جانتا ہے اس کو چاہیے کہ ضرورت مندوں کی ضرورت کو بلا معاوضہ ہی پورا کرے، اجرت کا مطالبہ نہ کرے؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خبیث کہا ہے۔ بہر حال! جمہور ائمۂ مجتہدین اس کی اجازت دیتے ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

٣٦١ – حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ وَسَأَلَهُ: كَمْ خَرَاجُكَ؟ فَقَالَ: ثَلَاثَةُ آصُوعٍ، فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَأَعْطَاهُ أَجْرَهُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سینگی کش کو بلایا جس نے آپ کی سینگی لگائی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: تمھارا محصول کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ: تین صاع، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صاع کم کروایا اور سینگی لگانے کی اجرت بھی دی۔

افادات: دَعَا حَجَّامًا: چوں کہ وہ حجام غلام تھا جیسا کہ پہلے بھی بتلا دیا، ابوطیبہ ان کی کنیت تھی اور وہ خاندانِ بنو بیاضہ کے غلام تھے، اور اس زمانے میں غلام کوئی ہنر جانتا ہوتا تھا تو آقا اس کو کہہ دیتا تھا کہ: تم اس ہنر سے کماؤ اور اس میں سے مجھے روزانہ اتنا دے دینا، ایک مقدار طے کر دیتا تھا، جو مقدار آقا کی

طرف سے طے کی جاتی تھی اس کو عربی زبان میں ''خراج'' اور اردو میں ''محصول'' کہتے ہیں۔

ثَلَاثَةُ آصُعٍ: ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کیلو کا ہوتا ہے، گویا ان کو روزانہ گیارہ کیلو خراج کے طور پر دینا پڑتا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آقا سے بات چیت کرکے اور ان سے سفارش کرکے دو صاع کروائے۔

٣٦٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا: أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ، وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَإِحْدَى وَعِشْرِينَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گردن کی دونوں طرف کی رگوں میں اور مونڈھے کے بیچ کی رگ میں سینگی لگوایا کرتے تھے، اور سترہویں اور اکیسویں تاریخ میں سینگی لگواتے تھے۔

افادات: یہاں تاریخوں کا ذکر ہے، اسی طرح سنن کی روایتوں میں بھی تاریخوں کا تذکرہ آیا ہے، اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخوں والی روایت کو ان کی شرط کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اختیار نہیں کیا؛ لیکن ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کی روایتوں میں موجود ہے، جس میں عام طور پر مہینہ کی درمیانی تاریخیں: سترہ، انیس اور اکیس کا ذکر موجود ہے۔ چناں چہ اطباء میں سے ابن سینا -ایک بہت بڑا طبیب گذرا ہے- نے لکھا ہے کہ: چاند کے مہینہ کی شروع اور اخیری تاریخوں میں سینگی لگوانا اچھا نہیں ہے، درمیانی تاریخوں میں لگوانا چاہیے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی درمیانی تاریخوں میں سینگی لگواتے تھے۔

٣٦٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلَى ظَهْرِ الْقَدَمِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالتِ احرام میں مقام ملل میں پشتِ قدم پر سینگی لگوائی۔

افادات: وَهُوَ مُحْرِمٌ: یہاں ایک مسئلہ ہے کہ حالتِ احرام میں سینگی لگوانے کا کیا حکم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اس کی اجازت ہے، البتہ اتنا خیال رہے کہ وہاں سے بال نہ اکھاڑے جائیں؛ اس لیے کہ

حالتِ احرام میں بال اکھاڑنے کی اجازت نہیں ہے، سینگی لگوانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے حالتِ احرام میں انجکشن دے سکتے ہیں اسی طرح سینگی بھی لگوا سکتے ہیں۔ احناف کا مستدل یہی روایت ہے۔

بَمَلَلٍ: ’’ملل‘‘ مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، آپ تشریف لے جارہے تھے اور حالتِ احرام میں تھے، اور سینگی لگانے کی ضرورت پیش آئی تو مقامِ ملل میں آپ نے لگوائی۔

عَلَى ظَهْرِ الْقَدَمِ: جیسا کہ میں نے بتلایا کہ: مختلف جگہوں پر جہاں ضرورت پڑتی تھی وہاں لگواتے تھے۔

۵۲ - بَابُ مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں کا بیان

افادات: اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے لیے تعظیماً اور تکریماً بہت سے القاب کا استعمال فرمایا ہے، علامہ ابنِ عربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ - جنھوں نے ترمذی شریف کی شرح لکھی ہے - نے ہزار تک بتلائے ہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابرکت ناموں کے متعلق مستقل ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچ سو نام ذکر کیے ہیں۔ ناموں کی کثرت اور زیادتی شرافت اور عزت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: قرآن پاک میں میرے سات نام ہیں: احمد، محمد، یاسین، طٰہٰ، مزمل، مدثر اور عبداللہ؛ یہ سات نام اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیے ہیں، اس کے علاوہ اَور بھی ہیں، اس روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے نام تھے، جو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتلائے ہیں، اسی سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔

٣٦٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:

إِنَّ لِي أَسْمَاءً، أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بہت سے نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، (وہ ماحی) جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر مٹاتا ہے، اور میں حاشر ہوں (وہ حاشر کہ) لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں، وہ عاقب کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

افادات:

محمد اور احمد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عَلَمی نام ہیں

أَنَا مُحَمَّدٌ: پہلے دو نام کی وجہِ تسمیہ یعنی ان ناموں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیے جانے کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں بتلائی، جب کہ دیگر ناموں کی بتلائی، تو ان دو کی وجہِ تسمیہ نہ بتلانے کی مختلف وجوہات شراحِ حدیث نے لکھی ہے:

(۱) ایک وجہ تو یہ بتلائی کہ: پہلے جو نام ہیں وہ عَلَم ہیں اور باقی صفات ہیں، تو وجہِ تسمیہ صفاتی نام کی ہوا کرتی ہے، عَلَمی نام کی نہیں، جیسے کسی کا نام یوسف رکھا تو وہاں یوں نہیں پوچھا جائے گا کہ: اس کا نام یوسف کیوں رکھا؟ اس لیے کہ یہ عَلَم ہے، عَلَم تو باقاعدہ اس کے لیے تجویز کیا جاتا ہے، اس کی کوئی وجہ نہیں ہوا کرتی ہے، اب اگر کسی کا نام یوسف ہے اور لوگ اس کو قاری بھی کہتے ہیں، حافظ بھی کہتے ہیں، مفتی بھی کہتے ہیں، قاضی بھی کہتے ہیں، دیگر مختلف القاب سے یاد کرتے ہیں، تو دوسرے القاب کی وجہِ تسمیہ بتائی جائے گی، کہ اس کو قاری اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے علمِ قراءت میں کمال حاصل کیا ہے، حافظ اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے قرآن حفظ کیا ہے، یہاں بھی اسمائے مبارکہ میں سے پانچ نام ذکر کیے ہیں، ان میں سے پہلے دو نام کی وجہ نہیں بتلائی؛ کیوں کہ وہ عَلَم ہیں۔

(۲) بعضوں نے کہا کہ: یہ دونوں نام یعنی محمد اور احمد ایسے ہیں کہ اس کی بہت ساری وجوہات ہوسکتی ہیں، بہت ساری وجوہ ہونے کی وجہ سے اس کو بیان نہیں کیا۔

(۳) اس کی وجوہات ظاہر وباہر ہیں یعنی کھلی ہوئی ہیں، آدمی معمولی سوچ سے اس کو حاصل کرسکتا ہے؛

اس لیے آپ نے بیان نہیں کیا۔ جیسے یہ محمد ہے،

[١] محمد مبالغہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، ایک وجہ محمد کی یہ بتلائی گئی کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر بہت ساری عمدہ صفات ہونے کی وجہ سے آپ کا نام محمد ہے، یعنی خصالِ حمیدہ والا، عمدہ صفات والا۔

[٢] بعضوں نے کہا کہ: محمد تحمید سے ہے، اس کے معنیٰ ہے: تعریف کرنا؛ کیوں کہ بار بار آپ کی تعریف کی گئی ہے، قرآن میں جگہ جگہ آپ کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے، اس لیے محمد کہا گیا۔

[٣] بہت ساری شخصیات نے آپ کی تعریف کی: اللہ تعالیٰ نے، فرشتوں نے، اگلے نبیوں نے؛ آپ کی امت میں بعد میں جو افراد آئیں گے وہ آپ کی تعریف کریں گے، اس معنیٰ کر آپ کو ''محمد'' کہتے ہیں۔

[٤] یا محمد نیک فالی کے طور پر کہا گیا کہ آئندہ آپ کی خوب تعریف کی جائے گی۔

[٥] اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ: اولین اور آخرین ہر ایک نے چوں کہ آپ کی تعریف بیان کی ہے؛ اس لیے آپ کو ''محمد'' کہتے ہیں۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ: یہ ایک ایسا نام ہے کہ اس کی وجہ تسمیہ بہت ساری تھیں؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بیان نہیں کیا۔

مشرکین، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام محمد کو برداشت نہیں کرتے تھے، وہ آپ کو برا بھلا کہتے تھے، آپ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے، آپ کا نام محمد لینے کی بجائے -نعوذ باللہ- مذَمَّم کہتے تھے، محمد: جس کی تعریف بیان کی جائے، مذمم: جس کی برائی بیان کی جائے، تو دیکھیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسی اچھی تعبیر اختیار فرمائی! کہ مشرکین جو آپ کو گالی دیتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کی گالیوں کو بھی مجھ سے دور کر دیا، کہ وہ ''مذمم'' کو گالیاں دیتے ہیں اور میرا نام تو ''محمد'' ہے۔ دوسرا آدمی ہوتا تو ناراض ہو جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عمدہ تاویل کی کہ سارا معاملہ ہی ختم ہو جائے، کہ وہ تو گالیاں مذمم کو دیتے ہیں، میرا نام تو مذمم ہے ہی نہیں، میرا نام تو محمد ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان کی گالیوں کو بھی میرے اوپر پڑنے نہیں دیا۔ بہر حال! محمد یعنی جس کی خوب تعریف بیان کی گئی ہو۔

أَنَا أَحْمَدُ: احمد یعنی خوب تعریف کرنے والا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اتنی تعریف بیان کی کہ انسانیت میں؛ بلکہ کائنات میں کسی نے بھی اللہ کی اتنی تعریف بیان نہیں کی، مختلف انداز اور مختلف

طریقوں سے نبیٔ کریم ﷺ نے جو اللہ کی حمد بیان کی ہے، کوئی اَور بیان نہیں کر سکتا۔ جو علما حدیث کی کتابیں پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ دعاؤں میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کے لیے ایسے ایسے کلمات استعمال کیے ہیں کہ وہاں تک آدمی کے ذہن کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی، اور قیامت کے روز آپ اللہ تعالیٰ کی جو تعریف کریں گے اس کے متعلق تو حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اس وقت میں جب اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں گا، ساری کائنات کھڑی ہوگی، حساب کتاب ابھی شروع نہیں ہوگا اور سب یومِ حشر کی سختیوں کی وجہ سے پریشان ہوں گے، لوگ نبیوں کے پاس جائیں گے اور ان سے درخواست کریں گے کہ: اللہ تعالیٰ سے سفارش کرو کہ اللہ تعالیٰ حساب شروع کریں، یہ کب تک انتظار میں کھڑے رہیں گے، اِس پار یا اُس پار، فیصلہ تو ہوجائے، ابھی تو فیصلہ ہی نہیں ہوا ہے؛ لیکن سب انبیاء معذرت کردیں گے: حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے وہ معذرت کر کے حضرت نوحؑ کا حوالہ دیں گے، لوگ ان کے پاس جائیں گے وہ معذرت کر کے حضرت ابراہیمؑ کا حوالہ دیں گے، لوگ ان کی خدمت میں جائیں گے تو وہ بھی معذرت کر کے حضرت موسیٰؑ کا حوالہ دیں گے، وہ بھی معذرت کر کے حضرت عیسیٰؑ کا حوالہ دیں گے، ان کے پاس جائیں گے تو وہ معذرت کر کے حضور ﷺ کے پاس بھیجیں گے، پہلے سے حضور ﷺ کے پاس نہیں بھیجا جائے گا؛ تاکہ سب کو آپ کے مقام کا پتہ چلے، اور آپ کی حیثیت تمام اولین اور آخرین کے سامنے واضح ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: جب میرے پاس آئیں گے تو میں باری تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں گا، اور باری تعالیٰ کی ایسی تعریف اور ثنا بیان کروں گا کہ مجھے اِس وقت معلوم نہیں، اُس وقت اللہ تعالیٰ میرے قلب پر القا فرمائے گا، دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: سر اٹھاؤ اور سفارش کرو، تمھاری سفارش قبول ہوگی۔ بہر حال! احمد کا ترجمہ ہوتا ہے: بہت زیادہ تعریف کرنے والا، چوں کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بہت ساری تعریفیں کی، اور یومِ حشر میں کریں گے بھی؛ اس لیے آپ کا نام احمد ہے۔

احمد کا ایک مطلب وہی ہے جو محمد کا ہے، احمد کو اگر صفت کے معنیٰ میں لیا جائے تو اس کا مطلب

وہی ہوگا، یعنی بہت زیادہ تعریف کیا ہوا، پھر جو محمد نام کی وجوہات بتلائی گئی تھیں وہ ساری کی ساری ادھر منطبق ہوگی۔

الماحی: محا یمحو کے معنی ہے: مٹانا، گویا اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائیں گے؛ اسی لیے آپ کا نام ماحی ہے۔

الحاشر: آپ کا ایک نام حاشر بتلایا، جس کا معنیٰ ہے: قیامت، حشر، دوبارہ زندہ کرنا، موت کے بعد دوبارہ پیدا ہونا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوری کائنات کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ سب سے پہلے حضور ﷺ کو پیدا فرمائیں گے، اور آپ کے بعد سب باقی لوگوں کو پیدا کیا جائے گا؛ اس لیے آپ کو ''حاشر'' کہا جاتا ہے۔

۳۶۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَقِيتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ، وَأَنَا نَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَأَنَا الْمُقَفِّى، وَأَنَا الْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ.

۳۶۵/ ۱ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، أَنْبَأَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

هَكَذَا قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ مدینۂ منورہ کے ایک راستے پر میری ملاقات نبئ کریم ﷺ سے ہوئی، تو آپ نے اپنے نام بتلائے کہ: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں نبئ رحمت ہوں، میں نبئ توبہ ہوں، میں مقفی (پیچھے آنے والا) ہوں، میں حاشر ہوں، میں نبی الملاحم (سخت جنگوں والا نبی) ہوں۔

افادات: انا محمد وانا احمد: اگلی آسمانی کتابوں میں آپ کا تذکرہ ان ہی ناموں سے کیا گیا ہے؛ اس لیے خاص طور پر ان ناموں کو بتلایا۔

انا نبی الرحمۃ: یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات کو پوری کائنات کے لیے اور تمام انسانوں کے لیے – چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم – باعثِ رحمت بنایا۔ ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ۞﴾

[الأنبياء] دیکھیے! آپ کی رحمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگلے زمانے میں جب قوم نبی کو جھٹلاتی تھی اور ایمان نہیں لاتی تھی، تو ایک عام عذاب آتا تھا اور سب کو ختم کر دیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اس کو ختم کر دیا، اب عام عذاب نہیں ہوگا، آئے گا تو کچھ افراد پر کچھ گروہ پر آئے گا؛ لیکن عام عذاب نہیں آئے گا، یہ آپ کی شانِ رحمت ہے۔

نَبِيُّ التَّوْبَةِ: یعنی امت محمدیہ کے گناہوں کی معافی کے واسطے توبہ کو چند شرائط کے ساتھ کافی قرار دیا گیا۔ توبہ کی پہلی شرط: جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اس سے باز آ جائے، اس گناہ پر باقی رہتے ہوئے توبہ نہیں ہو سکتی۔ دوسری: اب تک جو گناہ کیا اس کا دل میں پچھتاوا ہو، کہ ہائے! میں نے یہ کیا حرکت کر دی، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تیسری: اس گناہ کے نہ کرنے کا پکا ارادہ ہو، عزمِ مصمم ہو۔ یہ شرطیں ہوں تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے، اتنی آسانی کر دی۔ اگلی امتوں کے لیے اس کے علاوہ اَور بھی بہت سی چیزیں تھیں، جیسے بنو اسرائیل سے کوئی کوتاہی ہوتی تھی تو بعض لوگوں سے یوں کہا گیا کہ: اپنے آپ کو قتل کر دو، جب تک اس جرم میں قتل نہیں کرو گے وہاں تک توبہ قبول نہیں ہوگی، اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی کر دی؛ اس لیے آپ کو نبی التوبۃ بھی کہا جاتا ہے۔

وانا المقفی: مقفی کا معنیٰ: پیچھے آنے والا، پہلی روایت میں جو لفظ عاقب آیا تھا وہی مفہوم مقفی کا بھی ہے، یعنی آپ سب نبیوں کے بعد دنیا میں تشریف لائے۔ اس کا ایک ترجمہ ہوتا ہے: پیروی کرنے والا، چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ اگلے انبیاء کے طریقوں کی پیروی کرنے والے ہیں، اور آپ کی شریعت میں اگلے نبیوں کے تمام محاسن اور خوبیوں کو جمع کر دیا گیا ہے؛ اس لیے آپ کو مقفی کہا گیا۔

انا الحاشر: اگلی روایت میں اس کا ترجمہ ہو گیا۔

نبی الملاحم: ملاحم مَلحمۃ کی جمع ہے، بڑی لڑائی کو کہتے ہیں۔ جتنا سلسلۂ جہاد اس امت محمدیہ میں چلا اور قیامت تک چلتا رہے گا، اور اس کے نتیجہ میں جو جنگیں پیش آئیں گی، اس معنیٰ کر کے آپ کو نبی الملاحم کہا گیا۔ ایک دوسرا ترجمہ ہے: بڑا فتنہ، بڑی آزمائش۔ آپ کے ماننے والوں کی قیامت تک مختلف شکلوں میں آزمائش رہے گی، کسی اَور کی اتنی آزمائش نہیں ہوئی ہے، اس معنیٰ کر کے

آپ کو نبی الملاحم سے تعبیر کرتے ہیں۔

بہرحال! اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سات نام بتلائے جن میں سے تین پہلی روایت میں آچکے ہیں، اور اگلی روایت میں پانچ نام بتلائے۔

٥٣ - بَابُ مَا جَاءَ فِي سِنِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کا بیان

افادات: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کتنی تھی؟ یہ بتلانے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ: عمر شریف کے سلسلہ میں تین روایتیں پیش کی جاتی ہیں: سب سے زیادہ صحیح روایت حضراتِ محدثین اور مؤرخین کے یہاں ۶۳ رسال والی روایت سمجھی گئی ہے۔ دوسری روایت اس سلسلہ میں ساٹھ سال کی ہے، وہ بھی ذکر کریں گے۔ ۶۰ روالی روایت کی تاویل کی گئی ہے کہ عربوں کے اندر یہ رواج ہے کہ دہائی کے اوپر کا عدد چھوڑ دیتے ہیں، جس کو کسر کہتے ہیں، مثلاً پچیس ہے، بائیس ہے وغیرہ، تو بیس کے اوپر کے عدد کو بولنے میں ذکر نہیں کرتے، یہاں پر بھی ۶۰ سال والی روایت کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ: راوی نے اوپر تین کے عدد کو چھوڑ دیا ہے۔ اور ایک روایت ۶۵ رسال کی ہے، اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ شریفہ جس سال ہوئی اس کو بھی پورا شمار کر دیا گیا ہے، اور جس سال میں آپ کی وفات ہوئی اس کو بھی پورا شمار کر دیا گیا ہے، تو ترسٹھ کے اوپر دو کا اضافہ ہو کر پینسٹھ سال ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس بات کو حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے غلط قرار دیتے ہوئے وہم پر محمول کیا ہے۔ یہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے سلسلہ میں جو روایتیں پیش کرتے ہیں، ان میں پہلے وہی روایت پیش کر رہے ہیں جو راجح قول ہے۔

٣٦٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، أَخْبَرَنَا زَكَرِيَا بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَكَثَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ

عَشْرَةَ سَنَةً يُوحَى إِلَيْهِ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا، وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بعثت کے بعد) مکۂ مکرمہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہے، اس عرصے میں آپ پر وحی آتی رہی، اور مدینۂ منورہ میں دس سال رہے۔ اور تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

افادات: يُوحىٰ إِلَيْهِ: یہ سب کے نزدیک متفق علیہ بات ہے، کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی تھی اس وقت آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا، اور مکۂ مکرمہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال اس طرح گذارے کہ آپ پر وحی آتی رہی، تو چالیس اور تیرہ ترپّن ہوئے۔

وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ: یہی قول - جیسا کہ ابھی بتلایا - تمام محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح ہے، اور انھوں نے اسی کو قوی قرار دیا ہے۔ اسی کی تائید میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور دو روایتیں پیش کرتے ہیں:

٣٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَخْطُبُ قَالَ: مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ، وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.

ترجمہ: حضرت جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تریسٹھ سال میں ہوئی، اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی بھی (اسی عمر میں)۔ اور میں اِس وقت تریسٹھ سال کا ہوں۔

افادات: وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ: ان حضرات کو بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور یہ سنت غیر اختیاری طور پر نصیب ہوئی، اکثر سنتیں تو وہ ہیں جن کو آدمی اپنے اختیار سے جامہ پہناتا ہے؛ لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں آدمی کے اپنے اختیار کا دخل نہیں ہوتا، جیسے تریسٹھ سال کی عمر میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہونا۔ چوں کہ آدمی کی موت اپنے اختیار میں تو ہے نہیں، صرف تمنا کرسکتا ہے، ورنہ وفات تو جب اللہ چاہے گا اس وقت آئے گی، اب اگر کسی کو تریسٹھ سال کی عمر میں موت نصیب ہوجائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ: یہ غیر اختیاری سنت بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی، جیسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات

پیر کے دن ہوئی، اب اگر پیر کے دن کسی کی وفات ہوجائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ: اس کو اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کی یہ غیر اختیاری سنت عطا فرمائی، اسی طرح اگر ربیع الاول میں کسی کا انتقال ہوجائے تو کہا جاسکتا ہے کہ: غیر اختیاری طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ سنت عطا فرمائی، حضراتِ شیخین کو بھی اللہ تعالیٰ نے غیر اختیاری طور پر یہ سنت عطا فرمائی۔

وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ: جس وقت حضرت معاویہ نے اپنے خطبہ میں یہ بات بیان کی تو اس کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ: میں بھی تریسٹھ سال کا ہوں، گویا میری خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ سنت عطا فرمائے؛ لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی، ان کا انتقال اسّی سال کی عمر میں ہوا۔

انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں کیا، حالاں کہ خاندانی اعتبار سے بنو امیہ میں ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ قریب تھے؛ لیکن چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر بھی اسّی سال سے اوپر ہوئی تھی؛ اس لیے تذکرہ نہیں کیا۔ بہر حال! اس روایت میں نبیٔ کریم ﷺ کی عمر بہ وقتِ وفات تریسٹھ سال ہونا مذکور ہے۔

٣٦٨ - حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَهْدِيٍّ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کا انتقال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

افادات: یہ تیسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیش کرتے ہیں، یہ بھی پہلی روایت - جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تھی - کی تائید کے لیے ہے۔ ان تینوں روایتوں کو لاکر حضرات محدثین اور مؤرخین کے یہاں جو راجح قول ہے، اس کو پیش کرنا مقصود ہے۔ آگے دوسری روایتیں لا رہے ہیں۔

٣٦٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ، قَالَا: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، أَخْبَرَنِي عَمَّارٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ.

ترجمہ: حضرت عمار - جو بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام ہیں - فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ ابن

عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پینسٹھ سال میں ہوئی۔

افادات: اس قول کو حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے- جو مدینۂ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں- غلط مانا ہے، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ: پیدائش والے سال اور وفات والے سال کو بھی الگ الگ مکمل شمار کیا ہے؛ لہٰذا پینسٹھ ہو گئے۔

٣٧٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ دَغْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ.

قَالَ أَبُوعِيسَى: وَدَغْفَلُ لَا نَعْرِفُ لَهُ سَمَاعًا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلًا.

ترجمہ: حضرت دغفل بن حنظلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: حضرت دغفل بن حنظلہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں موجود تھے، بالغ تھے؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور ملاقات نہیں ہوئی؛ (اس لیے یہ روایت مرسل ہے)۔

افادات: یہ روایت محدثین کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے۔

٣٧١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبْطِ، بَعَثَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، وَتَوَفَّاهُ اللهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

٣٧١/١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بہت دراز قد تھے، نہ پست قامت

(بلکہ آپ ﷺ کا قد میانہ مائل بہ طول تھا)۔ اور نہ (چونے کی طرح خالص سفید) گورے چٹے، نہ (مائل بہ سیاہی) گندمی (بلکہ گورے چمک دار تھے)، اور بال نہ گھونگھریالے تھے، اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے؛ (بلکہ آپ ﷺ کے موئے مبارک ہلکا سا خم لیے ہوئے تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز فرمایا، پھر مکہ میں دس سال اور مدینہ میں دس سال قیام فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال پر وصال عطا فرمایا، اس وقت آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

افادات: یہ روایت کتاب کی ابتدا میں سب سے پہلے آ چکی ہے۔

لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ: البتہ درمیانے ہونے کے باوجود جب کسی مجمع میں ہوتے تھے تو آپ ﷺ سب سے اونچے نظر آتے تھے۔

عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً: اب چالیس سال پورے یا ساڑھے چالیس سال ہوئے تھے تو پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: وحی کی ابتدا ربیع الاول میں ہوئی، جب نبیٔ کریم ﷺ کی عمر شریف مکمل چالیس سال تھی، اور بعض حضرات جیسے محمد ابن اسحاق کی روایت جس کو ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے راجح قرار دیا ہے کہ: وحی رمضان المبارک میں شروع ہوئی، تو اس حساب سے چالیس کے اوپر چھ مہینے ہو چکے تھے یعنی ساڑھے چالیس سال۔

بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ: دیکھو! یہاں دس سال آیا، حالاں کہ آپ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی اور مکۂ مکرمہ میں آپ کا قیام تیرہ سال رہا؛ لیکن یہاں دس سال بتلائے گئے تو اس کے دو مطلب بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) بعض نے کسر یعنی اوپر کے تین سال کو چھوڑ دیا۔

(۲) بعض نے کہا کہ: دراصل نبیٔ کریم ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی تھی، اور رسالت، تین سال کے بعد یعنی تینتالیس سال کی عمر میں ملی، تو بیچ کے سال چھوٹ گئے۔

سِتِّينَ سَنَةً: جیسا کہ ابھی بتلایا کہ یہاں کسر کو چھوڑ دیا ہے۔

عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ: ڈاڑھی مبارک اور سر مبارک کے ملا کر بیس سے کم بال سفید تھے، اور وہ بھی آپ ﷺ تیل استعمال کرتے تھے تو عموماً نظر نہیں آتے تھے۔

٥٤ - بَابُ مَا جَاءَ فِي وَفَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم ﷺ کے وصال کا بیان

افادات: اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کو جس کام کے لیے مبعوث کیا تھا، کہ آپ ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو زندگی گذارنے کا ایسا طریقہ پہنچایا جائے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے، جسے ہم ''شریعتِ مطہرہ'' کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں، جب اس شریعت کی تکمیل ہوئی اور پورے احکام اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کے ذریعہ انسانیت کو پہنچا دیے، اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کے مکمل ہونے کا اعلان ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾[المائدة۳] الخ کے ذریعہ کیا گیا اور یہ آیت نازل فرما کر بتلا دیا گیا کہ جس مقصد کے لیے نبیٔ کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا، وہ مقصد پورا ہوچکا اور اب آپ کے دنیا سے رخصتی اور واپسی کا وقت آ گیا ہے۔

وفات سے پہلے کے قرائن اور نشانیاں

اس سلسلہ میں پہلے ہی سے کچھ قرائن اور نشانیاں بھی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیں، چناں چہ:

(۱) آخری رمضان جو ۱۰ھ کا آپ نے گذارا، اس میں آپ نے دو عشرے کا اعتکاف کیا، حالاں کہ ہر سال ایک عشرہ کا یعنی تیسرے عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے؛ مگر آخری رمضان میں دوسرے اور تیسرے عشرہ کا اعتکاف کیا۔

(۲) حضرت جبرئیلؑ ہر سال نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر قرآنِ پاک کا ایک دور فرماتے تھے، اِس سال حضرت جبرئیلؑ کے نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ دو دور ہوئے۔ مرض الوفات میں نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہی بات ارشاد فرمائی تھی، جب وہ اس آخری بیماری میں آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی میں کچھ بات فرمائی، جس کو سن کر وہ مسکرائی، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سلسلہ میں دریافت کیا،

توحضور ﷺ کی زندگی میں تو انھوں نے نہیں بتلایا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد بتلایا کہ: پہلی مرتبہ سرگوشی کے طور پر آپ ﷺ نے جو بات بتلائی وہ یہ تھی کہ: ہر سال رمضان میں حضرت جبرئیلؑ میرے ساتھ ایک دور کرتے تھے، اور اس سال دو دور کیے، جس سے مَیں یہ سمجھ رہا ہوں کہ اِس بیماری میں میں انتقال کر جاؤں گا، زیادہ زندہ رہنے والا نہیں ہوں۔

(۳) حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیل دین کی آیتیں: ﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ﴾ [المائدة۳] الخ اور ﴿إِذَا جَآءَ نَصۡرُ ٱللَّهِ وَٱلۡفَتۡحُ﴾ [الفتح۱] (جب اللہ کی مدد آئے گی اور مکۂ مکرمہ فتح ہوگا، اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ فوج در فوج اور گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کیجیے، اور اس سے مغفرت طلب کیجیے) نازل ہوئیں، تو اس سورۃ کے متعلق بخاری شریف میں ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے پوچھا کہ: اس سورۃ کے سلسلہ میں آپ حضرات کیا کہتے ہو؟ تو بعضوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، اور بعضوں نے کہا کہ: جب کوئی علاقہ فتح ہو تو آپ تسبیح اور تحمید کا اہتمام کیجیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما - جو اس مجلس میں سب سے کم عمر تھے - سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: تم کیا کہتے ہو؟ تو انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کو آپ کی وفات کی اطلاع اور خبر دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں بھی اس سورۃ کے متعلق وہی جانتا ہوں جو تم کہہ رہے ہو۔

(۴) حجۃ الوداع سے واپسی پر حضرت نبیٔ کریم ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے گئے، اور شہدائے احد کی قبروں کی آپ نے زیارت کی، اور احد کے واقعہ کے آٹھ سال بعد آپ نے دوبارہ ان کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی، چوں کہ ان حضرات نے جس بے سروسامانی کے ساتھ اسلام کی نصرت کے لیے قربانی دی تھی، تو ان کے حق کی ادائیگی کے طور پر آپ نے اس وقت ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی، اور گویا مُردوں کو آخری الوداع کیا جا رہا ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری شریف میں غزوۂ احد کے باب میں بھی ہے اور نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے باب میں بھی ہے، کہ آپ پہلے جنت البقیع تشریف لے گئے، اور شہدائے احد کی زیارت فرما کر ان کی نمازِ جنازہ ادا کی اور ان کے لیے دعا کی،

وہاں سے آنے کے بعد مسجدِ نبوی کے منبر پر تشریف فرما کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: انا بین ایدیکم فرط لکم میں تم سے پہلے تمھارے لیے فرط ہوں۔ ''فرط'' اس آدمی یا اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو کسی قافلہ یا لشکر سے پہلے آگے کی منزل پر پڑاوٴ ڈالتا ہو، اور اُن کے قیام اور کھانے پینے کا انتظام کرتا ہو۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس ارشاد سے بتلا رہے ہیں کہ: میں تم سے پہلے آخرت میں جا کر جنت میں تمھارے لیے بندوبست کر رہا ہوں۔ انا شهيد عليكم میں تم پر گواہ ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا: وموعدكم بالحوض کہ آئندہ تم سے ملاقات کا وعدہ حوضِ کوثر پر ہے۔ آپ نے اسی خطبہ میں فرمایا کہ: میں حوضِ کوثر کا نظارہ کر رہا ہوں، اور تمھارے متعلق مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم فقر میں مبتلا ہو جاؤ گے؛ بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا کی طلب تم کو کہیں راہِ راست سے نہ ہٹا دے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک طرف آپ نے بقیع میں تشریف لے جا کر جو لوگ دنیا سے جا چکے ہیں ان کو الوادع کہا، اور اس کے بعد وہاں سے آ کر مسجدِ نبوی کے منبر پر تشریف فرما کر جو حیات تھے ان کو الوداع کہا، جیسے کسی آدمی کو اگر اندازہ ہو جائے کہ میں زیادہ دن رہنے والا نہیں ہوں، تو اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کے اعزاء اور ملنے والے جو دنیا سے جا چکے ہیں ذرا قبرستان جا کر ان کی بھی زیارت کر لوں، اور جو زندہ ہوتے ہیں ان سے بھی الوداع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مرض الوفات کی ابتدا

بہرحال یہ واقعہ ہوا، اس وقت تو آپ تندرست تھے اس کے بعد- جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے -ماہِ صفر کے اواخر میں ایک رات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -جب آپ کی باری حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھی- اخیری حصہ میں اٹھ کر کے بقیع کی زیارت کے لیے گئے، اور وہاں سے واپس آئے تو آپ کی طبیعت خراب ہو چکی تھی، آپ کو دردِ سر کی شکایت تھی۔ آپ کا مرض الوفات یعنی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا، وہ شقیقہ (یعنی آدھے سر کے درد) کا مرض تھا، اسی میں آپ کا انتقال ہوا، وہ بھی اُسی زہر کی وجہ سے تھا جو غزوۂ خیبر میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلایا گیا تھا، چناں چہ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آخری بیماری میں فرمایا کہ: عائشہ! جب سے زہر کھایا تھا، اس کی تکلیف برابر

اپنے جسم میں محسوس کررہا ہوں، یہاں تک کہ اپنی اس بیماری میں اسی زہر کی وجہ سے اپنی رگ اکحل کا ٹوٹنا محسوس کررہا ہوں۔ یہ ایک رگ ہے جو دل سے نکلتی ہے، اور جسم کے سارے اعضا میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، تو اس رگ کے کٹنے کو میں نے محسوس کیا۔ یہ گویا آپ ﷺ کی طرف سے اطلاع تھی کہ اب آپ زیادہ زندہ رہنے والے نہیں ہیں، اور اس طرح -جیسا کہ حضرات علماء نے لکھا ہے- اللہ تعالیٰ نے آپ کو معنوی شہادت کا مقام بھی عطا فرمایا۔

بہرحال! ماہ صفر ۱۱ھ بدھ کے دن نبیٔ کریم ﷺ بقیع کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، اور وہیں سے واپسی پر آپ کو دردِ سر کی شکایت ہوئی۔ اس وقت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا، ویسے اس سلسلہ میں سیرت نگاروں نے اَور نام بھی لکھے ہیں، جیسے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا- جو آپ کی باندی تھیں- کی باری کا دن تھا، بعضوں نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی باری کا دن بتلایا ہے؛ لیکن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے باری کے دن کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

پھر صبح کو آپ دن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے، اتفاق سے اُس روز اُن کو بھی دردِ سر کی شکایت تھی، حضور ﷺ کے وہاں پہنچنے پر انھوں نے اپنے دردِ سر کی شکایت کرتے ہوئے نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا: وا رأساہ! ہائے میرا سر! یعنی مَیں سر میں بڑی تکلیف محسوس کررہی ہوں، اس کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: بل انا اقول: وا رأساہ! بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ: ہائے میرا سر! یعنی مجھے تکلیف ہے۔ اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: فکر کرنے کی ضرورت نہیں، اگر میری موجودگی میں تمھارا انتقال ہوگیا تو میں تمھاری تجہیز وتکفین کروں گا، اور اس کے بعد تمھاری نمازِ جنازہ پڑھا کر تمھارے لیے دعائے مغفرت کروں گا، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناز کے طور پر کہا: حضور! آپ چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں، اور جس دن میں مرجاؤں اسی دن آپ کسی اَور زوجہ کے ساتھ میرے ہی حجرہ میں راحت فرمائیں گے، یعنی مجھے بہت جلدی بھول جائیں گے، ان کی یہ بات سن کر حضور ﷺ مسکرا کر رہ گئے۔ گویا یہ بتلانا چاہتے تھے کہ: عائشہ کتنی بھولی ہے! اس کو پتہ نہیں کہ میں اس سے پہلے اسی بیماری میں جانے والا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں منتقلی

بیماری کی ابتدا بدھ کے دن ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات کے یہاں ہر رات کی جو باری مقرر تھی اسی کے مطابق ہر ایک کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، یعنی بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک اور انصاف کا معاملہ فرماتے تھے، اسی پر عمل کرتے ہوئے اس بیماری والی حالت میں بھی گئے۔ ویسے اس بیماری میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے: أين أنا غدا؟ أين أنا غدا؟ میں کل کہاں ہوں گا، دراصل آپ کا اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کی طرف تھا، چوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیگر ازواج کے مقابلہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبت تھی، زیادہ انس تھا، اور جس کے ساتھ انس زیادہ ہوتا ہے وہاں قیام میں راحت بھی زیادہ ملتی ہے؛ اس لیے آپ بار بار یہ سوال کرتے تھے، آپ کے اس سوال کو سن کر ازواجِ مطہرات سمجھ گئیں کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا قیام وہاں ہو؛ بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے امہات المؤمنین سے عرض کیا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہو رہا ہے کہ آپ بیماری کے ان ایام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گذاریں، چناں چہ تمام امہات المؤمنین نے بہ رضا ورغبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: آپ شوق سے ہماری بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں اپنے بیماری کے ایام گذاریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام کی وجوہات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام کی ایک تو وجہ یہ تھی کہ ان سے انس اور محبت تھی، اور دوسری ایک وجہ یہ بھی تھی کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ بستر پر لیٹے ہوئے ہوں، تو کسی بھی ازواج کے ساتھ بستر پر لیٹے ہوئے وحی نازل نہیں ہوئی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہاں ہوتے ہوئے بھی وحی نازل ہوتی تھی، اس وحی کے لیے کسی خاص وقت اور پوزیشن کا انتظار نہیں ہوتا تھا، آپ جس حالت میں ہوتے تھے اسی حالت میں وحی نازل ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب کی نماز کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے، آپ کے

دست مبارک میں ایک ہڈی والی بوٹی تھی، اور آپ اپنے دندان مبارک سے اس کا گوشت توڑ کر کھا رہے تھے، اسی حالت میں ام المؤمنین حضرت سودۃ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا جو چادر اوڑھ کر پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے قضائے حاجت کے لیے گئی تھیں؛ لیکن چوں کہ ان کا قدوقامت اونچا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش یہ تھی کہ: ازواجِ مطہرات قضائے حاجت کے لیے بھی گھروں سے باہر نہ جائیں؛ اس لیے انھوں نے دور سے چلّا کر کہا کہ: سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا، ان کا مقصد یہ تھا کہ اس کی وجہ سے ان کے دل کو چوٹ لگے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شکایت ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آئے کہ آئندہ ان کو اس کے لیے بھی گھر سے نکلنا نہ پڑے، چناں چہ انھوں نے آکر شکایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آپ کے ہاتھ میں وہ گوشت والی بوٹی تھی اسی حالت میں وحی نازل ہوئی، اور وحی کے نزول کا سلسلہ جب ختم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم قضائے حاجت کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہو۔

ایسے ہی جیسے تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا، تو پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی، اور بعد میں جب کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابۂ کرام کو ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، اور تیسری رکعت کے رکوع میں تھے اسی حالت میں قرآن کی وہ آیت جس میں کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، نازل ہوئی، تو اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چہرۂ انور کو بیت المقدس سے ہٹا کر کعبۃ اللہ کی طرف کر دیا۔ دیکھیے! نماز کی حالت میں وحی نازل ہوئی، یہ تو نمونہ کے طور پر بتلایا، ایسے بے شمار مواقع ہیں کہ وحی نازل ہونے کے لیے کسی خاص پوزیشن اور حالت کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، جس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوتے وحی آجاتی۔

الغرض! سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اَور کسی ازواج مطہرات کے لحاف میں وحی نہیں آئی اور چوں کہ بیماری کے دنوں میں وحی کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا، اگر کسی اَور زوجہ کے یہاں ایام گذاریں تو اندیشہ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وہاں نہ آئیں، اس لیے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں اپنی بیماری کے دن گذارنے کی دلی خواہش تھی۔ چناں چہ تمام امہات المؤمنین نے اجازت دے دی

اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے۔

آخری خطبہ

بدھ کے دن بیماری شروع ہوئی تھی، اور پانچویں دن یعنی پیر کے دن منتقل ہوئے اور اس پیر کے بعد دوسرے پیر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا، گویا اخیر کے آٹھ روز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذارے، اور اسی بیماری میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے اوقات میں مسجد میں آتے جاتے رہے، اور نمازیں بھی آپ پڑھاتے رہے۔ بیماری کے نویں دن یعنی جمعرات کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے غسل فرمایا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ: مدینۂ منورہ کے سات کنوؤں سے سات مشکیزے بھر کر پانی لایا جائے، اور اس پانی سے مجھ کو غسل دیا جائے۔ اس میں خاص حکمت یہ تھی کہ: اس کی وجہ سے زہر کے اثر میں تخفیف ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت کے مطابق مدینۂ منورہ کے سات کنوؤں سے سات مشکیزے بھر کر منگوائے گئے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ایک لگن تھا، اس میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بٹھا کر حضرات امہات المؤمنین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانی ڈالا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا، یہاں تک کہ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ: اب بس!۔

پھر آپ ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے، ظہر پڑھا کر آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطبہ دیا، اسی خطبہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے احسانات کا تذکرہ کیا کہ: سب کے احسان کا بدلہ ادا کر چکا ہوں سوائے ابو بکر کے۔ اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ: جن حضرات کے مکانات مسجدِ نبوی سے لگے ہوئے ہیں، ان مکانات میں اصلی آنے جانے کا راستہ تو دوسری طرف تھا؛ لیکن مکانات کی پشت والی دیوار جو مسجد کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ان حضرات نے مسجد میں آنے جانے کے لیے اس میں کھڑکیاں بنا رکھی تھیں؛ تاکہ نماز کے اوقات میں اس سے آسانی سے آیا جا سکے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس خطبہ میں یوں ارشاد فرمایا کہ: ان تمام کھڑکیوں کو بند کر دیا جائے سوائے ابو بکر کے، گویا اس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اشارہ تھا۔ اس خطبہ میں ہی حضرات انصار کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی۔ یہ بھی فرمایا کہ: اگلی امتوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ ایسا عظمت کا سلوک کیا کہ

ان کو سجدہ گاہ بنا دیا، تم ایسا مت کرنا۔ اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو دنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ کے یہاں چلا جائے، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تسلی دی۔ بخاری شریف کی روایت ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملہ کو سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب رونے لگے، تو ہم لوگ سوچ رہے تھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ کے ایک بندہ کا تذکرہ کر رہے ہیں، یہ بڑے میاں کیوں رو رہے ہیں؟ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ کان اعلمنا ابو بکر کہ ہم میں سب سے زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جاننے والے تھے، گویا وہ سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بندہ کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار

ویسے اللہ تعالیٰ کا ایک طریقہ کار حضرات انبیاء کے ساتھ رہا ہے، اور لوگوں کی جب موت کا وقت آتا ہے تو ان کو پوچھا نہیں جاتا کہ: آپ کی روح قبض کی جائے یا نہ کی جائے؟ اللہ کا فرشتہ آکر اپنا کام کر کے چلا جاتا ہے؛ لیکن حضرات انبیاء کے ساتھ اعزاز اور اکرام کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ: ان کو پہلے بتلایا جاتا ہے، کہ تم کو اختیار ہے اگر دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو دنیا میں رہو، اور اگر آخرت میں آنا چاہتے ہو تو آخرت میں آؤ؛ اس وقت آخرت کی نعمتیں بھی ان کو بتلائی جاتی ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت بھی جب قریب آیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: -جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے- عین روح قبض کرنے سے پہلے آپ نے کمرے کی چھت پر ٹکٹکی باندھ کر نگاہیں جمادی، اور اللھم الرفیق الاعلیٰ اور ﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ﴾ [النساء٦٩] الخ والی آیت بھی پڑھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں رہنے یا اپنے پاس آنے کا جو اختیار دیا گیا تھا یہ اسی کا جواب ہے۔ میں سمجھ گئی کہ اب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان رہنے والے نہیں ہیں، اور اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پرواز کر گئی۔

آخری نماز

بہر حال! جمعرات کو ظہر کے بعد خطبہ دیا، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھائی، مغرب کی نماز میں سورۂ مرسلات کی تلاوت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ: حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ: سب سے آخری نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو مغرب کی پڑھائی، اور اس میں سورۂ مرسلات کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے کہ: ایک مرتبہ میں نے مغرب کی نماز میں سورۂ مرسلات پڑھی، تو والدہ نے کہا کہ: بیٹا! آج تو نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تازہ کرادی، جو آخری نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی تھی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مصلیٔ نبوی پر

اس کے بعد جب عشاء کا وقت آیا تو بیماری کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے، آپ پر غشی طاری ہوگئی، جب آپ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ: سب نے نماز پڑھی؟ تو کہا گیا کہ: نہیں، آپ کا انتظار ہے، آپ نے کہا: پانی لاؤ، چناں چہ پانی لایا گیا، آپ نے غسل فرمایا، اور اٹھنا چاہتے تھے کہ پھر غشی طاری ہوئی، جب دوبارہ ہوش میں آئے تو پھر پوچھا کہ: سب نے نماز پڑھی؟ جواب میں عرض کیا گیا کہ: نہیں، آپ کا انتظار ہے، پھر آپ نے پانی منگوایا اور غسل کیا، اور اٹھنا چاہتے تھے کہ پھر غشی طاری ہوگئی، پھر جب ہوش میں آئے تو پوچھا کہ: سب نے نماز پڑھی؟ کہا گیا کہ: نہیں، آپ کا انتظار ہے، پھر آپ نے پانی منگوایا اور غسل کیا، اٹھنا چاہتے تھے کہ پھر غشی طاری ہوئی، تین مرتبہ ایسا ہوا، چوتھی مرتبہ جب ہوش آیا تو فرمایا کہ: ابو بکر سے کہو کہ: سب کو نماز پڑھائیں۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: اللہ کے رسول! ابو بکر نرم دل آدمی ہے، آپ کی جگہ پر جب کھڑے ہوں گے تو نرم دلی کی وجہ سے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکیں گے، یعنی قراءت پوری نہیں کر سکیں گے، آپ عمر کو حکم دیجیے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے دل میں یہ خیال تھا کہ جو آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ کی جگہ کھڑا ہوگا لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھیں گے؛ اس لیے

مَیں نے یہ بات کہی تھی؛ بلکہ اپنی اس بات کی تائید کے لیے میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھا بجھا کر تیار کرلیا تھا، اورانھوں نے یوں سمجھ کر کے کہ میرے ابا نماز پڑھائیں گے آمادہ ہوکراس پر تائید کردی، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انتن صواحب یوسف او صواحبات یوسف کہ تم یوسف والیاں ہوں، یعنی اندر کیا بات ہے اور ظاہر میں کیا ہے! یہ روایت بھی آئے گی۔

بہرحال! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ نماز پڑھائی، یہ آپ کی بیماری میں پہلی نماز تھی، جمعرات کی شام یعنی شبِ جمعہ میں آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ جمعہ، سنیچر اور اتوار کی پانچوں نمازیں، تو یہ پندرہ نمازیں اور وہ ایک شب جمعہ والی اور پیر کی فجر کی نماز، کُل سترہ نمازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں پڑھائی۔

ایک اَور نماز

اسی زمانے میں -جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ- اتوار کے دن ظہر کے وقت جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری میں کچھ راحت محسوس کی، تو کہا: مجھے مسجد میں لے چلو، چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے، ظہر کی نماز شروع ہوچکی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے مصلے پر کھڑے نماز شروع کراچکے تھے، پہلی رکعت چل رہی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ سے وہیں ٹھہرنے کے لیے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بائیں طرف بیٹھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھوڑے سے پیچھے ہٹ گئے، آگے کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر پڑھائی۔ چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کی وجہ سے آواز پیچھے تک نہیں جاسکتی تھی؛ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبر کے طور پر تکبیرِ انتقالیہ کو زور سے پڑھتے تھے، جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز مکمل کی؛ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ: حقیقی طور پر آپ نے آخری نماز جو پڑھائی وہ اتوار کے دن ظہر کی نماز تھی، چناں چہ روایتوں میں دونوں کا تذکرہ ہے، اہلِ سیر نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ: مکمل نماز جو آپ نے پڑھائی وہ جمعرات کی مغرب کی تھی، اور ادھوری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ اتوار کی ظہر کی نماز تھی۔

لدود کا قصہ

اتوار کے دن نبئ کریم ﷺ کا لدود بھی کیا گیا۔ آپ ﷺ پر بار بار بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے، اور آپ اپنی کمر مبارک پر درد کی وجہ سے ہاتھ ملتے تھے، تو گھر کے لوگ یوں سمجھے کہ آپ کو ''ذات الجنب'' ہے۔ یہ ایک بیماری ہے جس میں اندر کا پردہ یعنی جھلی کے اوپر ورم آجاتا ہے، اس ورم کے نتیجہ میں بخار آتا ہے، کھانسی آتی ہے۔ ایک ذات الجنب حقیقی ہوتا ہے اور ایک غیر حقیقی۔ تو گھر والے یوں سمجھے کہ یہ مرض ہے، اس کی ایک دوا ہے جو زیتون کے تیل کے ساتھ ملا کر کے منہ میں ٹپکائی جاتی ہے، بیمار کو چت لٹایا جاتا ہے اور مونڈھے کے پاس تکیہ یا کوئی اونچی چیز رکھتے ہیں تاکہ سر اونچا ہو جائے، پھر دوا ٹپکائی جاتی ہے، اس کو ''لدود'' کہتے ہیں۔ نبئ کریم ﷺ پر جو بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے، اور درد کی وجہ سے بار بار اپنی کمر مبارک پر ہاتھ رکھتے تھے، تو گھر والے یوں سمجھے کہ یہ ''ذات الجنب'' کی بیماری ہے، مشورہ ہونے لگا کہ آپ کو ''لدود'' کیا جائے، آپ بے ہوشی کی حالت میں تھے اور باتیں سن رہے تھے، آپ نے ہاتھ کے اشارے سے یوں کہا کہ: لدود مت کرو، آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا اور بڑی تاکید کی؛ لیکن آپ نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا، گھر والے یوں سمجھے کہ بیمار آدمی دوا سے وحشت کرتا ہے، تو آپ کا یہ منع فرمانا اسی قبیل سے ہے؛ اس لیے انھوں نے آپ کے اس ہاتھ کے اشارے سے منع کرنے کی طرف توجہ نہ کرتے ہوئے آپ کو لدود کر ہی لیا، آپ ﷺ جب مکمل ہوش میں آئے تو ازواج مطہرات اور گھر کے لوگوں سے کہا: کیوں لدود کیا؟ میں نے منع کیا تھا؟ تو انھوں نے کہا کہ: اللہ کے رسول! ہم تو سمجھے کہ بیمار آدمی دوا سے وحشت کرتا ہے، آپ کا یہ انکار اسی قبیل سے ہے، آپ نے فرمایا کہ: سب کو لدود کراؤ، چناں چہ سب کو لدود کیا گیا۔

اس موقع پر علماء نے لکھا ہے کہ: آپ ﷺ کبھی اپنی ذات بابرکت کے لیے انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے، یہاں کیوں لدود کرایا؟ اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں: حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے کسی کتاب میں ایک واقعہ پڑھا: ایک اللہ والے تھے، ایک نوجوان ہمیشہ ان کے پاس آ کر ان کی شان میں گستاخی کرتا تھا؛ لیکن آپ برداشت کرتے تھے،

ایک دن اس نے زور سے طمانچہ ہی مار دیا، ان بزرگ نے کہا کہ: جلدی سے اس کو طمانچہ مارو، لوگ یوں سمجھے کہ وہ کبھی بدلہ تو لیتے ہی نہیں ہیں، آج کیوں کہہ رہے ہیں؟ لہٰذا کسی نے نہیں مارا، وہ نوجوان گرا اور فوراً اس کا انتقال ہو گیا، انھوں نے کہا کہ: اگر میرے کہنے پر طمانچہ مارتے تو یہ نوبت نہ آتی؛ اس لیے کہ میں نے دیکھا کہ اس نے طمانچہ مارا، اور اللہ کا غضب جوش میں آیا، میں سمجھ گیا کہ اللہ انتقام لے گا، میں نے چاہا کہ میری طرف سے انتقام لے لیا جائے؛ تا کہ وہ اللہ کے انتقام سے بچ جائے۔

علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہوسکتا ہے کہ آپ کے منع فرمانے کے بعد بھی لدود کیا گیا، تو آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ آپ کے حکم کے خلاف کرنے کی وجہ سے کہیں ان کی پکڑ نہ کی جائے، لہٰذا ان کو بچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم فرمایا تھا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے کُل ایام کے بارے میں سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہے: بعض دس، بعض بارہ، بعض تیرہ اور بعض چودہ بتلاتے ہیں، راجح قول تیرہ دن کا ہے۔

آخری دیدار

یہ لدود والا واقعہ اتوار کے دن کا تھا۔ پیر کے دن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فجر کی نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے شروع کر چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرۂ شریفہ کا پردہ ہٹایا، اور وہیں حجرۂ شریفہ میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم -جو فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے- کا نظارہ فرمایا، مسکرائے؛ بلکہ وہ مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہوئی، اور اُس وقت آپ کا چہرۂ انور ایسا چمک رہا تھا جیسے مصحف شریف کا ورق ہو، مارے خوشی کے قریب تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نماز توڑ ڈالیں؛ کیوں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر حرکت آئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا تو انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا اور پردہ ڈال دیا۔

یہ آخری نظارہ تھا جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا، ویسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حجرۂ شریفہ بہت مختصر تھا، اتنا وسیع نہیں تھا کہ سب لوگ وہاں جاسکیں، اور سب لوگ وہاں آ جا سکتے بھی نہیں تھے، وہاں حضرات امہات المؤمنین موجود رہا کرتی تھیں؛ اس لیے حضرات صحابہ میں سے جو مخصوص لوگ تھے

جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، وہ اندر آ جا سکتے تھے، سب کے لیے وہاں آنا جانا مشکل تھا؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پردہ ہٹا کر آخری دیدار حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو کرا دیا، اُس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت بہت اچھی تھی، افاقہ تھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال معلوم کرنے کے لیے حجرۂ شریفہ کے باہر آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے آدمی تھے، وہ جب اندر سے باہر آئے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیف اصبح رسول اللہ ﷺ؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کیسی کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعتِ مبارکہ کیسی ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: أصبح بحمد الله بارئًا: اللہ کا شکر اور اللہ کا احسان ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت اچھی طرح یعنی صحت کے ساتھ، اچھی حالت میں صبح کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اطمینان ہو گیا، سب لوگ اپنے اپنے کام پر چلے گئے، ایک اطمینان کی کیفیت تھی کہ اب تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مبارکہ ٹھیک ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عوالی میں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے بعد حجرۂ شریفہ میں تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دیکھ کر عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! اب تو آپ کی طبیعت ٹھیک معلوم ہو رہی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو حبیبہ بنت خارجہ (آپ رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی) کے پاس ''عوالی'' جا آؤں۔ ''عوالی'' مدینۂ منورہ کا ہی ایک حصہ اور علاقہ ہے؛ لیکن مسجد نبوی سے تین چار میل کی دوری پر تھا، وہاں ان کی باری کا دن تھا، اور عوالی نامی مقام پر ان کا مکان تھا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے اس بیوی کے یہاں عوالی میں تشریف لے گئے۔

آخری دن اور آخری مسواک

جیسا کہ پہلے بتلایا تھا کہ بیماری کی ابتدا تو بدھ سے ہوئی تھی؛ لیکن پیر کے دن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں فروکش ہو گئے، اب بھی وہیں قیام پذیر تھے۔ یہ دوسرا پیر کا دن آیا تو لوگوں کو بھی اطمینان تھا، صحابہ بھی اپنے اپنے کاموں پر چلے گئے تھے،

یہاں حجرہ میں کوئی اَور نہیں تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ ہے اور وہی تیمارداری بھی کرتی تھیں۔ سب کے چلے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعتِ مبارکہ بگڑنا شروع ہوئی، اور حالت نازک سے نازک تر ہوتی جارہی تھی، اسی بے چینی کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پشت کا سہارا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے سے لے کر بیٹھے ہوئے تھے، جیسے کسی بیمار آدمی کو تندرست آدمی اپنے جسم کے ساتھ لگا کر سہارا دے کر بٹھاتا ہے، اسی حالت میں حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) حاضر ہوئے، ان کے ہاتھوں میں تازہ مسواک کی لکڑی تھی، بخاری شریف کی روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظریں جما کر اس مسواک کی لکڑی کو دیکھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: کیا یہ مسواک آپ کے لیے لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کے اشارہ سے جواب دیا: ہاں! اب تازہ مسواک پہلی مرتبہ جب کرنی ہوتی ہے تو اس کے سرے کو دانتوں میں چبا کر ریشہ دار نرم کیا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ آپ اس کو دانتوں میں چبا کر نرم کرتے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے اس کو چبا کر نرم کیا، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں دھوئے بغیر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اطمینان کے ساتھ مسواک فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایسے اطمینان کے ساتھ مسواک کرتے ہوئے میں نے کبھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ فخر کرتی تھیں کہ، آخری وقت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لعابِ دہن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن کے ساتھ ملایا، کیوں کہ مسواک کو دھویا نہیں تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لوٹایا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ مسواک خود بھی کیا۔

سکرات

اس کے بعد طبیعت میں اَور بھی زیادہ خرابی آگئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں بہت بے چینی تھی، وہاں پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، اس پیالے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مبارک کو ڈال کر پانی

اپنے چہرۂ انور پر اور پیشانی پر لگاتے تھے، اور اللهم أعني علی سکرات الموت لاالہ الا الله فرماتے جاتے تھے۔ اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت اور خیر خبر لینے کے لیے تشریف لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کیفیت کو دیکھ کر کہنے لگیں: ہائے میرے ابا کی تکلیف! مجھ سے دیکھی نہیں جاتی، یہ جملہ سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بس، یہ آخری تکلیف ہے، اس کے بعد کوئی تکلیف آنے والی نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ: آج تمھارے ابا کو وہ چیز آئی جو دنیا میں کسی کو چھوڑنے والی نہیں ہے، یعنی موت آرہی ہے۔

وصالِ مبارک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اس کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمرہ کی چھت کی طرف نگاہیں اٹھائیں، اور ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھا، اور فرمایا: اللهم الرفیق الاعلیٰ یا الله! مَیں عالمِ بالا کی صحبت کو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنے۔ فرماتی ہیں کہ: میں تندرستی کے زمانے میں بار بار نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتی رہتی تھی، کہ نبی کو اللہ کی طرف سے اختیار دیا جاتا ہے اور جب نبی آخرت میں جانے کو پسند کرتے ہیں تب ان کی روح قبض کی جاتی ہے۔ اختیار کیسے دیا جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ پہلے ان کو ان کے لیے جنت میں بنائی گئی جگہ بتاتے ہیں۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہیں چھت کی طرف گئیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کا جنت کے اندر جو مقام تھا وہ دکھلایا گیا، اور پوچھا گیا کہ: یہاں آنا ہے یا وہاں رہنا ہے؟ اب ظاہر سی بات ہے جنت کا مقام دیکھنے کے بعد کون یہاں رہنا پسند کرے گا؟ ہم جیسا ہو تو بھی وہاں جانا پسند کرے گا چہ جائے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ آخری اختیار دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح دیکھنے کو اور آپ کی زبان مبارک سے اس جملہ کو سن کر میں سمجھ گئی کہ، آپ کو اختیار دیا گیا اور اسی کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ اس کے فوراً بعد آپ نے انگلی اٹھائی، اور آپ کا جسم مبارک ڈھلک گیا۔ بس یہ آخری حالت تھی، اور آخری جملہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر تھا، وہ یہی تھا: اللهم الرفیق الاعلیٰ۔

تاریخِ وفات

یہ پیر کا دن تھا جس پر سب کا اتفاق ہے، اور تمام کتبِ سیر میں حتیٰ کہ بخاری شریف میں بھی روایت ہے، اور ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ وقت کون سا تھا؟ تو مغازئ محمد بن اسحاق میں ہے کہ چاشت کا وقت تھا، اور مغازئ موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ زوال کا وقت تھا۔ اربابِ سیر نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔

تاریخ کون سی تھی؟ اس کے بارے میں محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی، یہی مشہور قول ہے، اور عام طور پر ہر کتاب میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے؛ لیکن اس پر بڑا اشکال ہے۔ سوال یہ ہے کہ: یہ بات سب جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حج فرمایا تھا وہ ۱۰ھ میں ہے، حج سے واپسی کے بعد ۱۱ھ شروع ہوا، جس کے ربیع الاول میں آپ کی وفات ہوئی۔ تو ۱۱ھ کا محرم اور صفر، یہ دو ہی مہینے گذرے تھے، ربیع الاول میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی۔ نیز یہ بھی سب جانتے ہیں کہ: قرآن پاک کی آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [المائدة۳] إلخ جس میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے مکمل ہونے کی بشارت سنائی، کہ تمھارے دین کو میں نے مکمل کر دیا، تام کر دیا، تمھارے لیے دین اسلام ہونے پر راضی ہوں، بخاری شریف میں موجود ہے کہ: یہ آیت ۹؍ ذی الحجہ کو جمعہ کے دن حج کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی۔ بخاری شریف میں ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک یہودی نے سوال کیا کہ: یہ آیت ہماری کتاب اور ہمارے دین میں نازل ہوئی ہوتی تو اس دن کو ہم اپنے لیے عید مناتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے خوب یاد ہے یہ آیت کہاں نازل ہوئی؟ کس تاریخ میں نازل ہوئی؟ اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا کیفیت تھی؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بتلایا: حج کے موقع پر، میدان عرفات میں، ۹ ذی الحجہ اور جمعہ کا دن تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے، اور اونٹنی کھڑی تھی، اِسی حالت میں یہ آیت نازل ہوئی، اس آیت کے نزول کے وقت وحی کے بوجھ سے اونٹنی بیٹھ گئی تھی، اور اس نے اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا تھا۔

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ: حجۃ الوداع کے موقع پر نویں ذی الحجہ جمعہ کے دن تھی، اس کا مطلب یہ کہ آٹھویں ذی الحجہ جمعرات کو تھی، اور ہر مہینہ کی پہلی، آٹھویں، پندرہویں، بائیسویں اور انتیسویں ایک ہی

دن ہوتی ہے، پہلی تاریخ جس دن کو ہوگی اسی دن آٹھویں، پندرہویں، بائیسویں اور انتیسویں ہوگی، اب ذی الحجہ کی آٹھویں جمعرات کو تھی تو انتیسویں جمعرات کو، تیس پورے نہیں ہوئے، اور محرم کا مہینہ شروع ہوا، تو محرم کی پہلی تاریخ جمعہ کو ہوئی، اب پہلی محرم کو جمعہ تو انتیسویں کو بھی جمعہ، اور محرم کو بھی انتیسواں شمار کریں تو صفر کی پہلی سنیچر کو، اور صفر کی انتیسویں بھی سنیچر کو، پھر ربیع الاول کی پہلی اتوار کو اور آٹھویں بھی اتوار کو، اور باقی چار دن گن لیں تو پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کو بارہویں پڑتی ہے، پیر کو نہیں پڑے گی، حالاں کہ روایتوں میں لکھا ہے کہ: آپ کی وفات پیر کے دن ہوئی۔ یہ اس وقت ہے جب کہ ذی الحجہ، محرم اور صفر کو انتیسواں گنیں۔ اور اگر ہم ان میں سے ایک مہینہ تیس کا مانیں تو ایک دن آگے بڑھے گا، اور بجائے جمعرات کے جمعہ آئے گا، اور اگر دو مہینے تیس کے مانیں تو اَور ایک آگے بڑھے گا اور سنیچر آئے گا، اور تینوں مہینے تیس کے مانیں تو اتوار آئے گا۔ اور یہ بات طے ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پیر کو ہوئی، تو یہ بہت بڑا اشکال ہے۔

اس کا ایک جواب علامہ ماوردی اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما نے یہ دیا ہے کہ: اصل میں ہم نے یہ تینوں مہینے تیس کے گنے، ذوالحجہ، محرم اور صفر؛ اور ذوالحجہ سے پہلے ذوقعدہ ہے، اور روایتوں میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے ۲۵/ ذوقعدہ کو سنیچر کے دن مدینۂ منورہ سے نکلے تھے، اور ۴/ ذوالحجہ کو اتوار کے روز نویں دن مکہ میں پہنچے تھے، اب ۲۵/ ذوقعدہ کو نکلے تو پانچ دن وہ، کیوں کہ ذوالقعدہ تیس کا نہیں انتیس کا گنیں، تو انتیس بدھ کو آئے گی، اور ذوالحجہ کا چاند جمعرات کو ہوا، لہٰذا اتوار کو تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پہنچے، اور بعد والی جمعہ آئی نویں کو، اس وقت حج ہوا، گویا یہ ذوقعدہ کا مہینہ انتیسواں ہوا۔ تو حافظ ابن کثیر اور علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ: مکہ والوں نے انتیس کا چاند دیکھا، تو ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ حج کرکے واپس مدینۂ منورہ لوٹے ہوں تو وہاں پتہ چلا کہ مدینہ میں انتیس کا چاند نظر نہیں آیا۔ یہ احتمال ذکر کیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ: اگر مدینہ میں تیس کا چاند مانیں تو لگاتار چار مہینے تیس کے ماننے پڑیں گے، اور یہ مشکل ہے۔

(۲) ایک دوسرا قول ابومہلب اور کلبی کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال پہلی ربیع الاول

یعنی پیر کے دن ہوا؛ لیکن اس صورت میں تینوں مہینے انتیس کے ماننے پڑیں گے، اور تینوں انتیس کے ہوں یہ بات بھی مشکل ہے۔

(۳) ایک قول موسیٰ ابن عقبہ، لیث ابن سعد اور علامہ خوارزمی کا ہے، یہ سیر اور مغازی کے باب میں بڑے بڑے لوگ ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ: دو تاریخ کو انتقال ہوا۔ اس صورت میں ایک مہینہ تیس کا پڑ جائے گا۔

پہلی تاریخ والے قول کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ - جو بخاری شریف کے شارح ہیں - نے راجح قرار دیا ہے؛ لیکن علامہ سہیلی نے دوسری تاریخ والے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور وہی ''اوفق للقیاس'' یعنی حساب کتاب کے لحاظ سے ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس لیے حضرات محققین میں سے کسی نے پہلی اور کسی نے دوسری کا قول اختیار کیا ہے۔

انتقال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر حجرہ سے باہر آئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک بے چینی طاری ہوگئی، ایک سکتہ طاری ہوگیا، ایک دم منہ بند ہوگیا، بولا ہی نہیں جا رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ: رو دھو کے بے ہوش ہوگئے تھے، دوسرے صحابہ کی حالت بھی خراب تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: کون کہتا ہے کہ حضور کا انتقال ہوگیا؟ منافق یہ باتیں کرتے ہیں، جو کہے گا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا، تو اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا، حضور تو اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے تھے، یہ وقتی طور پر غیبوبت ہوئی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ واقعتاً یہی سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ہے۔

اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہیں تھے، یہاں یہ کیفیت کہ کوئی قابو میں ہی نہیں، لوگوں نے کہا: ان کو بلاؤ، چناں چہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا گیا، ایک صحابی حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: انتقال ہوگیا ہے، آپ تشریف لائیے، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا انتقال ہوگیا؟ تو یہ جواب میں کہتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر

کوئی یوں کہے گا کہ حضور کا انتقال ہوگیا تو میں اس کا سر قلم کردوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت وہاں بھی ان پر سوار ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور جلدی سے مسجدِ نبوی پہنچے، مسجدِ نبوی کے باہر اپنا گھوڑا چھوڑا، مسجد میں داخل ہوکر- وہاں لوگ جمع تھے- اپنے لیے راستہ بنایا، اور حجرہ میں داخل ہونے کی اجازت لی، وہاں امہات المؤمنین موجود تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو آپ کی بیٹی تھیں، ان کو تو آپ سے پردہ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ آپ کے اجازت لینے پر دیگر ازواج مطہرات نے پردہ کیا، آپ اندر داخل ہوئے، داخل ہونے کے بعد دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر پر لٹائے ہوئے تھے، چادر آپ کو اوڑھادی گئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی، اور آپ کے دونوں مونڈھوں کی طرف سے ہاتھ رکھ کر پیشانی کو بوسہ دیا، اور کہا: ہائے میرا نبی! ہائے میرا دوست! ہائے میرا جگری دوست!۔ اور یہ بھی فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو موت آپ کے لیے مقرر کی گئی تھی وہ آگئی، اب اللہ تعالیٰ دوبارہ موت نہیں دے گا۔

اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے، اور مسجد میں تشریف لانے کے بعد خطبہ دیا، جس میں فرمایا: من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات، ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت، ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ﴾ [آل عمران۱۴۴] الخ: جو آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوجا اور عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ ان کا تو انتقال ہوگیا، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا جان لو کہ اللہ موجود ہے، زندۂ جاوید ہے، اس کو موت آنے والی نہیں ہے۔ اور قرآن کی آیت پڑھی کہ: محمد تو اللہ کے رسول ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہوگیا یا وہ شہید ہوگئے تو تم اپنے پچھلے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ یعنی کیا تم ایمان سے ہٹ جاؤ گے؟ نبی کو بھی موت آنے والی ہے، اور جو آپ کے دشمن ہیں ان کو بھی موت آئے گی۔ قرآن میں جن جن آیتوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کا تذکرہ کیا گیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان آیتوں کو پڑھا، جب یہ آیت سنی: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝٣٠﴾[الزمر] کہتے ہیں کہ: ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پردہ ہٹ گیا۔ کسی کو یہ تصور ہی نہیں آسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا، اور پھر تو ہر صحابی کی زبان پر یہی آیت: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ [آل عمران۱۴۴] تھی۔ جب یہ سنا تو حضرت

عمر رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں، بخاری شریف میں جملہ موجود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب میں نے ابوبکر کی زبان سے یہ سنا اور مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے، تو میں ایسا ڈھیلا ہو گیا کہ میرے پاؤں میرے جسم کا وزن نہیں سہہ سکے، اور میں زمین پر بیٹھ گیا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دے کر سب کو سنبھالا۔

بہر حال! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے سب لوگوں کو اطمینان ہو گیا، کہ آپ کی وفات ہو گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے بہت سارے سوالات – جو اس موقع پر ہوتے ہیں – کیے۔

جائے تدفین

تدفین کے متعلق بھی رائے مختلف تھی کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ کوئی کہہ رہا ہے: مکۂ مکرمہ لے جاؤ، کہ وہ آپ کا اصل وطن ہے، کوئی کہہ رہا ہے: بیت المقدس کہ وہ نبیوں کا مدفن ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زبان مبارک سے یہ بات سنی تھی جس کو میں آج تک نہیں بھولا کہ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس جگہ پر موت دیتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا پسند ہوتا ہے؛ اس لیے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں، وہیں آپ کو دفن کیا جائے۔

لحدی قبر

پھر قبر کی کیفیت کا مسئلہ سامنے آیا، اس زمانہ میں دو قسم کی قبریں تیار کی جاتی تھیں: (۱) ایک تو صندوقی، یہ قبر ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں زمین نرم ہوتی ہے، نرم زمین میں جو قبر والی دیوار ہوتی ہے، اسی کے اندر کھودتے چلے جاتے ہیں، تو نرم ہونے کی وجہ سے اوپر والا حصہ دھنس جاتا ہے، قبر کو کھودنے کے بعد اوپر کا حصہ چوڑا کرنے کے بعد نیچے بیچ میں پیٹی جیسا گڑھا کھودا جاتا ہے، تاکہ میت کو رکھا جا سکے، اس کو صندوقی کہتے ہیں، اور عربی زبان میں اس کو ''شق'' کہتے ہیں۔ (۲) دوسری بغلی، لحد والی قبر: قبر کی جو دیوار کھودی جائے گی، تو قبلہ والی دیوار کو اندر کی طرف سے کھودا جائے گا، لحد کہتے ہیں ہٹانے کو، یہ جو قبر اصل میں کھودی گئی ہے اس سے ہٹ کر اندر دیوار کی طرف کھود کر کے

میت کو وہاں رکھا جاتا ہے، حضورﷺ کا ارشاد تھا: اللحد لنا والشق لغیرنا ہمارے لیے لحد اور دوسروں کے لیے شق۔ یوں تو دونوں طریقوں سے قبر کھودنے کی شریعت نے اجازت دی ہے؛ مگر آپ نے اپنے اس ارشاد میں لنا بول کر اپنی ذات مبارکہ کی طرف اشارہ کیا تھا، کہ ہماری لحد والی بنے گی۔ اس زمانہ میں دو صحابی تھے جو قبر کھودنے کا کام کرتے تھے، اجرت سے نہیں؛ بلکہ حسبۃً للہ ہی کیا کرتے تھے، ایک تو حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، مکہ کے رہنے والے اور مہاجر ہیں، یہ صندوقی قبر کھودتے تھے، اور دوسرے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد، یہ انصاری تھے، یہ لحدی کھودتے تھے۔ اب حضورﷺ کے لیے کون سی قبر تیار کی جائے، جب یہ چرچا ہوا تو اِن دونوں میں سے کوئی وہاں موجود نہیں تھا، مشورہ یہ ہوا کہ: دونوں کے پاس آدمی بھیجا جائے، جو پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا، چناں چہ دونوں کے پاس آدمی بھیجے گئے، اتفاقاً حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ پہلے پہنچے اور انھوں نے اپنا کام کیا، گویا اللہ کی طرف سے آپ کے لیے لحد والی قبر مقدر تھی۔ چناں چہ انھوں نے وہیں جہاں آپﷺ کا بستر مبارک تھا، جا کر قبر کھودی۔

تغسیل و تکفین اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت

اس کے بعد غسل کا مسئلہ درپیش ہوا، عموماً شریعت یہ چاہتی ہے کہ میت کو نہلانے وغیرہ کا کام اس کے خاندان کے لوگ کریں، اگر وہ اچھی طرح نہ کر سکتے ہوں تو دوسرے لوگ آئیں، ورنہ بہتر طریقہ یہی قرار دیا گیا ہے۔ ادھر ایک طرف تو آپ کی وفات کے بعد لوگوں میں بے چینی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا آنا اور خطبہ دینا، اس میں کافی وقت نکل گیا، حتیٰ کہ شام کا وقت ہونے والا تھا، اسی موقع پر کسی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ انصار، امیر کا مسئلہ طے کرنے کے لیے ثقیفۂ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں۔ یہ ایک چبوترہ تھا جس پر بیٹھ کر مشورے کیے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے اطلاع دی تو فوراً چل پڑے تا کہ وہ کوئی فیصلہ کریں اس سے قبل پہنچ جائیں، کیوں کہ فیصلہ کے بعد اس کا بدلنا مشکل ہے، چناں چہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں گئے، وہاں گفتگو ہو رہی تھی، اس موقع پر جو باتیں کرنی تھی وہ باتیں ہوئیں،

اخیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریر کی، جس میں فرمایا کہ: یہ دونوں آدمی میرے ساتھ ہیں، ان میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو، اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے ہوتے ہوئے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی جاسکتی ہے؟ آپ اپنا ہاتھ بڑھاؤ، چناں چہ انھوں نے ہاتھ بڑھایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیعت ہونا چاہتے تھے؛ مگر ان سے پہلے حضرت بشیر ابن سعد رضی اللہ عنہ (نعمان ابن بشیر کے والد، یہ انصاری صحابہ میں ہیں) نے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اُس جگہ پر اَور جو لوگ موجود تھے سب نے بیعت کی۔ یہ پہلی بیعت تھی۔

پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کے وقت بات آئی کہ غسل کے لیے آپ کے کپڑے اتارے جائیں یا نہیں؟ اس مسئلہ کا چرچا ہوا تو لوگوں پر ایک غشی سی طاری ہوگئی اور آواز سنی، کہ آپ کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے، اُن ہی میں آپ کو غسل دیا جائے گا۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادے: حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت قثم ابن عباس رضی اللہ عنہ کروٹیں دیتے تھے، اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ، مولیٰ کہلاتے ہیں) اور حضرت شکران رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر پانی ڈالتے تھے، اس طرح ان چھ آدمیوں نے مل کر آپ کو غسل دیا۔

غسل دینے کے بعد تین سہول کی بنی ہوئی سوتی سفید یمن کی چادر تھی، اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفن دیا گیا۔ آپ کو تیار کر کے اس قبر کے پاس رکھ دیا گیا۔

نمازِ جنازہ

پھر ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا آپ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! لیکن جیسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری زندگی میں ہمارے لیے امام تھے، وفات کے بعد بھی آپ ہی امام ہیں، یعنی سب ایک جماعت کر کے نہیں پڑھیں گے؛ بلکہ حجرۂ شریفہ میں جتنے لوگ آسکتے ہیں جاویں، اپنے اپنے طور پر تکبیر اور دعا کہیں اور آجاویں۔ ویسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر حضرات امہات المؤمنین سے کہا تھا کہ: میری وفات کے بعد میرا جنازہ تیار کر کے رکھ دینا، اور تھوڑی دیر کمرہ کو خالی رکھنا، سب سے

پہلے جبرئیلؑ آکر نماز ادا کریں گے، پھر میکائیل آئیں گے، پھر اسرافیل آئیں گے، پھر ملک الموت، پھر اس کے بعد تم لوگ نماز پڑھنا۔ چناں چہ جماعت در جماعت جتنے لوگ آسکتے تھے اپنے اپنے طور پر نماز پڑھ کر چلے جاتے، جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی گئی۔

۳۷۲ - حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: آخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ كَشْفَ السِّتَارَةِ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ، فَنَظَرْتُ إِلَى وَجْهِهِ كَأَنَّهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ وَالنَّاسُ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَكَادَ النَّاسُ أَنْ يَضْطَرِبُوا، فَأَشَارَ إِلَى النَّاسِ أَنِ اثْبُتُوا، وَأَبُو بَكْرٍ يَؤُمُّهُمْ وَأَلْقَى السِّجْفَ، وَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری دیدار پیر کے دن کیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرۂ شریفہ کا پردہ کھولا، آپ کے چہرۂ انور کو میں نے دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے (صفائی اور چمک دمک میں) مصحف کا ورق ہو۔ اس وقت لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے (فجر کی نماز ادا کر رہے) تھے، قریب تھا کہ نمازی حرکت میں آجائیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ سے کہا کہ: اپنی جگہ جمے رہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کر رہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اندر جاکر) پردہ ڈال دیا۔ اُسی دن کے آخری حصہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی۔

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور وصال کا تذکرہ چل رہا ہے، پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات سے آپ کی تجہیز و تکفین تک کے حالات تفصیل سے بتلائے جاچکے ہیں، اسی سلسلہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مختلف روایتیں ذکر کی ہیں وہ اس باب میں پڑھیں گے۔

آخر نظر نظرتھا إلخ: فجر کی نماز کھڑی ہوچکی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کر رہے تھے، اور لوگ آپ کے پیچھے فجر کی نماز ادا کر رہے تھے، اُس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرۂ شریفہ کے پردہ کو - جو دروازہ پر پڑا ہوا تھا - ہٹایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ حجرہ جس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، اور اپنی بیماری کے آٹھ دن مسلسل اسی حجرہ میں گذارے، وہ بالکل مسجد سے لگا ہوا تھا، اس کا دروازہ مسجد کی طرف کھلتا تھا، اسی دروازے کے اوپر لگے ہوئے پردہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماری کی اس حالت میں

جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا کھڑے ہو کر اپنے دستِ مبارک سے ہٹایا۔ بس یہ آپ کا آخری دیدار تھا، آپ تھوڑی دیر کھڑے رہے، مسجد میں موجود نماز پڑھنے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہے تھے۔

كانه ورقة مصحف: یعنی آپ کا چہرۂ انور صفائی اور چمک دمک کے اعتبار سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قرآن پاک کا ورق ہو۔

فكاد الناس ان يضطربوا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح اپنے حجرۂ شریفہ کے دروازے کے پاس کھڑا دیکھ کر قریب تھا کہ مسلمان خوشی کے مارے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت کا خیال پاکر ایک دم حرکت میں آجائیں۔

فأشار الى الناس ان أثبتوا: چوں کہ ایک دن پہلے اتوار کے روز ظہر کی نماز میں اسی طرح کچھ افاقہ محسوس ہونے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاکر نماز ادا فرما چکے تھے، تو وہ سمجھے کہ شاید اب بھی آپ آنے کا ارادہ رکھتے ہیں؛ اس لیے کچھ پیچھے ہٹنا شروع کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی محسوس کیا تو انھوں نے بھی پیچھے ہٹنا چاہا، مگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرما کر لوگوں کو بتلایا کہ: اپنی جگہ پر کھڑے رہو، ہٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس موقع پر بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت موجود ہے کہ: یہ منظر دیکھ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے، اور آپ کی مسکراہٹ ضحک اور ہنسی میں تبدیل ہوئی۔ شراحِ حدیث لکھتے ہیں کہ: آپ کا مسکرانا خوشی میں تھا، کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ لیا کہ آپ کی اپنی پوری زندگی کی جو محنت تھی وہ کام میں آگئی، اور حضرات صحابہ اور مسلمان آپ کے رفیق کار کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہیں، گویا مسلمانوں کا معاملہ مجتمع ہے، اس منظر کو دیکھ کر مسرت اور خوشی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسکراہٹ آگئی۔ اور ایک اعتبار سے یہ آخری دیدار بھی تھا؛ اس لیے کہ جو عام مسلمان ہیں وہ تو حجرہ کی تنگی کی وجہ سے اندر نہیں جاسکتے تھے، جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ یہ آخری دن تھا یعنی پیر کا، جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح تمام مسلمانوں کو اپنا دیدار کرایا۔

مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے سلسلہ میں پہلے بھی جو تفصیلات آپ کو بتلائیں،

اس میں بھی وقتِ وفات کے سلسلے میں دو قول نقل کر چکا ہوں: ایک قول محمد بن اسحاق کا ہے کہ: چاشت کے وقت ہوئی، اور دوسرا قول موسیٰ ابن عقبہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: زوال کے وقت ہوئی۔ عام طور پر حضراتِ محدثین نے زوال کے وقت کو ترجیح دی ہے۔ ظاہر ہے کہ زوال کا وقت دن کا آخری حصہ ہوتا ہے، اس معنیٰ کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی دن کے آخری حصہ میں یعنی نصف آخر میں آپ کی وفات ہوئی۔

٣٧٣ - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كُنْتُ مُسْنِدَةَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى صَدْرِي - أَوْ قَالَتْ: إِلَى حِجْرِي - فَدَعَا بِطَسْتٍ لِيَبُولَ فِيهِ، ثُمَّ بَالَ، فَمَاتَ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سینے پر، یا کہا: اپنی گود میں سہارا دیے ہوئے تھی۔ (پیشاب کا تقاضا ہوا تو) آپ نے پیشاب کے لیے برتن منگوایا، اور اس میں پیشاب کیا، پھر اس کے تھوڑی دیر بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔

افادات: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیماری کی شدت کی وجہ سے خود پورے طور پر بیٹھ نہیں پاتے تھے، جیسے بیمار آدمی نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے بیٹھ نہیں پاتا تو دوسرے لوگ اس کو سہارا دے کر بٹھلاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں یا سینہ پر تھی یعنی آپ کا سر مبارک اور آپ کا چہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ٹھوڑی والے حصہ کے پاس تھا۔ اس لیے روایتوں میں آئے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات میری ٹھوڑی اور ہنسلی کے درمیان ہوئی، یعنی بہ وقتِ وفات آپ کا چہرۂ انور میری ٹھوڑی کے پاس تھا، آپ اس پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔

٣٧٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ مُوسَى بْنِ سَرْجِسَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ، وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ، أَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ آخری حالت میں ہیں،

اورآپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ پڑا ہوا ہے، آپ اپنے دستِ مبارک کو اس پیالے میں داخل فرما کر وہ پانی اپنے چہرہ پر مَل رہے ہیں، اور فرماتے جارہے ہیں: اللهم أعني إلخ: اے اللہ موت کی سختیوں پر تُو میری مدد فرما۔

افادات: آدمی پر جب بے چینی طاری ہوتی ہے، تو بے چینی کے موقع پر اس طرح پانی لے کر چہرہ اور پیشانی پر لگانے سے ایک طرح کا سکون محسوس ہوتا ہے؛ اس لیے نبیٔ کریم ﷺ اس وقت اس طرح کر رہے تھے۔ اور بوقت وفات موت کی سختی کے متعلق امت کو عملی طور پر تعلیم دی: کہ ایسے موقع پر آدمی کو بجائے آہ وواویلا کرنے کے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی مدد حاصل کرنی چاہیے، دنیاداری اور دیگر چیزوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔

٣٧٥ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ، حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ الْمَوْتِ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

قال أبوعيسىٰ: سألت أبازرعة، فقلت له: من عبد الرحمن بن العلاء هذا؟ قال: هو عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کی موت کی جو شدت میں نے دیکھی اس کے بعد میں کسی کی جان آسانی سے نکلنے پر رشک نہیں کرتی۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: ابوزرعہ رازی سے میں نے پوچھا کہ: یہ عبدالرحمن بن العلاء کون ہے؟ تو فرمایا: یہ عبدالرحمن ابن علاء بن لجلاج ہیں۔

افادات: کوئی آسان موت مرے تو میرے لیے کوئی رشک کی چیز نہیں ہے، جب اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آدمی کے لیے فکر کی ہو۔ یہ چیز اہل اللہ اور اللہ کے مقبول بندوں کے لیے مزید درجات کی ترقی کا ذریعہ ہوا کرتی ہے، اور حضور ﷺ سے بڑھ کر اللہ کا مقبول کون ہوگا!!!۔

٣٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ هُوَ ابْنُ الْمُلَيْكِيِّ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا قُبِضَ

رَسُولُ اللهِ ﷺ اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ: سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ قَالَ: مَا قَبَضَ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ. ادْفِنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کی جگہ کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بات سن رکھی ہے جو آج تک میں بھولا نہیں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی روح کو اسی جگہ قبض کیا ہے جہاں ان کا دفن ہونا پسندیدہ ہو؛ اس لیے آپ کو ان کے بچھونے کی جگہ ہی میں دفن کرو۔

افادات: اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ: کسی نے کہا کہ: آپ کا جو اصل وطن مکۂ مکرمہ ہے، وہاں لے جا کر دفن کیا جائے، کسی نے کہا کہ: آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ جہاں مدفون ہیں وہاں لے جایا جائے، کسی نے کہا کہ: عام مسلمانوں کے قبرستان یعنی جنت البقیع (جہاں مسلمانوں کو دفن کیا جاتا ہے) میں دفن کیا جائے۔

شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ: یعنی سننے کے بعد برابر مجھے یاد ہے۔ میں نے پہلے بھی بتلایا تھا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جتنے بھی ایسے پیچیدہ مسائل پیش آئے، ہر ایک کا جواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، اور اس سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات سن رکھے تھے، اُن کے ذریعہ اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کر دیا۔

ادْفِنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ: چناں چہ یوں فیصلہ کیا گیا کہ بستر ہٹا کر وہیں قبر کھودی گئی۔ پہلے بتلایا گیا تھا کہ قبر کھودنے والے ایک صحابی حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ تھے جو صندوقی قبر کھودا کرتے تھے، جس کو "شق" کہا جاتا ہے، یعنی قبر جس سائز اور ناپ کی کھودنی ہے اس سائز کی کھود کر اس میں ایک چھوٹی قبر بنائی جائے، اس کو صندوقی قبر کہتے ہیں، اور مکۂ مکرمہ میں اسی طرح قبر بنانے کا دستور تھا۔ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ- جو مہاجری اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں- اسی طرح کی قبر کھودا کرتے تھے۔ اور دوسرے صحابی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ- جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد اور انصاری ہیں- بغلی قبر کھودتے تھے۔ بغلی کا مطلب یہ ہے کہ قبر کو اس کی سائز کی کھود کر قبلہ والی دیوار میں

اتنا حصہ کھودا جائے جس میں میت کو رکھا جائے، جیسے ہمارے یہاں ''راندیر'' میں اسی طرح بنائی جاتی ہے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کیسی کھودی جائے؟ یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا، اتفاق کی بات کہ جس مجلس میں یہ بات چھیڑی گئی اس مجلس میں قبر کھودنے والے دونوں حضرات میں سے کوئی موجود نہیں تھا، اب فیصلہ یہ ہوا کہ ان دونوں کے پاس آدمی بھیجو، جو پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا، چناں چہ بیک وقت دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا، اور اتفاق کی بات کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ پہلے آ گئے، اور انھوں نے اپنے انداز میں قبر کھودی۔ اسی کو حدیث میں بیان کیا گیا: اللحد لنا والشق لغيرنا یعنی بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور صندوقی قبر دوسروں کے لیے ہے۔ دوسروں سے مراد کوئی غیر مسلم یا دیگر اقوام مراد نہیں ہے؛ بلکہ یہاں لنا بول کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ اپنی ذاتِ بابرکت کی طرف تھا، گویا آپ نے پہلے ہی سے بتلا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے اسی طرح کی قبر کا فیصلہ ہوا ہے۔

٣٧٧، ٣٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَعَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ، وَسَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَبَّلَ النَّبِيَّ ﷺ بَعْدَ مَا مَاتَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو بوسہ دیا۔

افادات: قَبَّلَ النَّبِيَّ ﷺ: آگے اس کے بعد والی روایت میں اس بوسے کی تفسیر آ رہی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتلا دیا گیا تھا کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہیں تھے، صبح کے وقت طبیعت ٹھیک پا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لی تھی، کہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اپنی بیوی حبیبہ بنت خارجہ - جو عوالی مقامِ سُنُح میں قیام پذیر ہیں - سے مل آؤں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی، وہ وہیں تھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد وہاں آدمی بھیجا گیا۔ جو صحابی خبر دینے گئے تھے ان کی روایت آگے پوری تفصیل کے ساتھ آنے والی ہے۔

بہرحال! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوکر تشریف لائے، مسجدِ نبوی کے باہر اپنا گھوڑا باندھا، پھر مسجد میں آکر مسجد کے اندر سے حجرۂ شریفہ میں یعنی جس حجرہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ مبارک تھا اجازت لے کر داخل ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی طرف سے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ شراح حضرات فرماتے ہیں کہ: یہ بوسہ برکت حاصل کرنے کے لیے تھا، اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ الوداعی بوسہ تھا۔

٣٧٩ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، أَخْبَرَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعَطَّارُ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ، دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ وَفَاتِهِ فَوَضَعَ فَمَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى سَاعِدَيْهِ، وَقَالَ: وَانَبِيَّاهُ، وَاصَفِيَّاهُ، وَاخَلِيلَاهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) اپنا منہ اور دونوں بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے، اور فرمایا: ہائے افسوس اے نبی! ہائے افسوس اے مقبول! ہائے افسوس اے جگری دوست! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

افادات: وَانَبِيَّاهُ إلخ: یہ نوحہ کے طور پر نہیں تھا؛ بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں یہ الفاظ انھوں نے ادا کیے۔

٣٨٠ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، وَمَا نَفَضْنَا أَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ، وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ ﷺ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جس دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ہجرت فرما کر) مدینۂ منورہ میں تشریف لائے تو اس کی ہر چیز روشن ہوگئی، اور جس دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی، اور ابھی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مٹی دے کر ہاتھ جھاڑے بھی نہیں تھے، ابھی ہم آپ کو دفن ہی کر رہے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تغیر پایا۔

افادات: أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ: یعنی آپ کی آمد کے انوارات ایک دم ایسے کھلے تھے کہ ہر شخص اس کا مشاہدہ کررہا تھا۔

أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا: یعنی نبیٔ کریم ﷺ کی موجودگی میں اور آپ کی صحبت میں جو کیفیت دل کی ہوتی تھی، وہ باقی نہیں رہی، فرق آہی جاتا ہے۔

۳۸۱ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، أَخْبَرَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کا انتقال پیر کے دن ہوا۔

افادات: پہلے بتلایا تھا کہ: پیر کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ، یہ دو چیزیں تو ایسی ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

۳۸۲ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُبِضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ فَمَكَثَ ذَلِكَ الْيَوْمَ وَلَيْلَةَ الثُّلَاثَاءِ، وَيَوْمَ الثُّلَاثَاءِ، وَدُفِنَ مِنَ اللَّيْلِ.

وَقَالَ سُفْيَانُ: وَقَالَ غَيْرُهُ: يُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ.

ترجمہ: حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ کی وفات پیر کے دن ہوئی، اُس روز اور منگل کی رات اور منگل کے دن (ضروری انتظام کی وجہ سے) جنازہ رکھا رہا، پھر (منگل اور بدھ کی درمیانی) رات میں نبیٔ کریم ﷺ کو دفن کیا گیا۔ سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جعفر صادق کے علاوہ نے کہا کہ: رات کے آخری حصہ میں پھاوڑوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

افادات: فَمَكَثَ ذَلِكَ الْيَوْمَ: پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ بڑے بڑے اہم امور تھے: ایک تو آپ ﷺ کی وفات زوال کے وقت ہوئی تھی، اور وفات کے صدمے کی وجہ سے سب کا یہ حال رہا کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلا، بعد میں پھر بہت سارے مسائل تھے جو حل کیے گئے۔

يُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِي: یعنی آپ کو دفن کیا گیا اور مٹی ڈالی گئی اس کی آواز منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں سنائی دی۔

٣٨٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ .

قَالَ أَبُو عِيسَىٰ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ .

ترجمہ: حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پیر کے دن ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منگل کے دن دفن کیا گیا۔

افادات: یہاں منگل کا دن اس معنیٰ کر کے کہا گیا ہے کہ بعد والی رات کو عرف میں منگل کی رات سے تعبیر کرتے ہیں۔

٣٨٤ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَلَمَةُ بْنُ نُبَيْطٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ نُبَيْطِ بْنِ شَرِيطٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ: أُغْمِيَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ فَأَفَاقَ، فَقَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ. فَقَالَ: مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ، وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ - أَوْ قَالَ: بِالنَّاسِ - قَالَ: ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ، فَأَفَاقَ، فَقَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ؟ قَالُوا: نَعَمْ. فَقَالَ: مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ، وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: إِنَّ أَبِي رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِذَا قَامَ ذَلِكَ الْمَقَامَ بَكَى فَلَا يَسْتَطِيعُ، فَلَوْ أَمَرْتَ غَيْرَهُ قَالَ: ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَأَفَاقَ فَقَالَ: مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ، وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ أَوْ صَوَاحِبَاتُ يُوسُفَ، قَالَ: فَأُمِرَ بِلَالٌ فَأَذَّنَ، وَأُمِرَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَجَدَ خِفَّةً، فَقَالَ: انْظُرُوا لِي مَنْ أَتَّكِئُ عَلَيْهِ، فَجَاءَتْ بَرِيرَةُ وَرَجُلٌ آخَرُ، فَاتَّكَأَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ذَهَبَ لِيَنْكُصَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَثْبُتَ مَكَانَهُ، حَتَّى قَضَى أَبُو بَكْرٍ صَلَاتَهُ، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قُبِضَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَاللهِ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قُبِضَ إِلَّا ضَرَبْتُهُ بِسَيْفِي هَذَا قَالَ: وَكَانَ النَّاسُ أُمِّيِّينَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهُ، فَأَمْسَكَ النَّاسُ، فَقَالُوا: يَا سَالِمُ! انْطَلِقْ إِلَى صَاحِبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَادْعُهُ،

فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَتَيْتُهُ أَبْكِي دَهِشًا، فَلَمَّا رَآنِي قَالَ لِي: أَقُبِضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قُلْتُ: إِنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قُبِضَ إِلَّا ضَرَبْتُهُ بِسَيْفِي هَذَا، فَقَالَ لِي: انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَجَاءَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْرِجُوا لِي، فَأَفْرَجُوا لَهُ فَجَاءَ حَتَّى أَكَبَّ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَمَسَّهُ، فَقَالَ: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝٣٠﴾ [الزمر] ثُمَّ قَالُوا: يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ! أَقُبِضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَعَلِمُوا أَنْ قَدْ صَدَقَ، قَالُوا: يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ! أَيُصَلَّى عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: وَكَيْفَ؟ قَالَ: يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُونَ وَيَدْعُونَ وَيُصَلُّونَ، ثُمَّ يَخْرُجُونَ، ثُمَّ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَدْعُونَ، ثُمَّ يَخْرُجُونَ، حَتَّى يَدْخُلَ النَّاسُ، قَالُوا: يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ! أَيُدْفَنُ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: أَيْنَ؟ قَالَ: فِي الْمَكَانِ الَّذِي قَبَضَ اللهُ فِيهِ رُوحَهُ، فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوحَهُ إِلَّا فِي مَكَانٍ طَيِّبٍ. فَعَلِمُوا أَنْ قَدْ صَدَقَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يُغَسِّلَهُ بَنُو أَبِيهِ وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ يَتَشَاوَرُونَ، فَقَالُوا: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا مِنَ الْأَنْصَارِ نُدْخِلُهُمْ مَعَنَا فِي هَذَا الْأَمْرِ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَنْ لَهُ مِثْلُ هَذِهِ الثَّلَاثِ؟ ﴿ثَانِيَ ٱثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِى ٱلْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَٰحِبِهِۦ لَا تَحْزَنْ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبة ۝٤٠] مَنْ هُمَا؟ قَالَ: ثُمَّ بَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعَهُ وَبَايَعَهُ النَّاسُ بَيْعَةً حَسَنَةً جَمِيلَةً .

ترجمہ: حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الموت میں بے ہوشی طاری ہوئی، پھر ہوش میں آئے تو پوچھا: کیا نماز کا وقت ہوگیا؟ صحابہ نے عرض کیا: ہاں! تو آپ نے فرمایا: بلال سے کہو کہ وہ اذان دیں اور ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ راوی فرماتے ہیں: پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر ہوش آیا تو فرمایا کہ: نماز کا وقت ہوگیا؟ صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: بلال سے کہو کہ اذان دیں اور ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر ہوش آیا تو فرمایا کہ: بلال سے کہو کہ: اذان دیں اور ابوبکر سے کہو کہ: وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: میرے والد نرم دل آدمی ہیں، جب اس جگہ (مصلے) پر کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں گے اور نماز نہ پڑھا سکیں گے، اگر آپ کسی اور کو حکم دیتے (تو بہتر ہوتا)۔ پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہوئی، اور جب ہوش آیا تو آپ نے فرمایا: بلال سے کہو کہ:

اذان دیں اور ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تم یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ والیوں جیسی ہو۔ راوی فرماتے ہیں: بلال کو حکم دیا گیا، انھوں نے اذان دی اور ابوبکر سے کہا گیا انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طبیعت میں کچھ ہلکا پن محسوس کیا، تو فرمایا کہ: دیکھو! کسی کو لاؤ! جسے ٹیک دے (کر مسجد جا) سکوں، چناں چہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور ایک دوسرے شخص (حضرت نُوبہ رضی اللہ عنہ) آئے، تو آپ نے ان دونوں کا سہارا لیا (اور مسجد میں تشریف لائے)، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی آمد محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو، چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (وہیں رہتے ہوئے) اپنی نماز پوری کی۔ پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔ (آپ کی وفات پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ: اللہ کی قسم! کسی کو مَیں یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ حضور کا انتقال ہو گیا تو اپنی اِس تلوار سے اُس کا سر اڑا دوں گا۔ راوی (سالم ابن عبید رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ: لوگ ناخواندہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کوئی نبی اُن میں نہیں آیا تھا؛ اس لیے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر) لوگ رُک گئے۔ صحابہ نے کہا: اے سالم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق (ابوبکر) کے پاس جائیے اور ان کو بلا لائیے۔ مَیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ (مقامِ سُنح کی) مسجد میں تشریف فرما تھے، میں ان کے پاس روتا ہوا گھبرایا ہوا حاضر ہوا، انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا: کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا؟ تو میں نے کہا کہ: عمر یوں کہہ رہے ہیں کہ: اگر میں کسی کو یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ حضور کا انتقال ہو گیا تو میری اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: چلو!، تو مَیں آپ کے ساتھ چل دیا۔ آپ تشریف لائے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے حجرہ) کے پاس جمع ہو چکے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: لوگو! مجھے راستہ دو، لوگوں نے آپ کو راستہ دیا، آپ اندر تشریف لائے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے چہرہ) کی طرف جھکے اور بوسہ دیا، اور یہ آیت پڑھی: انك ميت وانهم ميتون اے نبی! موت تمھیں بھی آنی ہے اور موت اُنھیں بھی آنی ہے۔

لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے یارِ رسول! کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا؟ کہا: جی ہاں! (راوی کہتے ہیں کہ:) لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آپ سچ فرما رہے ہیں (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر لوگوں کو اطمینان ہو گیا)۔ پھر سوال کیا کہ: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق! کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی؟ کہا: جی ہاں! پوچھا: کیسے پڑھیں گے؟ فرمایا: (حجرۂ شریفہ میں) کچھ لوگ جائیں گے، تکبیر کہیں گے، دعا پڑھیں گے اور درود پڑھیں گے، پھر وہ نکل آئیں گے؛ اور پھر دوسرے کچھ لوگ جائیں گے، تکبیر کہیں گے، درود پڑھیں گے اور دعا پڑھیں گے، پھر نکل آئیں گے، یہاں تک کہ سب لوگ (اسی طرح باری باری) جائیں گے (اور اپنی اپنی نماز پڑھ لیں گے)۔ پھر لوگوں نے پوچھا: اے مصاحبِ رسول! کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین ہوگی؟ فرمایا: جی ہاں!

پوچھا: کہاں؟ فرمایا: اُسی حجرہ میں جہاں حضور ﷺ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض فرمائی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نبی کی روح کو پاک جگہ ہی میں قبض کرتا ہے۔لوگوں کو یقین ہوگیا کہ آپ سچ فرمارہے ہیں۔پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے خاندان کے لوگ آپ کو غسل دیں گے۔

اور (ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ) مہاجرین مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور کہنے لگے: آؤ! ہم اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جاویں، اِس مشورہ میں اُن کو بھی شریک کریں، (چناں چہ یہ سب گئے، اور مشورہ کے دوران) انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: کون ہے جس کو اس طرح کی تین فضیلتیں حاصل ہیں؟ قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثَانِيَ ٱثۡنَيۡنِ إِذۡ هُمَا فِي ٱلۡغَارِ إِذۡ يَقُولُ لِصَٰحِبِهِۦ لَا تَحۡزَنۡ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَاۖ [التوبة۴۰] کہ دو میں کے دوسرے جب یہ دونوں غار میں پناہ لیے ہوئے تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے: گھبراؤ مت، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔(تم ہی بتاؤ) وہ دونوں کون ہیں؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور دوسرے لوگوں نے بھی ان کے ہاتھ پر بہ رضا و رغبت بیعت کی۔

افادات: أُغْمِيَ عَلَى رَسُولِ اللهِ: آپ ﷺ نے آخری نماز جمعرات کو مغرب کی پڑھائی، اور اس کے بعد جب عشاء کا وقت آیا تو پھر بیماری کی وجہ سے بے ہوشی کا دورہ پڑ گیا۔ پھر جب آپ ہوش میں آئے تو پوچھا نماز کا وقت ہوگیا؟ کہا: جی ہاں، پھر آپ نے نماز کی تیاری کے لیے غسل فرمایا؛ لیکن اٹھنے سے پہلے دوبارہ بے ہوشی ہوگئی، اس طرح دو تین مرتبہ ہوا۔

صَوَاحِبَاتُ يُوسُفَ: یعنی جیسے حضرت یوسف ؑ سے زلیخا نے ایک غلط چیز پر اصرار کیا تھا، تم بھی ان کو نماز نہ پڑھانے کا جو مطالبہ کررہے ہو وہ ایک غلط مطالبہ ہے، جس پر تم اصرار کررہی ہو۔

وَجَدَ خِفَّةً: لیکن یہ تخفیف اُس وقت نہیں ہوئی؛ بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمعرات کی عشاء سے نماز پڑھانا شروع کیا تھا، جمعہ کا دن بھی، سنیچر بھی، اتوار بھی۔ تو اتوار کو ظہر کے وقت آپ کو کچھ ہلکا پن محسوس ہوا۔

وَكَانَ النَّاسُ أُمِّيِّينَ إلخ: یعنی یہ کہ حضور ﷺ کی بعثت جن لوگوں میں ہوئی وہ پرانے انبیاء کی تاریخ سے واقف نہیں تھے، انبیاء کو بھی موت آئی ہے یہ ساری چیزیں ان کے علم میں نہیں تھی، کیوں کہ

اس سے پہلے کوئی نبی ان کے اندر آیا نہیں تھا؛ اس لیے ان چیزوں سے پورے طور پر واقف نہیں تھے۔

فَادْعُهُ: جیسا کہ بتلایا تھا کہ پیر کے روز فجر کی نماز کے بعد حضور ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ ٹھیک دیکھ کر حضرت ابوبکر اپنی دوسری بیوی: حبیبہ بنتِ خارجہ کے مکان پر تشریف لے گئے تھے۔

قُلْتُ: إِنَّ عُمَرَ يَقُولُ: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے وہاں بھی بولنے سے بچ رہے ہیں، کہ حضور ﷺ کا انتقال ہوگیا۔

أَنْ يَغْسِلَهُ بَنُو أَبِيهِ: چناں چہ پہلے بتلایا جا چکا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادے کروٹیں بدلوا رہے تھے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت شُقران رضی اللہ عنہ پانی ڈال رہے تھے۔

إِلَى إِخْوانِنَا مِنَ الْأَنْصَارِ: وہاں ثقیفۂ بنوساعدہ میں انصار جمع ہوئے تھے۔

مَنْ لَهُ مِثْلُ هَذِهِ الثَّلَاثِ إلخ: قرآن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''دو میں کا دوسرا'' کہا گیا ہے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ''صحبت'' کا ثبوت قرآن میں ہے، اور ''اللہ کی معیت''؛ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں بہ موجبِ قرآن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں۔

٣٨٥ - أَخْبَرَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، شَيْخٌ بَاهِلِيٌّ قَدِيمٌ بَصْرِيٌّ، أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ كَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ، قَالَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: وَاكَرْبَاهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا كَرْبَ عَلَى أَبِيكِ بَعْدَ الْيَوْمِ، إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَبِيكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَحَدًا الْمُوافَاةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب نبیٔ کریم ﷺ نے موت کی سختی محسوس کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی: ہائے میرے ابا کی تکلیف! یہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تمھارے والد کو کوئی تکلیف نہ ہوگی، بے شک! آج تمھارے ابا پر وہ اٹل چیز (یعنی موت) آئی ہے جو قیامت تک کسی سے ٹلنے والی نہیں ہے، اب قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔

افادات: قَالَتْ فَاطِمَةُ: یہ پیر کے دن کا واقعہ ہے جب موت کی حالت قریب ہوئی۔

وَاكَرْبَاهُ: عربی زبان میں یہ لفظ اظہارِ افسوس کے لیے بولا جاتا ہے، گویا نبیٔ کریم ﷺ – جو

آپ کے والدِ بزرگوار تھے- کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی تھی، تو اس پر ان الفاظ کے ذریعہ سے اپنے رنج کا اظہار مقصود ہے۔ چناں چہ یہی روایت بخاری شریف میں بھی ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب بیماری کی شدت بڑھ گئی، تو آپ پر بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تکلیف کو دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بے چین ہو کر کہنے لگی: ہائے میرے ابا کی تکلیف! اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بس یہ آخری تکلیف ہے، آج کے بعد تمھارے ابا پر اَور کوئی تکلیف آنے والی نہیں ہے۔

اَلْمُوافَاةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: یہ آخری ملاقات ہے، اب آئندہ ملاقات قیامت کے روز ہوگی۔ بخاری شریف کی روایت میں آگے ہے کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی: ہائے میرے ابا! کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی اس دعوت پر -یعنی اللہ نے اپنے یہاں بلایا- لبیک کہا، ہائے میرے ابا! کہ جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ ہے۔ ہائے میرے ابا! حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنے ابا کی موت کی خبر دے رہے ہیں۔ بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے -جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص تھے، دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور خدمت کی- کہا کہ: اے انس! تمھارے جی نے یہ بات کیسے گوارا کی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر مٹی ڈالو یعنی دفن کردو! حضرت انس رضی اللہ عنہ خاموش رہے، گویا کہنا چاہتے تھے کہ اللہ کا حکم تھا اس کو پورا کرنا ہی تھا۔

بہرحال! یہ آپ کی وفات سے تعلق رکھنے والی چیز ہے؛ اسی لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو یہاں ذکر کیا۔

٣٨٦ - حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ أَبُو الْخَطَّابِ، وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الجَهْضَمِيُّ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ بَارِقٍ الْحَنَفِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ جَدِّي أَبَا أُمِّي سِمَاكَ بْنَ الْوَلِيدِ، يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ! قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: فَأَنَا فَرَطٌ لِأُمَّتِي، لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں جس کے دو پیش رَو/میرِ منزل (یعنی بچّے وفات پا کر ذخیرۂ آخرت بن چکے) ہوں اللہ اُسے ان کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا، اِس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ: آپ کی امت میں سے جس کا ایک ہی پیش رَو ہو تو؟ تو آپ نے فرمایا: جس کا ایک ہی پیش رَو ہوا اُسے بھی، اے توفیق یافتہ خاتون! پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ کی امت میں سے جس کا کوئی پیش رَو ہی نہ ہو اُس کا کیا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کا پیش رَو ہوں، میری موت سے بڑھ کر (میری امت کے حق میں) اَور کوئی صدمہ نہیں ہے۔

افادات: سَمِعَ رَسُولَ اللہ ﷺ: یہ ان روایتوں میں سے ہیں جن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے براہِ راست نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔

فرط: عربی زبان میں اس آدمی یا اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی قافلہ سے پہلے آگے چلے جاتے ہیں، قافلہ کو جہاں پڑاؤ ڈالنا ہوتا ہے، قافلہ کے وہاں پہنچنے سے پہلے کچھ لوگوں کو وہاں بھیج دیا جاتا ہے؛ تاکہ یہ لوگ ان کے آنے سے پہلے ان کے قیام اور پانی وغیرہ کا انتظام کرے۔ آج کل تو سب پہلے سے فون کر دیتے ہیں، بکنگ کروا دیتے ہیں، پہلے ایسا نہیں تھا۔ یہ بچے ماں باپ سے پہلے آخرت میں ماں باپ کے لیے جنت میں انتظام کر دیں گے۔ بڑے مبارک ہیں وہ لوگ جن کے بچے اس طرح بچپن میں انتقال کر گئے۔ اس میں آدمی کے اپنے عمل کو دخل بھی نہیں ہے، کوئی ریاکاری کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، اپنا عمل ہے ہی نہیں، مفت میں ہے۔

أَدْخَلَهُ اللهُ تَعَالَى بِهِمَا الْجَنَّةَ: یہ ایک بشارت ہے جو نابالغ بچوں کے انتقال پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی، بخاری میں بھی موجود ہے کہ: ایک مرتبہ عورتوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ: اللہ کے رسول! مرد حضرات آپ کی مجلسوں کو لے اڑے یعنی آپ کی مجلس میں حاضری کا ان کو موقع ملتا ہے، پردہ اور حجاب کی وجہ سے ہم تو حاضر نہیں ہو سکتیں، تو سارا فائدہ وہی اٹھا رہے ہیں، آپ ہمارے لیے ایک دن مقرر کیجیے کہ آپ اس دن ہمارے پاس تشریف لا کر ہمیں کچھ فرما دیجیے، چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن مقرر فرما دیا، اُس دن جب آپ تشریف لائے تو اس وقت آپ نے جو باتیں ارشاد فرمائی، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ: جس عورت کے تین بچے نابالغ انتقال کر گئے اللہ ان بچوں کی

وجہ سے اس کو جنت میں داخل کرے گا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ: وہ جہنم میں نہیں جائیں گے؛ مگر قسم کو پورا کرنے کے لیے۔ قرآن پاک میں چوں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾﴾ [مریم] جہنم کے اوپر پل لگایا جائے گا جس کو "پل صراط" کہتے ہیں، اس کے متعلق باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تم میں سے ہر ایک کو اس پل کے اوپر سے گذرنا ہے، یہ ایک ضروری چیز ہے جو اللہ نے اپنے اوپر لازم کی ہے؛ گویا اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ ہر انسان کو اس کے اوپر سے گذرنا ہوگا۔ اب گذرنے والے اپنے اپنے اعمال کے حساب سے اس کے اوپر سے گذریں گے: بہت سے وہ ہوں گے جو کوندتی ہوئی بجلی کی طرح گذر جائیں گے، بعض تیز ہوا کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض دوڑتے ہوئے آدمی کی طرح، بعض گرتے پڑتے بہر حال پار کر جائیں گے، اور بعض وہ ہوں گے جو کٹ کر جہنم میں گریں گے، جہنم ان کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔ جس کے تین بچے انتقال کر گئے ہوں ان کے متعلق نبیٔ کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: وہ جہنم میں نہیں جائے گا، بس اس کو گذرنا ہے۔ چوں کہ اللہ کا یہ فیصلہ ہے، اس فیصلہ پر عمل تو ہونا ہی ہے، ورنہ جہنم سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بہر حال! اس مجلس میں جب نبیٔ کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، تو ایک عورت نے سوال کیا: اگر کسی کے دو بچے انتقال کر گئے ہوں تو؟ فرمایا: وہ بھی جنت میں جائے گا۔ گویا ایسے نابالغ بچے جن کی محبت ماں باپ کے دلوں میں گھر کی ہوئی ہوتی ہے، ان کی وفات پر جو صبر کیا اس پر اللہ ان کو جنت دے گا۔

فَقَالَتْ عَائِشَةُ: اللہ جزائے خیر دے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو، کہ انھوں نے امت کے لیے آسانی کر دی۔

یامؤفقة: یعنی وہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سوال کرنے کی توفیق دی گئی، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے بشارت میں اضافہ ہوگیا۔ اس جملہ کو فرما کر حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مزید آگے پوچھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي: یعنی آدمی کو میری وفات کا جو غم پہنچا ہوگا، ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو

اور امتیوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت وتعلق اور عشق ہے، اس کے پیشِ نظر آپ کی وفات کا غم اس سے کہیں زیادہ ہے جو اس کی اولاد کے فوت ہونے پر ہوتا ہے، جب اولاد کے فوت ہونے پر غم اور مصیبت برداشت کرنے کی وجہ سے جنت میں بھیجا جائے گا، تو میری امت جب میری وفات کا غم برداشت کرے گی تو میرا جانا بھی ان کے حق میں ذخیرۂ آخرت ہوگا۔ مبارک ہے وہ امت جس کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں جا کر تیاری کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہوگی تو یہ چیز دل میں محسوس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

حاشیہ میں محشی نے عجیب بات بیان کی ہے، جو سنن ابن ماجہ کے حوالہ سے ہے کہ میری امت کو میری موت کی وجہ سے جو غم پہنچا ہے، کسی اَور کی وجہ سے اتنا غم نہیں پہنچا؛ اس لیے میرا وجود اس کے لیے گویا ذخیرۂ آخرت ہے۔ اور حافظ ابن رجب حنبلی نے ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں لکھا ہے، ابو الجوزاء کہتے ہیں کہ: مدینہ والوں کا دستور یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی، تو دوسرا آدمی اس کے پاس آ کر اس سے مصافحہ کر کے کہتا تھا کہ: اے اللہ کے بندہ! اللہ پر بھروسہ کر، کہ تمھارے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت میں بڑا عمدہ نمونہ ہے۔ پھر آگے یہ شعر پڑھتا تھا:

اصبر بكل مصيبة وتجلد	*	واعلم بان المرء غير مخلد

مصیبت پر صبر کرو اور ہمت سے کام لو، اور یہ جان لو کوئی بھی آدمی دنیا میں ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔

واصبر كما صبر الكرام فإنها	*	نُوَبٌ تنوب اليوم تكشف في غد

اور جیسے اللہ کے شریف بندے صبر کرتے چلے آئے تم بھی صبر کرو؛ اس لیے کہ یہ تو ایک مصیبت ہے۔

نوبٌ نابة کی جمع ہے، یعنی جو چیز بار بار آتی ہو۔ مصیبت بھی آج آتی ہے کل ختم ہو جائے گی۔

واذا اتتك مصيبة تشجى بها	*	فاذكر مصابك بالنبى محمد

اور جب تیرے اوپر کوئی مصیبت آئے تو تو یاد کر اس مصیبت کو جو تجھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت پہنچی تھی۔ اس طرح وہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کو تسلی دیتے تھے۔

۵۵ - بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

نبیٔ کریم ﷺ کی میراث کا بیان

افادات: حضور ﷺ نے اپنے پیچھے جو مال چھوڑا اس میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ تو جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں آگے روایت پیش کریں گے، کہ نبیٔ کریم ﷺ بہ وقتِ وفات اپنے پیچھے جو مال چھوڑ گئے اس میں میراث جاری نہیں ہوگی، وہ پوری امت کے لیے صدقہ ہے، نبیٔ کریم ﷺ کی طرف سے آپ کے ورثاء پر تقسیم نہیں ہوگا۔ اہلِ سنت والجماعت کے علماء کا اس پر اجماع ہے۔

اب یہاں ایک سوال ہے کہ: وراثت کا جاری نہ ہونا تمام انبیاء کے لیے تھا یا صرف آپ ﷺ کے لیے خاص تھا؟ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ یہ تمام انبیاء کے لیے ہے؛ اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، جس طرح زندہ آدمی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی اسی طرح انبیاء کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوگی۔ اسی لیے نبیٔ کریم ﷺ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا، جیسا کہ زندہ آدمی کی بیوی کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔

۳۸۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَخْبَرَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، أَخِي جُوَيْرِيَةَ لَهُ صُحْبَةٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً .

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے بھائی، صحابیٔ رسول: حضرت عمرو ابن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی وفات کے بعد ہتھیار، خچر اور کچھ زمین - جسے آپ امت کے لیے صدقہ (وقف) کر گئے تھے - کے علاوہ کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

افادات: سِلَاحَهُ: ہتھیار: یہاں ہتھیاروں کا تذکرہ ہے یعنی جو ہتھیار نبیٔ کریم ﷺ کے استعمال میں تھا۔

بَغْلَتَهُ: سفید خچر، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے، کہ آپ ﷺ اپنے پیچھے

''دُلدُل''نامی سفید خچر چھوڑ گئے،اور بھی بہت سارے خچر تھے؛لیکن آپ کی وفات کے وقت یہ آپ کے پاس موجود تھا۔

وَأَرْضًا: زمینیں: [۱] فدک، یہ خیبر کے قریب ایک علاقہ ہے، وہاں کی آدھی زمین آپ کی ملکیت میں تھی۔[۲] وادی القریٰ، یہ بھی ایک علاقہ ہے، وہاں کی ایک تہائی زمین آپ کے پاس تھی۔ [۳] خیبر کے خمس سے جو زمین آپ کو ملی تھی۔[۴] بنونضیر- جو مدینہ میں آباد تھے- کی جو زمینیں خالی کروائی تھیں، اس میں آپ ﷺ کے حصے میں جو زمین آئی تھی۔ یہ چار قسم کی زمین آپ ﷺ کی ملکیت میں تھی۔

آپ ﷺ کے استعمال میں جو کپڑے اور گھر کا سامان تھا وہ بھی آپ کے پیچھے ترکہ میں تھا؛لیکن چوں کہ یہ معمولی چیز تھی؛اس لیے انھوں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

جَعَلَهَا صَدَقَةً: یعنی اس میں آپ کے وارثوں کا حصہ نہیں ہوگا؛ بلکہ امت کے حق میں وہ استعمال ہوتی رہے گی، جیسا کہ وقف کا مال ہوتا ہے، جس کا فائدہ ان کو ہوتا ہے جن کے لیے وقف ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ہے۔

٣٨٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَتْ: مَنْ يَرِثُكَ؟ فَقَالَ: أَهْلِي وَوَلَدِي، فَقَالَتْ: مَا لِي لَا أَرِثُ أَبِي؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: لَا نُورَثُ، وَلَكِنِّي أَعُولُ مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعُولُهُ، وَأُنْفِقُ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا: آپ کی وفات کے بعد آپ کا وارث کون ہوگا؟ انھوں نے کہا: میرے گھر والے اور میری اولاد، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر کیا وجہ ہے میں اپنے باپ کی وارث نہ بنوں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبیِ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا؛ (پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:) لیکن رسول اللہ ﷺ جس کی کفالت کرتے تھے مَیں بھی اس کی کفالت کروں گا، اور آپ جس پر خرچ کرتے تھے مَیں بھی اُس پر خرچ کروں گا۔

افادات: جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ: آپ ﷺ کی میراث میں ہتھیار، خچر اور زمینیں تھیں جو آپ ﷺ کے تصرف میں آتی تھیں، ان سے جو آمدنی ہوتی تھی اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، نبیٔ کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کا نفقہ سال بھر کا اناج وغیرہ یک بارگی عنایت فرمادیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے جو دوسرے اعزہ تھے ان کو بھی دیتے تھے، اور آنے والے مہمانوں پر بھی خرچ کرتے تھے، اور پھر بچا ہوا مسلمانوں کی ضرورتوں میں استعمال ہوتا تھا۔ جب نبیٔ کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کی زمینیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تصرف میں تھیں ان کا مسئلہ اٹھا، چناں چہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اور حضور ﷺ کے چچا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرات ازواجِ مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجے، یہ سب چاہتے تھے کہ اس جائیداد میں ان کو بھی حصہ ملے، اس سلسلہ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات چیت ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے خود نبیٔ کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ہمارے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ ہمارے مال سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام کے مال میں، یعنی اس میں میراث نہیں ملے گی، ہم جو مال چھوڑ کر جاتے ہیں وہ تمام مسلمانوں کے لیے صدقہ ہے، اور اس کی آمدنی ان پر استعمال ہوگی۔ یہ فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میراث تقسیم کرنے سے انکار کردیا، اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں جن جن رشتہ داروں کا روزینہ مقرر کیا تھا حضور ﷺ کے دستور کے موافق اس مال کی آمدنی سے ان کا روزینہ ادا کرتا رہوں گا، گویا ان کی ضرورتوں کی تکمیل میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی وہ دیا جاتا رہے گا۔ بہر حال! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ یہ تھا کہ مجھے میرے ابا کی میراث میں سے کچھ ملے، پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھی کہ شاید یہ ممانعت اس لیے ہوگی کہ نبیٔ کریم ﷺ جہاں نبی تھے وہاں آپ حاکمِ وقت بھی تھے، شاید بوجہِ حکمران کے یہ مسئلہ جاری ہوا، اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جانشین کے طور پر حکمران مقرر ہوئے؛ اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

مَنْ يَرِثُكَ؟: گویا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یوں سمجھی کہ میرے ابا حکمران تھے، تو ان کے مال میں میراث جاری نہیں ہوئی، تو یہ بھی حکمران ہیں ان کے مال میں بھی میراث جاری نہیں ہوگی۔

لَا نُورَثُ: یعنی آپ کو میراث کا نہ ملنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمرانی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ آپ کے نبی ہونے کی حیثیت سے ہے اور نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔ یہاں ہمارا بول کر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اپنی ذاتِ بابرکت مراد لی، یا جمع کا صیغہ استعمال کر کے تمام انبیاء کا جو حکم تھا وہ بیان فرمایا۔

وَلَكِنِّي أَعُولُ إلخ: یعنی ازواج مطہرات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کے لیے جو جو وظیفہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر کیا تھا میں اسی کے مطابق ادا کرتا رہوں گا۔

۳۸۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ الْعَنْبَرِيُّ أَبُو غَسَّانَ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ، أَنَّ الْعَبَّاسَ وَعَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، جَاءَا إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَخْتَصِمَانِ يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ: أَنْتَ كَذَا، أَنْتَ كَذَا، فَقَالَ عُمَرُ، لِطَلْحَةَ، وَالزُّبَيْرِ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَسَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ: نَشَدْتُكُمْ بِاللهِ! أَسَمِعْتُمْ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ، إِلَّا مَا أَطْعَمَهُ، إِنَّا لَا نُورَثُ؟ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو البختری کہتے ہیں کہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہ دونوں بحث کر رہے تھے اور ہر کوئی ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ: تم ایسے ہو، تم ایسے ہو (یعنی انتظام کے قابل نہیں ہو)۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ، زبیر، عبد الرحمن بن عوف، اور سعد رضی اللہ عنہم سے پوچھا: میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات نہیں سنی کہ نبی کا پورا مال صدقہ ہوتا ہے، بجز اس کے جو وہ اپنے اہل کو کھلائے، ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا؟ اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

افادات: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عنوان قائم کیا تھا کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کا کیا حکم ہے؟ اس روایت کے ذریعہ اس کا حکم بتلانا چاہتے ہیں۔

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ: اس سلسلہ میں ایک مختصر واقعہ پیش آیا ہے، اس میں اشارہ دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں جو زمینیں آپ کے استعمال اور تصرف میں آتی تھیں اور اس کی آمدنی آپ وصول کر کے خرچ کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر مطالبہ کیا تھا، تو انھیں بتایا گیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانشین مقرر ہوئے، یہ حضرات پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ سوچ کر گئے کہ شاید ان کی رائے اور نظریہ کچھ اَور ہو؛ مگر اُنھوں نے وہی جواب دیا اور انھوں نے بھی وہی نظام اختیار کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حکومت کا سلسلہ پھیل گیا تھا، بہت سارے علاقے فتح ہو کر اسلامی حکومت میں آ گئے تھے؛ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داریاں اور کام کاج بڑھ گیا، تو انھوں نے اپنی خلافت کے چند سالوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلا کر یوں کہا کہ: دیکھو! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی جو زمینیں ہیں جن کا مَیں اُسی طرح نظم کرتا ہوں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے، اور اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کرتے تھے، اگر آپ لوگ اسی طرح نظم کرتے ہو تو یہ زمینیں مَیں تمھارے حوالہ کر دوں، اس پر انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، قسم دے کر ان کو یہ بات پوچھی اور انھوں نے منظور کیا۔

اب ان کے انتظام میں آنے کے بعد یہ ہوا کہ دو آدمی جب کسی چیز کے منتظم ہوتے ہیں تو رائے اور سوچ میں اختلاف ہوتا ہے، خاص کر ایسی چیزیں جو مشترک ہوتی ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کے جو وظیفے تھے وہ تو متعین تھے ہی اور دیے جاتے تھے، اَور بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی متعین کردہ مصارف میں خرچ کیا جاتا؛ لیکن نیکی کے کام میں خرچ کرنا ایک عام مفہوم ہے جس کے الگ الگ مصارف ہو سکتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان اس آمدنی کے خرچ کے سلسلہ میں اختلاف ہونے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزاج یہ تھا کہ اپنی بات منوا کر اسی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی رائے سے اتفاق نہیں تھا، کچھ دنوں تک ان کا یہ آپس کا جھگڑا چلا، ان لوگوں نے سوچا کہ ہم اس طرح جھگڑتے ہیں اس کے بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یوں کہہ دیں کہ: یہ زمینیں آپ نے ہم کو مشترکہ طور پر انتظام کے لیے دی ہے، اس کے بجائے آپ آدھی آدھی ہم کو بانٹ دیں، ہر ایک اپنے طور پر اپنا انتظام کرے گا۔ یہ سوچ کر اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، اور اپنی اس رائے پر عمل کروانے کے لیے پہلے ہی سے حضرات عشرۂ مبشرہ میں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ،

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی جا کر ملے تھے، کہ تم لوگ امیر المؤمنین کے پاس جاؤ، ہم اپنا کیس لے کر آئیں گے تو تم ذرا ہماری سفارش بھی کر دینا اور یہ معاملہ نمٹا دینا۔ چناں چہ یہ حضرات وہاں ابھی بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں یہ دونوں حضرات پہنچے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان نے اندر جا کر کہا کہ: یہ آئے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ان کو بلا لو، اور آتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے، کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور وہ ایسا کرتے ہیں۔ ان کے کہنے کا حاصل یہ تھا کہ: یہ زمینیں آدھی آدھی بانٹ دو؛ تا کہ وہ ان کا کرے اور یہ اپنا کرے۔ جب انھوں نے یہ بات کہی تو حضرات عشرۂ مبشرہ میں سے چاروں - جو پہلے وہاں جا کر بیٹھے تھے - نے کہا: ٹھیک ہے، امیر المؤمنین! ان کا جھگڑا ختم کر لو، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو چوکنے ہو کر بیٹھ گئے، وہ بانٹنا نہیں چاہتے تھے؛ کیوں کہ اگر بانٹیں گے تو لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ انھوں نے ان کے درمیان تقسیم کر لی، حالاں کہ یہ بانٹنا مالکانہ حیثیت سے نہیں تھا؛ بلکہ صرف انتظام کی حیثیت سے تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے: اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چاروں سے یہ اقرار کروایا کہ تم نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ: ہمارے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی؟ پھر ان دونوں سے اقرار لیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے کا پورا قصہ بیان نہیں کیا ہے، بس اتنا ذکر کر کے ختم کر دیا ہے؛ کیوں کہ باب کا عنوان اس بات سے پورا ہو جاتا ہے؛ البتہ بخاری شریف میں پورا قصہ تفصیل سے موجود ہے۔

اب آگے کا قصہ سنو! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے یوں کہا کہ: دیکھو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تم دونوں گئے تھے؛ لیکن انھوں نے اس کے دینے سے انکار کیا تھا، اب ان کے انتقال کے بعد میرے پاس حکومت آئی، میں نے شروع سالوں میں اس کا انتظام کیا؛ لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ تمھارے ہاتھ میں اس کا انتظام دیا جائے، اور تم کو بلا کر قسم دے کر کہا تھا کہ: جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد میں نے اپنے ابتدائی سالوں میں چلایا، تم بھی اسی طرح چلاتے ہو تو تمھارے ہاتھ میں دوں،

اور آج تم آ کر تقسیم کو کہتے ہو! اگر تم سے ہوسکتا ہے تو کرو؛ ورنہ میں لے لیتا ہوں؛ لیکن میں بانٹوں گا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ ان کو سنا دیا۔

٣٩٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔

افادات: مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ: یعنی صدقہ جہاں خرچ کیا جاتا ہے وہاں خرچ کیا جائے گا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کے مسئلہ کی وضاحت کے لیے اس روایت کو پیش فرمایا۔

٣٩١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: میرے ورثاء دینار و درہم تقسیم نہ کریں، میرے ترکہ سے اہل و عیال کا نفقہ اور (جائیداد کا اہتمام کرنے والے) عامل کا خرچ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔

افادات: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہ وقتِ وفات جو زمینیں تھیں، جو آپ کی مملوکہ سمجھی جاتی تھیں، ان کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہدایت ارشاد فرمائی، اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ میرے بعد میرے چھوڑے ہوئے مال میں سے کوئی درہم اور دینار وُرثاء میں بطور وراثت کے تقسیم نہیں کیا جائے گا؛ البتہ میں جو زمینیں چھوڑ گیا ہوں، ان کی جو کچھ بھی آمدنی اور پیداوار ہوگی، اس میں سے میری بیویوں کا اور زمینوں کا انتظام سنبھالنے والے آدمی - چاہے آپ کے بعد آنے والے آپ کے جانشین اور خلفا ہوں یا جن کے حوالے ان زمینوں کا نظم و نسق کیا گیا ہو - کا خرچہ نکالنے کے بعد جو بھی بچے گا، وہ امت کے لیے صدقہ ہے۔

مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ إلخ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ جس طرح نظم کیا تھا، میں بھی اس آمدنی کا اسی طرح نظم کروں گا۔

٣٩٢ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَطَلْحَةُ، وَسَعْدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَجَاءَ عَلِيٌّ، وَالْعَبَّاسُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، يَخْتَصِمَانِ، فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ، فَقَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ، وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ .

ترجمہ: حضرت مالک بن اوس ابن حدثان فرماتے ہیں کہ: مَیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم بھی حاضر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بحث کرتے ہوئے تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: میں تم کو قسم دیتا ہوں اُس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہے، کیا تم کو معلوم ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ: ہم (انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ مال چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے؟ ان سب حضرات نے عرض کیا کہ: ہاں! ایسا ہی ہے۔ اس حدیث میں ایک لمبا قصہ ہے۔

افادات: يَخْتَصِمَانِ: یہ دونوں ان زمینوں کے بارے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑی تھیں، اور جن کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حوالہ کیا تھا اسی سلسلہ میں آپس میں جھگڑ رہے تھے، اور ہر ایک ان میں سے ایک دوسرے کو اس کے نظم کا نااہل بتلا رہا تھا، اور ان کی خواہش یہ تھی کہ زمین کے نظم کو تقسیم کر دیا جائے، حضرات عشرۂ مبشرہ میں سے جو موجود تھے انھوں نے بھی اِن کی سفارش کی، کہ ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ یہ قصہ تفصیل سے پہلے گذر چکا ہے۔

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ: چوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس قصہ کو پیش کرنا نہیں ہے؛ بلکہ جو باب انھوں نے باندھا تھا اس کا مقصد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کا شرعی اعتبار سے حکم بتلانا تھا؛ اس لیے وہ قصہ انھوں نے چھوڑ دیا۔

بہر حال! اوپر گذر چکا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے اس مطالبہ کو منظور نہیں کیا، اور فرمایا کہ: اگر تم نہیں سنبھال سکتے ہو تو میرے حوالہ کر دو، میں سنبھال لوں گا، پھر وہ حضرات واپس چلے گئے۔ بعد میں یہ ہوا کہ ان کے آپس میں مزاج کی ناموافقت کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ یکسو ہو کر بیٹھ گئے، اور ان زمینوں کے سلسلہ میں انھوں نے دخل دینا چھوڑ دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے انتظام میں آئی، ان کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے انتظام میں آئی، ان کے بعد حضرت علی بن حسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے انتظام میں آئی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے، دونوں باری باری یہ سلسلہ آگے بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ جب بنو عباس کے ہاتھ میں حکومت آئی، تو خلفائے بنو عباس نے یہ ساری جائیداد اپنی تحویل میں لے لی، اور پھر انہی کے پاس رہی۔

٣٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ ابْنِ بَهْدَلَةَ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيرًا، قَالَ: وَأَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے نہ تو کوئی دینار چھوڑا اور نہ کوئی درہم، اور نہ بکری چھوڑی اور نہ اونٹ۔ سند میں آنے والے ایک راوی کو شک ہو گیا کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غلام اور باندی کی بھی نفی کی یا نہیں کی۔

افادات: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دِينَارًا: جیسا کہ پہلے بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ کے بیان میں آچکا کہ بہ وقتِ وفات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی، آپ کے گھر والوں کے نفقہ کے لیے آپ کو اناج غلہ وغیرہ خریدنا پڑتا تھا، اُس وقت اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے آپ کے پاس پیسے نہیں تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ زرہ گروی رکھی ہوئی تھی۔

وَأَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ: لیکن مسلم شریف کی روایت میں صراحت ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے کوئی غلام اور باندی بھی نہیں چھوڑی۔ سیرت کی کتابوں میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام اور باندیوں کا تذکرہ ہے وہ سب وہ ہیں جن کو وفات سے پہلے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آزاد کر چکے تھے؛ مگر چوں کہ

وہ کسی زمانہ میں حضور ﷺ کی ملکیت میں رہے تھے، اس اعتبار سے سیرت نگاروں نے ان کا تذکرہ کتابوں میں کیا ہے؛ ورنہ بوقتِ وفات آپ کی ملکیت میں نہ دینار تھا نہ درہم، نہ بکری تھی نہ اونٹ، نہ غلام تھا نہ باندی؛ بلکہ استعمال کے کپڑے، کچھ برتن اور ایک خچر جس پر آپ سوار ہوتے تھے، اور وہ زمینیں جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا۔

٥٦ - بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْمَنَامِ

نبیٔ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کرنے کا بیان

افادات: یہ آخری باب ہے جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں قائم کیا ہے۔ کون مسلمان بہ حیثیت مسلمان ایسا ہوگا جس کو یہ تمنا نہ ہو کہ نبیٔ کریم ﷺ کو اپنی ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، تو خواب ہی میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی زیارت کرادے؟ نہیں؛ بلکہ ہر مؤمن کی یہ تمنا ہوتی ہے؛ البتہ اس سلسلہ میں حضرات علماء نے لکھا ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کے اسباب میں تین چیزیں بڑی مؤثر ہیں:

(۱) نبیٔ کریم ﷺ کی محبت، جتنی زیادہ محبت اور آپ کے ساتھ عشق اور وابستگی کا تعلق ہوگا اتنا ہی زیادہ یہ سبب بننے میں مؤثر ہوگا۔

(۲) نبیٔ کریم ﷺ کی سنتوں کی پیروی، جتنی زیادہ پیروی کرے گا توقع ہے کہ خواب میں زیارت نصیب ہوگی۔

(۳) درود شریف کی کثرت، جتنا زیادہ درود شریف پڑھے گا امید ہے کہ اس کو یہ سعادت حاصل ہو۔

علماء نے ان تینوں چیزوں کو اسباب کے طور پر ذکر کیا ہے، ویسے خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کی زیارت حاصل کرنے کے لیے کچھ اعمال بھی بزرگوں نے اپنے تجربے سے لکھے ہیں کہ: فلاں انسان نے فلاں درود شریف اتنی مرتبہ پڑھا اور دعا کی تو آپ ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی، فضائل درود میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے، اور مشائخ کے حوالے سے چند چیزیں

ذکر کی ہے؛ لیکن اصل تو یہ ہے کہ ایک آدمی مخصوص عمل کر کے اس طرح حضور ﷺ کی زیارت کرے، اس کے بجائے نبیٔ کریم ﷺ کی سنت کی پیروی اور اتباع کا اہتمام کرے، اور خود نبیٔ کریم ﷺ ہی تشریف لا کر زیارت کرائیں یہ اصل چیز ہے۔ اسی طرح درود شریف کا اہتمام کرے، یہی وہ چیز ہے جس کے نتیجے میں نبیٔ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوسکتی ہے۔ اس کے باوجود نہ ہو تو پریشان اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہونا ایک موہوب اور غیر اختیاری چیز ہے، اس میں بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے اس کو نوازتے ہیں۔

٣٩٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھ ہی کو دیکھا؛ اس لیے کہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔

افادات: فَقَدْ رَآنِي: بعض حضرات نے اس کو تشبیہ اور تمثیل پر محمول کیا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا گویا کہ اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اگر یہ خواب نبیٔ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اور آپ کے دورِ مسعود میں دیکھا تو اس کے لیے یہ بشارت ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح بڑی عجیب وغریب کی ہے، چوں کہ حدیث پاک میں آتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ: جو آدمی حج کرے اور میری قبر کی زیارت کرے، وہ ایسا ہے جیسا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی، گویا نبیٔ کریم ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کو نبیٔ کریم ﷺ نے حیاتِ طیبہ میں اپنی زیارت کے برابر فرمادیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں کہ: جس نے خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کو دیکھا گویا اس کے لیے یہ بشارت ہے کہ قبرِ اطہر کی زیارت اس کو نصیب ہوگی۔

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي: اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ قدرت نہیں دی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شکل میں آسکے، یوں تو اس کو بہت ساری قدرتیں دی گئی ہیں؛ لیکن اس کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ

حضور ﷺ کی شکل وصورت میں اپنے آپ کو پیش کر سکے، یعنی کسی خواب دیکھنے والے کو خواب میں اس طرح نظر آئے اور یوں کہے کہ: میں حضور ہوں، یہ نہیں ہوسکتا۔ یا خواب دیکھنے والا خواب میں اس کو دیکھ کر یوں سمجھے کہ: یہ نبیٔ کریم ﷺ ہیں، یہ ناممکن ہے۔ اس کی وجہ حضراتِ علمائے کرام نے یوں بتلائی کہ، اللہ تعالیٰ کی دو شانیں ہیں: ہدایت دینے والے بھی اللہ ہی ہیں، اور گمراہ کرنے والے بھی اللہ، اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے، قرآن میں یہ مضمون صراحتاً موجود ہے۔ اب نبیٔ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت کا مظہر ہیں، اور شیطان اللہ تعالیٰ کی صفتِ ضلالت کا مظہر ہے، اور دونوں میں تضاد ہے، اب جو ذات صفت ہدایت کی مظہر ہو تو شیطان - جو صفت ضلالت کا مظہر ہے- اس کی شکل کیسے اختیار کرسکتا ہے! علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ: شیطان خواب میں کسی کو یہ کہہ کر تو دھوکہ دے سکتا ہے کہ: میں خدا ہوں، اور بہت سے بندوں کو اس نے دھوکا دے کر گمراہ کیا ہے، ایسے واقعات اہل اللہ کے ساتھ پیش آئے ہیں؛ مگر وہ یہ کہہ کر دھوکا نہیں دے سکتا کہ میں نبی ہوں۔

حضرت پیرانِ پیر شاہ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ: ایک مرتبہ بادل سا آیا، پانی برسا، پیاس تھی، اور ایک چمک سی ہوئی، کہا کہ: میں تمھارا رب ہوں، اور تمھارے اوپر سے سارے احکام میں نے معاف کر دیے، انھوں نے فوراً اس کے جواب میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا، کہ شریعت تو نبی سے بھی معاف نہیں، میں کون ہوں کہ میرے اوپر سے معاف ہوگئی! وہ بادل فوراً غائب ہوگیا؛ کیوں کہ وہ شیطان تھا، اس نے کہا: تمھارے علم نے تم کو بچا لیا، دوسرا وار کیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: میرے علم نے نہیں؛ اللہ کے فضل نے مجھ کو بچایا۔

۳۹۵ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَا: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَصَوَّرُ، أَوْ قَالَ: لَا يَتَشَبَّهُ بِي .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی خواب میں دیکھا؛ اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ یا فرمایا: میری مشابہت اختیار نہیں کرسکتا۔

افادات: فَقَدْ رَآنِي: یعنی اس کا یہ خواب سچا خواب ہے، یہ کوئی وہم اور گمان اور شیطان کی دخل اندازی نہیں ہے۔

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَصَوَّرُ: جس طرح شیطان، نبیٔ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کی شکل اختیار نہیں کرسکتا، اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی خواب میں وہ اپنے آپ کو نبیٔ کریم ﷺ کی شکل میں ظاہر نہیں کرسکتا۔

اب جو آدمی خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کو دیکھے تو حضرات علمائے کرام کے یہاں اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: متقدمین یعنی اسلاف حضرات صحابۂ کرام اور تابعین کے یہاں تو یہ بشارت اس وقت ہے جب کہ نبیٔ کریم ﷺ کو اس دیکھنے والے نے حضور ﷺ کا جو حلیۂ شریفہ اور جو شکل وشباہت آپ کی حیات طیبہ میں تھی، اُسی شکل وشباہت میں دیکھا ہو۔ اس سلسلہ میں بھی متقدمین کے یہاں دو گروہ ہیں:

(۱) ایک گروہ کہتا ہے کہ: نبیٔ کریم ﷺ کے آخری دور میں یعنی بہ وقتِ وفات آپ کی زندگی کا جو آخری دور تھا، اُس وقت آپ ﷺ کی جو شکل وصورت تھی، خواب میں بعینہٖ اسی طرح دیکھے تو اس کے متعلق یہ گارنٹی اور بشارت ہے؛ اس لیے کہ آدمی کی جوں جوں عمر بڑھتی ہے، چہرے کے نقوش میں بھی فرق آتا ہے، تو نبیٔ کریم ﷺ کی وفات سے پہلے جو شکل وصورت تھی، اس میں اگر دیکھتا ہے تو یہ بشارت ہے۔

(۲) دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ: پوری حیاتِ طیبہ میں یعنی کسی بھی دَور میں آپ ﷺ کی جو شکل وصورت رہی ہو، چاہے جوانی کی ہو، یا ادھیڑ عمر کی، یا بڑھاپے کی؛ جو بھی عمر ہو، اس نے نبیٔ کریم ﷺ ہی کو دیکھا۔ اور اگر اس کے علاوہ کوئی اَور شکل میں دیکھا تو حضور ﷺ کو نہیں دیکھا۔ اس لیے حضرات صحابہ اور تابعین کے یہاں معمول تھا کہ، اگر کوئی کہتا کہ: میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، تو لوگ پوچھتے تھے کہ کس شکل میں دیکھا؟ ذرا بتلاؤ، جب وہ بتلاتا اور تفصیل وہی ہوتی جو احادیث مبارکہ میں آئی ہے، تو کہتے تھے کہ ٹھیک ہے، اور اگر کوئی دوسری تفصیل ہوتی تو کہتے: تم نے نہیں دیکھا، منع کردیتے تھے۔

متأخرین یوں کہتے ہیں کہ: دیکھنے والا جب خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کو دیکھ رہا ہوتا ہے، عین

اُس وقت وہ خواب کی حالت میں یہ یقین کر رہا ہے کہ میں جسے دیکھ رہا ہوں اور جس کے دیدار سے مشرف ہو رہا ہوں، وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، چاہے اس شخصیت کا حلیہ اور شکل وشباہت، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل وشباہت- جو احادیث میں آئی ہے- کے مطابق نہ ہو، تو گویا اس نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو دیکھا، اور جو فرق آپ کے حلیے میں محسوس کیا ہے وہ فرق اس آدمی کے حالات پر محمول کیا جائے گا، گویا اس کے دینی حالات میں کچھ کمی ہے جس کا اثر ظاہر ہوا ہے، جیسا ایک آدمی سورج کو کھلی آنکھوں سے دیکھے تو اس کو سورج جیسا ہے ویسا دکھے گا، اور ہرا چشمہ لگا کر دیکھے تو ہرا نظر آئے گا، تو یہ مختلف رنگ سورج کے نہیں ہیں؛ بلکہ اس دیکھنے والے نے جس طریقہ سے دیکھا ہے ویسا نظر آ رہا ہے۔ اس صورت میں خواب تعبیر کا محتاج ہوتا ہے، یعنی معبِّر سے پوچھے، وہ بتلائے گا کہ اس فرق کی وجہ تمھارا فلانہ عمل ہے، تمھارے اندر یہ کمزوری ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی تھا۔

اگر خواب میں دیکھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کا حکم دے رہے ہیں، تو اس سلسلے میں بھی علماء نے لکھا ہے کہ: قرآن اور حدیث کے دلائل سے جو چیزیں ثابت ہیں، اور خواب میں جو چیز کہی گئی وہ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرے، اور اگر وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو یہ خواب دیکھنے والے کا قصور اور کمی ہے، گویا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو کما حقہٗ سمجھا یا سنا نہیں ہے؛ کیوں کہ قرآن وحدیث کے مطابق جو ہے وہ اصل شریعت ہے، اسی کے مطابق اس کو جانچا جائے گا، اگر خدانخواستہ الگ ہے، تو اس چیز پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

٣٩٦ – حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي .

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَأَبُو مَالِكٍ هَذَا هُوَ: سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ، وَطَارِقُ بْنُ أَشْيَمَ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَادِيثَ .

قَالَ أَبُو عِيسَى: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ يَقُولُ: قَالَ خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ: رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ صَاحِبَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَا غُلَامٌ صَغِيرٌ .

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشجعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔

ابو عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس روایت کے راوی ابو مالک اشجعی کا نام سعد بن طارق ابن اشیم ہے، ان کے والد (جن سے یہ روایت نقل کرتے ہیں) کا نام طارق ابن اشیم ہے، اور یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی ہیں۔ انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت ساری احادیث نقل کی ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے علی ابن حجر کو یہ فرماتے ہونے سنا کہ: خلف ابن خلیفہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی عمرو ابن حریث کی زیارت کی ہے جب کہ میں چھوٹا بچہ تھا، (یعنی یہ تابعی ہے)۔

افادات: اگر وہی شکل ہے جو آپ کا حلیہ تھا تو اس صورت میں علماء فرماتے ہیں کہ: خواب تعبیر کا محتاج نہیں ہے، اور اگر اس میں کچھ فرق ہے تو اس کی تعبیر پوچھی جائے گی، اور حلیہ وحالات کی تبدیلی، دیکھنے والے پر محمول ہوگی۔

٣٩٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ابْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُنِي. قَالَ أَبِي: فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَقُلْتُ: قَدْ رَأَيْتُهُ، فَذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقُلْتُ: شَبَّهْتُهُ بِهِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إِنَّهُ كَانَ يُشْبِهُهُ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا؛ کیوں کہ شیطان میری شکل نہیں بنا سکتا۔ عاصم ابن کلیب اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، کہ میں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے بیان کی، پھر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا، تو مجھے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت کو دیکھ کر) حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا تصور آ گیا۔ اور میں نے عرض کیا کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مشابہ پایا، میری یہ بات سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: بے شک! حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشابہ تھے۔

افادات: فَذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ إلخ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ دونوں بھائی ہیں، یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشابہ تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ نصفِ اعلیٰ یعنی

سینے سے اوپر تک کا حصہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھا، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نصفِ اسفل یعنی سینے سے لے کر نیچے پاؤں تک کا حصہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھا، گویا یہ دونوں بھائی مل کر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شباہت پیش کرتے تھے۔ یوں تو بنو ہاشم میں سات حضرات تھے جو شکل وشباہت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے:

(۱) حضرت حسن رضی اللہ عنہ، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ ہیں۔

(۲) حضرت حسین رضی اللہ عنہ، یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی کے بیٹے ہیں، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے بھی ہوتے ہیں اور داماد بھی۔

(۴،۵) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے: حضرت فضل اور حضرت قثم رضی اللہ عنہما، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے میں شریک تھے۔

(۶) ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے چچا حارث ابن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ ابوسفیان شاعر تھے، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہوتے ہیں، اور آپ کو نبوت ملنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی دوستی تھی، پھر جب آپ پر وحی شروع ہوئی اور آپ نے ایمان اور اسلام کی دعوت دینی شروع کی، تو آپ کے پکے دشمن بن گئے، پھر اللہ نے آپ کو ہدایت دی اور فتحِ مکہ کے موقع پر ایمان لائے، غزوۂ حنین میں جس وقت مسلمانوں کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے تھے، اُس وقت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کو یہی پکڑے ہوئے تھے اور جمے ہوئے تھے۔

(۷) مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی: عقیل کے بیٹے ہیں۔

٣٩٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَوْفُ بْنُ أَبِي جَمِيلَةَ، عَنْ يَزِيدَ الْفَارِسِيِّ - وَكَانَ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ - قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي النَّوْمِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إِنَّ رَسُولَ اللهِ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَتَشَبَّهَ بِي، فَمَنْ رَآنِي فِي النَّوْمِ فَقَدْ رَآنِي، فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَنْعَتَ هَذَا الرَّجُلَ

الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّوْمِ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَنْعَتُ لَكَ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، جِسْمُهُ وَلَحْمُهُ أَسْمَرُ إِلَى الْبَيَاضِ، أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ، حَسَنُ الضَّحِكِ، جَمِيلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ، قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ، قَدْ مَلَأَتْ نَحْرَهُ - قَالَ عَوْفٌ: وَلَا أَدْرِي مَا كَانَ مَعَ هَذَا النَّعْتِ - فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقَظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هَذَا .

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَيَزِيدُ الْفَارِسِيُّ هُوَ: يَزِيدُ بْنُ هُرْمُزَ، وَهُوَ أَقْدَمُ مِنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ، وَرَوَى يَزِيدُ الْفَارِسِيُّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَحَادِيثَ، وَيَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ لَمْ يُدْرِكِ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَهُوَ يَزِيدُ بْنُ أَبَانَ الرَّقَاشِيُّ، وَهُوَ يَرْوِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَيَزِيدُ الْفَارِسِيُّ، وَيَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ كِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، وَعَوْفُ بْنُ أَبِي جَمِيلَةَ هُوَ: عَوْفٌ الْأَعْرَابِيُّ .

حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ الْبَلْخِيُّ، حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَ: قَالَ عَوْفٌ الْأَعْرَابِيُّ: أَنَا أَكْبَرُ مِنْ قَتَادَةَ .

ترجمہ: حضرت عوف بن ابی جمیلہ، یزید فارسی - یہ قرآن کے نسخے لکھا کرتے تھے - سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حیات میں مَیں نے خواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ: مَیں نے خواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: شیطان میں اتنی طاقت نہیں کہ میری شباہت اختیار کر سکے؛ اس لیے جس نے خواب میں مجھے دیکھا وہ یقین کرلے کہ اس نے مجھے ہی دیکھا۔ تم نے جس ہستی کو خواب میں دیکھا کیا تم ان کا حلیہ بیان کر سکتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں آپ کے سامنے ان کا حال بیان کرتا ہوں: کہ وہ ایک (معتدل القامت) آدمی تھے (جن کا قد: لمبے اور پستہ قد؛ اور تن: فربہ اور نحیف بدن) دو آدمیوں کے درمیان کے۔ جن کے جسم اور بدن کا رنگ گندمی مائل بہ سفیدی تھا، آنکھیں سرمگیں تھیں، مسکراہٹ بڑی پیاری تھی، چہرے کے دائرے اور گولائی خوبصورت تھی، ان کی ڈاڑھی یہاں (اس کان) سے یہاں (اُس کان یا ٹھوڑی) تک بھری ہوئی تھی، اور پورے سینے کو بھر دیا تھا۔ عوف کہتے ہیں کہ: مجھے معلوم اور یاد نہیں کہ اس کے ساتھ مزید کیا حلیہ بیان کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیداری کی حالت میں زیارت کرتے تو شاید اِس وقت جو تفصیل بیان کی اس سے زیادہ آپ ان کا حلیہ بیان نہ کر سکتے۔

ابوعیسیٰ فرماتے ہیں: یزید فارسی، یہ یزید بن ہرمز ہیں، ان کا زمانہ یزید رقاشی سے پہلے کا ہے، یزید فارسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی روایتیں نقل کی ہیں، جب کہ یزید رقاشی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نہیں دیکھا، اور یہ یزید بن ابان رقاشی ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں، اور یزید فارسی اور یزید رقاشی دونوں بصری ہیں، اور عوف بن ابی جمیلہ وہی عوف اعرابی ہیں۔ نضر بن شمیل فرماتے ہیں کہ: عوف اعرابی کہتے ہیں کہ: مَیں عمر میں قتادہ سے بڑا ہوں۔

افادات: وَكَانَ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ: یزید فارسی رحمۃ اللہ علیہ کا کام یہ تھا کہ وہ قرآن پاک لکھا کرتے تھے، اس کی برکت سے اللہ پاک نے ان کو خواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب فرمائی۔

هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَنْعَتَ: پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ متقدمین کے یہاں باقاعدہ دریافت کرتے تھے کہ جس شخصیت کو دیکھا وہ وہی چہرہ ہے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیۂ شریفہ بتلایا جاتا ہے۔

لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقَظَةِ إلخ: کہنے کا مطلب یہ تھا کہ: تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی دیکھا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس قصہ کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، شیطان میری شکل وصورت نہیں بنا سکتا، پیش کرنا تھا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: یزید فارسی کا نام یزید ابن ہرمز ہے، ایک دوسرے یزید نام کے تابعی ہیں: یزید رقاشی۔ یزید فارسی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے احادیث نقل کرتے ہیں، اور یزید رقاشی نے تابعی ہونے کے باوجود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نہیں دیکھا، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، یعنی دونوں تابعی ہی ہیں؛ لیکن یزید فارسی، یزید رقاشی کے مقابلہ میں ذرا پرانے ہیں، دونوں بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ اس واقعہ کو یزید فارسی سے نقل کرنے والے عوف ابن ابی جمیلہ ہیں ان کو ''عوف اعرابی'' کے نام سے لوگ جانتے ہیں، اور ان کے متعلق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یہ بات پیش کی، وہ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت قتادہ ابن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں بڑا ہوں۔

٣٩٩ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: قَالَ أَبُو قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ

رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ رَآنِي - يَعْنِي فِي النَّوْمِ - فَقَدْ رَأَى الحَقَّ .

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے سچا خواب دیکھا۔ (وہ خواب کوئی وہم اور شیطانی دھوکا نہیں ہے، واقعتاً مجھے ہی دیکھا ہے)۔

٤٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَيَّلُ بِي، قَالَ: وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا؛ اس لیے کہ شیطان میری شکل وشباہت نہیں بنا سکتا۔ اور فرمایا: مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔

افادات: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ: اسی مضمون کی وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ إلخ: اس کے مطلب میں علماء نے بڑی تفصیلات بیان کی ہیں:

(۱) بعض کہتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا مقصد ہے؟۔

(۲) بعض نے یوں کہا کہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی شروعات ہوئی تو پہلے چھ مہینے وہ تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے خواب دیکھتے تھے، جس کا ظہور دن کے وقت بالکل سفیدیٔ صبح کی طرح آجاتا تھا، یہ چھ مہینہ کا زمانہ تھا، اور پورا دورِ نبوت جس میں آپ پر وحی نازل ہوتی رہی وہ تیئیس سال کا ہے، اس اعتبار سے چھ مہینہ کی حیثیت پورے تیئیس سال کی نسبت سے چھیالیسویں ہوتی ہے۔

(۳) بعضوں نے کہا ہے کہ: نبوت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کو خبریں بہ ذریعۂ وحی بھیجتے ہیں، تو بہت سی مرتبہ خواب کے ذریعہ سے بعض ایسے غیبی حقائق جن کو آدمی بیداری میں معلوم نہیں کر سکتا معلوم ہوتی ہیں، اس معنیٰ کر کے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا؛ لیکن اس مطلب پر بھی کچھ اشکالات اور جوابات ہیں۔

٤٠١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: إِذَا ابْتُلِيتَ بِالْقَضَاءِ فَعَلَيْكَ بِالْأَثَرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب عہدۂ قضاء میں مبتلا ہو جاؤ تو آثار ومنقولات کا اتباع کرو۔

افادات: آخر میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ دو آثار پیش کر رہے ہیں۔

عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: یہ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث بھی ہیں، صوفی بھی ہیں اور فقیہ بھی ہیں۔

إِذَا ابْتُلِيتَ بِالْقَضَاءِ: یعنی اگر تم کو نہ چاہنے کے باوجود حکمرانوں کی طرف سے قضا کے عہدہ پر فائز کیا جائے، یہ ذمہ داری سونپی جائے۔

فَعَلَيْكَ بِالْأَثَرِ: یعنی وہ فیصلے جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضراتِ صحابہ اور حضرات تابعین نے کیے ہیں انھیں لازم پکڑو۔ فیصلے محض عقلی طریقہ سے انجام نہیں دے سکتے؛ بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور ان کے فیصلے، اور حضراتِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال اور ان کے فیصلے؛ یہ ساری چیزیں تمھارے سامنے رہنی چاہیے، اس کو سامنے رکھ کر تم کسی چیز کا فیصلہ شریعت کے مطابق کر سکتے ہو۔ یعنی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہے، یہ بتلانا چاہتے ہیں۔

٤٠٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: هَذَا الْحَدِيثُ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ.

ترجمہ: حضرت محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ علمِ حدیث بھی دین ہے؛ لہٰذا دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟۔

ابْنِ سِيرِينَ: یہ بہت بڑے تابعی ہیں اور خواب کی تعبیر کے امام سمجھے جاتے ہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ إلخ: یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات تم لیتے ہو، سنتے ہو، پڑھتے ہو، سمجھتے ہو، دوسروں کو بتلاتے ہو، تو کہتے ہیں کہ یہ سب دین کا حصہ ہے تو تم دیکھ لو کہ حدیث کس سے حاصل

کرر ہے ہو؟ تمھارے اساتذہ کون ہیں؟ جن سے تم اس علم کو حاصل کرتے ہو؛ اس لیے کہ یہ علم ثقہ اور عادل لوگوں سے ہی حاصل کیا جاتا ہے، ایسے حضرات جو دین کے معاملہ میں قابل اعتماد ہوں، جن پر بھروسہ کیا جاتا ہو، اور جو شریعت کی نگاہ میں معتمد اور قابل اطمینان ہوں، ان سے علمِ حدیث حاصل کرو؛ اس لیے کہ یہ دین ہے۔ اسی لیے حضرات محدثین نے حدیث کے راویوں کے لیے بہت کڑی شرطیں رکھی ہیں، ان شرطوں کے مطابق جو راوی ہوگا وہ اس قابل ہوگا کہ حدیث قبول کرنے کے معاملہ میں اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی، اللہ نے اپنے فضل سے اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائی۔